بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

جدید نصاب

افہام الحدیث والفقہ والتاریخ

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ

جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی

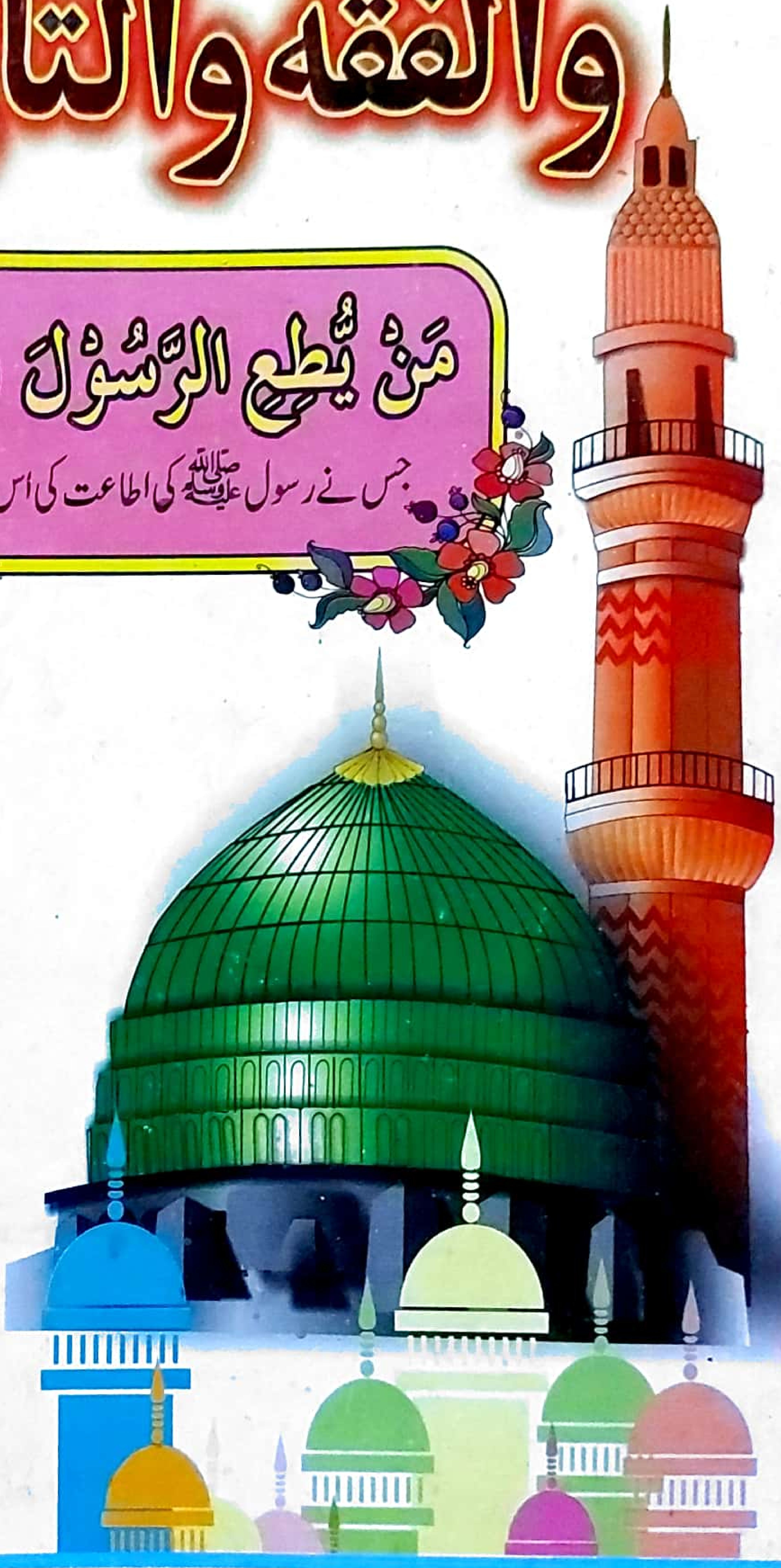

- پروفیسر مغیث الدین
- پروفیسر ذوالفقار علی قیصرانی
- پروفیسر محمد اسلم ملک
- پروفیسر محمد اظہر حسن
- پروفیسر مسز طاہرہ سلام
- پروفیسر مسز سلوت مقبول
- پروفیسر مسز شگفتہ اشرف

AFHAAM افہام

قریشی برادرز پبلشرز

چوک اُردو بازار لاہور پاکستان

فون: 7232294

بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے جدید نصاب کے مطابق معیاری اور منفرد کتاب

اثمار الحدیث والفقہ والتاریخ

انشائی طرز معروضی طرز

جدید نصاب

برائے بی۔اے، پرچہ ب

پروفیسر ذوالفقار علی قیصرانی
شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج ڈیرہ غازیخان

پروفیسر مسز طاہرہ سلام
پرنسپل
گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ملتان

پروفیسر محمد اسلم ملک
شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ کالج بوسن روڈ، ملتان

پروفیسر مسز سلوت مقبول
صدر شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ساہیوال

پروفیسر محمد اظہر حسن
صدر شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ کالج، عارف والا

پروفیسر مسز شگفتہ اشرف
شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین ملتان

سرپرست اعلیٰ
پروفیسر مغیث الدین
سابق صدر شعبہ اسلامیات دعربی
گورنمنٹ علمدار حسین ڈگری کالج، ملتان

قریشی برادرز پبلشرز
چوک اردو بازار
لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق مصنف و پبلشر محفوظ ہیں

کوئی ادارہ یا کوئی شخص اس کتاب کے نام اس کے کسی حصہ یا
مواد کو پبلشر کی اجازت کے بغیر شائع کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

اشاعت ------------------- 2008 – 2009ء
قیمت: ------------------- 137:50
طابع: ------------------- عبدالصمد قریشی
مطبع: ------------------- حافظ جمیل پرنٹرز لاہور

نوٹ:

زیر نظر کتاب کو بہت احتیاط اور تحقیق کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور کوشش یہ کی گئی ہے کہ کتاب میں کوئی لفظ/ جملے میں یا پھر زیر زبر کی غلطی نہ پائی جائے اگر پھر بھی کوئی غلطی غیر دانستہ طور پر رہ جائے تو ادارے کو مطلع کر کے شکریہ کا موقع دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں غلطی کو درست کر کے اسے بہتر بنایا جا سکے۔

شکریہ

انتساب

ان فاضل اساتذہ علوم اسلامیہ
کے نام
جن کا خلوص اور تعاون ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا

یا اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما

پیش لفظ

بی اے علوم اسلامیہ (اختیاری) کا نصاب دو پرچوں پر مشتمل ہے۔ پہلا پرچہ سورہ البقرہ اور سورہ النور کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔ یہ پرچہ ہماری کتاب ''افہام القرآن'' کے نام سے طلبہ اور اساتذہ میں پہلے ہی متعارف ہے۔

زیر نظر کتاب ''افہام الحدیث وَالْفِقْہ'' بی اے علوم اسلامیہ (اختیاری) پرچہ (ب) کے جدید نصاب پر مشتمل ہے جو یکساں اہمیت کے تین اجزاء کی جامع ہے۔ یعنی حدیث' فقہ اور سیرت و تاریخ اسلام' حصہ حدیث میں ساٹھ منتخب حدیثیں' حصہ فقہ میں کتاب الصلوٰۃ اور حصہ سیرت و تاریخ میں مختلف اہم موضوعات شامل نصاب ہیں۔

مجوزہ نصاب میں شامل ساٹھ احادیث کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ اور تشریح سادہ اور آسان انداز میں کی گئی ہے۔ فقہ کے پانچ مکاتب فکر کا تعارف اور مآخذ شریعت کی وضاحت جامع اور دلکش پیرائے میں پیش کی گئی ہے۔

نصاب میں شامل کتاب کا تیسرا حصہ جو سیرت نبوی اور تاریخ اسلام پر مشتمل ہے نہایت اہم ہے۔ اس کے عنوانات جدید عصری تقاضوں کے مطابق ہیں۔ یہ حصہ پروفیسر ڈاکٹر محمد نواز چودھری کے طویل تدریسی و علمی تجربات کا نچوڑ ہے۔ اس حصے میں معلومات' محنت دیانت اور غیر جانبداری سے جمع کی گئی ہیں۔ انداز بیان غیر متعصبانہ' دلکش اور محققانہ ہے۔ عنوانات کی وضاحت جامع انداز میں طلبہ اور اساتذہ کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب و تالیف میں پروفیسر محمد اسلم ملک' پروفیسر محمد عیسیٰ خان کھوسہ اور پروفیسر مسز سلوت مقبول کا تعاون بے حد مفید اور اہم رہا ہے۔

ہماری یہ کتاب مندرجہ ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

Scanned with CamScanner

1- احادیث کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ دیا گیا ہے تاکہ فہم میں آسانی ہو۔

2- تشریح احادیث میں جامعیت اور مقصدیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

3- معلومات کو پیش کرنے میں وسعتِ نظر اور علمی تحقیق کو دلیل بنایا گیا ہے۔

4- طلبہ و طالبات کی امتحانی ضروریات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

5- عام پڑھنے والوں کے لیے بھی کتاب میں دلچسپی کا سامان موجود ہے۔

ہم اپنے پبلشر اور محسن جناب عبدالصمد قریشی کے بھی ممنون ہیں جنھوں نے کتاب کی طباعت و اشاعت میں اپنی انتھک کوشش بروئے کار لا کر طلبہ اور اساتذہ کو بروقت جدید نصاب کے مطابق معیاری کتاب مہیا کر دی ہے۔

عزیز طلبہ و طالبات! کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے اور یہ فیصلہ آپ ہی کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں۔

ہاں البتہ! اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو وہ سراسر عطیۂ خداوندی ہے اور اگر اس میں کوئی خامی رہ گئی ہے تو وہ ہماری کوتاہی اور کم علمی کا نتیجہ ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کے مخلصانہ مشوروں کا خیر مقدم کیا جائے گا اور آئندہ ایڈیشن میں ان کی بتائی ہوئی خامیوں کو دور کیا جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہیں کہ اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔ وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ.

مؤلفین

جدید نصاب بی۔اے اسلامیات (اختیاری)

پرچہ (ب) برائے سال 2002ء و مابعد

بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

پرچہ ب (حدیث، سیرۃ فقہ اور تاریخ اسلام)	کل نمبر 100
1- حدیث	30(15 + 15)
2- سیرۃ النبی ﷺ	15
3- تعارف فقہ	10
4- مسائل فقہ	20
5- تاریخ اسلام	15
6- معروضی سوال	10

نصاب کی تفصیل

پرچہ ب (حدیث، سیرۃ، فقہ اور تاریخ اسلام)

1- مطالعہ متن حدیث (30 = 15 + 15)

2- سیرۃ النبی ﷺ (15)

(i) نبی کریم ﷺ کے خصائص و امتیازات

(ii) دعوت دین میں نبی کریم ﷺ کا طریق کار اور مساعی جمیلہ

(iii) بنیادی انسانی حقوق، میثاق مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں۔

(iv) نبی کریم ﷺ کی معاشرتی تعلیمی، معاشی اور سیاسی حکمت عملی

3- تعارف فقہ (10)

(الف) بنیادی مآخذ فقہ (قرآن، حدیث، اجماع و قیاس)

(ب) معروف فقہی مسالک کا تعارف (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری) (20)

4- مطالعۂ مسائل فقہ

آسان فقہ از محمد یوسف اصلاحی (کتاب الصلوٰۃ) (15)

5- تاریخ اسلام (مسلمانوں کے علمی وتہذیبی کارنامے)

☆ امویوں اور عباسیوں کے عروج وزوال کے اسباب

☆ عہد بنوامیہ اور بنوعباس کی علمی اور تہذیبی سرگرمیاں

☆ تعلیمی نظام، عدالتی نظام، علوم کا ارتقاء (سائنسی وسماجی)

6- معروضی سوال نصاب کے تمام حصوں میں سے پوچھا جائے گا۔ (10)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1-	مطالعہ متن حدیث	10
2-	احادیث کا ترجمہ وتشریح	11
3-	سیرۃ النبی ﷺ	180
4-	نبی کریمؐ کے خصائص وامتیازات	181
5-	دعوت دین میں نبی کریمؐ کا طریق کار	194
6-	بنیادی انسانی حقوق	216
7-	نبی کریمؐ کی معاشی حکمت عملی	231
8-	نبی کریمؐ کی معاشرتی حکمت عملی	254
9-	نبی کریمؐ کی تعلیمی حکمت عملی	269
10-	نبی کریمؐ کی سیاسی حکمت عملی	281
	علم فقہ کا تعارف	292
11-	بنیادی ماٰخذ فقہ	295
12-	معروف فقہی مسالک کا تعارف	325
13-	مطالعہ مسائل فقہ	348
14-	نماز کے احکام ومسائل	349
15-	اوقات نماز کا بیان	361
16-	اذان اور اقامت کے مسائل	373
17-	فرائض نماز	375
18-	نفل نمازوں کے احکام ومسائل	400
19-	مسجد کے احکام ومسائل	409
20-	جماعت کے احکام ومسائل	415
21-	امامت کے احکام ومسائل	423
22-	مقتدی کے احکام ومسائل	426
23-	قراءت کے احکام ومسائل	429
24-	سجدۂ سہو کے احکام ومسائل	432
25-	قضا نماز کے احکام ومسائل	436
26-	معذور/بیمار کی نماز کے احکام ومسائل	439
27-	مسافر کی نماز کے احکام ومسائل	441
28-	نماز جمعہ کے احکام ومسائل	445
29-	عیدین کے احکام ومسائل	461
30-	موت اور بیماری کے احکام ومسائل	467
31-	نماز جنازہ کے احکام ومسائل	473
	تاریخ اسلام	
32-	مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب	481
33-	ملت اسلامیہ کے عروج کے اسباب	486
34-	بنوامیہ کے زوال کے اسباب	498
35-	بنوعباس کے زوال کے اسباب	503
36-	عہد بنوامیہ وبنوعباس کا تعلیمی نظام	508
37-	عہد بنوامیہ وبنوعباس کا عدالتی نظام	515
38-	عہد بنوامیہ وبنوعباس میں علوم کا ارتقاء	528
39-	معروضی سوالات	547
40-	ماڈل پیپرز	558

Scanned with CamScanner

حدیث

مطالعہ حدیث

60 احادیث کا ترجمہ و تشریح

نوٹ: (اس حصے میں سے 30 نمبر کا سوال آئے گا)

حدیث: 1 بہترین اسلام

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلاً سَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ

اور سے عبداللہ بن عمرو بیشک آدمی سوال کیا رسول اللہ

اور عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ

صلی اللہ علیہ وسلم کونسا اسلام بہتر کہا تو کھلائے

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے

الطَّعَامَ وَتَقْرَئُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ

کھانا اور تو کہے سلام پر جو تو پہچانے اور جو نہیں

آپؐ نے فرمایا کہ تو کھانا کھلائے اور ہر واقف اور ناواقف کو

تَعْرِفْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

تو پہچانے۔ بخاری و مسلم دونوں نے اسے روایت کیا ہے۔

سلام کرے۔ (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

اَنَّ	:	بے شک: یقیناً
رَجُلاً	:	بے شک: یقیناً
سَاَلَ	:	پوچھا: سوال کیا۔
اَیُّ + الْاِسْلَام	:	کون سا + سوال

خَیْرٌ	:	بہتر۔ اچھا۔
قَالَ	:	کہا۔
تُطْعِمُ الطَّعَامَ	:	تو کھانا کھلائے، طعام کھانا
تَقْرَئُ	:	تو کہے۔ تو پڑھے۔
عَلٰی	:	پر۔ اوپر
مَنْ	:	جو شخص۔ جسے
عَرَفْتَ	:	تو نے پہچانا
لَمْ تَعْرِفْ	:	تو نے نہ پہچانا

تشریح حدیث ❶ :

اسلام خیرخواہی اور خدمتِ خلق کا دین ہے۔ اس حدیث میں خدمتِ خلق کے طور پر بھوکے کو کھانا کھلانا اور خیرخواہی کے طور پر واقف اور ناواقف کو سلام کا تحفہ دینے کی تلقین کی ہے۔

روٹی اور غذا کی ضرورت بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ اگر اس بنیادی ضرورت کو پورا نہ کیا جائے تو نہ ایمان رہتا ہے نہ اسلام۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔

یعنی تنگدستی اور فقر کفر تک پہنچانے والی شے ہے۔ کھانا کھلانا گویا غریبوں کے ایمان کو محفوظ کرنا ہے۔ اس لیے قرآن میں مساکین اور بھوکوں کو کھانا کھلانے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

"وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ (الدّھر: ۸)

"اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

یتیم سے بے رُخی اور مسکین کو کھانا نہ کھلانا یوم جزا کے انکار کا نتیجہ ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ (الماعون: ۱-۳)

"اے نبی کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو یوم جزا کو جھٹلاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتا۔"

اس کا بڑا سبب حب زر اور بخل ہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ (الفجر: ۱۷-۱۸)

"ہرگز نہیں تم بوجہ بخل یتیم کی خاطر تواضع نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔"

اسی طرح حدیث میں تو ایمان اور کھانا کھلانے کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ۔ (بخاری)

"وہ کامل مومن نہیں جو خود تو شکم سیر ہو کر کھائے جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔"

دوسرا عمل یعنی ہر واقف ناواقف کو سلام کہنا خیرخواہی کا عمل ہے۔ اہل اسلام میں سلام کی باہمی اشاعت اور رواج کو معاشرتی ضرورت اور دینی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ اس میں واقف اور ناواقف کی قید نہیں۔ جس میں سب سے بڑی مصلحت یہ ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملے تو اسے سلامتی، امن و امان کا پیغام اور دینی و دنیاوی بھلائی کی نوید سنائے تاکہ معاشرہ سے اجنبیت ختم ہو اور پیار و محبت، الفت اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ صرف اس لئے بازار جایا کرتے تھے کہ لوگوں کو سلام کہیں۔ سلام کرنے والا السلام علیکم کہے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جواب دینے والا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے تو اسے بیس نیکیاں ملتی ہیں۔ اسی طرح وَبَرَكَاتُهٗ اور وَمَغْفِرَتُهٗ کا مزید اضافہ دس دس مزید نیکیوں کا اضافہ کرتا ہے۔

اطعام الطعام اور **اِفْشَاءُ السَّلَام** دو ایسی ضروریات ہیں جن میں سے ایک مادی اور معاشرتی ضرورت کی کفیل ہے جبکہ دوسری روحانی یکجہتی اور نفسیاتی مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔ دین اسلام ان دونوں قسم کی ضروریات کو پورا کرتا ہے تاکہ معاشرہ میں اخوت و خیر خواہی کا چلن عام ہو۔

اہم نکات

حدیث میں دو امر کی تاکید ہے۔

۱۔ کھانا کھلانا اور ۲۔ سلام پھیلانا

اس سے مسلم معاشرے میں اخوت و مساوات، محبت و الفت پیدا ہوتی ہے۔ غرور و تکبر، بیگانگی اور اجنبیت ختم ہوتی ہے اور بقول رسول مقبول ﷺ اہل اسلام کا بول بالا ہوتا ہے۔

اَفْشُوا السَّلَامَ كَيْ تَعْلُوْا۔ "سلام کو پھیلاؤ تاکہ تم سربلند ہو۔"

Scanned with CamScanner

حُقُوقِ مومن

حدیث : ۲

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

اور سے ابوہریرہ کہا کہا رسول اللہ ﷺ

اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَی الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ

لئے مومن پر مومن چھ خصائل

نے فرمایا کہ ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں- جب وہ بیمار پڑے تو اس کی

یَعُوْدُہٗ اِذَا مَرِضَ وَ یَشْھَدُہٗ اِذَا مَاتَ وَ یُجِیْبُہٗ

اس کی عیادت کرے جب وہ بیمار ہوا اور موجود اس کے جب وہ مرگیا اور وہ قبول کرے

عیادت کرے اور جب وفات پائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو اور جب وہ اُسے

اِذَا دَعَاہُ وَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِذَا لَقِیَہٗ، وَ یُشَمِّتُہٗ

جب اس کو بلائے اور وہ سلام اس پر جب اس کو ملے اور اس کی تشمیت

دعوت دے تو اُسے قبول کرے اور جب اس کو ملے تو اس کو سلام کرے،اور

اِذَا عَطَسَ وَیَنْصَحُ لَہٗ اِذَا غَابَ اَوْشَھِدَ۔

جب وہ چھینکے اور خیرخواہی اس کے لئے جب غائب یا موجود

جب وہ چھینک مارے تو یرحمک اللہ کہے اور غائب یا موجود ہو تو اس کی خیرخواہی کرے-

شرح الفاظ:

سِتٌّ	:	چھ
خِصَالٌ	:	واحد خَصْلَۃٌ -عادت- یہاں حق مراد ہے-
یَعُوْدُ+ہٗ	:	عیادت کرتا ہے+اس کی
یَشْھَدُ+ہٗ	:	حاضر ہوتا ہے جنازے میں+اس کے
دَعَا	:	دعوت دی- بلایا
لَقِیَہٗ	:	اس سے ملاقات کرلے
یُشَمِّتُہٗ	:	اس کو چھینک کا جواب دیتا ہے
عَطَسَ	:	اسے چھینک آئی
یَنْصَحُ	:	وہ خیرخواہی کرتا ہے

تشریح حدیث ۲:

اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد سے مرکب ہے- اس حدیث میں اہل ایمان کے چھ حقوق بیان کئے گئے ہیں-

۱- مریض کی تیمارداری:

جب ایک مومن بیمار ہو تو اس کی تیمارداری اور بیمار پرسی دینی فریضہ ہے- آنحضور ﷺ نے بھی عیادت کی تلقین فرمائی ہے اور عملی اسوہ حسنہ بھی پیش کیا ہے- مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرنا جنت کی راہ پر چلنا ہے-'' مزید فرمایا:

''جب کوئی صبح کو کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور جب شام کو بیمار پرسی کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اس کی بخشش کی دعا کرتے ہیں-'' نبی رحمت ﷺ بیمار پرسی کے لئے سرگرم رہتے تھے جب کوئی صحابی بیمار پڑ جاتا تو آپ بڑے اہتمام سے اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جاتے- کچھ دیر اس کے پاس بیٹھتے، اسے تسلی دیتے اور دعا کرتے حتیٰ کہ آپ دشمنان اسلام یہودیوں اور منافقوں کی بھی عیادت فرمایا کرتے تھے-

Scanned with CamScanner

عیادت کے آداب:

مریض سے زیادہ باتیں نہ کی جائیں نہ اس کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھا جائے اور نہ آواز بلند کی جائے بلکہ اس سے دعا کی درخواست کی جائے۔ ارشادِ نبوی ہے ”جب تم کسی مریض کے پاس عیادت کے لئے جاؤ تو اس سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرو کیونکہ مریض کی دعا ایسی ہے جیسی فرشتوں کی دعا۔“ آپ ﷺ کی مریض کے لئے یہ دعا ہوتی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَاسَ، رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِہٖ وَاَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَائُکَ لَایُغَادِرُ سَقَمًا۔

”اے اللہ! اس کی تکلیف کو دور کر دے۔ اے انسانوں کے رب! اس کو شفا عطا فرما تو ہی شافی ہے تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں تو ایسی شفا دے کہ بیماری کا نام نشان باقی نہ رہے۔“

۲۔ جنازے میں شرکت:

ایک مسلمان کی مرگ پر اس کی تجہیز وتکفین اور جنازہ میں شرکت بھی دینی حق ہے۔ یہ حق فرض کفایہ ہے اگر چند اہل محلہ جنازہ میں شریک ہوں تو عام مسلمانوں کی طرف سے یہ فریضہ ادا ہوتا ہے ورنہ تمام اہل محلہ گناہ گار ہوتے ہیں۔ جنازہ میں شرکت کا بڑا اجر وثواب ہے ترمذی کی روایت ہے کہ ”جس نے جنازہ میں شرکت کی اور تین مرتبہ جنازہ کو کندھا دیا اس نے اپنا حق ادا کر دیا۔“ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ”جس نے ایمان و اخلاص کے ساتھ کسی مسلمان کے جنازہ میں شرکت کی، اسے ایک قیراط اجر ملے گا اور جو نماز جنازہ میں شریک ہوا اور دفن تک ساتھ رہا اسے دو قیراط ثواب ملے گا نیز فرمایا ایک قیراط پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔

۳۔ دعوت قبول کرنا:

دعوت سے مراد کھانے پر بلانا ہے یا مشکل میں بلانا مثلاً مالی امداد کی دعوت ہر دو قسم کی دعوت کا مثبت جواب اہل ایمان کا دینی فریضہ ہے۔ مالی امداد سے امداد باہمی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ بخل اور حرص کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کھانے کی دعوت سے باہمی پیار و محبت اور

اخوت بڑھتی ہے۔ اجنبیت ختم ہوتی ہے البتہ ایسی دعوت جہاں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہوتا ہے اسے رد کیا جاسکتا ہے مثلاً رقص کی مجلس، بیاہ شادی پر ناچ گانے کا اہتمام یہ تعاون علی الاثم کی شکل ہے ایسی دعوت کو ٹھکرا دینا چاہیے۔

۴۔ سلام کرنا:

سلام کرنا بھی دینی فریضہ ہے۔

سلام میں پہل کرنے والے کا زیادہ اجر ہے۔ وہ غرور و تکبر سے بری ہوجاتا ہے۔ سلام سے باہمی محبت بڑھتی ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جسے تم کرو تو باہمی محبت پیدا ہو اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ پس حدیث میں ہر واقف ناواقف، چھوٹے بڑے اہل خانہ پر بیٹھے چلتے شخص کو سلام کہنے کا حکم ہے اور یہی شعائر اسلام اور تحفہ انسانیت ہے۔ اگلی حدیث میں اس کی تفصیل دیکھئے۔

۵۔ تشمیت:

جب کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ کہے اور جو شخص پاس بیٹھا سن رہا ہے وہ یرحمک اللہ کہے یہ عمل شرعی اصطلاح میں تشمیت کہلاتا ہے۔ ناک میں غلیظ اور گندہ مادہ جمع ہوجاتا ہے جو مرض کا باعث ہوسکتا ہے۔ چھینک سے یہ مادہ خارج ہوجاتا ہے، طبیعت کھل جاتی ہے اور انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے جس پر اللہ کا شکر لازم ہے کیونکہ اطباء کا کہنا ہے اگر چھینک نہ آئے تو انسان کی موت واقع ہوسکتی ہے۔

۶۔ مسلمان کی خیرخواہی:

آخری حق ہر مسلمان کی خیرخواہی ہے خواہ وہ موجود ہو یا غیر موجود۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ یعنی دین خیرخواہی کا نام ہے پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ دوسرے مسلمان سے خیرخواہانہ رویہ رکھے، پیار محبت سے پیش آئے۔ اس کے دکھ درد میں شریک ہو اس کی فلاح و بہبود پر کمربستہ رہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ۔ (بیہقی)

”تمام مخلوق کنبہ خدا ہے۔ اللہ کا سب سے زیادہ محبوب وہ آدمی ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ سب سے زیادہ بھلائی اور خیرخواہی کرتا ہے۔“

Scanned with CamScanner

علاوہ ازیں اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں خیرخواہی کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی غیبت اورتہمت سے بچا جائے۔ اس کے علاوہ ریشہ دوانی اور سازش کا سدباب کیا جائے، ہمیشہ اس کے حق میں کلمہ خیر کہا جائے یہ دین اور ایمان کا تقاضا ہے۔ بقول شاعر ؎

یہی ہے مروت یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

حدیث: ۳ — آدابِ سلام

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اور اس سے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ
اور اُن ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ
وسلم سلام کرے سوار پر پیدل چلنے والا اور پیدل
فرمایا: کہ سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو سلام
عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ۔
پر بیٹھے ہوئے اور تھوڑے پر زیادہ
کرے۔ اور تھوڑے آدمی زیادہ کو سلام کریں۔
مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

شرح الفاظ:

اَلرَّاكِبُ : سوار
مَاشِيْ : پیدل چلنے والا
قَاعِدٌ : بیٹھا ہوا

آدابِ سلام کی حکمت اور فلسفہ

تشریح حدیث ۳:

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ کون کس کو سلام کہے۔

۱- سوار پیدل کو کہے۔
۲- راہ چلنے والا بیٹھے ہوئے لوگوں کو۔
۳- قلیل تعداد کثیر کو۔

فلسفہ:

ان آداب کا فلسفہ اور حکمت یہ ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں میں انکساری پیدا کرتا ہے اور غرور وتکبر اور نخوت کا خاتمہ کرتا ہے چنانچہ جہاں اور جس شخص میں تکبر کا امکان ہے اسے کہا گیا ہے کہ وہ سلام میں پہل کرے جیسا کہ حدیث میں ہے:

اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيْءٌ مِنَ الْكِبْرِ۔ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہوتا ہے۔

سوار اور راہ چلنے والا اونچی اور اعلیٰ پوزیشن میں ہوتا ہے لہٰذا اسے کہا گیا ہے کہ وہ سلام میں پہل کرے تاکہ تکبر کا امکان ختم ہوجائے۔ اسی طرح ایک یا دو قلیل تعداد کو اگر کثیر تعداد پہلے سلام کرے تو تکبر کا امکان ہے لہٰذا قلیل تعداد کو پہلے سلام کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام ہمیں بڑوں اور بزرگوں کا احترام سکھاتا ہے اس کی ایک شکل چھوٹے کا بڑی عمر والے کو پہلے سلام کرنا ہے۔

چنانچہ امام نووی شارح مسلم مذکورہ احکام کی حکمت یہی بیان کرتے ہیں۔ چھوٹا بڑوں کو اس لئے سلام کہے کہ بڑوں کا اکرام و احترام ضروری ہے اور چھوٹے کو چاہیے کہ بڑوں کے آداب بجا لائے۔ قلیل تعداد کو اس لئے سلام کا حکم ہے کہ کثیر کا حق ان کی نسبت مقدم ہے۔ امام نووی

Scanned with CamScanner

مزید فرماتے ہیں کہ مذکورہ آداب کو ملحوظ رکھنا استحباب کے درجہ میں ہے- اگر کوئی شخص ان کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ ایک افضل عمل کا تارک ہوگا گنہگار نہ ہوگا-

۱- سلام کا مفہوم

سلام کے لغوی معنی امن و سلامتی، عافیت و مصالحت اور خیرو سگالی کے ہیں- اسلامی اصطلاح میں سلام سے مراد وہ دعائیہ کلمات اور خیر سگالی کے جذبات ہیں جو مسلمان عندالملاقات ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں جس کے شرعی الفاظ یہ ہیں السلام علیکم تم پر سلامتی ہو-
دوسرا مسلمان بھی انہیں الفاظ کو دہراتے ہوئے جواب دیتا ہے وعلیکم السلام اور تم پر بھی سلامتی ہو-

۲- زمانہ جاہلیت میں سلام کا ہاتھ

اسلام کی آمد سے پہلے عربوں میں سلام کہنے کا رواج پایا جاتا تھا- وہ ایک دوسرے کو بوقت ملاقات صَبَاحٌ خَیْرٌ مَسَاءٌ خَیْرٌ کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے- آج کل فرنگی تہذیب میں گڈ مارننگ (Good Morning) اور گڈ ایوننگ (Good Evening) کے کلمات رائج ہیں- ظاہر ہے کہ یہ کلمات محدود وقت کے ساتھ مخصوص اور جامعیت اور وسعت سے عاری ہیں کیونکہ صبح اگر اچھی گزرے تو لازمی نہیں کہ تمام دن آرام سے بسر ہو اسی طرح اگر شام اچھی گزرے تو ضروری نہیں کہ آئندہ صبح بھی سکون و اطمینان ہی کا پیغام لائے- ان کلمات کی بجائے اسلام نے بوقت ملاقات ہمیں السلام علیکم کہنے کی تلقین کی ہے جس میں بڑی جامعیت اور وسعت کا مفہوم موجود ہے گویا آپ یہ الفاظ زبان پر لاکر ہر گھڑی ہر آن مخاطب کے ایمان، مال، جان، صحت اور عزت و آبرو کی سلامتی کی خاطر اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں- چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا- (۴-۸۶)

"جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر طور پر سلام کر دیا کم از کم اُسی طرح لوٹا دو-"

جس طرح آنحضرت نے سلام کی فضیلت و افادیت بتلائی ہے اسی طرح آپ نے سلام کے آداب و احکام کی پوری پوری وضاحت کی ہے ان مسائل کو سلام کرتے پیش نظر رکھنا چاہیے-

۱- سلام کہنے والا السلام علیکم کہے جواب دینے والا وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ کہے یعنی جواب میں کلمات کا اضافہ ہو-

۲- سلام بے غرض ہوکر کہا جائے اور سنت سمجھ کر کیا جائے خوشامد اور مطلب براری کے لئے سلام کہنا ناجائز ہے-

۳- سلام میں پہل کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ حدیث میں پہل کرنے والے کی فضیلت بیان ہوئی ہے-

۴- اگر ساری جماعت میں سے ایک آدمی سلام کہہ دے تو ساری جماعت کی طرف سے کافی ہے اسی طرح جواب میں بھی ایک آدمی جواب دے دے تو وہ ساری جماعت کی طرف سے متصور ہوگا-

۵- جب کوئی شخص راستہ میں بیٹھا ہو تو ہر سلام کرنے والے کا جواب دے اسی طرح سوار پیدل کو، کھڑا بیٹھے ہوئے کو اور باہر سے آنے والا گھر والوں کو سلام کہے-

۶- ہر واقف و ناواقف کو سلام کرنا چاہیے-

۷- مجلس میں آتے اور جاتے وقت سلام کرنا چاہیے-

۸- کوئی شخص گھر میں داخل ہو تو اسے سلام کہنا چاہیے اس طرح گھر سے رخصت ہوتے وقت بھی سلام کہنا چاہیے-

۹- اگر کسی مجلس میں مسلم اور غیر مسلم اکٹھے بیٹھے ہوں تو ان پر سلام کہنا بھی جائز ہے-

۱۰- گفتگو کرنے سے پہلے سلام کہا جائے-

۱۱- چھوٹے بچوں کو چاہیے کہ بڑوں کو سلام کہیں لیکن تعلیم و تربیت کے لئے اگر بڑے چھوٹوں کو سلام کہیں تو درست ہے جیسا کہ آنحضور ﷺ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کہتے-

۱۲- گفتگو اور مراسلت کا آغاز سلام سے کیا جائے-

غیر مسلموں کو خطاب یا مراسلت کے وقت اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی لکھا جائے جیسا کہ آنحضور ﷺ نے غیر مسلموں کو دعوتی خطوط لکھے تھے-

حدیث : ۴

آدابِ سلام

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اوراس سے کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ

اور اُن ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَ

سلام کرے چھوٹا پر بڑے اور گزرنے والا پر بیٹھا ہوا اور

کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو، اور

الْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

تھوڑے پر زیادہ

قلیل لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

شرح الفاظ:

قَاعِد : بیٹھا ہوا- قعود سے اسم فاعل بیٹھنے والا

مَارُّ : گزرنے والا- مرور سے اسم فاعل راہ چلنے والا

تشریح حدیث ۴:

سلام کے احکام و مسائل:

حدیث نمبر۴ اور ۵ میں بتایا گیا ہے کہ کون کس کو سلام کہے۔

۱- سوار پیدل کو کہے

۲- راہ چلنے والا بیٹھے ہوئے لوگوں کو

۳- قلیل تعداد کثیر تعداد کو اور

۴- چھوٹا بڑے کو سلام کہے۔

فلسفہ:

ان آداب کا فلسفہ اور حکمت یہ ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں میں انکساری پیدا کرتا ہے اور غرور و تکبر اور نخوت کا خاتمہ کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں اور جس شخص میں تکبر کا امکان ہے اسے کہا گیا ہے کہ وہ سلام میں پہل کرے۔ جیسا کہ حدیث ہے:

اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْئٌ مِنَ الْكِبْرِ-

"سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہوتا ہے۔"

سوار اور راہ چلنے والا اونچی اور اعلیٰ پوزیشن میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے کہا گیا ہے کہ وہ سلام میں پہل کرے تاکہ تکبر کا امکان ختم ہوجائے۔ اسی طرح ایک یا قلیل تعداد کو اگر کثیر تعداد پہلے سلام کرے تو تکبر کا امکان ہے۔ لہٰذا قلیل تعداد کو پہلے سلام کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام ہمیں بڑوں اور بزرگوں کا احترام سکھاتا ہے۔ اس کی ایک شکل چھوٹے کا بڑی عمر والے کو پہلے سلام کرنا ہے۔ چنانچہ امام نووی شارح صحیح مسلم مذکورہ احکام کی حکمت یہی بیان کرتے ہیں۔

"چھوٹا بڑوں کو اس لئے سلام کہے کہ بڑوں کا اکرام و احترام ضروری ہے اور چھوٹے کو چاہیے کہ بڑوں کے سامنے آداب و نیاز بجا لائے۔ قلیل تعداد کو اس لئے سلام کہنے کا حکم ہے کہ کثیر کا حق ان کی نسبت مقدم ہے۔"

امام نووی مزید فرماتے ہیں کہ مذکورہ آداب کو ملحوظ رکھنا استحباب کے درجہ میں ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ ایک افضل عمل کا تارک ہوگا، گنہگار نہ ہوگا۔

Scanned with CamScanner

مخلوط مجالس کو سلام

حدیث : ۵

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور سے اسامہ بن زید بیشک رسول اللہ ﷺ

اور حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ

مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ اَخْلَاطٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ

گزرے ایک مجلس پر اس میں ملے جلے سے مسلمان

ایک مجلس کے قریب سے گزرے جس میں مسلمان،

وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ

اور مشرکین پوجنے والے بتوں اور یہود پس سلام کیا ان پر-

مشرکین بت پرست اور یہود ملے جلے بیٹھے تھے آپ نے انہیں سلام کیا-

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

اَخْلَاطٌ : مخلوط- ملے جلے (واحد خَلِيْطٌ)

عَبَدَةٌ : عبادت کرنے والے (واحد عَابِدٌ) پجاری

اَوْثَانٌ : بُت - (واحد وَثَنٌ)

تشریح حدیث ۵:

اس حدیث کا مضمون بتاتا ہے کہ اگر کوئی مجلس مخلوط ہو اور جس میں مسلمان مشرکین اور اہل کتاب موجود ہوں تو ایسے مخلوط گروہ کو مسلمانوں کے لئے سلام کرنا جائز ہے- البتہ کفار اور اہل کتاب کو سلام کہنے میں اختلاف ہے- حدیث میں ہے کہ یہود کو سلام کی ابتداء نہ کی جائے- یہی حکم کفار اور مشرکین کا ہے- بعض اہل علم کا قول ہے کہ اہل کتاب کو "اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى" کہنا چاہیے، کیونکہ حضور ﷺ نے اپنے دعوتی خطوط میں سربراہان ممالک کو یہی الفاظ تحریر کئے تھے- پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے پوچھا گیا کہ کیا ہم اہل کتاب سے سلام کی ابتدا کر سکتے ہیں؟ فرمایا: ہم ان کو سلام کا جواب دیں گے مگر پہلے سلام نہیں کریں گے- جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

لَاتَبْدَءُ وا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ- (مسلم)

"یعنی یہود و نصاری کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو-"

اسی طرح اگر کسی غیر مسلم کو خط وغیرہ لکھنا ہو تو مسنون یہ ہے کہ السلام علیکم کی بجائے سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى لکھا جائے-

مکمل جواب

حدیث : ۶

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ

اور سے جابر کہا آیا میں نبی ﷺ میں

اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا

دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِيْ، فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا

قرضہ تھا پر باپ میرا پس کھٹکھٹایا میں نے دروازہ پس فرمایا کون

اس قرضہ کے بارے میں جو میرے باپ پر تھا- پس میں نے دروازہ کو کھٹکھٹایا آپؐ نے فرمایا کون ہے

Scanned with CamScanner

فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا–متفق عليه

تو کہا میں نے میں تو. فرمایا میں میں جیسے وہ ناپسند کیا اسے

میں نے کہا میں تو فرمایا ''میں'' ''میں'' گویا آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔

شرح الفاظ:

اَتَیْتُ	:	میں آیا
دَیْنٌ	:	قرض جمع دُیون
دَقَقْتُ	:	میں نے کھٹکھٹایا فعل ماضی واحد متکلم
مَنْ ذَا	:	یہ کون ہے؟
کَرِهَهَا	:	ناپسند کیا اسے (یعنی میں کہنے کو)

تشریح حدیث ۶:

حضرت جابر بن عبداللہؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کے والد حضرت عبداللہ انصاری غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے اور ان پر لوگوں کا قرض تھا۔ قرض دینے والوں نے تقاضا کیا جس سے حضرت جابرؓ تنگ پڑ کر آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ وہ ہی کوئی سبیل نکالیں۔ آپ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو آپؐ نے پوچھا، من ذا (کون ہے) جواب میں حضرت جابر نے اپنا نام بتانے کی بجائے انا (میں) کہا۔ جس سے شناخت ممکن نہیں۔ آپ نے لفظ ''میں'' کہنا ناپسند فرمایا۔ بعد ازیں آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ کے لئے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں برکت دی حتیٰ کہ تمام قرض ادا ہوگیا۔

مسئلہ:

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اولاً اہل خانہ کو حق ہے کہ دروازے پر دستک دینے والے کا نام پوچھیں اور وہ یونہی دروازہ نہ کھول دیں۔ ایسی لاپرواہی سے آج کل کئی حادثات واقع ہوجاتے ہیں۔ ثانیاً دستک دینے والے کو اپنا معروف نام بتانا چاہیے، جس سے اہل خانہ کو بہ سہولت شناخت ہوجائے۔ ثالثاً تادیب وتعلیم کے لئے اپنے سے چھوٹے کے الفاظ کو تنقیص کے انداز میں دہرانا جائز ہے تاکہ اس پر برہمی کو محسوس کرکے آئندہ وہ ایسے الفاظ استعمال نہ کرے۔

حدیث : ۷

مصافحہ کا اجر

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سے براء بن عازب کہا فرمایا نبی ﷺ نے

حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

مَامِنْ مُسْلِمَیْنِ یَلْتَقِیَانِ یَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ

نہیں سے دو مسلمان ملتے ہیں پھر مصافحہ کرتے مگر بخش دیا جاتا ہے دونوں کو

(جب بھی) دو مسلمان ملتے ہیں پھر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے

اَنْ یَّتَفَرَّقَا (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجۃ) **وَ فِیْ رِوَایَةِ**

پہلے اس کے کہ جدا ہوں (اسے احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا) اور میں روایت ابوداؤد

انہیں بخش دیا جاتا ہے (اسے احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے) اور ابوداؤد

اَبِیْ دَاؤدَ وَقَالَ اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا

اور فرمایا: جب ملتے ہیں دو مسلمان پھر ہاتھ ملاتے ہیں

کی روایت میں ہے کہ جب دو مسلمان ملتے ہیں پھر مصافحہ کرتے اور اللہ کی حمد کہتے اور

وَحَمِدَا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَاہُ غُفِرَلَهُمَا۔

اور اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مغفرت چاہتے ہیں۔ بخش دیا جاتا ہے اُن کو۔

اُس سے مغفرت چاہتے ہیں تو اُنہیں بخش دیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

الفاظ کے معانی

یَلْتَقِیَانِ : ملاقات کرتے ہیں، ملتے ہیں
غُفِرَ لَهُمَا : بخش دیا جاتا ہے ان کو
یتفرقا : جدا ہوتے ہیں۔

تشریح حدیث (7):

زیر نظر حدیث میں مصافحہ کی فضیلت کا تذکرہ اور اس کے اجر وثواب کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

مفہوم

مصافحہ کی اصل صَفَحٌ ہے جو ہاتھ کی ہتھیلی کو کہتے ہیں اور مصافحہ باب مفاعلہ سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دو اشخاص آپس میں اس طرح ہاتھ ملائیں کہ ایک کی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی سے مل جائے۔

اہمیت

اسلامی اصطلاح میں خوشی اور ملاقات کے وقت شدت جذبات سے ہاتھ ملانا مصافحہ کہلاتا ہے۔ حضور ﷺ سے اس بارے میں مندرجہ بالا حدیث کے علاوہ کئی اور احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

''سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔'' (ابوداؤد)

یعنی سلام صرف زبان سے امن وسلامتی کے الفاظ ادا کرنے کا نام ہے لیکن مصافحہ سے عملاً اس دعا کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:

''تم مصافحہ کیا کرو کینہ اور غصہ جاتا رہے گا اور آپس میں تحائف دیا کرو تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دشمنی جاتی رہے گی۔'' (مؤطا امام مالک)

حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضور ﷺ سے ملا تو آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ میں نے عرض کی:

''یا رسول اللہ! میں تو مصافحہ کو ایک عجمی طریقہ خیال کرتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: عجمیوں کی نسبت ہم مصافحہ کے زیادہ حق دار ہیں۔''

مصافحہ کے احکام

1- مصافحہ سنت نبوی ہے، اس کے مستحب ہونے پر علماء امت کا اجماع ہے۔
2- مصافحہ سے پہلے السلام علیکم کہنا چاہیے کیونکہ ہاتھ ملانا سلام کی تکمیلی شکل ہے۔
3- کسی سے جدا ہوتے وقت الوداعی مصافحہ مستحب ہے۔
4- مصافحہ تکلف اور تصنع سے مبرا ہونا چاہیے۔
5- مصافحہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے جھکنا مناسب نہیں، یہ خالص غیر اسلامی طریقہ ہے۔ مصافحہ کے علاوہ ملاقات کے وقت بزرگوں، اہل علم اور اہل فضیلت کے ہاتھوں کو بوسہ دینا بھی احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

اسی طرح پیار سے معصوم بچوں کے منہ کو چومنا آنحضور ﷺ سے ثابت ہے:

''ایک عرب سردار اقرع بن حابسؓ خدمت نبوی میں حاضر تھے کہ آنحضور ﷺ نے اپنے پیارے نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ اس پر اقرع بن حابسؓ کہنے لگے، حضور ﷺ! میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے کبھی اُن میں سے کسی کا منہ نہیں چوما! حضور ﷺ نے اس کی طرف ایک نظر کی پھر فرمایا: مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ. ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'' (نسائی، ابن ماجہ)

یعنی بچوں کو بوسہ دینا انسانی مزاج میں شفقت ورحمت کی علامت ہے، جس میں شفقت کا مادہ نہیں وہ رحم کئے جانے کا مستحق بھی نہیں۔

علماء نے بوسہ کی مندرجہ ذیل اقسام کا ذکر کیا ہے:

1- بوسۂ رحمت یعنی معصوم بچوں کا بوسہ لینا۔
2- بوسۂ شفقت یعنی اولاد کا والدین کے ہاتھ چومنا۔
3- بوسہ تحیت، بوقتِ ملاقات کسی کے ہاتھ کا بوسہ لینا۔
4- بوسۂ محبت: اظہار محبت کے لئے بھائی کا بھائی کی پیشانی کو بوسہ دینا۔
5- بوسۂ کرامت یعنی بزرگانِ دین، علماء اور اصحاب فضیلت کے ہاتھ کو بوسہ دینا۔

Scanned with CamScanner

مصافحہ کے فوائد

1- تکبر سے حفاظت

مصافحہ کرنے والا تکبر وغرور کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے، اس کے مزاج میں انکساری اور تواضع پیدا ہوجاتی ہے۔

2- رحمت خداوندی کا سبب

مصافحہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کی نظر ڈالتا ہے اور ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث کا مضمون بتا رہا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ہی ان کے گناہ اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔

3- محبت کا ذریعہ

جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے دلوں کی کدورت جاتی رہتی ہے اور باہمی الفت ومحبت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اجنبی اپنے اور دشمن دوست بن جاتے ہیں۔

4- مساوات کا ذریعہ

مصافحہ کرنے سے مساوات پھیلتی ہے کیونکہ مصافحہ کرنے سے دونوں آدمی برابری کی بنیاد پر آپس میں ملتے ہیں جس سے بڑے چھوٹے، امیر وغریب اور حاکم ومحکوم کا فرق مٹ جاتا ہے۔

5- موجب برکت

مومنوں کے لئے مصافحہ موجب خیر و برکت اور روحانی بلندی کا سبب ہے۔

حدیث : ۸

آدابِ مجلس

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
سے بیٹا عمر سے نبی ﷺ کہا
اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے بیان کیا کہ
لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ
نہ اٹھائے آدمی آدمی سے جگہ اس پھر وہ بیٹھے
آنحضور ﷺ نے فرمایا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اُس کی جگہ سے نہ اٹھائے - تاکہ
فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا – مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
اس میں اور لیکن تم کھل جاؤ اور وسیع ہو جاؤ
اُس پر خود بیٹھے بلکہ گنجائش پیدا کرو اور کشادگی اختیار کرو۔ (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

لَايُقِيْمُ	:	نہ اٹھائے
مَجْلِسَ	:	بیٹھنے کی جگہ
تَفَسَّحُوْا	:	کشادگی پیدا کرنا- فُسْحَةٌ- گنجائش
تَوَسَّعُوْا	:	کشادگی پیدا کرنا وُسْعَة- گنجائش

تشریح حدیث ۸:

۱- یہ بات شرف انسانیت کے خلاف ہے کہ کسی آدمی کو اس کی جگہ سے محض اس لئے اٹھا دیا

جائے کہ اٹھانے والا خود اس جگہ بیٹھنا چاہتا ہے۔ کوئی بعد میں آنے والا شخص خود کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے شخص کو اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھنے کو اپنا امتیاز سمجھے۔

۲- اگر پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمی کی جگہ دھوکے سے حاصل کرنے کے لئے اسے کسی بہانے سے اٹھا کر خود بیٹھنے کی کوشش کی تو یہ کمینگی اور اگر حکماً کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھے تو یہ دوسروں کی تحقیر ہے جس کی کسی صورت میں اجازت نہیں۔

۳- اگر کوئی شخص کسی کی منصبی نشست پر بغیر اجازت براجماں ہوجائے تو اسے اس کی اس غلطی سے آگاہ کرکے وہاں سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ بیٹھنے کو کہا جانا چاہیے کیونکہ حفظ مراتب کا بھی تقاضا ہے۔

۴- اگر مجلس میں جتنے آدمی آسانی سے سما سکتے تھے اتنا پہلے ہی بیٹھے ہوں اور بعد میں کچھ اور لوگ آجائیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کا اخلاقی فرض ہے کہ ذرا سمٹ کر بیٹھ جائیں تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ نکل آئے۔

۵- کسی محفل میں بیٹھے ہوئے افراد کو اپنے آپ کو اپنی نشستوں کا بلاشرکت غیرے مالک نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ باہمی لین دین اور دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کے خصائل کو عمل میں لاتے ہوئے ملکیت کی جبلت POSSESIVE INSTINCT کی اصلاح کرتے رہنا چاہیے۔ اسی کو SUBLIMATION یعنی جبلتوں کا معیار بلند کرنا کہا جاتا ہے۔

حدیث : ۹ آدابِ مجلس

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اور سے ابو ہریرہؓ بیشک رسول اللہ ﷺ

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے

قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ

فرمایا جو کھڑا ہوا سے جگہ اپنی پھر لوٹا طرف اس کی پس وہ

فرمایا جو شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے پھر واپس آ جائے وہ اس جگہ

اَحَقُّ بِهٖ- رَوَاهُ مُسْلِمٌ

زیادہ حق دار اس کا- (مسلم)

کا زیادہ حق دار ہے- (مسلم)

شرح الفاظ:

قَامَ : اٹھا

رَجَعَ : لوٹا

تشریح حدیث ۹ :

۱- اگر کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی کام سے باہر جا رہا ہو اور پھر جلد ہی واپس آجائے اور اردگرد بیٹھنے والوں کو بھی علم ہے کہ یہی شخص یہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے بیٹھا ہوا تھا تو جب واپس آئے تو اس جگہ پر اسی کو بیٹھنے دیا جانا چاہیے۔ اس کی بجائے کسی اور کو وہاں بٹھا کر اس کے لئے اذیت کا باعث بننا ٹھیک نہیں۔

۲- اگر کافی دیر تک جگہ خالی پڑی رہے اور وہ شخص کسی کو یہ بھی بتا کر نہیں گیا کہ میں کچھ دیر کے بعد آؤں گا اور اگر اس جگہ کوئی اور شخص بیٹھنے لگے تو اسے بتا دینا چاہیے کہ یہاں پہلے ہی فلاں شخص بیٹھا ہے تو اس صورت میں جگہ کو خالی پا کر کوئی آدمی وہاں بیٹھ جائے تو اب اس پہلے شخص کا حق باقی نہیں رہتا۔ اپنے اس حق کی حفاظت اسے اس طرح کرنی چاہیے تھی کہ کسی پاس بیٹھنے والے کو بتا کر جاتا۔

۳- اگر کوئی شخص پہلے شخص کی جگہ پر اس نیت سے بیٹھ گیا ہو کہ اب وہ نہیں آئے گا لیکن وہ دوبارہ واپس آ گیا تو زیادہ حق اس جگہ پر پہلے ہی شخص کا ہے پھر بھی ایثار سے کام لیتے ہوئے اگر پہلا شخص اپنے اس حق سے دستبردار ہوکر کسی دوسری جگہ بیٹھ جائے تو یہ سب سے اچھا ہے۔ اس طرح اگر اس جگہ پر بیٹھنے والا شخص پہلے آدمی کو جگہ دے دے تو یہ بھی ایک نہایت مستحسن بات ہوگی۔

Scanned with CamScanner

حدیث: ۱۰

چھینک اور جمائی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

سے ابوہریرہؓ سے نبی ﷺ کہا

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَکْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَا عَطَسَ

بیشک اللہ پسند کرتا چھینک اور ناپسند کرتا جمائی پس جب چھینکے

بیشک اللہ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے پس جب تم میں سے کسی

اَحَدُکُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ

ایک تم میں سے اور تعریف کرے اللہ ہے حق پر ہر مسلمان

کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو ہر مسلمان پر جس نے اُس کو

سَمِعَهٗ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ

وہ سنتا اس کو کہ وہ کہے اس کو رحم کرے تجھ اللہ پس جمائی

سنا ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اس کو یرحمک اللہ کہے جہاں تک جمائی کا

فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّیْطٰنِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرُدَّهٗ

پس وہ سے شیطان پس جب جمائی کوئی ایک تم میں پس اس کو روکے

تعلق ہے تو وہ شیطان کی طرف سے ہے پس جب تم میں سے کوئی جمائی لے تو

مَا اسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِکَ مِنْهُ

جتنی طاقت ہو پس بیشک کوئی ایک تم جب جمائی لے ہنستا ہے اس سے

جہاں تک ہوسکے اس کو روکے کیونکہ تم میں سے جب کوئی جمائی لیتا ہے تو

الشَّیْطَانُ — رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ —

شیطان (اُسکو بخاری نے روایت کیا۔)

تو شیطان اُس پر ہنستا ہے۔ (بخاری)

شرح الفاظ:

عُطَاس	:	چھینک
تَثَاؤُب	:	جمائی
ضَحِکَ	:	وہ ہنسا
فَلْیَرُدَّهٗ	:	پس چاہیے روکے اُسے

تشریح حدیث ۱۰:

چھینک پسندیدہ عمل ہے اور جمائی ناپسندیدہ۔

چھینک اور جمائی دونوں کا تعلق انسانی جسم سے ہے جو بعض عوارض کا ردِّ عمل ہے۔ چھینک صحت اور شفا کی علامت ہے۔ دماغ سے مادہ غلیظ خارج ہوجاتا ہے۔ طبیعت کھل جاتی ہے، سر کی گرانی دور ہوجاتی ہے اور قوائے مدرکہ میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ انسان فرحت و انبساط محسوس کرتا ہے اور عبادت میں کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جمائی بسیارخوری، سستی اور کاہلی کا نتیجہ ہے۔ اس سے جسم کا خودکار نظام ڈھیلا پڑجاتا ہے۔ انسان بوجھ اور گرانی محسوس کرتا ہے، جس سے عبادت خداوندی میں بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا چھینک پسندیدہ اور رحمانی فعل ہے جبکہ جمائی ناپسندیدہ اور شیطانی فعل ہے۔

چھینک کے وقت حکم یہ ہے کہ چھینکنے والا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ (اے اللہ! آپ کا شکر ہے) کہے، سننے والا یَرْحَمُکَ اللّٰه (اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے!) کہے۔ نیز جواب میں چھینکنے والا یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ

وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ بھی کہہ سکتا ہے- یہ پورا عمل اصطلاح حدیث میں تشمیت کہلاتا ہے- چھینک کا تین بار جواب مشروع ہے- تین سے زیادہ بارزکام کی علامت ہے-

حدیث میں جمائی کوحتی المقدور روکنے کی تلقین ہے، کیونکہ یہ شیطانی فعل ہے- عبادت سے روکتی ہے- طبیعت میں سستی اور گرانی پیدا کرتی ہے- حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں،"جمائی کے وقت ہاتھ سے منہ ڈھانپنے کا نماز اور نماز سے باہر دونوں صورتوں میں حکم ہے مگر حالتِ نماز میں یہ حکم ضروری ہے-" (فتح الباری)

حدیث : 11

بہترین نام

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اور سے ابن عمرؓ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ
اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
وَسَلَّمَ اَنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَ
وسلم بیشک سب سے زیادہ پیارے نام تمہارے پاس اللہ عبداللہ اور
کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ناموں میں سے سب سے پیارے نام عبداللہ اور
وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ- رَوَاهُ مُسْلِمٌ
عبدالرحمٰن-
عبدالرحمٰن ہیں-

شرح الفاظ:

اَحَبُّ : سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ

اَسْمَاءِ+ کُمْ : نام+تمہارے

تشریح حدیث 11 :

نام کسی شخص کے لئے ایک بہت ہی اہم چیز ہوتی ہے- یہ وہ لفظ یا ترکیب الفاظ ہوتی ہے جس کے بولے جانے کو وہ شخص اپنی شخصیت کی تصویر سمجھتا ہے جب وہ الفاظ بولے جاتے ہیں اسے ان میں اپنی ذات نظر آتی ہے اور ذہنی طور پر ہمیشہ وہ ان الفاظ اور اپنی ذات میں کسی اشتراک کی تلاش میں رہتا ہے- یہ الفاظ ایسے نہیں ہوتے کہ ایک آدھ دفعہ ذہن پر اثرانداز ہوئے اور بعد میں کچھ اور چیزوں نے اس اثر کو مٹا کر کوئی نیا نقش قائم کر دیا بلکہ ساری عمر کے لئے یہ الفاظ ذہن پر بنائے ہوئے نقش کو مزید گہرا کرتے رہتے ہیں- ظاہر ہے کہ جس بات کو کوئی شخص بار بار سنے گا نہ صرف یہ کہ ان الفاظ کے ساتھ ایک نسبت پیدا ہوجاتی ہے بلکہ وہ الفاظ اس کی شخصیت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کا غیر محسوس عمل جاری رکھتے ہیں اور اس کے کردار پر اس لحاظ سے بڑا دائمی اثر مرتب کرتے ہیں-

چنانچہ ضروری ہے کہ جو نام کسی بچے کے لئے تجویز کیا جائے اس میں ایک مقصد حیات پایا جانا چاہیے تاکہ اس نام کے ساتھ بار بار پکارے جانے سے وہ مقصد حیات پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے- اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ناموں میں بہترین یہی دو نام ہوسکتے ہیں جو اس حدیث شریف میں بیان ہوئے ہیں- یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ اور انتہائی مہربان ذات کا بندہ، کیونکہ ان ناموں میں بندے اور اللہ کا حقیقی تعلق اور اسی نسبت سے اس کا مقصد حیات یعنی اپنے خالق کی بندگی کرنا موجود ہے-

جس شخص کا نام عبداللہ رکھا جائے گا اس کے ذہن میں بار بار یہ حقیقت جاگزیں ہوتی رہے گی کہ وہ ایک بندہ ہے اور اس کی بندگی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے- علماءِ مذہب کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا اپنے خدا سے بندگی کا تعلق ہی واحد حقیقی تعلق ہے- جب نام عبداللہ ہوگا اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس شخص کی ذاتی اور روحانی وابستگی اسے ایک خاص قسم کا کردار عطا کرے گی، جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے اپنی ذات میں لامحدود، علی کل شیءِ قدیر اور رب العالمین ہونا زیادہ مستحضر رہے گا-

اگر نام عبدالرحمٰن ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت اس کا اپنی مخلوق میں سے ہر ایک پر رحم کو وافر کرنا زیادہ مستحضر رہے گا- اور یہ حقیقت زیادہ سامنے رہے گی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے- اگر اس مفہوم کا اثر مناسب طور پر مرتب ہوتا رہے اس شخص کی اپنی شخصیت رحم

Scanned with CamScanner

کرنے کی طرف زیادہ مائل ہوگی۔ بعینہٖ ہر نام جو کسی شخصیت کی پہچان کے لئے بولا جائے گا۔ اس کی سیرت پر ایک خاص اثر چھوڑتا ہے۔

بعض علماء کا قول ہے:

"یہ دونوں نام عام ناموں سے افضل نام ہیں لیکن انبیاء کے ناموں سے افضل نہیں۔ نیز حضور کا اسم گرامی "محمد" ان دونوں سے افضل ہے۔"

(مظاہر حق)

حدیث: ١٢

پندارِ تقویٰ

وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِىْ سَلْمَةَ قَالَتْ سُمِّيْتُ بَرَّةَ فَقَالَ

اور سے زینب بنت ابی سلمہ کہا نام رکھا گیا میرا برّہ تو فرمایا

اور حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میرا نام برہ رکھا گیا

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُزَكُّوْا

رسول اللہ ﷺ نہ پاکیزہ بتاؤ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اپنے نفسوں کو پاکیزہ مت بتاؤ۔

اَنْفُسَكُمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ

سَمُّوْهَا زَيْنَبَ—رَوَاهُ مُسْلِمٌ

جانیں تمہاری اللہ زیادہ جانتے والے نیکی سے تم نام رکھو اس کا زینب

اور اللہ تم میں سے نیکی کرنے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے اس کا نام زینب رکھو (اسے مسلم نے روایت کیا۔)

شرح الفاظ:

بَرَّةٌ : نیکوکار۔ نیک بی بی

لَاتُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ : نہ پاک جتاؤ اپنے نفسوں کو

تشریح حدیث ١٢:

١- ایسا نام رکھنا جس میں ذاتی تعلق یا ذاتی برتری کا پہلو نکلتا ہو ان لوگوں کے لئے اچھا نہیں ہے جن میں احساس برتری پیدا ہونے کے امکانات زیادہ ہوں۔ ہر شخص کا کوئی فطری رجحان ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے عرفان کے ذریعے یہ جان لیا کرتے تھے کہ کون کتنے پانی میں ہے کسی کے ظرف کا اندازہ لگانا دانش مند لوگوں کے ہاں ناممکن نہیں ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ تو بدرجہ اولیٰ اس اہلیت سے سرفراز تھے۔ اس لئے خصوصی حالات کے پیش نظر آپؐ نے یہ نصیحت فرمائی کہ اس لڑکی کا نام یہ نہ رکھو مبادا اس طرح لڑکی جو فطری طور پر فی الحال کسی بڑے رجحان کے تابع نہیں ہے آگے چل کر کسی احساس برتری میں مبتلا ہو جائے۔

٢- برّہ کے لفظی معنی نیک عورت اور زینب کا لفظی معنی بزدل اور ایک خوشبودار خوش منظر درخت کے ہیں۔ بزدلی کی صفت عورتوں میں بعض عربوں کے نزدیک مستحسن سمجھی جاتی تھی اور خوشبودار اور خوش منظر درخت کے مفہوم کے ساتھ تو لفظ زینب عورتوں کے نام کے لئے انتہائی موزوں ہے۔

حدیث: ١٣

سحر بیانی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضؓ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ

سے ابن عمرؓ کہا آئے دو آدمی سے مشرق

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مشرق سے دو آدمی آئے

فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
دونوں نے خطبہ دیا کی پس متعجب لوگ دونوں کی گفتگو پس فرمایا رسول اللہ
پس انہوں نے خطبہ دیا لوگ ان کی فصاحت سے خوش ہوئے تو رسول اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ
صلی اللہ علیہ وسلم بیشک سے گفتگو جادو۔ (روایت کیا بخاری)
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں۔

شرح الفاظ:

رَجُلَانِ : دو آدمی
خَطَبَا : دو نے تقریر کی
قَدِمَ : وہ آیا۔فعل ماضی واحد مذکر غائب
عَجِبَ : پسند کیا۔فعل ماضی واحد مذکر غائب
سِحْرٌ : جادو

تشریح حدیث ۱۳:

ایک دن دربار نبوی میں بنو تمیم کے لوگ مشرق سے آئے۔ ان میں دو خطیب حصین بن بدر اور عمرو بن اہتم اپنی فصاحت و بلاغت کے لئے پورے عرب میں مشہور تھے۔ ایک روایت ہے کہ پہلے حصین نے بڑی فصیح و بلیغ انداز میں اپنے فضائل اور محاسن بیان کئے اور آخر میں کہا عمرو بن اہتم اس کا گواہ ہے۔ پھر عمرو بن اہتم نے بلیغانہ خطاب کیا جس میں اس نے حصین کی برائیاں اور نقائص بیان کئے۔ اس پر حصین نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ شخص میرے فضائل سے بخوبی آگاہ ہے مگر حسد اور عداوت کی بناء پر میرے معائب بیان کرتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ عمرو نے ایک دن حصین کی مدح و ستائش میں بڑی فصاحت کا مظاہرہ کیا۔ دوسرے دن اسی بلاغت سے اس کی بذمت بیان کی۔ آنحضور ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو عمرو نے جواب دیا:

"پہلے دن میں نے سچ کہا تھا اور آج بھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ پہلے دن حصین نے مجھے خوش کیا تھا۔ اس لئے میں نے اس کے اوصاف و محاسن بیان کئے اور آج ناراض کیا لہٰذا اس کی مذمت بیان کی۔" (احیاء علوم الدین)

اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا یعنی بعض بیان فصاحت و بلاغت کی وجہ سے جادو اثر ہوتے ہیں۔ یہ جملہ بڑا معنی خیز ہے۔ مراد یہ ہے کہ خطاب و بیان کی بعض اقسام ایسی موثر اور جاذب ہوتی ہیں کہ مخاطبین کو مسحور کر دیتی ہیں۔

ان کی سچائی دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ سحر کا کام ہی یہ ہے کہ وہ غیر حقیقی اشیاء کو حقیقی بنا دیتا ہے۔ مقرر اپنے زورِ بیان سے حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دیتا ہے۔ یہی جادوگری اور سحر انگیزی ہے۔

پُرحکمت شعر

حدیث : ۱۴

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اور سے اُبی بن کعب کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی
اور حضرت اُبی بن کعب سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
علیہ وسلم بیشک سے شعر دانائی
علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔

تشریح حدیث ۱۴:

شعر بھی کلام کی ایک قسم ہے جو با وزن اور مقفّٰی ہوتا ہے۔ حکمت سے مراد وہ دانائی اور دانش ہے جو برے افعال سے روکتی ہے۔ پس اس حدیث میں ایسی شاعری کا جواز اور ستائش

Scanned with CamScanner

ہے جو حکمت و دانائی کی باتوں پر مبنی ہو۔ مفید مطالب اور معانی پر مشتمل ہو۔ نیکی اور بھلائی کی طرف لے جانے والی ہو۔ فی الحقیقت شعر فی نفسہٖ اچھا یا برا نہیں ہوتا بلکہ اپنے مضمون سے اچھا یا برا کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ دارقطنی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''شعر کلام ہی کی ایک قسم ہے۔ اگر اس میں بیان کردہ مضمون اچھا ہے تو شعر بھی اچھا ہے ورنہ قبیح۔''

یہ حدیث اس خیال کی تردید کرتی ہے کہ شعر و سخن بہرحال مذموم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مفید اور حکیمانہ اشعار شرعاً جائز ہیں۔

اسلام نے شاعری میں سے صرف اس حصے کو سراہا ہے جو نہ صرف حقیقت بیانی پر مبنی ہو بلکہ اس میں زندگی کے لطیف تر حقائق کو شعری پیرائے میں بیان کیا گیا ہو۔

حدیث: ۱۵ مُبالغہ آمیزی

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اور سے ابن مسعود کہا فرمایا رسول اللہ
اور حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ
صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک ہوئے پرتکبر لہجہ بنانے والے
نے فرمایا مبالغہ کرنے والے ہلاک ہوئے
قَالَهَا ثَلَاثًا ـ رَوَاهُ مُسْلِمٌ
فرمایا اسے تین مرتبہ (اسے مسلم نے روایت کیا)
اسے تین بار فرمایا۔ (مسلم)

تشریح حدیث ۱۵:

تنطع فی الکلام تکلف، تصنع اور مبالغہ آمیزی سے بات کرنے کو کہتے ہیں۔ جس میں خوشامد اور چاپلوسی سے کام لے کر کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے ہوں۔ خوشامد حقیقت کے خلاف امر ہے اور قابل مذمت ہے۔

تنطع کا مصدر نَطْعٌ ہے جس کے معنی تالو کا بالائی حصہ ہے۔ تنطع فی الکلام سے مراد ایسا لہجہ اختیار کرنا ہے جس سے زبان تالو سے جا لگتی ہے۔ اس سے مراد متکبرانہ کلام ہے۔ تکبر اللہ کو پسند نہیں۔ اس لئے متکبرانہ کلام اللہ کے غضب کو دعوت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۔ بے شک اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پس حدیث میں خوشامدانہ کلام اور متکبرانہ گفتگو کرنے والوں کے لئے ہلاکت کی وعید ہے۔ العیاذ باللہ

علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے بیہودہ گو مراد ہیں جو غیر ضروری باتوں میں مشغول رہنے کے عادی ہوں۔

حدیث: ۱۶ شاعری اور دفاعِ اسلام

وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اور سے براء کہا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ
اور حضرت براء سے مروی ہے کہا نبی کریم ﷺ نے
وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ اُهْجُ الْمُشْرِكِيْنَ
وسلم جنگ قریظہ کو حسان بن ثابت ہجو کر مشرکین (کی)
جنگ قریظہ میں حسان بن ثابت کو فرمایا کہ مشرکین کی ہجو کر

Scanned with CamScanner

فَاِنَّ جِبْرَئِیْلَ مَعَکَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی

پس یقیناً جبرئیل ساتھ تیرے اور تھے رسول اللہ صلی

کیوں کہ جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ

اَللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِحَسَّانَ اَجِبْ عَنِّی اَللّٰھُمَّ

اللہ علیہ وسلم فرماتے کو احسان جواب دے میری طرف سے اے اللہ

حسان بن ثابت کو فرمایا کرتے تھے میری طرف سے جواب دے اے اللہ

اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

تائید کر اس کی ساتھ روح القدس (کے) (متفق علیہ)

روح القدس کے ذریعہ حسان کی مدد کر۔ (بخاری ومسلم)

شرح الفاظ:

یَوْمُ قُرَیْظَۃَ : بنی قریظہ سے جنگ کا دن۔ قریظہ یہود مدینہ کے ایک قبیلہ کا نام تھا جس نے غزوہ خندق میں مسلمانوں سے عہد شکنی کی تھی۔

اُھْجُ : تو ہجو کر

رُوْحُ الْقُدُسْ : جبریل فرشتہ کا لقب

تشریح حدیث (۱۶):

مسلمانوں کا یہود مدینہ بنی قریظہ سے معاہدہ تھا کہ اگر کوئی شخص مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو دونوں گروہ مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے۔ اس معاہدے کے برعکس قبیلہ قریظہ نے مدینہ کی حفاظت میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا بلکہ قریش مکہ کی اعانت کی۔ جب آنحضور ﷺ غزوہ خندق سے فارغ ہوئے تو بنو قریظہ کو عہد شکنی کی سزا دینے کے لئے ان کا محاصرہ کر لیا اور آخر ان کے حلیف حضرت سعد کے فیصلے کے مطابق ان کے مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ حدیث میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حسان بن ثابت شاعر رسول تھے۔ بڑی طویل عمر (۱۲۷ سال) پائی ہجرت مدینہ کے وقت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کفار مکہ جب آنحضرت ﷺ کی ہجو بیان کرتے تو حضرت حسان ہی دفاع فرماتے تھے۔ جنہیں تائید ایزدی حاصل تھی جو آپ کی دعا کا نتیجہ تھا۔

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

"اے اللہ حسان کی روح القدس کے ساتھ مدد فرما۔"

پس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع میں شعر کہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ تائید ایزدی کا موجب بھی ہے۔

جنگ کئی محاذوں پر لڑی جاتی ہے۔ ایک محاذ ہتھیاروں کی جنگ کا ہوتا ہے۔ ایک جنگی چال کا محاذ ہوتا ہے۔ ایک ڈپلومیسی کا محاذ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک محاذ دشمن کے حوصلے پست کرنے Demoralise اور اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کا ہوتا ہے۔ اس آخری محاذ میں ایک حصہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن کی طرف سے لگائے گئے الزامات کی بطریق احسن تردید کی جائے تاکہ دشمن کے حقیقت پسند افراد اور خود اپنی فوج کے جوانوں کو حقیقت حال کا علم ہو جائے اور دشمن کی الزام تراشی سے جو بددلی پیدا ہونے کا امکان پیدا ہو گیا ہو اسے حقیقت کے آئینہ کے ذریعے دشمن کی طرف ہی منعکس کر دیا جائے۔

دشمن کی ہجو کہنے کی ایسے حالات میں اشد ضرورت ہوتی ہے جب کہ دشمن کی طرف سے اس میدان میں پہل ہو چکی ہو اور بے بنیاد الزام تراشی کی جا چکی ہو۔ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تھی، جس کے جواب میں آپ ﷺ نے حسانؓ بن ثابت کو کفار کی ہجو کرنے کو کہا۔

شاعری:

جس طرح فن تقریر میں ایک جادو ہوتا ہے اسی طرح بعض اشعار معانی کے لحاظ سے نہایت بلیغ اور دانشمندی کا مضمون لئے ہوتے ہیں۔ بعض اشعار میں شاعر ایسی دانشمندی اور زیرکی کی بات کہہ جاتا ہے جو عام آدمی برس ہا برس کی سوچ کے بعد بھی اتنے خوبصورت پیرائے میں نہیں کہہ سکتا۔

شاعری فی نفسہ بری چیز نہیں بشرطیکہ اس کے ذریعے اچھے خیالات کا اظہار ہو۔ اسلام میں اس شاعری کی ممانعت ہے جو گمراہی کا باعث بنے۔

Scanned with CamScanner

آنحضرت ﷺ سے شاعری کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ اچھا عمل ہے۔ اس میں جو اچھائی ہے وہ اچھائی ہے اور جو برائی ہے وہ برائی ہے۔'' آپ ﷺ نے ان اشعار کو پسند فرمایا جس میں رشد و ہدایت اور حکمت و دانائی کی باتیں ہوں۔

کعب بن زہیر نے قصیدہ پڑھا تو آپ ﷺ نے انہیں چادر عنایت فرمائی۔ اس طرح ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

کہ شعر میں اچھی بات بھی ہے اور بری بھی، اچھی بات لے لو اور بری چھوڑ دو۔

ارشاد الٰہی ہے:

فَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔

''یعنی ہم نے انسان کو نیکی اور بدی دونوں کے راستے دکھا دیئے ہیں۔ اب وہ چاہے نیکی کا راستہ اختیار کر کے شکر گزار بندہ بنے چاہے بدی کا راستہ اختیار کر کے ناشکرا بندہ بنے۔''

شاعر بے شک غیر مسلم ہو لیکن اگر وہ اچھی بات کہے گا تو وہ شاعری اچھی ہے اور سننے کی اجازت ہے جو اشعار حکمت و دانائی سے پُر ہوں وہ قابل ستائش ہیں۔ اچھے مقصد کے لئے شعر کہنا جائز اور تائید الٰہی کا ذریعہ ہے۔

ممنوعہ شاعری

مندرجہ ذیل قسم کی شاعری ممنوع ہے:

۱۔ جس میں گمراہی و ضلالت کا سبق دیا گیا ہو۔ نیز جنسی اور فحش امور کی ترغیب ہو۔

۲۔ جس میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہو اور حقیقت حال کے خلاف ہو۔

۳۔ غلط بیانی کا اظہار کیا گیا ہو۔ صداقت اور حکمت سے دور ہو۔

۴۔ وہ شاعری جس میں کسی کی بدگوئی کی گئی ہو، ہجو اور دوسروں کی توہین ہو۔

۵۔ بہتان تراشی سے پُر شاعری کی بھی ممانعت ہے۔

مذکورہ بالا عنوانوں کی شاعری اسلام میں ناجائز ہے۔ اس کے متعلق فرمایا، ایسے شخص کا اپنا پیٹ پیپ اور گندگی سے بھر لینا بہتر ہے۔ قرآن مجید میں شعرا کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ☆ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (الشعراء: ۲۲۴-۲۲۷)

''اور شعراء ان کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں، مگر وہ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں اور اس کے بعد جو ان پر ظلم کیا گیا بدلہ چاہتے ہیں اور جو ظالم ہیں جان لیں گے کہ جس جگہ وہ لوٹ کر جائیں گے۔''

قسمِ اوّل:

وہ شعراء ہیں جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ جن کا خدا اور رسولؐ پر ایمان نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں کرتے نہیں ہیں کیونکہ وہ ایمان کے نور سے محروم ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔ وہ باتیں پیغمبروں جیسی کرتے ہیں مگر ان کے اعمال شیطانوں جیسے ہوتے ہیں۔

قسمِ دوئم:

وہ شعراء جو صاحب ایمان، باکردار اور باعمل ہوں۔ وہ ملی محبت سے سرشار ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ ایسے شاعروں کی شاعری سننا اور پڑھنا جائز ہے۔ ان ہی شعراء کے کلام کے متعلق آپؐ کا فرمان ہے:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً۔

''یعنی بعض اشعار حکمت سے بھرپور ہوتے ہیں۔''

اور ایسے اشعار آپ ﷺ خود بھی سنتے تھے۔ جیسا کہ امیہ بن ابی الصلت کے آپ ﷺ نے پورے سو اشعار سنے، کیونکہ اچھے اشعار ذوق لطیف کی نشوونما کے لئے ایک بہت اچھا ذریعہ ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ حضرت حسان شاعر رسول کو مسجد نبوی میں اپنے منبر پر بٹھا کر اشعار سنتے تھے اور ان کے لئے دعا بھی فرماتے تھے۔ اے اللہ ﷻ حسان کی روح القدس کے ذریعے امداد فرما۔

Scanned with CamScanner

الغرض شعر و شاعری کی تین باتوں کو ناپسندیدہ اور مذموم قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ یہ شاعر لوگ معاشرے میں گمراہی پھیلانے کا سبب ہیں۔ گویا انسانیت کو نفع پہنچانے کے بجائے نقصان اور تباہی سے دوچار کرتے ہیں۔ یہ بات منشائے ربانی کے خلاف ہے۔

۲۔ ان کے فن میں جھوٹ اور مبالغہ آمیزی پر قصد ہوتا ہے۔ سچائی اور حقائق زندگی سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

۳۔ ان کے قول اور عمل میں تضاد ہوتا ہے۔ وہ فن برائے فن کی رو سے شعر تو کہہ دیتے ہیں مگر اپنے اشعار میں جو بلند بانگ دعوے کرتے ہیں ان کا عمل اس کی تردید کرتا ہے۔ ان اوصاف ثلاثہ سے جو ادب متصف ہوگا وہ مردود ہے۔ اسی شاعری کو پیغمبر اسلام ﷺ نے قے سے بھی زیادہ ناگوار قرار دیا ہے۔ ایسا فن انسانی معاشرے کے لئے مہلک ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے برعکس شعر و ادب کی ایک قسم کو ان آیات میں پسند کیا گیا ہے جس میں مندرجہ ذیل اوصاف ہوں گے۔

۱۔ ایمان اور عمل صالح سے متصف شعرا کے کلام سے یقیناً ایمان اور عمل صالح کی ترغیب ہوگی۔ اس لئے شعر و ادب سے اگر انسان کے ضمیر میں ایمان کی دولت اور عمل صالح کی تلقین ہوتی ہو تو وہ قابل ستائش اور پسندیدہ ہے۔

۲۔ اس ادب سے خالق حقیقی سے رشتہ کٹ جانے کے بجائے یہ رشتہ عبودیت مضبوط ہوتا ہو اور اللہ کی عظمت و ربوبیت کا احساس زندہ ہوتا ہو۔

اگر ایسا ادب اور شعر تخلیق ہو تو نہ صرف یہ کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ شریعت حقوق انسانی عظمت کے علمبردار ادب کی خود دعوت دیتی ہے۔

حدیث: ۱۷ جنت کی ضمانت

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

سے	سہل	بیٹا	سعد	کہا کہا	رسول	اللہ	

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مَابَيْنَ

درود بھیجا اللہ اس پر اور سلام بھیجا جو شخص ضامن بنتا ہے میرے لئے جو کچھ درمیان

نے فرمایا جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے

لَحْيَيْهِ وَمَابَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ (رَوَاهُ البخاری)

اس کے دو جبڑے اور جو کچھ درمیان اس کے دو پاؤں میں ضامن بنتا ہوں اس کیلئے جنت۔ روایت کیا اسے بخاری نے

اور جو کچھ اسکی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے۔ میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔

شرح الفاظ:

يَضْمَنُ	:	وہ ضمانت دیتا ہے
لَحْيَيْهِ	:	اپنے دونوں جبڑوں (لَحْيَيْ + ہ) یعنی زبان
رِجْلَيْهِ	:	اپنے دونوں پاؤں،
اَضْمَنُ	:	میں ضمانت دیتا ہوں

تشریح حدیث ۱۷:

اس حدیث پاک میں آنحضور ﷺ نے دو چیزوں کی حفاظت پر جنت الفردوس کا وعدہ کیا ہے۔ اول زبان کی حفاظت اور دوسرے شرمگاہ کی حفاظت۔

زبان کی حفاظت:

آنحضرت ﷺ نے حفظ اللسان پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد ہے:

فِي السُّكُوْتِ سَلَامَةٌ خاموشی میں سلامتی ہے۔

نیز فرمایا: كُفَّ لِسَانَكَ اِلَّا عَنْ خَيْرٍ۔

Scanned with CamScanner

"زبان کو اچھی بات کے سوا ہر چیز سے روک لے۔" ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اولِیَصْمُتْ۔

"جو شخص اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔"

نیز فحش گوئی اور ایمان ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے جیسا کہ فرمایا، "جو کوئی فحش گوئی سے کام لیتا ہے گویا وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔ اللہ پر ایمان لانے والے کی زبان سے گندی بات نہیں نکل سکتی۔

ایک اور حدیث میں ہے لَا تَقُلْ بِلِسَانِکَ اِلَّا مَعْرُوْفًا۔

"زبان سے صرف نیکی کی بات کہہ۔"

انسان کا حسن کلام یہ ہے کہ وہ لایعنی گفتگو سے پرہیز کرے۔

اَکْثَرُ النَّاسِ ذُنُوْبًا اَکْثَرُھُمْ کَلَامًا فِیْمَا لَا یَعْنِیْہِ ۔

"سب سے زیادہ گناہ گار وہ ہے جس نے بیہودہ اور لایعنی بات کی۔"

۱۔ فوائد:

پردہ پوشی:

زبان کی حفاظت انسان کی پردہ پوشی کرتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

مَنْ حَفِظَ لِسَانَہٗ سَتَرَہُ اللّٰہُ جس نے زبان کو ضبط اور حفاظت میں رکھا اللہ نے اس کا پردہ رکھا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے:

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنر نہفتہ باشد

یعنی جب تک انسان اپنے منہ سے کوئی بات نہیں نکالتا اس کے نقائص اور خوبیوں پر پردہ رہتا ہے۔

۲۔ جنت کی بشارت:

آنحضرت نے فرمایا جو شخص زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس طرح زبان کا غلط استعمال جہنم کا باعث ہے۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا، کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ دین کا سرآغاز، پایہ اور بلندی کیا ہے؟ میں نے کہا، ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: "دین کا سرآغاز کلمہ ہے۔ اس کا پایہ نماز ہے، اس کی بلندی جہاد ہے۔" پھر فرمایا: "ان کا قوام نہ بتاؤں۔ میں نے عرض کیا: ہاں، یا رسول اللہ! آپ نے زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اسے روک رکھو۔" میں نے پوچھا: کیا ہم اپنی زبان کی بابت پکڑے جائیں گے ۔ فرمایا، "تجھے تیری ماں کھوئے لوگوں کو آگ میں منہ کے بل ان زبانوں کی فحش گوئی کے سوا اور کوئی چیز نہیں گرائے گی۔"

بدکلامی سے خاموشی بہتر ہے:

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے، "خاموش رہنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔"

انگریزی مقولہ ہے، "اگر بات کرنا چاندی ہے تو خاموش رہنا سونا ہے۔"

زبان کے ذریعے ہی انسان معاشرے میں اچھا مقام حاصل کرسکتا ہے۔

عربی کہاوت ہے: "جو زخم زبان سے لگے گا وہ کبھی مندمل نہیں ہوگا لیکن تلواروں کے زخم مندمل ہوجاتے ہیں۔"

زبان کی آفتیں:

زبان کو قابو میں نہ رکھنے سے بے شمار آفات اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسان کی روحانی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ مثلاً خودستائی، گھٹیا مذاق، لعنت و ملامت کرنا، جھوٹی گواہی دینا، غرور و تکبر کرنا، دوسروں کا تمسخر اڑانا، وعدہ شکنی کرنا ایسے اعمال ہیں جن سے معاشرے میں نااتفاقی اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں حتیٰ کہ قتل و خون ریزی کی نوبت آ جاتی ہے۔ زبان کے غلط استعمال سے انسان کی دنیا و آخرت تباہ ہوکر رہ جاتی ہے اس کے برعکس اگر انسان زبان کو یادالٰہی میں مشغول رکھے تو یہ بہت سے انعامات کا مستحق ہوسکتا ہے۔ زبانی عبادات مالی عبادات سے بڑھ کر ہیں۔ انسانی اصلاح کے لئے اکثر بزرگان دین زبانی ذکر کا ورد کراتے ہیں۔ ان کے ذکر کا اثر دل تک پہنچتا ہے جب وہ خدا کے ذکر سے منور ہوجاتے ہیں پھر نیک اعمال کرنے بھی آسان ہوجاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

گفتگو میں احتیاط:

ایک مسلمان کو گفتگو میں بڑی احتیاط رکھنی چاہیے اس لئے ''پہلے تولو پھر بولو'' کا اصول اپنانا چاہیے- مثلاً مسلمانوں کو گالی دینا، اسے کافر یا مشرک کہنا درست نہیں ہے- آپؐ نے فرمایا، مسلمان کو گالی دینا فسق کی بات ہے اور آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا کافرانہ فعل ہے- نیز فرمایا جب ایک مسلمان دوسرے کو کافر کہتا ہے تو یہ کفر کا کلمہ ایک پر لوٹ آتا ہے یعنی اگر وہ کافرانہ فعل کا مرتکب نہیں ہوا تو کہنے والے نے کافرانہ بات کہی ہے-

قصہ مختصر زبان کو قابو میں رکھنا اور اس کی نگہداشت کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ انسان کی دنیاوی اور اخروی دو زندگیوں میں اس کی ہلاکت کا باعث جھوٹ، چغلی، بہتان تراشی و الزام تراشی اور سب وشتم جیسی لغزشیں ہوتی ہیں جو زبان کے باعث ہوتی ہیں اسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا، ''زبان کو بھلی بات کے سوا ہر چیز سے روک رکھو-''

یہ زبان ہی ہے جو سب سے زیادہ دوزخ میں لے جانے والی ہے- ایک حدیث میں تو زبان اور ہاتھ کی حفاظت کو مسلمان کی شناخت کا معیار قرار دیا گیا ہے- ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ -

''یعنی صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں-''

الغرض زبان کے بارے میں یہ ضمانت کہ اسے ناجائز طریقے پر استعمال نہیں کیا جائے گا- یہ مفہوم رکھتا ہے کہ جھوٹ، چغلی، بہتان اور الزام تراشی وغیرہ رزائل سے اجتناب کیا جائے گا- انسان کی دنیاوی اور اخروی دونوں زندگیوں میں اس کی ہلاکت کا باعث زبان کی ہی لغزشیں ہوتی ہیں اگر ان لغزشوں سے کسی طرح بچنے کی یقین دہانی کرائی جا سکے تو اس کے عوض جنت کے حصول کی یقین دہانی کرائی جاسکتی ہے-

۲- شرمگاہ کی حفاظت:

دونوں ٹانگوں کے درمیان شرمگاہ ہوتی ہے، اس کا ناجائز استعمال بدکاری ہے- اگر زبان کی لغزشوں سے اجتناب کے ساتھ ساتھ یہ یقین دہانی بھی کرائی جائے کہ بدکاری سے بھی ہمیشہ اجتناب کیا جائے گا تو جنت کا حصول یعنی آخروی زندگی میں کامیابی کی ضمانت دینا بالکل آسان ہے-

معاشرے میں فساد کی جڑیں غلط بیانی اور بدکاری ہی ہوتی ہیں بلکہ غلط بیانی ہی بدکاری کا موجب بنتی ہے- غلط بیانی دوسروں کے حقوق سلب کرنے کے لئے کی جاتی ہے اور دوسروں کے حقوق سلب کرنے کی ہی ایک صورت بدکاری بھی ہے- اگر معاشرے میں لوگوں کے حقوق کا تحفظ مہیا کیا جا سکے تو دنیا میں ہی جنت کا نقشہ پیدا ہوجاتا ہے اور اسی بناء پر آخرت کی جنت کا حصول بھی یقینی ہوجاتا ہے-

حقوق مسلم

حدیث: ۱۸

وَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ								
اور	سے	عبداللہ	بن	مسعودؓ	کہا	فرمایا	رسول	اللہ
اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ								
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ								
صلی	اللہ	علیہ	وسلم	گالی	دینا	مسلم	فسق	
نے	فرمایا	مسلمان	کو	گالی	دینا	فسق	ہے-	
وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ- مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ-								
اور لڑائی اس سے کفر (بخاری و مسلم)								
اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے- (بخاری و مسلم)								

شرح الفاظ:

سِبَابٌ : گالی

قِتَالَ : لڑائی جھگڑا

فُسُوْقٌ : نافرمانی - حکم عدولی

Scanned with CamScanner

تشریح حدیث (۱۸):

حدیث میں دو معاشرتی برائیوں کا ذکر ہے۔
مسلمان کو گالی دینا اور اس سے لڑائی جھگڑا کرنا۔
یہ دونوں برائیاں اسلامی اخوت اور اتحاد کے لئے مہلک ہیں۔

۱۔ مسلمان کو گالی دینا، بغض، عداوت اور کینہ کو ابھارتا ہے جس سے اتحاد بین المسلمین کی نفی ہوتی ہے اس لئے اسے فسق (نافرمانی) کہا گیا ہے۔

۲۔ اگر معاملہ گالی گلوچ سے بھی آگے بڑھ جائے اور مار پیٹ حتیٰ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش ہوجائے تو یہ باہمی شیرازہ بندی کے قطعاً خلاف بھی ہے اور اسلام کی آبرو کو نعوذ باللہ خاک میں ملانے کے مترادف ہے اور دوسرے الفاظ میں اسی کو کفر کہا جاتا ہے۔

۳۔ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کو آپس میں گالی گلوچ کرتے ہوئے دیکھ کر یا ان کی باہمی مجرمانہ کش مکش سے اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ نہ تو اس قوم میں کوئی اعلیٰ ضابطہ اخلاق ہے، نہ یہ ایک دوسرے کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ یہ تاثر اسلامی مفاد کے انتہائی خلاف ہے اور اسلامی اخوت کی نفی کرتا ہے۔

۴۔ انسانوں کو آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے اور رواداری سے پیش آنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور گالی گلوچ اور ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش اس بنیادی مقصد کی نفی کرتا ہے اس لئے اسے فسوق اور کفر کا نام دیا گیا۔

اصل مجرم

حدیث: (۱۹)

وَعَنْ اَنَسٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی
اور سے اَنس اور اَبی ہریرہ کہ بیشک رسول اللہ صلے
اور حضرت اَنس اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ

اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بُرا کہنے والا دو آدمی جو کہا اُن دو
نے فرمایا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے والے جو کہیں
الْبَادِیْ مَالَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ
پس اوپر ابتداء کرنے والا جب تک نہ نکلا حد سے مظلوم۔
وہ ابتداء کرنے والے پر پڑتا ہے جب تک مظلوم حد سے نہ نکلے۔ مسلم نے اس کی روایت کی۔

شرح الفاظ:

مُسْتَبَّانِ	:	آپس میں دو گالی دینے والے۔ واحد مُسْتَبٌّ ہے۔
مَا قَالَا	:	ان دونوں نے جو کچھ کہا
اَلْبَادِیْ	:	ابتداء کرنے والا
مَالَمْ یَعْتَدْ	:	جب تک حد سے نہ بڑھے

تشریح حدیث (۱۹):

حدیث کا مفہوم ہے کہ باہم گالی گلوچ کرنے والوں میں پہل کرنے والا شخص زیادہ گنہ گار اور مجرم ہے۔ دوسرے نے تو صرف دفاع میں جواب دیا ہے ہاں اگر دوسرے نے بدکلامی کا جواب اینٹ کا پتھر سے دیا ہے تو وہ بھی گناہ کا مرتکب ہوجائے گا۔

اس حدیث سے ظالم کے خلاف برابری، انتقامی کاروائی کرنے کا جواز ملتا ہے۔ جیسا کہ امام نوویؒ کا قول ہے، ''مسلمان کو گالی دینا حرام ہے اور جسے گالی دی جائے وہ وہی الفاظ جواب میں کہہ سکتا ہے جو اسے کہے گئے ہیں بشرطیکہ وہ بہتان تراشی نہ کرے۔''

بلاشبہ دین اسلام میں انتقام لینے کی اجازت ہے مگر پھر بھی صبر و عفو افضل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

''جو شخص صبر سے کام لے اور معاف کردے تو یہ عزیمت کی بات ہے۔''

Scanned with CamScanner

حدیث : ۲۰

فتویٰ میں احتیاط

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اور سے ابن عمر کہا فرمایا رسول اللہ صلی
اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ
اللہ علیہ وسلم جو کوئی آدمی کہا بھائی اس کا کافر
نے فرمایا کہ جس آدمی نے اپنے کسی بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں
فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ -
پس تحقیق لوٹا اس کا ایک ان دو سے (بخاری و مسلم)
میں ایک اس کا مستحق ہو جاتا ہے- (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

باءَ بِھا : اس کی طرف لوٹا- اس کا سزاوار ہوا

فقد باءَ بِھا اَحَدُھما : کا مفہوم ہے کہ جسے کافر کہا گیا اگر وہ واقعی کافر نہیں تو کہنے والا کفر کا مرتکب ہوگا-

تشریح حدیث ۲۰:

... میں تاکید بلکہ وعید ہے کہ گفتگو اور کلمات کی ادائیگی میں احتیاط سے کام لینا چاہیے- معمولی معمولی بات پر محض دوسروں کو بدنام کرنے کے لئے کفر کے فتوے لگانا معاشرے میں انتشار ور فساد پیدا کرنے کے علاوہ اپنے ایمان کے ضائع ہونے کا بھی خطرہ پیدا کرتا ہے- جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے گا تو ان میں سے ایک ضرور اس کا مصداق ہوگا یا تو

کہنے والا، اگر صدق بیانی سے کام لے رہا ہے تو جسے کافر کہا گیا ہے وہ فی الحقیقت کافر ہوگا لیکن اگر کہنے والا محض بے احتیاطی اور جوش خطابت سے دروغ گوئی کرتا ہے تو وہ خود کفر کا مرتکب ہوگا- اس ضمن میں علماء نے کفر کی دو اقسام بیان کیہیں- ایک حقیقی کفر یعنی اجزائے ایمان میں سے کسی جزو کا انکار اور دوسرا ''کفر دون الکفر'' یعنی اسلام کے کسی حکم سے سرتابی- مثلاً یہاں زبان کی بے احتیاطی وغیرہ- لہٰذا اس حدیث میں علماء کو وارننگ دی گئی ہے کہ وہ تقریر اور فتویٰ بازی میں احتیاط سے کام لیں-

حدیث : ۲۱

منافق

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
اور اس سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
اور انہی سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
علیہ وسلم تم پاؤ گے سب سے برا لوگوں (میں) دن قیامت
نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن لوگوں میں سب سے برا اس شخص کو پاؤ گے
ذَاالْوَجْهَيْنِ الَّذِيْ يَاْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَ
والا دو منہ جو آتا ہے یہ ساتھ ایک رخ اور
جس کے دو منہ ہوں گے جو ایک منہ کے ساتھ ان لوگوں کے پاس جاتا ہے اور
هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
یہ ساتھ ایک رخ (بخاری و مسلم)
دوسرے منہ کے ساتھ ان لوگوں کی طرف- (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

ذَالْوَجْهَيْن : دو چہروں والا، دو رُخا

مفرد وَجْهٌ چہرہ

تشریح حدیث ۲۱:

اس حدیث میں "ذَالْوَجْهَيْن" سے مراد دوغلا، دو رُخا اور منافق شخص مراد ہے، جس کی دو بڑی قسمیں ہیں۔

اوّل: حقیقی یا اعتقادی منافق

جو بظاہر مسلمان ہوتے ہیں اور بباطن کافر، ایسے منافقین کی سزا دائمی جہنم ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ (النساء:۱۴۵)

دوم: عملی اور مجازی منافق

جو بظاہر مسلمان ہوتے ہیں لیکن ان کی ساری تگ و دو لوگوں کو باہم لڑانے اور ایک کی برائیاں دوسرے تک پہنچانے میں صرف ہوتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں بغض، کینہ اور عداوت پیدا کر کے فساد کا موجب بنتے ہیں۔ ایسے ہی منافقین کا اس حدیث میں ذکر ہے جن کی سزا قیامت کے دن اعلانیہ رسوائی اور ذلت ہوگی اور دوغلا پن ہی ان کی نمایاں شناخت ہوگی۔

جیسا کہ فرمان رسول ہے:

مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ ۔ (دارمی)

"دنیا میں جو دو رُخا ہوگا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔"

اس طرح ایسے دو رُخے منافق کو اس کے اعمال کے مناسب حال سزا ملے گی۔ احادیث میں عملی منافقت کی نمایاں علامات کذب بیانی، وعدہ شکنی، امانت میں خیانت اور فحش گوئی بیان کی گئی ہیں۔

صدق و کذب

حدیث: ۲۲

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اور سے عبداللہ بن مسعود کہا فرمایا رسول

اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے، کہا کہ رسول

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ

اللہ ﷺ تم پر لازم ہے۔ سچائی

کریم ﷺ نے فرمایا، تم سچائی

فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ

پس بیشک سچائی ہدایت دیتا ہے طرف نیکی اور بیشک نیکی

اختیار کرو۔ کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور بیشک نیکی

يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ

ہدایت دیتی ہے طرف جنت اور ہمیشہ آدمی سچ بولتا ہے

جنت کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے۔

وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا

اور کوشش کرتا ہے سچائی یہاں تک لکھا جاتا ہے پاس اللہ صدیق

اور سچ بولنے کا قصد رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے پاس

Scanned with CamScanner

وَاِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِىْ
اور بچو اور جھوٹ پس یقیناً جھوٹ لے جاتا ہے
صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ برائی کی طرف
اِلَى الْفُجُوْرِ فَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا
طرف بدی پس یقیناً بدی رہنمائی کرتی ہے۔ طرف آگ اور
لے جاتا ہے۔ پس یقیناً بدی رہنمائی کرتی ہے۔ آگ کی طرف اور
يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى
ہمیشہ آدمی جھوٹ بولتا ہے اور قصد رکھتا ہے بولنا جھوٹ یہاں تک
آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کا قصد رکھتا ہے
يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
لکھا جاتا ہے اللہ کے ہاں بہت جھوٹا (بخاری ومسلم)
یہاں تک اللہ کے ہاں بہت جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

شرح الفاظ:

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ	:	اپنے اوپر سچائی کو لازم رکھو۔
بِرٌّ	:	نیکی
فجور	:	تجاوز کرنا، گناہ کرنا، برائی
يَتَحَرّٰى	:	کوشش کرتا ہے، قصد کرتا ہے
صِدِّيْقًا	:	بہت زیادہ سچا
كَذَّابٌ	:	بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا (دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں)

تشریح حدیث (۲۳):

۱- صداقت:

صداقت تمام اخلاق حسنہ..... امانت، ایفائے عہد، عفت اور راست روی کی بنیاد ہے جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔

سچ ایک ایسی صفت ہے جو انسان کے کردار کو ان امور پر مرتکز کر دیتی ہے جو تخلیقی ہوتے ہیں اور نشوونما کا اہتمام کرنا صفات ربانی میں سے ہے۔ اس لئے سچ انسان کا تعلق براہ راست خدا کی ذات سے پیدا کر دیتا ہے اس کے انعام یعنی جنت اور اس کی ولایت یعنی مقام صدیقیت عطا کرنے کا باعث بنتا ہے۔

جھوٹ تمام اخلاق رزیلہ..... خیانت، عہد شکنی اور بدکاری کا باعث ہے۔

۲- جھوٹ:

جھوٹ حقیقت فراموشی کا دوسرا نام ہے اور حقائق سے انکار کرنا سب سے بڑی برائی اور سب سے بڑا جرم ہے۔ حق کے راستے کو چھوڑ کر جو راستہ اپنایا جاتا ہے انسانی ذات پر اس کا اثر ایسا پڑتا ہے جیسے ایک دھماکہ کے ساتھ کسی بستی کو تباہ کرنا۔ اس لئے جھوٹ کو "فجور" کہا گیا ہے اس کا معنی دھماکے سے پھٹنا ہے۔ جھوٹ کا یہ دھماکہ جب زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو جہنم کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جھوٹا شخص آہستہ آہستہ اپنے جہنمی انجام پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ اس بات کو حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔

۳- دو روّیے:

سچ اور جھوٹ دراصل انسانی شخصیت کے دو روّیے ہیں۔ سچ کا رویہ تخلیقی اور جھوٹ کا رویہ تخریبی ہوتا ہے۔ یہ تخلیق اور تخریب انسانی ذات میں بھی رونما ہوتی ہے اور اس معاشرے میں بھی حتیٰ کہ ذاتی اور معاشرتی زندگی میں مرتب ہونے والی اخروی زندگی کی تشکیل میں بھی رونما ہوتی ہے۔ الغرض صداقت آخرکار جنت کا موجب اور کذب بیانی جہنم کا باعث بنتی ہے۔

Scanned with CamScanner

۴-صدق:

صدق کا ترجمہ راست بازی زیادہ مناسب ہے اور کذب کا دھوکے بازی۔ بہت سے آدمی زبان سے وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں لیکن معاملہ کے وقت بدترین انسان ثابت ہوتے ہیں۔ حدیثؐ کا مطلب یہ ہے کہ راست بازی یعنی ظاہر و باطن میں یکساں ہونا نیکی ہے اور اس کا بدلہ جنت ہے اور دھوکہ بازی خواہ کسی طرح کی ہو بری بات ہے اور اس کی سزا دوزخ ہے۔ مولانا منظور نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح لکھتے ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذات خود بھی نیک عادت ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا بذاتِ خود ایک خبیث خصلت ہے اور اس کی یہ خاصیت ہے کہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کرکے اور اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے تک پہنچ کر پورا لعنتی بن جاتا ہے۔ (معارف الحدیث)

حدیث: ۲۳ غلط بیانی کا جواز

وَعَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی
اور سے اُمّ کلثوم کہا فرمایا رسول اللہ صلی
اور حضرت اُمّ کلثوم سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ
اللہ علیہ وسلم نہیں جھوٹا جو
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان
یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَ یَقُوْلُ خَیْراً وَ یَنْمِیْ
صلح کراتا ہے درمیان لوگ اور کہتا ہے بھلائی اور پہنچاتا ہے
صلح کراتا ہے اور بھلائی کی بات کرتا ہے اور اچھی بات پہنچاتا
خَیْراً۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔
بھلائی۔ (بخاری ومسلم)
ہے۔ (بخاری ومسلم)

شرح الفاظ:

یُصْلِحُ	:	صلح کراتا ہے	
یَنْمِیْ	:	بات پہنچاتا ہے	واحد مذکر غائب فعل مضارع

تشریح حدیث ۲۳:

۱- غلط بیانی کا جواز:

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مصالحت اور مفاد عامہ کے تحت غلط بیانی کرتا ہے اور اس کا مقصد دو مسلمان بھائیوں میں باہم صلح کراتا ہو نیز ان کی باہم عداوت اور حقارت کو ختم کرنا ہو تو اسے کاذب نہیں کہا جائے گا بلاشبہ غلط بیانی، گناہ اور برائی ہے لیکن دو مسلمان بھائیوں میں جنگ و جدل، لڑائی جھگڑائی اس سے بھی بڑا گناہ ہے اس لئے ایک بڑے فتنے اور گناہ کے سدباب کے لئے چھوٹا گناہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

Scanned with CamScanner

"وہ شخص کاذب نہیں جو اچھی بات کہتا ہے اور اچھی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے کیونکہ اس کی نیت اصلاح بین المسلمین ہے۔"

۲- اصلیت کا اخفاء:

بعض علماء نے حدیث کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ یہاں کذب سے مراد اصلیت کا اخفاء ہے جس کا استعمال بعض مواقع پر جائز ہے۔

۱- دو آدمیوں کے باہمی بغض و عداوت کو دور کرنے کے لئے

۲- کسی شخص کو جان و مال کا خدشہ ہو تو اسے بچانے کے لئے

۳- زوجین کے تعلقات کشیدہ ہوں ان میں باہم صلح کرانے کے لئے اور

۴- جنگ کے موقع پر ملی سلامتی اور دفاعی امور کے نقطہ نظر سے دشمنوں سے حقائق کا اخفاء کرنا وغیرہ۔

۳- مسلمانوں میں باہمی اختلاف کے بجائے میل ملاپ:

آدمیوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا، فساد ڈالنا اور انہیں لڑانا اسلام میں بہت برا سمجھا گیا ہے۔ یہاں تک ایک مسلمان کے شان کے شایاں نہیں کہ دو بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈالوائے اس کے برعکس دو شخص یا دو گروہ آپس میں ایک دوسرے سے ناراض ہوں تو ان میں صلح کرانے والا یا صلح کی کوشش کرنے والا بڑا ہی مبارک شخص ہے۔ ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ ایک طرف سے بے شک دوسرے کو ایسی بات کہے جو اس نے فی الواقع نہ کہی ہو یا نہ کی ہو مثلاً کہے کہ تم فلاں شخص سے ناراض کیوں ہو؟ وہ تو طبیعت کا بہت اچھا آدمی ہے۔ میں اسے ملا ہوں وہ تمہاری بڑی تعریف کرتا ہے کہ تم بڑی اچھی خصلت والے ہو۔ درحقیقت وہ تم سے محبت رکھتا ہے۔ الغرض ایسی باتیں بنا سکتا ہے جو اس نے نہ کہی ہوں یہ باتیں جھوٹ میں داخل نہیں سمجھی جائیں گی۔ جھوٹ تو وہ ہے جس سے کسی کا دل کسی کی طرف سے بدظن ہو، کسی کی نیک نامی کو داغ لگے یا دو آدمیوں میں دشمنی پیدا ہو جائے۔

میل ملاپ کرنے کے لئے اچھی باتیں خواہ وہ کسی قدر بڑھ چڑھ کر ہی ہوں یا اپنی طرف سے ہوں۔ دوسرے کو پہنچانا بری بات نہیں ہے کیونکہ اس سے مقصد دو روٹھے ہوئے دوستوں کو باہم ملانا ہے جدا کرنا نہیں ہے۔ اس حدیث میں بھی ارشاد ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہ سمجھا جائے گا

جو لڑتوں کو ملائے، آپس کی ناراضگی دور کرا دے اور اس غرض سے میٹھی میٹھی باتیں بنائے اور ایک طرف سے دوسرے کا اچھا پیغام پہنچائے خواہ وہ پیغام پہنچانے کے لئے اسے نہ کہا گیا ہو۔ معلوم ہوا کہ لڑوانے اور بدنام کرنے کے لئے دل سے گھڑ کر بات کہنا جھوٹ ہے اور بڑا سنگین جرم ہے۔ ہاں صلح اور ملاپ کرانے کے لئے کوئی شخص ایسی باتیں بھی دوسرے کی طرف کہہ سکتا ہے جو ان کی طرف سے کسی کا برا خیال بدلنے کے لئے مفید سمجھتا ہو۔

حدیث کی یہی تشریح مولانا منظور نعمانیؒ نے اس طرح کی ہے:

"کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے اور ہر فریق دوسرے کو اپنا جانی دشمن سمجھتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تو خون خرابہ اور قتل و غارت اور آبروریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور عداوت کے جوش میں ہر طرح کا ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسر جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیراندیشی کی باتیں پہنچائی جائیں جس سے عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو تو اسی مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جو یا نہ باتیں بھی پہنچائے جو واقعہ میں اس فریق نے نہ کہی ہوں تو اس مخلص بندہ کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا جو معصیت اور گناہ ہے اس طرح ایسی غلط بیانی اس صداقت سے بہتر ہے جو فتنہ کا باعث ہو۔"

بس یہی اس حدیث کا منشا ہے اور یہی مطلب ہے۔ حضرت سعدی شیرازیؒ کا مقولہ اسی کی ترجمانی کرتا ہے۔

"دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"

"صلح کرانے والا جھوٹ فتنہ اٹھانے والے سچ سے بہتر ہے۔"

حدیث : (۲۳) رجز

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فِی یَوْمِ حُنَیْنٍ کَانَ

اور سے براء بن عازب کہا میں معرکہ حنین تھے

اور حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ جنگ حنین میں

اَبُوْسُفْیٰنَ بِنِ الْحَارِثِ اٰخِذاً بِعَنَانِ بَغْلَتِهٖ یَعْنِی بَغْلَةَ

ابوسفیان بن حارث پکڑے ہوئے لگام خچر آپ کا یعنی خچر

ابوسفیان بن حارث آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَشِیَهُ

رسول اللہ ﷺ پس جب چھا گیا آپ کو

یعنی رسول اللہ ﷺ کے خچر کی جب مشرکین نے آپ

الْمُشْرِكُوْنَ نَزَلَ فَجَعَلَ یَقُوْلُ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ

مشرک اترے پس لگے کہنے میں نبی نہیں جھوٹا

کو گھیرلیا۔ آپ اترے اور کہنے لگے میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ قَالَ فَمَا رُئِیَ مِنَ النَّاسِ

میں بیٹا عبدالمطلب کہا پس نہیں دیکھا گیا سے لوگ

نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ اس دن

یَوْمَئِذٍ اَشَدُّ مِنْهُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

اس دن پُرعزم (بہادر) آپ سے (متفق علیہ حدیث)

آپ سے زیادہ لوگوں میں سے کوئی بھی بہادر (پُرعزم) نہیں دیکھا گیا۔ (بخاری ومسلم)

شرح الفاظ:

بَغْلَةٌ : خچر، جمع بغال

عِنَانٌ : لگام

غَشِیَهُ : اس نے گھیرلیا آپ کو۔ چھا گئے

رُئِیَ : دکھائی نہ دیا

یَوْمَ حُنَیْنٍ : غزوہ حنین کے دن

تشریح حدیث (۲۳):

اس حدیث کے مفہوم کے لئے غزوہ حنین کا جاننا ضروری ہے۔ فتح مکہ کے بعد آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ عرب کے دو جنگجو قبائل ہوازن وغطفان مسلمانوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ چنانچہ آپ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ حنین کی طرف بڑھے جو پہاڑوں کے درمیان پُرپیچ وادی تھی۔ آپ خچر پر سوار تھے جس کی باگ آپ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث پکڑے ہوئے تھے۔ جونہی مسلمان پیچیدہ گزرگاہوں میں نشیب کی طرف اترے تو لشکر کفار نے کمین گاہوں سے نکل کر اچانک تیراندازی شروع کردی جس سے مسلمانوں مں سراسیمگی پھیل گئی۔ اسلامی لشکر افراتفری میں منتشر ہوکر واپس بھاگا، لیکن رسول خدا استقلال سے اپنی جگہ کھڑے رہے۔ کفار نے آپ کو چاروں طرف سے گھیرلیا۔ آپ اپنی سواری سے اتر پڑتے ہیں اور دشمن کے سامنے کھڑے جلال نبوت کے لہجے میں فرما رہے ہیں۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔

اس حدیث کا مضمون دو باتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

۱۔ اوّل رسول کریم ﷺ اپنی نبوت کا اعلان کر رہے ہیں جو صداقت کا اظہار ہے۔ اس میں خودستائی اور خودنمائی کا کوئی پہلو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار ہے جو آپ کی

زبان مبارک پر بے ساختہ آ گیا- پس اس موقعہ پر اعلان نبوت اظہار تشکر اور تحدیث نعمت کے طور پر کیا گیا جو شرعاً ممنوع اور مذموم نہیں-

۲- دوم- دوسرے مصرعہ میں آپ نے عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کا اعلان کیا ہے- انا ابن عبدالمطلب جو اپنی انسانیت اور آدمیت کا اظہار ہے- کیونکہ خدشہ ممکن تھا کہ بعد کی نسلیں میدان جنگ میں آپ کی محیرالعقول استقامت، شجاعت اور فتح و نصرت دیکھ کر کہیں خدائی صفات سے متصف نہ کر دیں جو شرک کی حدوں کو چھونے لگے- جیسا کہ حضرت یحیٰ کو ان کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا تھا- بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے اپنا مافی الضمیر شعر میں ادا کیا ہے- حالانکہ آپ کی ذات گرامی شعر سے پاک ہے- اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شعر نہیں رجز ہے- عربوں کا شیوہ تھا کہ جنگ میں وفور جذبات سے پرجوش کلام ان کی زبان پر بے ساختہ آ جاتا تھا' چنانچہ اس کو شعر کی بجائے موزوں رجز یہ کلام کہنا زیادہ مناسب ہوگا- یہی بات نبی اکرمؐ کے شایان شان ہو سکتی ہے-

حدیث : ۲۵

اِنکساری

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ									
اور	سے	انس	کہا	آیا	آدمی	طرف	نبی	صلی	اللہ
اور حضرت انس سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ									
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاخَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ									
علیہ	وسلم	پس	کہا	اے	بہترین	مخلوق	پس	کہا	رسول
ﷺ کے پاس آیا پس اس نے کہا اے بہترین مخلوق									

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ
اللہ ﷺ وہ ابراہیم ہے (مسلم نے روایت کیا ہے)
رسول کریم ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیم ہیں- (مسلم)

شرح الفاظ:

خَيْرُ الْبَرِيَّةِ : مخلوق میں بہترین

ذَاكَ : وہ

تشریح حدیث (۲۵):

ایک شخص دربار رسالت میں حاضر ہوا اور آپ کو "خیر البریۃ" سے خطاب کیا- لیکن آپ نے فرمایا: "خیر البریہ حضرت ابراہیمؑ ہیں-" بظاہر آپ کا یہ فرمان اپنے دوسرے قول "اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ" یعنی "میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں" کے خلاف ہے- اس تضاد اور اعتراض کا علماء نے مندرجہ ذیل جواب دیا ہے-

۱- آپ ﷺ نے انکساری اور تواضع سے حضرت ابراہیمؑ کو خیر البریۃ کہا-

۲- ممکن ہے رسول اکرم ﷺ نے یہ پہلے فرمایا ہو جبکہ آپ کو سیدالخلق اور افضل الانبیاء ہونے کا علم بعد میں دیا گیا ہو-

۳- سیدنا ابراہیم علیہ السلام یہود، نصاریٰ اور اہل السلام کے جدِ امجد تھے اور اپنے زمانے میں افضل الخلق تھے- جب آنحضور ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ سیدالاولین والآخرین قرار پائے-

حدیث : ۲۶

غُلُوّ

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ								
اور	سے	عمر	کہا	فرمایا	رسول	اللہ	صلی	اللہ
اور حضرت عمر سے مروی ہے- انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ								

Scanned with CamScanner

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِی كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی

علیہ وسلم نہ تعریف کرو میری جیسے تعریف کی نصاریٰ

علیہ وسلم نے فرمایا: میری تعریف ایسی نہ کرو جیسے نصاریٰ (عیسائیوں)

اِبْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ

ابن مریم تو صرف میں بندہ اس کا پس کہو تم اللہ کا بندہ

نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا- میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں- پس تم (مجھے)

وَ رَسُوْلُهٗ- مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ-

اور رسول اس کا-

اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو- (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

لَاتَطْرُوْنِیْ : تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو- اطراء کسی کی حد سے بڑھ کر تعریف کرنا-

اِبْنِ مریم : مریم کا بیٹا، حضرت عیسیٰؑ

تشریح حدیث (٢٦):

اس حدیث کا مضمون نصاریٰ کی ایک گمراہی کی نشان دہی کرتا ہے وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں نے ان کی بڑھا چڑھا کر تعریف کی اور ان کی مدح ستائش میں اس قدر مبالغہ آمیزی کی کہ انہیں عبدیت کے دائرے سے نکال کر الوہیت اور ابنیت کے مقام پر فائز کر دیا- اس گمراہی کی نشاندہی قرآن مجید میں کی گئی ہے-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ- (المائدہ ٧٢)

"یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے-" دوسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ- (المائدہ:٧٣)

"یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے-" آپ ﷺ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ تم عیسائیوں کی طرح مجھے الوہیت کے مقام پر فائز نہ کرنا میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں- اس کا رسول ہوں اور اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے-

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ-

پس موحد اعظم ﷺ نے شرک و کفر کے وہ تمام راستے بند کر دیئے جو پہلی قوموں کی گمراہی کا سبب بنے اور اپنے لئے عبدیت کا مقام پسند کیا- چنانچہ بندہ ہونا آنحضور ﷺ کی خصوصی صفت ہے اور عبدیت کے وصف میں آپ کامل ہیں- ہر مسلمان وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتا ہے اور الضالّین سے مراد یہاں عیسائی ہیں-

حدیث: (٢٧)

حقوقِ اُمّ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ

سے ابوہریرہؓ کہا پوچھا آدمی اے اللہ کے رسول کون زیادہ حق والا

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ

بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ

اچھے میرے صحبت فرمایا تیری والدہ کہا پھر کون فرمایا تیری والدہ

میرے حسن سلوک کا کون زیادہ حق دار ہے- آپ نے فرمایا تیری ماں اس نے کہا پھر کون فرمایا تیری ماں

قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ وَ

پوچھا پھر کون فرمایا تیری والدہ پوچھا پھر کون فرمایا تیرا والد اور

کہا پھر کون فرمایا تیری ماں کہا پھر کون فرمایا تمہارا باپ

فِــيْ رِوَايَةٍ قَــالَ اُمُّکَ ثُمَّ اُمُّکَ ثُمَّ اُمُّکَ ثُمَّ

میں روایت فرمایا تیری والدہ پھر تیری والدہ پھر والدہ پھر

اور ایک روایت میں ہے- فرمایا تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیرا باپ

اَبَاکَ ثُمَّ اَدْنَاکَ- مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

تیرا والد پھر تیرا قریبی- (بخاری و مسلم)

پھر تیرا قریبی رشتہ دار-

شرح الفاظ:

صَحَابَتِیْ : میرے حسنِ سلوک

اَدْنَاکَ : تیرا قریبی رشتہ دار

تشریح حدیث (۱۲):

یہ حدیث مندرجہ ذیل امور کی نشاندہی کرتی ہے:

۱- حسنِ سلوک:

حسن سلوک اگرچہ ساری مخلوق کا حق ہے لیکن جس شخص میں اومومت اور ربوبیت دونوں اوصاف جمع ہوں اس جتنا کوئی ددوسرا حسن سلوک کا مستحق نہیں بنتا - اور ایسا شخص دنیا میں جرف ایک ہی ہوتا ہے وہ ہے ہر انسان کی ماں- اس نے انسان کو جنم بھی دیا یعنی وہ اُم ہے اور پھر تربیت بھی کی یعنی وہ صفت ربوبیت کا پیکر بھی ہے-

۲- والدہ کی فوقیت:

حسن سلوک میں والدہ کی اولیت اور فوقیت کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ جو تخلیق کا تعلق ہے اس کا واضح مظہر دنیا میں ہر انسان کی ماں ہے جو وھنًا علی وھن اپنے مولود کو جنم دیتی ہے پھر اس کی حفاظت اور اس کی پرورش دونوں میں اپنی سی پوری کوشش صرف کر

ڈالتی ہے اور جس طرح خدا تعالیٰ رب ہے اور درجہ بدرجہ پرورش کے مراحل میں ہمیشہ ساتھ رہتا ہے نہ اپنی رحمت کا سایہ اٹھاتا ہے اور نہ ذرائع کے بہم پہنچانے میں کوئی کمی کرتا ہے- اس ربوبیت کا قریب ترین اور واضح ترین مظہر بھی اللہ تعالیٰ نے ماں کو ہی بنایا ہے- اس لئے وہ خدمت حسن سلوک اور دیکھ بھال کی زیادہ حق دار ہے-

۳- باپ درجہ ثانی میں ہے:

ماں کے مقابلے میں باپ کا تعلق نومولود سے صرف اتنا ہے کہ وہ اسباب زیست فراہم کرتا ہے- نہ جنم دیتا ہے نہ ماں کی طرح پرورش کرتا ہے بلکہ اپنی صلاحیتوں کو دیگر ذرائع کے ساتھ استعمال کر کے وہ اسباب فراہم کرتا ہے جو ماں کی پرورش کے فریضے میں مددگار ثابت ہوسکیں- گویا اصل کام ماں کرتی ہے- باپ تو صرف اسباب فراہم کرنے والا ہوتا ہے- اسی لئے اسلام میں خدمت اور حسن سلوک میں والدہ کے بعد والد کا درجہ ہے-

۴- قرآن و حدیث کے مطابق:

انسان جس ہستی کا سب سے زیادہ ممنون احسان ہے اور اس کے حسن سلوک کی جو ہستی سب سے زیادہ مستحق ہے وہ صرف اور صرف ماں ہے- باپ کا مقام اس سے کم تر ہے-

۵- تیسرا درجہ:

باقی رشتہ دار اور لواحقین یا تو اخلاقی مدد کا باعث بنتے ہیں یا قائم مقام مقام کے طور پر اسباب کے فراہم کرنے والے ہوتے ہیں- (یعنی جب باپ اس فریضے کو سرانجام دینے سے قاصر ہو) تو ان کا مقام ظاہر ہے کہ باپ کے بعد ہے- چنانچہ "ثُمَّ اَدْنَاکَ ثُمَّ اَدْنَاکَ" کے الفاظ ماں اور باپ دونوں کے بعد ہی لئے آئے ہیں کہ قریبی رشتہ داروں کا پرورش میں واقعی تیسرا درجہ ہوتا ہے-"

۶- اس حدیث پاک سے حفظ مراتب کا اصول بھی سامنے آتا ہے- مرتبہ اسی کا بلند ہوتا ہے جو اومومت اور ربوبیت کے اوصاف دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ رکھے-

۷- ایک اومومت اور ربوبیت جسمانی ہے جس کی طرف حدیث زیر بحث میں اشارہ کیا گیا ہے- دوسری اومومت اور ربوبیت روحانی ہوتی ہے جو نبی اور استاد کرتے ہیں، اس لئے نبی اور استاد کا مقام باپ سے بھی فائق ہوتا ہے-

Scanned with CamScanner

حدیث : ۲۸ — والدین کی خدمت

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اور سے وہ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ
اور انہی (ابوہریرہؓ) سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ
رَغِمَ اَنْفُهُ رَغِمَ اَنْفُهُ قِيْلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
خاک آلود ہوئی ناک اس کی خاک آلود ہوئی ناک اس کی کہا گیا کون یا رسول اللہ
نے فرمایا اس کی ناک خاک آلود ہوئی اس کی ناک خاک آلود ہوئی کہا گیا کس کی یا رسول اللہ
قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدَهُمَا
فرمایا جس نے پایا اپنے والدین پاس بڑھاپا ایک ان دو سے
فرمایا جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا ان دونوں کو بڑھاپے میں پایا۔
اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ
یا دونوں وہ پھر نہ داخل ہوا۔ جنت۔ (اسے مسلم نے روایت کیا)
پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم)

شرح الفاظ:

رَغِمَ اَنْفُهُ : خاک آلود ہوئی اس کی ناک یعنی ذلیل ورسوا ہوگیا۔

کِبَر : بڑھاپا

اَدْرَکَ : اس نے پایا

کِلَاهُمَا : ماں باپ دونوں کو

تشریح حدیث ۲۸ :

یہ حدیث مندرجہ ذیل امور کا تقاضا کرتی ہے:

۱- خدمت:

والدین کی خدمت نہ صرف اخلاقی اور معاشرتی فریضہ ہے بلکہ یہ ایک دینی فریضہ بھی ہے جس کی ادائیگی دوسرے فرائض کی طرح ضروری ہے۔ پھر والدین کے زندہ ہونے کے باوجود ان کی خدمت نہ کر سکنے کی واحد صورت یہ ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی خدمت کے کسی طرح محتاج نہ ہوں۔

۲- بڑھاپے میں کفالت:

بڑھاپا جب انسان کو معذوری مین مبتلا کر دے تو اس کی دیکھ بھال کا معقول انتظام ہر اس نظام کا فریضہ ہے جو انسانی اقدار کے حامل ہونے کا دعوٰی رکھتا ہے۔ اگر کوئی نظام معاشرت ہر خوبی سے آراستہ ہو لیکن اس میں بوڑھوں اور معذوروں کی کفالت کا باعزت اور باوقار اہتمام نہ پایا جائے تو وہ معاشرہ ایک اچھا اور معیاری معاشرہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۳- شرفِ انسانیت:

شرفِ انسانیت کا تقاضا ہے کہ انسان کے تمام مراحل یعنی شیرخوارگی، بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا ایسے انداز سے گزریں کہ وقار اور شرف پر آنچ نہ آئے۔ عام طور پر جوانی تک کے مرحلے کو تو ایک معاشرتی اہمیت حاصل ہوتی ہے، لیکن بڑھاپے کے مرحلے کو نظرانداز کرتے ہوئے اس کے تہذیبی تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا۔

۴- تہذیبی تقاضا:

دینِ اسلام ان تہذیبی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اسلام میں والدین سے حسن سلوک، ان کی اطاعت اور خدمت اور بالخصوص بڑھاپے میں ان کی دیکھ بھال نہ صرف دینی فریضہ ہے بلکہ ایک معاشرتی خوبی اور تہذیبی تقاضا بھی ہے۔ پھر آخرت میں کامیابی اور ناکامی کا انحصار اسی تہذیبی تقاضے پر ہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث : (۲۹)

محرّمات

وَعَنَ الْمُغِيرَ ةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
اور سے مغیرہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
اور حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ
علیہ وسلم بیشک اللہ حرام کیا تم پر نافرمانی- ماؤں کی اور لڑکیوں
وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی- اورلڑکیوں
وَ وَاْدَالْبَنَاتِ وَ مَنْعًا وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ
کا زندہ درگور کرنا بیٹیاں اور نہ دینا اور مانگنا اور کہا گیا
کا زندہ درگور کرنا-اور بخل اور گداگری کو حرام کر دیا ہے اور
وَ قَالَ وَ كَثْرَةَ السُّوَالَ وَاضَاعَةَ الْمَالِ– مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
اور کہا اور زیادہ سوالات کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کیا ہے-
تمہارے لئے قیل و قال اور زیادہ سوالات کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کیا ہے- (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

عُقُوْقَ الْاُمَّهَات : نافرمانی ماؤں کی

وَأْدِ : زندہ درگور کرنا

بنَات : لڑکیاں - واحد بنت

مَنْعًا : روکنا- یعنی بخل

هَاتِ : لاؤ مجھے دو- یعنی گداگری

اِضَاعَة : ضائع کرنا- ضیاع

تشریح حدیث (۲۹):

اس حدیث میں مندرجہ ذیل معاشرتی برائیوں اور معاشی مفاسد سے روکا گیا ہے-

۱- عقوق الامہات:

ماؤں کی نافرمانی ان کی خدمات کی احسان فراموشی ہے جس نے صرف تکلیف میں مبتلا ہوکر جنم دیا بلکہ تکلیف میں مبتلا ہوکر پرورش بھی کی اور خالصتاً انسانی محبت کے پیش نظر اتنی مشقت اٹھائی-

۲- بخل:

جو کچھ اپنے قبضے میں ہے اس پر سانپ بن کر بیٹھا رہنا اور جو دوسروں کے قبضے میں اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور دینی ہر لحاظ سے ایک گھٹیا حرکت ہے-

۳- وادالبنات:

شرف انسانیت کی ذرا سی رمق بھی باقی نہ رہے تو انسان اپنی لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کرنے لگتا ہے- اس انتہائی گھناؤنے فعل کو کوئی تہذیب یافتہ معاشرہ قبول نہیں کرسکتا-

۴- گداگری اور اسراف:

کسی سے بھیک مانگنا اپنے شرف کو بٹا لگانے کے مترادف ہے- اس کی نوبت اس وقت آتی ہے جب اپنے مال کو بے جا طور پر خرچ کرکے گنوا دیا جائے- بھیک مانگنا اور مال کو ضائع کرنا لازم ملزوم ہیں-

Scanned with CamScanner

۵- کثرت سوال:

ایسے غیرضروری سوالات جن میں سے دین کا فائدہ ہو اور نہ دنیا کا اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسے سوالات جس سے اپنے علمی تفوق کا اظہار ہو یا بلاوجہ تجسس اور چھان پھٹک ہو قیل وقال ہی کے زمرے میں آتے ہیں کہ آدمی دینی امور میں یونہی بلاتحقیق لوگوں کے اقوال نہ نقل کرتا رہے فلاں نے یوں کہا اور فلاں کی رائے یہ ہے۔ (عمدۃ القاری)

الغرض حدیث میں مندرجہ ذیل امور کی ممانعت کی گئی ہے۔

والدہ کی نافرمانی، گداگری، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، حقوق کی ادائیگی میں لیت ولعل سے کام لینا، غیرضروری باتوں میں تجسس، بخل اور اسراف یہ امور معاشرتی برائیاں ہیں جو آخرکار قوم کو تباہ کردیتی ہیں۔

سبّ وشتم

حدیث: ۳۰

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

اور - سے - عبداللہ - بن - عمرو - کہا - فرمایا - رسول - اللہ - صلی

اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ

اللہ - علیہ - وسلم - سے - کبیرہ - گناہ - گالی - دینا - آدمی - والدین - اس - کے

نے فرمایا آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (صحابہ نے)

قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ

کہا - اے - اللہ - کے - رسول - اور - کیا - گالی - دیتا - ہے - آدمی - والدین - اپنے - فرمایا

کہا یا رسول اللہ! کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ فرمایا۔

نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهٗ

ہاں گالی دیتا ہے باپ آدمی پس وہ گالی دیتا ہے باپ اس کا اور گالی دیتا ہے اس کی ماں

ہاں وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کی ماں کو گالی دیتا

فَيَسُبُّ اُمَّهٗ- مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

پس وہ گالی دیتا ہے ماں اس کی۔ (بخاری ومسلم)

ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

تشریح حدیث ۳۰:

حدیث زیرنظر میں معلم اخلاق آنحضور ﷺ نے والدین کا ایک حق یہ بتایا ہے کہ انہیں براہ راست گالی تو کجا، بلاواسطہ بھی گالی نہ دینی چاہیے۔ یعنی دوسروں کے والدین کو برا بھلا کہنا اور وہ جواباً تمہارے والدین کو برا بھلا کہیں۔ اس میں مندرجہ ذیل امور مضمن ہیں:

۱- ماں باپ قابلِ احترام ہیں۔ انہیں طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔

۲- جس طرح اپنے ماں باپ قابل احترام ہیں اسی طرح دوسروں کے والدین کا احترام بھی ضروری ہے۔ عدم احترام جس کی ایک شکل گالی ہے گناہ کبیرہ ہے۔

۳- ایک دوسرے کے بزرگوں کا احترام کرنا معاشرتی اخلاق کا باعث ہوتا ہے اور باہمی انس کی بنیاد بنتا ہے۔ حتیٰ کہ دوسروں کے معبودوں کو بھی برا بھلا نہ کہنا چاہیے۔

۴- عزت سب کی برابر ہوتی ہے۔ عزت کرنے سے عزت حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کی بے عزتی کرنے سے انسان اپنی بے عزتی کو دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کے بزرگوں کا احترام اپنے بزرگوں کا احترام کرواتا ہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث: ۲۱

صِلۂ رحمی

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
اور سے انسؓ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
اور حضرت انسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَہٗ فِی
علیہ وسلم جس نے پسند کیا بڑھا دیا جائے گا اس کے لئے میں
نے فرمایا: جو چاہے کہ اس کا رزق بڑھا دیا جائے اس کی اجل میں تاخیر کی جائے-
رِزْقِہٖ وَ یُنْسَالَہٗ فِیْ اَثَرِہٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَہٗ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ
رزق اس کا اور تاخیر کی جائے اجل اس کی (عمر) تو ملائے قرابت اپنی
اسے چاہیے کہ صلۂ رحمی کرے-

شرح الفاظ:

اَحَبَّ : اس نے چاہا-

یُبْسَطُ : بڑھا دیا جائے- یَبْسُطُ کے معنی پھیلانے اور کشادہ کرنے کے ہیں-

یُنْسَا : تاخیر کی جائے-

اَثَرِہٖ : اس کی عمر- اَثَر کے لفظی معنی نشانِ قدم کے ہیں-

تشریح حدیث ۲۱:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرے کہ اس کے رزق میں کشادگی کی جائے اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرے-

الصلة:

صلہ کے لفظی معنی ملانا اور جوڑنا کے ہیں یہاں صلہ سے مراد صلہ رحمی ہے یعنی قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا، ان کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنا اور تعلق استوار کرنا، ان کی خوشی و غم میں شریک ہونا-

صلہ رحمی کے تقاضے:

صلہ رحمی کا تقاضا رشتے داروں سے حسن سلوک، ان کی سرد مہری کے باوجود ان سے تعلق قائم رکھنا نیز ان کی ہر قسم کی مالی امداد کرنا-

حسن سلوک:

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَ ذِی الْقُرْبٰی- (البقرہ:۸۳)

''ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی-''

ایک اور جگہ یوں آتا ہے:

فَاٰتِ ذِی الْقُرْبٰی حَقَّہٗ (الروم:۳۸)

''پس تم قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو-''

احادیث میں تاکید:

صلۂ رحمی کی تاکید اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ بدخواہ رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید گئی ہے- رشتہ داروں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دل بغض اور کینہ سے بھرے ہوتے ہیں اور وہ تکلیف کا باعث بنتے ہیں- بات بات پر الجھتے ہیں، عین وقت پر نقصان پہنچاتے ہیں- اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے ساتھ صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے حسن سلوک کا حکم دیا ہے- ایک حدیث میں آتا ہے، ایک شخص آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''یا رسول اللہ! میرے رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتے- میں ان سے بھلائی کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں- میں بردباری سے پیش آتا ہوں مگر وہ سختی کرتے ہیں-''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ایسا ہے تو تو ان کے منہ میں گرم راکھ بھرتا ہے-''

Scanned with CamScanner

صلہ رحمی کے فائدے:

حدیث میں صلہ رحمی کے دو فائدے بیان کئے گئے ہیں:

۱- رزق میں کشادگی:

رزق میں فراوانی کی ایک وجہ اپنے قرابت داروں سے حسن سلوک ہوتی ہے کیونکہ قرابت داروں سے تعلقات کشیدہ ہونا انسان کی ذہنی پریشانی کا باعث ہوتا ہے اور وہ اپنی پوری توجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتا- پھر رشتہ داروں سے حسن سلوک انسان کی صحت پر نہایت اچھا اثر ڈالتا ہے- کچھ اس لئے کہ وہ پوری توجہ سے روزی کماتا ہے اور خوشحالی حاصل ہوتی ہے- رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے رزق بڑھتا ہے پھر بغض، کینہ جیسی برائی اور جلن سے محفوظ رہنے کی وجہ سے کسی اعصابی مرض میں مبتلا نہیں ہوتا اور وہ تندرست اور صحت مند رہتا ہے اور روزق کمانے پر اسے قوت حاصل ہوتی ہے-

علاوہ ازیں خون کے رشتوں کا خراب ہونا اعصابی تناؤ کا باعث بنتا ہے اور یوں دوسرے انسانی رشتے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں حتیٰ کہ اچھے اور سچے دوست بھی بدگمان ہونے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور یوں پریشانیوں کا ایک الاؤ دہکنے لگ جاتا ہے-

اسلامی تعلیمات انسان کے لئے Soothing effect رکھتی ہیں- قطع رحمی اس کے برعکس اثر رکھتی ہے اس لئے امن اور سلامتی کی فضا برقرار رکھنے کے لئے رشتہ داروں اور لواحقین سے درگزر کرتے رہنا بہترین حکمت عملی ہے-

۲- عمر میں اضافہ:

اس کی دو شکلیں ہیں- اول عمر میں حقیقی اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ تقدیر معلق کا ہونا دوم عمر میں اضافہ سے مراد عمر میں برکت عطا ہونا ہے- نیکیوں کی توفیق ملتی ہے اس کی عمر ذکر الٰہی اور امور خیر میں صرف ہوتی ہے نیز اس کے اعمال صالحہ کی وجہ سے دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی رہتا ہے- نیک اولاد اس کے حق میں دعا کرتی ہے اس طرح اس کا نام زندہ رہتا ہے-

اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے اگر یہ شخص صلہ رحمی کرے گا تو اس کے رزق میں وسعت اور برکت ہوگی اور اس کی عمر بڑھا دی جائے گی-

کارکنان قضا و قدر کو لوح محفوظ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مثلاً فلاں شخص کی عمر پچاس سال ہے اور اسے اس قدر رزق ملنا چاہیے الا یہ کہ وہ صلہ رحمی کرے- اگر وہ رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے تو اس کے برتاؤ کے تناسب سے اس کے رزق میں برکت اور وسعت ہوتی ہے اور اس کی عمر میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے اور اگر وہ صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر میں اضافہ نہیں ہوتا اور اس کے رزق میں وسعت اور برکت بھی نہیں ہوتی-

رحم دلی

حدیث : [illegible]

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

سے جریرؓ بن عبداللہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی

حضرت جریرؓ بن عبداللہ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ

اللہ علیہ وسلم نہیں رحم کرتا اللہ جو نہیں رحم کرتا

نے فرمایا- اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم

النَّاسَ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

لوگ- (بخاری ومسلم)

نہیں کرتا-

تشریح حدیث [illegible]:

کلمہ ''رحم'' مادہ ہے اور اس مادے سے رحمت، رحیم اور رحمان کے کلمات ہیں جن کے معانی میں محبت، شفقت، نرمی، ہمدردی، غمگساری اور عفو و درگز کا مفہوم پایا جاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ

Scanned with CamScanner

اس کے محدود معنی ہیں۔ "رحم" بہت وسیع لفظ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنے لئے بھی اور بندوں کے لئے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ اس لفظ میں جملہ پدرانہ شفقتیں، مادرانہ محبتیں اور معلمانہ مہربانیاں جمع ہیں جن کا مکمل احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

رحم کرنا گویا اس طرح دوسروں کی پرورش کرنا ہے جیسے رحم مادر میں جنین کی پرورش ہوتی ہے۔ دوسروں کیلئے ایسا ماحول فراہم کرنا جس میں وہ پنپ سکیں، ایک خدائی صفت ہے۔ انسان کو بھی اپنے اندر یہ صفت برقرار رکھنی چاہیے۔

جذبہ رحم کا طبعی تقاضا ہے کہ ایک دوسرے سے رحمت اور شفقت سے پیش آیا جائے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوا جائے۔ اس کی تاکید اور تلقین آنحضور ﷺ نے بار بار کی ہے۔ چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

۱- حدیث قدسی ہے:

یَقُوْلُ اللّٰہُ اِنْ کُنْتُمْ تُرِیْدُوْنَ رَحْمَتِیْ فَارْحَمُوْا خَلْقِیْ۔

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تم میری رحمت کی امید کرتے ہو تو میری مخلوق پر رحم کرو۔"

۲- پھر فرمایا:

اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفَقَۃُ عَلٰی عِیَالِ اللّٰہِ۔ (بیہقی کتاب الایمان)

(دین اسلام) اللہ کے احکام کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت (کا نام) ہے۔"

۳- ایک اور موقع پر فرمایا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔

مولانا حالی نے اس حدیث کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

۴- جو شخص رحم کرے گا اگرچہ ایک چڑیا کے لئے کیوں نہ ہو، خدا تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔

خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

۵- رحم رحمان کی جڑ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"جس نے تجھے جوڑے رکھا، میں اسے جوڑے رکھوں گا اور جس نے تجھے توڑ دیا میں اسے توڑ دوں گا۔" (بخاری)

حدیث کا پس منظر:

آنحضور ﷺ نے نہ صرف رحمت و شفقت کی تعلیم فرمائی بلکہ عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ آپ ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے تھے۔ بچوں پر بھی آپ انتہائی شفیق اور رحیم تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسنؓ کا بوسہ لے کر شفقت کا اظہار کیا۔ اقرع بن حابس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے شفقت بھرے اس عمل کو دیکھ کر عربوں کی روایتی شقاوت کے مطابق استعجاب کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول رحمت ﷺ نے حکیمانہ انداز میں فرمایا:

مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ۔ (متفق علیہ)

حدیث: ۳۲

اُخُوّت

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

اور سے نعمان بن بشیر کہا رسول اللہ

اور نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا، کہ رسول اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ

صلی اللہ علیہ وسلم تو دیکھے گا مومنین میں

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو مومنوں کو باہم رحم کرنے اور باہم

تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ

باہمی رحمدلی ان کی اور باہمی محبت ان کی اور باہمی شفقت ان کی مانند مثال جسم

محبت کرنے اور باہم شفقت کرنے میں ایک جسم کے مانند دیکھے گا

اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ

(کی) بیمار ہوا عضو باہم دعوت دیتا ہے لئے اُس کے تمام جسم

کہ جب ایک عضو بیمار ہو تو تمام جسم اس کی خاطر

بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ساتھ بے خوابی اور بخار اتفاق ہے اس پر۔ (بخاری و مسلم)

بے خوابی اور بخار میں اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ (یہ حدیث امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بیان کی ہے)

شرح الفاظ:

تراحم	:	باہمی رحم
تعاطف	:	باہمی شفقت
تَوَادّ	:	باہمی محبت
اَلسَّهَر	:	بیداری
تَدَاعٰی	:	دعوت دی
اَلْحُمّٰی	:	بخار

تشریح حدیث (۳۳):

پس منظر:

حدیث کو سمجھنے کے لئے قبل از اسلام عرب کا معاشرتی ماحول پیش نظر رکھنا چاہیے جبکہ عرب کے قدیم جاہلی معاشرہ میں ظلم و جور، سنگدلی اور شقاوت کا دور دورہ تھا۔ انسانیت نے حیوانیت کا روپ دھار لیا تھا۔ رحم، شفقت، محبت و الفت، غم خواری اور غم گساری نام کی کوئی چیز اس معاشرہ میں نہ تھی۔

اخوت کی بنیادیں:

ایسے تاریک ماحول میں سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے اور انسانیت کو پیار و محبت اور انس و اُلفت سے روشناس کرایا۔ بھائی چارے اور اخوت کا درس دیا۔ اخلاص و خیرخواہی کی تلقین کی۔ رحمت عالم نے اخوت کی پہلی بنیاد یہ بتائی ہے کہ

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى - (الحجرات:۱۳)

یعنی بنی نوع انسان کی اصل ایک ماں باپ حوا اور آدم ہے جو کہ مٹی سے پیدا کئے گئے تھے اور پوری مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ لہٰذا ایک انسان کو دوسرے انسان پر رنگ و نسل، وطن اور زبان کی وجہ سے کوئی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہوتی پھر خون ریزی، قتل و غارت اور اونچ نیچ کیوں؟ دوسری بنیاد یہ بتائی جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں وہ تمام بھائی بھائی ہیں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ - (الحجرات:۱۰)

ان کا خدا ایک، رسول ایک، دین ایک اور قبلہ ایک ہے تو پھر تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے وہی سلوک کرے جو ایک بھائی دوسرے بھائی سے کیا کرتا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

سرکار دو عالم نے امت کو واشگاف الفاظ میں تاکید کی کہ دنیا کے تمام مسلمان بلالحاظ رنگ و نسل، ملک و قوم دینی اخوت کے رشتہ میں منسلک ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تمام مسلمان آپس میں ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے پھر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر جال بنایا۔'' امت مسلمہ کی قوت اور مضبوطی ظاہر کرنا مقصود تھا۔ حج الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب اہل اسلام کی ایک برادری ہے۔ کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں جب تک وہ اپنی خوشی سے نہ دے اور نہ ہی ایک دوسرے پر ظلم کرو۔''

مزید فرمایا:

''سارے مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہے

Scanned with CamScanner

تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر دکھتا ہے تو سارا جسم دکھتا ہے۔" (مسلم)

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

یہی عالم گیر اور ہمہ گیر اخوت ہے، جس کی تعلیم رسول پاکؐ نے امت مسلمہ کو دی کہ وہ اصلی نسبی بھائی کی طرح ہوجائیں۔ شفقت و رحمت، محبت و الفت، ایثار و قربانی، ہمدردی، خیرخواہی، خندہ پیشانی و خندہ روی کے بارے میں صحابہ کرام نے ان ارشادات نبوی کو سنا اور نہ صرف سنا بلکہ ان پر عمل بھی کیا۔ پوری تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔

کامل مومن

حدیث ٣٧ :

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اور سے انس کہا کہا رسول اللہ صلی اللہ اس پر
اور حضرت انسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى
اور سلام بھیجا قسم جو جان میری میں ہاتھ اس کا نہیں مومن ہوتا بندہ یہاں تک کہ
قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں
يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
وہ چاہے لئے بھائی اپنے جو چاہتا ہے لئے جان اس کی
ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح حدیث ٣٧ :

اس حدیث میں ہر مسلمان کے لئے لازمہ ایمان قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایثار و قربانی سے کام لے اور اپنے دیگر مسلمان بھائیوں کے لئے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ قرآن مجید میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو معیاری مومن تھے کا ایک نمایاں وصف یہ بیان کیا گیا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (الحشر۔۹)

یعنی" وہ تنگدستی کے باوجود دوسرے مسلمان بھائیوں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔"

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک صحابیؓ کو کسی نے بھنی ہوئی سری بھیجی۔ صحابی نے خیال کیا کہ میرا فلاں بھائی زیادہ حاجت مند ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو بھیج دی جائے جب سری اس کے پاس پہنچی تو اس نے آگے ایک مسلمان بھائی کو بھیج دی۔ اس طرح یہ سری کئی ہاتھوں میں پھر کر پہلے مسلمان کے پاس آگئی۔ (کیمیائے سعادت)

اسی طرح ایک صحابیؓ ابوجہم بن حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے میدان میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلے۔ پانی ساتھ لے کر بھائی کے پاس پہنچے۔ اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ اسے پانی پلانے ہی کو تھے کہ دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ زخمی نے اپنے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اس کراہنے والے کو پلاؤ۔ صحابی اس کے پاس پہنچے اور اس کو پانی پلانے ہی کو تھے کہ تیسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ انہوں نے صحابیؓ سے کہا کہ پہلے اسے پلاؤ۔ چنانچہ صحابیؓ پانی لے کر تیسرے زخمی کے پاس پہنچے تو وہ جاں بحق ہوچکے تھے۔ واپس آئے تو دوسرے زخمی بھی جنت کو سدھار چکے تھے۔ جب بھائی کے پاس آئے تو وہ بھی جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔ یہ ہے عملی تفسیر اس زیرنظر حدیث کی۔

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔" (مسند احمدؒ ج ٣)

"تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

ایسے ہی خیرخواہی اور محبت کے جذبات، اخوت اور بھائی چارے کے اوصاف قوموں کو پستی سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیتے ہیں اور وہ آنے والی نسل کے لئے دائمی روشنی کے مینار بن جاتے ہیں۔ یہ اسلامی اخوت کا ہی اعجاز تھا کہ دس سال کی مختصر مدت میں جس قوم نے

Scanned with CamScanner

رسول پاک ﷺ کے زیرسایہ تربیت پائی تھی اسے ایک صدی کے اندر اندر خدا تعالیٰ نے وقت کی معلوم دنیا کے بہترین خطوں کی تقدیریں سونپ دیں اور وہ دنیا کے امام و قائد بن گئے اور جب یہ اتحاد اوراخوت کا رشتہ کمزور ہوا تو امامت کا منصب ان سے چھن گیا۔ اب بھی امت مسلمہ کے لئے عظمت گم شدہ حاصل کرنے کا راز اسلامی اخوت اور اتحاد میں مضمر ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا شغر

حدیث: ۳۵ اللہ کی خاطر محبت کا اجر

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اور سے ابوہریرہؓ سے نبی ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے

اَنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَّهٗ فِیْ قَرْیَةٍ اُخْرٰی فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ

بے شک ایک آدمی زیارت کی بھائی اس کا میں بستی دوسری پس بٹھایا

کہ ایک آدمی اپنے بھائی سے دوسری بستی میں ملنے جا رہا تھا۔ اللہ نے اُس کے راستے پر ایک

عَلٰی مَدْرَجَتِهٖ مَلَکًا، قَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ قَالَ اُرِیْدُ اَخًا لِّیْ

اللہ نے واسطے اُس پر راستے اس فرشتہ کہا کہاں ارادہ کرتا ہے تو کہا میں ارادہ کرتا ہوں بھائی میرا

فرشتہ انتظار میں بٹھا دیا۔ فرشتے نے کہا: کہاں (جانے) کا ارادہ ہے اس نے کہا اس بستی میں اپنے بھائی سے ملنے جا رہا ہوں

فِیْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ فَقَالَ هَلْ لَکَ عَلَیْهِ مِنْ نِّعْمَةٍ

میں اس بستی کہا کیا تیرے لئے پر اُس سے احسان

اس نے کہا کیا تیرا اس پر کوئی احسان ہے

تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَیْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُهٗ فِی اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّیْ

پرورش کرتا ہے تو اُس کہا نہیں سوائے بے شک میں محبت کرتا ہوں اُسے میں اللہ کہا پس بے شک میں

جسے تم پورا کرنے جا رہے ہو؟ کہا نہیں سوائے اس کے کہ میں اُس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں،

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّکَ کَمَا

ایلچی اللہ کا طرف تیرے کہ اللہ تحقیق محبت کرتا ہے تم جیسا

فرشتے نے کہا: بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا پیغام رساں ہوں کہ جس طرح

اَحْبَبْتَهٗ فِیْهِ (رواہ مسلم)

تو محبت کرتا ہے اُس میں اللہ (اِسے روایت کیا مسلم نے)

تو اللہ کے لئے اُس سے محبت کرتا ہے اللہ بھی تم سے محبت رکھتا ہے (مسلم)

تشریح حدیث ۳۵:

حدیث میں پہلی امتوں میں سے کسی آدمی کا تذکرہ ہے جو دوسری بستی میں اپنے بھائی سے ملاقات کرنے جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے راستہ پر ایک فرشتہ انتظار میں بٹھا دیا تا کہ اُسے خوشخبری سنائے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی اللہ کے فرشتے ہمکلام ہوسکتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے ہمکلام ہوئے تھے حالانکہ حضرت مریم پیغمبر نہیں تھیں۔

Scanned with CamScanner

حدیث کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے صرف اللہ کی خاطر محبت کرتا ہے تو یہ بہت پسندیدہ فعل ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی جزا یہ دیتا ہے کہ ایسے آدمی کو اپنے محبوب بندوں میں شامل کر لیتا ہے۔

دنیا میں محبت کرنے کی کئی وجوہ ہوتی ہیں، کچھ لوگ اپنے خونی رشتے کی وجہ سے اپنے بہن، بھائیوں، بیٹے بیٹیوں، والدین اور دیگر عزیز و اقارب سے محبت کرتے ہیں۔ کچھ اور لوگ دنیاوی مال و دولت کے لئے دولت مند لوگوں سے محبت کرتے ہیں، محبت کا ایک تعلق جنسی کشش اور حسن و جمال کی وجہ سے بھی پروان چڑھتا ہے۔ کچھ لوگ صاحبانِ جاہ و اقتدار سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں تاکہ اُن سے اپنی حاجت روائی کے لئے مدد حاصل کر سکیں۔

لیکن محبت کے یہ سب دعوے بے کار اور لاحاصل ہوتے ہیں۔ ایسی محبت کے پس پردہ محض نفسانی خواہشات کارفرما ہوتی ہیں جب وہ خواہشات یا حاجات پوری ہو جاتی ہیں تو محبت کا بھوت اس طرح سر سے اُتر جاتا ہے جیسے گرمی سے پانی بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے یا جیسے روشنی کی ایک کرن سے اندھیرا یکلخت ہوا ہو جاتا ہے۔

محبت وہی پائیدار اور کارآمد ہوتی ہے جو کسی غرض اور خواہش سے مبرا ہو۔ اس حدیث میں اسی بے لوث اور بے غرض محبت کا ذکر ہے جو محض اللہ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے کسی ایسے آدمی سے کی جائے جس سے کوئی غرض وابستہ نہ ہو بلکہ صرف اس وجہ سے محبت کی جائے کہ وہ بندہ اللہ کا پیارا اور محبوب ہے اور اس سے محبت کرنا محض اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہو۔

ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص اللہ کے قرب سے اس طرح سرفراز ہوگا کہ انبیاء اور شہدا بھی اس پر رشک کریں گے، اس کے قرب کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ وہ بندوں سے محبت اور بغض صرف اللہ کی رضا طلبی کے لئے کرتا تھا۔
مندرجہ بالا حدیث بھی اسی مضمون کو بیان کر رہی ہے کہ محبت کا معیار صرف خدا کی خوشنودی ہونی چاہیے۔

قطع تعلق

حدیث : ۲۳

عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
سے ابو ایوب انصاری کہا کہا رسول اللہ
حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ
درود بھیجا اللہ اس پر اور سلام بھیجا نہیں حلال لئے آدمی کہ
نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ اپنے مسلمان
يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ
جدا ہوا بھائی اس کا زائد تین راتیں وہ آمنے سامنے ہوں پس منہ موڑ لیتا
بھائی سے تین راتوں سے زیادہ
هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِىْ
یہ اور منہ موڑ لیتا ہے یہ اور بہتر وہ دو جو
قطع تعلق رکھے اور جب وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوں تو ایک اپنا
يَبْدَاُ بِالسَّلَامِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
پہل کرے گا ساتھ سلام۔ (بخاری و مسلم)
منہ ادھر کو پھیرے اور دوسرا ادھر کو ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

Scanned with CamScanner

شرح الفاظ:

لَایَحِلُّ	:	حلال نہیں، جائز نہیں
یَھْجُرُ	:	چھوڑ دیتا ہے، ترک کر دیتا ہے
فَوْقَ	:	زائد، اوپر
یَلْتَقِیَانِ	:	وہ دونوں ملتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں۔
یُعْرِضُ	:	وہ اعراض کرتا ہے، منہ پھیر لیتا ہے۔

تشریح حدیث (۳۶):

اسلام اتحاد، اتفاق اور یکجہتی کا دین ہے اور ان امور سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے جو امت مسلمہ میں انتشار، خلفشار اور نااتفاقی پیدا کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ان امور میں سے ایک اہم امر کی نشاندہی کی گئی ہے جو قطع کلامی ہے۔ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ دو مسلمان بھائیوں میں اگر ناچاقی ہو جائے اور اس ناچاقی کی وجہ سے باہم ترک گفتگو کر بیٹھیں تو ان کے لئے یہ ترک کلامی تین دن سے زائد جائز نہیں۔ پھر ان میں بہتر وہ ہے جو گفتگو میں پہل کرتا ہے۔

تین دن کی شرط لگانے کا مقصد غصہ کو فرو کرنا ہے تاکہ اسی مدت میں انسان کا مزاج معمول پر آ جائے اور اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ قطع تعلقی اور ترک کلام کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں کیونکہ اس سے کئی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً الفت و محبت کا رابطہ کٹ جاتا ہے۔ باہمی ہمدردی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ دوسروں کو لگائی بجھائی کا موقعہ ملتا ہے اور غیبت کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اس لئے قطع کلامی کو جتنی جلدی ممکن ہو ختم کرنا چاہیے۔ پھر قطع کلامی میں نیت کا دخل ہے۔ اگر یہ دینی مفاد اور رضائے الٰہی کے لئے ہو تو پسندیدہ ہے اور بعض حالات میں ضروری ہو جاتی ہے۔ مثلاً اہل بدع اور ملحدین سے ترک کلام اور قطع تعلقی۔ اگر محض ذاتی انا اور خواہش نفس کے تحت ہو جس میں دینی نقصان ہو تو یہ ناجائز اور حرام ہے۔

حدیث: (۳۷)

اُخُوّت کے تقاضے

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی
اور سے ابوہریرہ کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا
اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ
اللہ اس پر اور سلام بچو تم بدگمانی (سے) کیونکہ بیشک بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹ
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور نہ کسی
الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَا
بات اور نہ ٹوہ لگاؤ اور نہ جاسوسی کرو اور نہ قیمت
کی راز جوئی کرو اور نہ کسی کی جاسوسی کرو اور نہ قیمت بڑھانے کے لئے
جَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا
بڑھانے کو بولی دو اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ آپس میں بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق رکھو
بولی دو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو۔ اور نہ آپس میں بغض رکھو اور
وَکُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانًا۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَلَا
اور ہو جاؤ بندے (اللہ کے) بھائی اور میں روایت اور نہ
نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق رکھو اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ

Scanned with CamScanner

تَنَافَسُوْا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔
حرص کرو۔
آپس میں حرص نہ کرو۔ (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

لَاتَحَسَّسُوْا : حسّس کے معنی معلوم کرنے کے ہیں یعنی چوری چھپے دوسروں کے رازوں یا ان کے حالات کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو ٹوہ نہ کرو۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا : تجسس کے معنی تفتیش کرنے کے ہیں یعنی دوسروں کے معاملات کی پڑتال اور جستجو نہ کرو۔

وَلَا تَنَاجَشُوْا : نجش کے معنی بغیر ارادۂ خریداری دوسروں کو پھنسانے کے لئے قیمت بڑھانے کے ہیں جیسا کہ عام طور پر نیلام گھروں میں ہوتا ہے۔

وَلَا تَدَابَرُوْا : تدابر کے معنی باہم تعلقات منقطع کرنے پیٹھ پھیر لینے، دشمنی یا اختلاف کرنے کے ہیں۔

وَلَا تَنَافَسُوْا : تنافس کے معنی بطریق مقابلہ کے رغبت کرنے کے ہیں۔ اردو میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم ایک دوسرے کی ریس نہ کرو۔

تشریح حدیث (۲۵):

اسلام اتحاد عالم اسلامی کا نقیب ہے اور ہر اس بات سے روکتا ہے جو اس اتحاد میں رخنہ ڈالتی ہے اور اسلامی معاشرہ میں انتشار، خلفشار اور نفاق کو پیدا کرتی ہے۔ زیر تشریح حدیث میں انہی معاشرتی برائیوں اور مفاسد سے روکا گیا ہے۔

۱۔ سوءِ ظن:

یعنی بدگمانی اس سے باہمی عدم اعتماد اور نفرت پیدا ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ۔

''بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بدگمانی کو ''اکذب الحدیث'' فرمایا ہے یعنی سب سے جھوٹی بات۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بری بات نہیں سمجھا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے اور دل کا گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی قباحت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے۔

حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبادۃ (رواہ احمد)

۲۔ جاسوسی اور عیوب کی ٹوہ لگانا جس کی قرآن نے ممانعت فرمائی ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا

''ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو۔''

۳۔ قیمت بڑھانے کے لئے بولی دینا آپ کی حدیث ہے کہ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ النَّجْشِ۔ (بخاری)

رسول کریم ﷺ نے بولی دے کر قیمت بڑھانے سے فرمایا۔

۴۔ آپس میں حسد نہ کرنا:

کسی آدمی کے فضل و کمال کو دیکھ کر تکلیف اور دکھ محسوس کرنا اور اس کے زوال کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ۔

''وہ لوگوں سے اس بات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا۔''

اور ہر مومن کو حسد سے پناہ مانگنی چاہیے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (الفلق: ۵)

اسی طرح بغض اور قطع تعلقی سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بغض سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (الحشر: ۱۰)

''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مومنوں کے بارے میں بغض نہ پیدا ہونے دے۔''

وَلَا تَدَابَرُوْا۔ ''یعنی ایک دوسرے سے قطع تعلقی نہ کرو۔''

حضور ﷺ نے قطع تعلقی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

Scanned with CamScanner

''تعلقات کی خرابی سے بچو، کیونکہ یہ نیکیوں کو ختم کر دیتی ہے-'' (ترمذی)

حدیث کے آخر میں فرمایا:

اے بندگان خدا! بھائی بھائی بن جاؤ یعنی تمام بندگان خدا تخلیق اور عبودیت میں برابر ہیں- پھر بغض وعناد، فساد، عداوت، جاسوسی، عیب جوئی اور قطع تعلقی چہ معنی دارد- الغرض ایک مومن اور مسلمان کو ہر اس برائی سے بچنا چاہیے جو اخوت اسلامی کے خلاف اور اتحاد اسلامی کے لئے مضر ہو، اخوت اور بھائی چارے کی فضا حدیث زیر مطالعہ میں بیان کردہ عیوب سے پاک رہ کر ہی برقرار رکھی جا سکتی ہے-

حدیث: ۲۸

فراستِ مومن

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی
سے ابوہریرہؓ کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا
حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے- انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ
اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ
اللہ اس پر اور سلام بھیجا نہیں ڈسا جاتا مومن سے سوراخ
نے فرمایا- مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا- یہ حدیث
وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ - مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ
ایک دو بار
امام بخاری اور امام مسلم نے بیان کی ہے-

شرح الفاظ:

لَایُلْدَغُ	:	ڈسا نہیں جاتا-
لدغ	:	زہریلے کیڑے کا کاٹنا- مثلاً سانپ وبچھو وغیرہ-
جُحْرٍ	:	سوراخ- بِل (جمع اجحار)
مَرَّتَیْنِ	:	دو دفعہ (واحد مَرَّةٌ)

تشریح حدیث ۲۸:

پس منظر:

حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ قریش مکہ کا مشہور شاعر ابوعزہ دریدہ دہن شاعر تھا جو آنحضور ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا- جنگ بدر میں قید ہوا- آنحضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو اپنی مفلسی اور عیال داری کا عذر پیش کر کے رہائی کی التجا کی- آئندہ ہجو گوئی نہ کرنے کی یقین دہانی کروائی- رحمت دو عالم ﷺ نے کمال عفو سے کام لیتے ہوئے بلا فدیہ چھوڑ دیا- لیکن مکہ پہنچ کر دوبارہ ہجو کرنے لگا- اگلے سال جنگ اُحد میں دوبارہ گرفتار ہو کر خدمت اقدس میں پیش کیا گیا- پھر وہی عذر اور التجا شروع کر دی- لہٰذا آپ نے فرمایا: ''مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا-'' نیز فرمایا: ''اب میں تجھے یہ کہنے کے لئے رہا نہیں کروں گا کہ میں نے دو مرتبہ محمد کو دھوکا دیا ہے-'' چنانچہ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا-

حدیث کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ مومن عقل و دانش، تدبر و فراست سے بہرہ ور ہوتا ہے- اسے ایک دفعہ تو دھوکا دیا جا سکتا ہے لیکن اسے بار بار دھوکا اور فریب نہیں دیا جا سکتا- ایک دوسری حدیث سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے- ارشاد ہوا:

اَلْمُؤْمِنُ کَیِّسٌ حَذِرٌ-

''مومن دانا اور محتاط ہوتا ہے-''

Scanned with CamScanner

حدیث: ۳۹

حوصلہ اور صبر

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ

اور سے ابن عباسؓ بے شک نبی ﷺ کہا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عبدالقیس کے

لِاَشَجِّ عَبْدِالْقَیْسِ اَنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ

لئے اشج عبدالقیس بے شک میں تم دو عادتیں پسند کرتا ہے ان کو اللہ

(سردار) اشج سے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک تم میں دو خصلتیں ہیں

اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاۃُ (رواہ مسلم)

بردباری اور جلدبازی سے پرہیز (اسے مسلم نے روایت کیا)

جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔ بردباری اور جلدبازی سے پرہیز۔ (مسلم)

الفاظ کے معانی

- اَشَجّ : اشج اسم صفت کا صیغہ ہے۔ اس آدمی کو کہا جاتا ہے، جس کے چہرے یا جسم پر زخم کا داغ ہو۔ شج کے معنی ہیں، زخمی کرنا۔
- یُحِبُّ : محبت کرتا ہے، پسند کرتا ہے۔
- حِلْم : حوصلہ، بردباری
- اَلْاَنَاۃُ : جلدبازی نہ کرنا

تشریح حدیث ۳۹:

زیرِ نظر حدیث قبیلہ عبدالقیس کے سردار کے متعلق ہے، جس کا نام منذر بن عائذ تھا۔ عبدالقیس قبیلہ عرب کے دور دراز علاقے ہجر کا رہنے والا تھا جو بحرین میں واقع ہے۔ اس قبیلے کا وفد دو دفعہ حضور ﷺ کے پاس مدینے میں حاضر ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ 6 ھ میں جبکہ وفد میں کل تیرہ آدمی تھے۔ دوسری مرتبہ 9 ھ میں جبکہ اس وفد کی تعداد ستر آدمی تھی۔

یہ وفد رسول پاکؐ کے پاس ایمان لانے اور دینی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اس وفد کے لوگ نبیؐ کی زیارت کے شوق میں سواریوں سے اترتے ہی حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ نہ انہوں نے اپنی سواریوں کو باندھا، نہ سامان ایک جگہ رکھا اور نہ ہی صاف ستھرے کپڑے پہنے، لیکن ان کا سردار منذر بن عائذؓ بڑا سمجھ دار آدمی تھا۔ اس نے پہلے تمام قبیلے کی سواریوں کو باندھا، پھر لوگوں کے سامان کو قرینے سے ایک جگہ رکھا۔ اپنے بیگ سے نئے کپڑے نکالے۔ میلے کپڑے بیگ میں ڈالے، اس کے بعد وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب سب لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے، تو آپؐ نے ان سے پوچھا، تمہارا سردار کون ہے۔ سب نے حضرت منذرؓ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا، یہی اشج، چنانچہ ان کا نام ہی اشج پڑ گیا۔ اشج اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کے جسم پر یا چہرے پر کسی زخم کا داغ ہو۔ چونکہ حضرت منذرؓ کے چہرے پر زخم کا داغ تھا جو انہیں گدھے کے لات مارنے کی وجہ سے آیا تھا۔ اور وہ بڑے بدصورت واقع ہوئے تھے۔ تو رسول اللہؐ سے کہنے لگے۔ میری شکل وصورت کی طرف نہ دیکھیے، انسان کو دو چیزیں بلند درجہ عطا کرتی ہیں، ایک زبان اور دوسرا دل۔ آنحضور ﷺ اس کی باتیں سُن کر بڑے خوش ہوئے اور اس سے اس کے علاقے کے متعلق سوالات کئے۔ اور ہجر کے علاقے کی کئی بستیوں کا نام بھی لیا۔ چنانچہ اس وفد کو رسول اللہؐ نے مدینے کے انصار کے سپرد کیا کہ انہیں لے جاؤ اور ان کی خوب مہمان نوازی کرو۔ دوسرے دن رسول اللہؐ نے وفد سے پوچھا، کہ ان کی مہمانی کیسی رہی تو وفد کے لوگوں نے بتایا کہ انصار نے ہمارے آرام کا بے حد خیال رکھا۔ آرام دہ بستر فراہم کیا۔ بہترین کھانا کھلایا۔ اور صبح کو ہمیں کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث میں جو مرکزی بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے وفد کے سردار منذر بن عائذ سے کہا کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں۔ ایک خصلت بردباری ہے اور دوسری خصلت جلد بازی نہ کرنے کی ہے۔

جہاں تک بردباری کا تعلق ہے، یہ ایسی صفت ہے کہ جب آدمی کے ساتھ غصے سے یا کوئی نامناسب بات کی جائے تو وہ اس کو برداشت کرے اور برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ بری بات کا جواب اچھائی اور نیکی سے دے۔

آنحضور ﷺ کی کئی دوسری احادیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ انسان کو برائی کے مقابلے میں نیکی اور اچھائی سے کام لینا چاہیے۔ غصے کو پی جانا بڑی نیکی شمار کی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"بہادر وہ نہیں ہے جو دوسروں کو زمین پر پٹخ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔"

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔"

دوسری صفت جس کے متعلق آنحضور ﷺ نے اللہ کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ وہ ہے جلد بازی سے کام نہ لینا۔ اسلام جلد بازی، چھچھورے پن اور بھاگ دوڑ کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نماز کے لئے مسجد کی طرف آئیں تو سکون اور وقار کے ساتھ آئیں۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جلد بازی شیطان کا کام ہے۔ لہٰذا مومن کے لئے یہ حتم ہے کہ وہ ہر کام پورے سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد کرے۔ جس قدر بھی کسی کام میں دیر لگ جائے، اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ایک دانش مند کا قول ہے کہ جو کام بھی کرو یا جو عمارت بناؤ، پوری عمدگی اور مضبوطی سے بناؤ۔ کیونکہ لوگ یہ نہیں دیکھیں گے کہ یہ عمارت کتنی دیر میں بنائی گئی بلکہ یہ دیکھیں گے کہ اس میں پختگی اور عمدگی کس قدر ہے۔

حدیث: [illegible]

حیا کی اہمیت

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ الْبَدْرِیِّ

سے ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری

حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدریؓ سے

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

راضی ہو اللہ اس سے کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا اللہ اس پر

روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ

اور سلام یقیناً سے جو پایا لوگ سے کلام نبوت پہلی

یقیناً لوگوں نے جو سابقہ نبوت کے کلام سے حاصل کیا (وہ یہ ہے) جب

الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

جب تو حیا نہ کرے تو کر جو تو نے چاہا۔

تو نے حیا نہ کی تو جو تو چاہے کرتا رہ۔ (بخاری)

شرح الفاظ:

اَدْرَكَ : حاصل کیا

اَلنُّبُوَّةُ الْاُوْلٰی : پہلی نبوت: مراد یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کے کلام سے یہ

بات حاصل ہوئی ہے۔

لَمْ تَسْتَحِ	:	تو نے حیا نہ کی
فَاصْنَعْ	:	پس کرو
مَاشِئْتَ	:	جو تو چاہے

تشریح حدیث (۴۰):

اس حدیث میں سابقہ انبیاء کے کلام کے حوالے سے حیا کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح کا جو حوالہ دیا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جیسے یہ حکم پہلی شریعتوں میں تھا۔ شریعت محمدیہ بھی اسی کے مطابق حکم دیتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبی ایک ہی دین کی تعلیم دینے کے لئے آتے رہے۔ اگرچہ زمانے اور جگہ کی مصلحتوں کی بناء پر جزئیات مذہب میں فرق تھا لیکن اصل تعلیم سب کی ایک تھی۔

حیا کی تعریف:

حیاء کا جذبہ انسان میں ایک فطری جذبہ ہے، جس کا منبع عقل اور شعور ہے۔ حیوان اس جذبے سے بالکل خالی ہیں اپنے سفلی خیالات پر قابو پانا، اعمال قبیحہ سے رُک جانا نیک اور اچھے کاموں کی طرف راغب ہونا اور برے کاموں سے نفرت کرنا یہ سب حیاء کے نتائج ہیں۔

فوائد:

حیاء انسان کا وہ زیور ہے جس سے زندگی میں خوبصورتی اور شرافت پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ آنکھ میں ہو تو دل و دماغ کو پاکیزگی بخشتی ہے اگر زبان میں ہو تو دوسروں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے اور اگر اعمال میں ہو تو اشرف المخلوقات کے لقب کا حق دار بناتی ہے۔

اسی لئے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَيَاءُ لَا يَاتِىْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔

"حیاء سے ہمیشہ بھلائی ہی حاصل ہوتی ہے۔"

ایک اور حدیث میں یوں ارشاد ہوا ہے:

اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ۔

"یعنی حیاء کا سرچشمہ ایمان ہے۔"

بے حیائی کی وعید:

حدیث زیر مطالعہ میں یہ الفاظ کہ اگر حیاء نہیں ہے تو جو چاہے کرتے پھرو، اصل میں ناراضگی اور عتاب کے لئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حیاء کو چھوڑ کر جو چاہے کرتے پھرو لیکن بارگاہ خداوندی میں جب حاضر ہو گے تو اس کا محاسبہ کیا جائے گا اور سزا سے نہیں بچ سکو گے۔

مختلف ارشادات نبوی کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ حیاء انسان کو ہر برائی سے روکتی ہے۔ سفلی خواہشات پر قابو پانے کی قدرت دیتی ہے اور نیکیوں کی طرف رغبت دلاتی ہے۔

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دین
دنیا کی جس کو شرم ہے مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رزیل ہے دل کا کثیف ہے

حدیث: (۴۱) نیکی اور بدی کی پہچان

عَنِ النَّوَّاسِ ابْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ
سے نواس بن سمعان راضی ہو اللہ اس سے
نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ
سے نبی درود بھیجا اللہ اس پر اور سلام کہا نیکی
وسلم نے فرمایا نیکی اچھے خلق کا نام ہے

حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی النَّفْسِ

اچھے اخلاق اور گناہ جو کھٹکا میں جی تیرے

اور گناہ وہ ہے جو تیرے جی میں کھٹکے اور

وَکَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ – (مسلم)

تو نے ناپسند کیا اطلاع پانا اس پر لوگ

تو لوگوں کے اس پر باخبر ہونے کو ناپسند کرے- اسے مسلم نے روایت کیا-

شرح الفاظ:

اَلْبِرُّ : نیکی

اَلْاِثْمُ : گناہ

حَاکَ : خلش پیدا کرے، کھٹکے

کَرِهْتَ : تو ناپسند کرے

اَنْ يَّطَّلِعَ : کہ اطلاع پائیں، آگاہ ہوں-

تشریح حدیث (۲۱):

نیکی کی تعریف:

حدیث کی ابتداء میں جناب رسالت مآب ﷺ نے نیکی کی ایک جامع تعریف فرمائی ہے کہ نیکی حسن اخلاق کا نام ہے- نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے بعد تمام انسانی معاملات میں خوبی صرف اچھے اخلاق ہی سے پیدا ہوتی ہے- یہ ایک ایسی پختہ عادت کا نام ہے جس کے ذریعہ تمام نیکیاں خود بخود سرزد ہوتی چلی جاتی ہیں-

نیکی، فطرت کی پکار:

پھر آپؐ نے برائی کی پہچان کا ایک آسان طریقہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ گناہ دل میں کھٹکتا

ہے- انسان فطری طور پر سلیم الطبع پیدا ہوا ہے- اللہ تعالیٰ نے اس میں نیکی اور بدی میں فرق کرنے کی فطری صلاحیت پیدا کر دی ہے- دنیا کی رنگینی بری صحبت اور گناہ کی ظاہری چمک دمک اسے اپنی طرف کھینچ ضرور لیتی ہے- لیکن اس کے ضمیر میں نیکی کی پکار بار بار سنائی دیتی ہے- گناہ کا احساس اسے رنجیدہ اور ملول رکھتا ہے- قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا-

"قسم ہے روح کی اور جس نے اسے درست کیا- پھر اسے نیکی اور بدی سمجھائی، جس نے اپنی روح کو پاک کیا وہ کامیاب رہا اور جس نے اسے آلودہ کیا وہ برباد ہوا-"

اس آیت سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ روح انسانی اپنی فطرت سے نیکی کی طرف مائل ہے- گناہ، برائی اور جرم اسے طبعاً ناپسند ہیں- لیکن یہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک دل کا آئینہ صاف و شفاف ہو- اگر انسان اسے گناہوں سے آلودہ کرتا چلا جائے تو ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ نیکی کی پہچان مٹ کر رہ جاتی ہے- پھر اس کے اور کفر کے درمیان تھوڑا فاصلہ رہ جاتا ہے-

مومن کا دل ایک آئینہ:

لیکن مومن کے دل کا آئینہ چونکہ صاف ہوتا ہے اس لئے اس میں نیکی اور بدی کی پہچان کی صلاحیت کبھی ختم نہیں ہوتی- نیکی سے اس کے دل میں مسرت اور شادمانی کی لہر اٹھتی ہے اور برائی سے اس کا دل پریشان اور غیر مطمئن رہتا ہے-

حدیث زیر مطالعہ میں جو دو حصوں پر مشتمل ہے یہی بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ گناہ کی پہچان کے لئے مسلمان کو کسی سے فتویٰ لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ اس کا دل ہی سب سے بڑا مفتی ہے- وہ اسی سے پوچھے اگر وہ مطمئن ہے تو خیر اگر وہ کسی عمل میں تردد اختیار کرے تو اس سے پرہیز ہی بہتر راہ عمل ہے-

Scanned with CamScanner

حدیث : ۴۲

ظالم کو مہلت

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ
اور سے ابوموسیٰؓ کہا کہا رسول اللہ ﷺ
حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
اِنَّ اللّٰہَ یُمْلِی الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا اَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ
بے شک اللہ مہلت دیتا ہے ظالم یہاں تک جب پکڑتا ہے اُسے نہیں چھوڑتا اُس
یقیناً اللہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر جب اُسے پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا
ثُمَّ قَرَأَ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ
پھر پڑھا اور اسی طرح پکڑنا تیرے رب کا پکڑتا ہے بستیوں درآنحالیکہ
پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اور ظالم بستیوں کو تیرے
ظَالِمَۃٌ (الآیۃ) (متفق علیہ)
وہ ظالم۔'' (آیت) (بخاری و مسلم)
رب کا پکڑنا اسی طرح ہے جب انہیں پکڑتا ہے۔ بے شک اس کی گرفت المناک اور سخت ہوتی ہے۔(حضورؐ نے پوری آیت تلاوت فرمائی۔(بخاری و مسلم)

الفاظ کے معانی

یُمْلِیْ : مہلت دیتا ہے

لَمْ یُفْلِتْہُ : نہیں چھوڑتا اس کو

تشریح حدیث ۴۲:

زیر مطالعہ حدیث میں حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ رب تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ اسے فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا تاکہ اس پر حجت تمام ہوجائے اور اسے سوچنے سمجھنے کا پورا موقع مل جائے۔ لیکن جب وہ ظلم میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور نصیحت کرنے والے کی نصیحت اور تبلیغ کرنے والے کی تبلیغ اس پر کارگر نہیں ہوتی بلکہ اسے کوئی چیز بھی ظلم سے روکنے میں کامیاب نہیں ہوتی تو مہلت کی مدت ختم ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب اس پر مسلط ہوجاتا ہے۔ پھر اس سے رہائی ناممکن ہوتی ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

ظلم کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی اپنے نفس پر ظلم کرے یعنی کفر و شرک۔ فسق و فجور اور شریعت کی حدود کو پھلانگنے میں آگے بڑھتا چلا جائے۔ ظلم کی دوسری قسم یہ ہے کہ انسان بندگانِ خدا کو ظلم و تعدی کا نشانہ بنائے۔ ان کے حقوق غصب کرے اور ان کی زندگی اجیرن بنا دے۔ دونوں قسم کے ظلم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قابل نفرت اور قابل عذاب ہیں۔ جو معاملہ اللہ تعالیٰ ظالم افراد کے ساتھ کرتا ہے بعینہٖ وہی معاملہ ظالم قوموں کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے زیرنظر حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ قرآن مجید کی آیت تلاوت کر کے فرمایا ہے:

> ''اور تیرے رب کی گرفت ظالم بستیوں پر ایسی ہی ہے جب وہ ظلم کرنے والی بستیوں کو پکڑتا ہے تو اس کا پکڑنا بڑا الم ناک اور سخت ہوتا ہے۔''

قرآن مجید میں بار بار قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون، قوم لوط اور دوسری کئی قوموں کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ ان قوموں کو پوری پوری مہلت دی گئی تھی۔ ان میں پیغمبر بھیج کر یاددہانی کرائی گئی۔ لیکن ان قوموں نے ظلم و تعدی سے باز آنے کے لئے کوئی سرگرمی نہیں دکھائی اور جب اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر مسلط ہوگیا۔ تو اس سے کوئی قوم نہ بچ سکی۔ سوائے حضرت یونسؑ کی قوم کے جس کے متعلق قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اللہ کا عذاب ان کی بستی کے سر پر آچکا تھا، لیکن انہوں نے عاجزی اور گڑگڑاہٹ کا رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سر سے اپنا عذاب ٹال دیا، لیکن سنت الٰہی یہی ہے کہ جب ظالم پر اللہ گرفت کر لیتا ہے تو پھر اس کی رہائی ناممکن ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث: ۴۳

ظلم کا انجام

عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس سے کہ رسول اللہ ﷺ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوْا الْمُفْلِسُ مَنْ

فرمایا کیا تم جانتے ہو کون مفلس لوگوں نے کہا مفلس جو

فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے صحابہ نے کہا مفلس ہم میں سے وہ ہے

لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ

نہ درہم اس کا اور نہ مال پس فرمایا بیشک مفلس

جس کے پاس نہ درہم ہوں اور نہ سامان تو آپ نے فرمایا بیشک میری

مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ

سے میری امت جو لائے دن قیامت نماز

امت میں مفلس وہ ہوگا، جو قیامت کے دن نماز،

وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَ

اور روزہ اور زکوٰۃ اور تحقیق گالی دی اس کو

روزہ، زکوٰۃ لائے گا لیکن کسی شخص کو گالی دی ہوگی۔ فلاں ایک شخص پر بہتان لگایا ہوگا اور فلاں

وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ

اور مارا اس کو پس دیا جائے گا اس کو سے اس کی نیکیاں

ایک شخص کا مال ہڑپ کیا ہوگا اور فلاں ایک شخص کا خون بہایا ہوگا اور فلاں ایک

فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ

پس اگر ختم ہو گئیں اس کی نیکیاں پہلے کہ پورا ہو جائے جو اس پر

شخص کو مارا پیٹا ہوگا۔ پس اس کی نیکیاں انہیں دے دی جائیں گی اور اگر اس کے ذمہ تمام قرض چکانے

اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ

لیا جائے گا سے کی خطائیں ان کی پس ڈالی جائے گی اس پر پھر

سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان مظلوموں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی پھر

طُرِحَ فِي النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

ڈالا جائے گا میں آگ۔ (مسلم)

اسے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

شرح الفاظ:

مَتَاعٌ : سامانِ زندگی (جمع امتعۃ)

يَاْتِيْ بِصَلٰوةٍ : نماز کے ساتھ آئے گا یعنی اسے لائے گا۔

شَتَمَ : گالی دینا

قَذَفَ : بہتان باندھنا

سَفَكَ دَم : خون بہانا

حَسَنَات : نیکیاں (واحد حَسَنَةٌ)

فَنِيَتْ : فنا ہوگئی یعنی ختم ہوگئی۔

يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ : جو کچھ اس کے ذمہ ہے اس کے چکائے جانے سے پہلے۔

خَطَايَا : خطائیں۔ لغزشیں (واحد خَطِيْئَةٌ)

Scanned with CamScanner

تشریح حدیث (۴۳):

حقیقی مفلس کون ہے؟

دنیا میں افلاس بعض اوقات زندگی میں بھی ختم ہوجاتا ہے ورنہ موت اس کا خاتمہ کر دیتی ہے لیکن آخرت کا افلاس تو انسان کو دوزخ میں پھینک دیتا ہے- افلاس مال کے نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ حقیقی مفلس وہ ہے جو وہاں نیکیوں کا سرمایہ لے کر نہ جاسکے یا یہ سرمایہ لے جائے لیکن خلق خدا پر ظلم کرنے اور ان کا حق مارنے کی وجہ سے اپنی نیکیوں کے سرمائے سے ہاتھ دھو بیٹھے-

حقیقی مفلس کا حال:

حضور ﷺ نے ایک مفلس کی حالت بیان فرمائی ہے جو دنیا میں صاحب جائیداد اور مالدار ہونے کے باوجود قیامت کے دن دیوالیہ اور نادار ثابت ہوگا- یہ شخص بڑے اہتمام سے روزانہ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا- ہر سال رمضان کے مہینہ کے روزے رکھتا پھر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا تھا لیکن خلق خدا کے ساتھ اس کا رویہ اچھا نہیں تھا- اللہ تعالیٰ ہر مظلوم کو اس کی نیکیوں کا اجر عطا فرمائے گا لیکن اگر ان کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہ گئے تو ان کے گناہوں کا بوجھ اللہ تعالیٰ اس ظالم کی پیٹھ پر لاد دے گا پھر یہ بدبخت اپنے اور ان گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد دوزخ میں پھینک دیا جائے- بعض دین دار......جو اوراد وظائف سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اللہ نے انہیں شب بیداری کی توفیق بھی بخشی ہے- لین دین اور معاملات میں قابل اعتماد نہیں ہوتے، خالق کی عبادت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ خلق کے حقوق پر دست درازی کرکے اپنی عاقبت کو خراب نہ کریں- اللہ تعالیٰ مخلوق پر ظلم کرنے والوں کی عبادت بھی قبول نہیں کرتا-

حقوق العباد:

اس حدیث میں حقوق العباد کی ادائیگی کی تاکید ہے-

۱- حقوق العباد کی ادائیگی اسلام میں اولین اہمیت کی حامل ہے-

۲- دنیا میں ایسے نیک صورت بہت ملیں گے جو حقوق العباد کے سلسلہ میں ظالم ہوتے ہیں ان کے ظاہر اور باطن میں تضاد ہوتا ہے-

۳- دنیا میں حقوق العباد کو سلب کرنے والے ایک تو وہ ہیں جن کے قول و فعل سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے- یہ اپنی زبان سے کاٹی ہوئی کھیتی کا مزہ چکھیں گے-

۴- دوسرے وہ لوگ جو ناپ تول میں کمی کرکے مطففین کی صف میں ہوتے ہیں کہ لوگوں سے پورا وصول کرتے ہیں لیکن ادائیگی کم کرتے ہیں ان کی گردنوں پر اس شخص کا بوجھ ہوگا جس کے ساتھ انہوں نے لین دین کیا-

۵- تیسرے وہ لوگ جو ملاوٹ کرتے ہیں اور نقلی اشیاء بیچ کر اصل کے دام وصول کرتے ہیں- ملاوٹ کرنا اتنا گھناؤنا جرم ہے کہ یہ دوسروں کی صحت سے کھیلنے ان کے جسمانی اور ذہنی قوی کو مفلوج کرنے کے مترادف ہے- ایسے لوگ کی بخشش کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے-

۶- قیامت کے روز مندرجہ بالا اقسام کے لوگوں کو محض ان اچھی صورتوں کی بناء پر چھوڑ نہیں دیا جائے گا بلکہ ان کی وہ نیکیاں جو انہوں نے حقوق اللہ کے ضمن میں کی ہوں گی- حقوق العباد کے غصب کرنے کے عوض سلب کر لی جائیں گی چونکہ حقوق العباد کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لئے غالب امکان اسی بات کا ہے کہ حقوق اللہ والی نیکیاں ختم ہوجائیں گی اور حقوق العباد پھر بھی ان کے ذمے رہ جائیں گے- بالآخر انہی حقوق العباد کے غصب کرنے کی پاداش میں انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا-

۷- محض نماز روزہ اور اچھی صورت بنالینا انسان کی اُخروی کامیابی کا ضامن نہیں جب تک حقوق العباد کی ادائیگی صحیح طور پر نہ کی جائے-

۸ حقوق العباد کی صحیح ادائیگی کے لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب رہنا چاہیے کیونکہ یہ ایک نہایت نازک معاملہ ہے-

۹- حقوق العباد کی ادائیگی سے انسان دوسرے انسانوں کے قریب ہوگا ان سے ہمدردی اور ایثار کا موقع حاصل کرے گا- تخلیق آدم کے اصل مقصد کو وہ پا سکے گا اور یوں اللہ کے ہاں سرخروئی پائے گا- کسی کو گالی دینا، کسی پر الزام لگانا، کسی کا مال کھانا، کسی کو ناجائز مارنا پیٹنا معمولی فعل نہیں ہیں کیونکہ یہ حقوق العباد کو غصب کرنے کا باعث بنتے ہیں اور جن کا انجام جہنم ہے-

Scanned with CamScanner

حدیث: ۴۴ جماعتی زندگی کی برکتیں

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ

اور سے ابن عمرؓ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

لَا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ اَوْقَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ

نہ جمع کرے گا میری امت یا فرمایا امت محمد پر گمراہی اور ہاتھ اللہ

فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ میری امت کو یا فرمایا محمدؐ کی امت کو گمراہی

عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ. (رواہ الترمذی)

پر جماعت اور جو تنہا ہوا ڈالا جائے گا میں جہنم (روایت کیا اسے ترمذی)

پر جمع نہیں فرمائیں گے اور اللہ کی مدد جماعت کو حاصل ہوتی ہے اور جو شخص (جماعت سے) الگ ہوا اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ (ترمذی)

الفاظ کے معانی

لَايَجْمَعُ : نہیں جمع کرتا

شَذَّ : اکیلا ہوا۔ الگ ہوا

تشریح حدیث ۴۴:

جماعتی زندگی کی برکتیں

زیرنظر حدیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمان اجتماعی اور متحد ہوکر زندگی بسر

کریں۔ ایک دوسرے کی مخالفت اور الگ شخصی راہ نکالنے کی اسلام میں سخت ممانعت ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

"اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔" (آل عمران۔103)

دوسرے مقام پر اسی بات کو یوں بیان فرمایا ہے:

"جو شخص اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور راہ پر چلے گا تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جس طرف وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔"

مندرجہ بالا حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امت اسلامیہ جس بات پر متحد و متفق ہو جائے، وہ بات ضلالت نہیں ہوسکتی۔ ہمیشہ مسلمانوں کا اجتماع حق بات پر ہی ہوسکتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی جماعت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت کا سایہ ہوتا ہے۔ اللہ کی رہنمائی ان کے شامل حال ہوتی ہے اور امت کسی برے کام پر مجتمع نہیں ہوسکتی۔

مندرجہ بالا حدیث سے علماء نے یہ بات بھی اخذ کی ہے کہ اگر کسی فقہی مسئلے پر صحابہ تابعین یا امت کے مجتہدین کا اجماع ہوجائے تو شریعت میں وہ حجت ہے اور اس سے انحراف کرنا گمراہی اور ضلالت ہے۔

مندرجہ بالا حدیث کے مطابق مسلمانوں کے اجماع کو تائید خداوندی حاصل ہوتی ہے اور اجماع کا منکر دین کی حدود سے خارج ہوجاتا ہے۔

حدیث: ۴۵ تمسّک بالسُّنّة

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

اور سے ابوہریرہؓ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ

جس مضبوطی سے پکڑا میری سنت نزدیک بگاڑ میری امت واسطے اُس اجر سو

نے فرمایا: جس نے میری سنت کو میری امت کے بگاڑ کے وقت

شَهِيْدٍ. (رواه البيهقي فِي کتابِ الزُّهدِلَهٗ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عباسٍ)

شہید (روایت کیا اسے بیہقیؒ نے میں کتاب الزہد اس کی سے حدیث ابن عباس)

مضبوطی سے تھامے رکھا اس کے لئے سو شہید کا اجر ہے (اسے بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے)

الفاظ کے معانی

تَمَسُّک : مضبوطی سے پکڑا۔ تھامے رکھا

فَسَادِ : بگاڑ، خرابی

تشریح حدیث (۲۵):

تَمَسُّک بِالسُّنَّۃ

مندرجہ بالا حدیث میں فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ، کے الفاظ کا استعمال ہے یعنی اس کے لئے سو شہیدوں کا اجر ہے، لیکن طبرانی نے معجم اوسط میں یہی حدث ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے۔

اَلْمُتَمَسِّکُ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ. (طبرانی: المعجم الاوسط)

یعنی ''میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر عمل کرنے والے کو ایک شہید کا اجر ملے گا۔ چنانچہ عبرانی کی روایت کردہ حدیث اسناد کے لحاظ سے زیادہ معتبر ہے۔''

آنحضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امت کے آنے والے دور کے متعلق بتا دیا تھا۔ یعنی امت پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب امت میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اور وہ امت سنت نبویؐ کا طریقہ ترک کرکے اپنی خواہشات پر عمل پیرا ہو جائے گی۔ اس وقت سنت نبویہ پر عمل کرنا بڑے

اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔ چنانچہ ایسا شخص جو اس وقت سنت نبویؐ کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوگا۔ اسے سو شہید یا ایک شہید کے برابر اجر ملے گا یعنی اسے شہادت کا رتبہ تو حاصل نہیں ہوگا لیکن شہید کے ثواب کا درجہ اسے حاصل ہوگا۔

دوسری حدیث میں رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''آپ لوگ ایک ایسے زمانے میں ہیں کہ اگر آپ میرے لائے ہوئے دین کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دیں تو گمراہ ہو جائیں گے، مگر ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب کوئی شخص دین کے صرف دسویں حصے پر عمل کرے گا تو نجات پا جائے گا۔''

ایک اور حدیث میں آپؐ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

''کہ پھر وہ وقت بھی آئے گا کہ میری سنت پر عمل کرنا ایسے ہوگا جیسے آدمی کسی چنگاری کو ہاتھ میں لے لے۔''

یعنی دین پر عمل کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جائے گا، اس وقت اگر کوئی شخص اللہ کے رسول کی سنت کو اپنے سینے سے لگا کر اس کے مطابق عمل پیرا ہوگا تو کچھ بعید نہیں کہ رب تعالیٰ اس کے صلے میں اسے شہادت کا اجر و ثواب عطا فرمائے۔

حدیث: (۲۶)

ظالم کی حمایت

عَنْ اَوْسِ بْنِ شَرَحْبِيْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ

سے اوس بن شرحبیل بیشک وہ سنا رسول

اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ بیشک انہوں نے رسول اللہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ

اللہ ﷺ کہتے ہوئے جو شخص چلا ساتھ ظالم

صلی اللہ سے سنا آپ کو فرماتے ہوئے کہ جو شخص ظالم کے ساتھ اس لئے چلا کہ وہ اسے

Scanned with CamScanner

لِيُقَوِّيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ
تاکہ قوت دیتا ہے اسے اور وہ جانتا ہے بیشک وہ ظالم ہے پس یقیناً نکل گیا
قوت دے اور حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم شخص ہے پس وہ یقیناً اسلام سے
مِنَ الْإِسْلَامِ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)
سے اسلام (اسے امام بیہقی نے روایت کیا)
خارج ہوگیا۔

شرح الفاظ:

اِنَّهُ	:	بے شک اس نے
سَمِعَ	:	اس نے سنا
يَقُوْلُ	:	وہ کہتا ہے، کہتے ہوئے
مَنْ	:	جو شخص
مَشٰى	:	وہ چلا
مَعَ	:	ساتھ
لِيُقَوِّيَهُ	:	تاکہ قوت دے اسے، اس کی حمایت کرتا ہے۔
خَرَجَ	:	وہ خارج ہوگیا، نکل گیا۔
فَقَدْ	:	پس یقیناً

تشریح حدیث (۲۳):

اس حدیث میں ظلم کی معاونت پر، اس کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لئے اور اس کا ساتھ دینے کے لئے اس کے ساتھ چلا اور اس کو اس کا علم تھا کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔

ظلم کا مفہوم:

ظلم سے مراد ہے کسی چیز کو اس کی درست جگہ نہ رہنے دینا اور افراط وتفریط سے کام لینا (کشف المحجوب) حدیث پاک میں ظلم کا ساتھ اور اس میں شریک ہونا اتنا بڑا گناہ اور شرعی جرم ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ایسے شخص کو اسلام سے خارج قرار دیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ خود ظلم کس قدر اسلام کے منافی ہے اور یہی ظلم شرک کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

ظالم کا انجام:

قرآن مجید میں مشرک کو ظالم کہا گیا ہے، کیونکہ مشرک حق و ناحق میں تمیز سے کام نہیں لیتا۔ ظلم کرنا ایک بڑا گناہ ہے اس لئے ایک مشرک کی سزا جہنم ہے۔

ظلم کی اقسام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:
''میں مشرک کو ہرگز نہیں بخشوں گا اس کے علاوہ جس کو چاہوں بخش دوں گا'' یہ پہلی قسم کا ظلم ہے جو اللہ تعالیٰ کی حق تلفی ہے۔

۲۔ مخلوق پر ظلم:

ظلم کی دوسری قسم مخلوق پر ظلم کرنا ہے۔ اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے بڑی وعید کی ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

> ''جس شخص نے کسی کی زمین سے ایک بالشت برابر ٹکڑا بھی ظلم کے ساتھ حاصل کیا تو قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کی موٹائی کے برابر اس زمین کا طوق ڈالا جائے گا۔''

دراصل بات یہ ہے کہ اسلام ظلم و زیادتی کو برداشت نہیں کرتا جو آدمی خدا کی نافرمانی کرتا ہے اپنے پیسے سے گناہ کے کام کرتا ہے وہ بھی ظالم ہے۔ اس کا انجام بھی دردناک عذاب کی صورت میں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے۔

Scanned with CamScanner

"ظالم کو خدا مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔"

پس ظلم میں شریک ہونے والا اور معاونت کرنے والا بھی مذکورہ سزا اور عذاب کا مستحق ہے۔
ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

اَنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ اَبْعَدَھُمْ مِنْہُ مَجْلِساً اِمَامٌ جَائِرٌ۔(ترمذی)

"بے شک قیامت کے دن اللہ کی نگاہ میں زیادہ قابل نفرت اور اس کی رحمت سے دور ظالم حاکم ہوگا۔"

علاوہ ازیں ظالم حکمران سے معاونت کرنے والے کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو لوگ ظالم حاکم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں گے اور ان کے مظالم کی پشت پناہی کریں گے نہ وہ میرے ہیں نہ میں ان کا ہوں۔ وہ حوض کوثر میں میرے پاس نہ آئیں گے۔" (نسائی)

مطلب یہ ہے کہ ظالم حکمرانوں کی غلط کاریوں کی حمایت کرنے والوں سے بیزاری کا اعلان کیا ہے اور آپ ﷺ نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ ان ظالم، فاسق اور فاجر حکمرانوں کا قرب حاصل کرنے اور ان سے دنیوی مفاد حاصل کرنے والے خوشامدیوں کا گروہ بھی معرض وجود میں آجائے گا جو خوشامدی طبقہ ان کے ہر جھوٹ و فریب کی تائید کرے گا اور ان کی غلط بیانی پر پردہ ڈالے گا اور ان کے مظالم کے خلاف نہ صرف یہ کہ حرف شکایت زبان پر نہ لائے گا بلکہ مخلوق پر ظلم کے پہاڑ توڑنے پر ان کی حوصلہ افزائی اور مدد کرے گا۔

عبرتناک حدیث:

آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ایک شخص بہت سی نیکیوں کے ساتھ آئے گا لیکن اس نے دنیا میں بہت لوگوں پر ظلم کیا ہوگا۔ اس نے ان کا حق مارا ہوگا لہٰذا اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور وہ خالی ہاتھ رہ جائے گا پھر باقیوں کی برائیاں اس کے پلڑے میں ڈالی جائیں گی اور

اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس طرح آخرت میں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حدیث میں ہے تمہیں قیامت کے دن حق داروں کو حقوق ادا کرنے ہوں گے۔ یہاں تک کہ جانوروں تک سے بدلہ لیا جائے گا۔"

پس ایک مسلمان کو نہ صرف ظلم سے بچنا چاہیے بلکہ ظالم کی معاونت سے بھی اجتناب کرنا چاہیے بلکہ اسے ظلم سے روکنا چاہیے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوماً۔ یعنی "تم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" اور خود ہی وضاحت فرما دی کہ ظالم کو ظلم سے روکنا اس کی مدد اور معاونت کرنا ہے۔

ظلم کی معاونت کی جدید شکلیں:

ہمارے موجودہ اور جدید دور میں ظلم کی معاونت کی متعدد شکلیں ہیں۔ مثلاً ظالم کی معاونت اول زبان سے کرنا ہے، جس میں تمام علمائے سوء شامل ہیں جو ظالم حکمران یا ظالم حکومتی پارٹی سے تعاون کرتے ہیں بلکہ آج کل تو ان کے ظالمانہ اقدامات کو بھی خوشنما نعروں اور ملی خدمات کا نام دیا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ، ریڈیو اور ٹی وی کا کام ہی خوشامد اور چاپلوسی ہے۔

دوسرے یہ کہ اخبارات اور صحافت جو ریاست کا چوتھا ستون خیال کیا جاتا ہے وہ بھی اکثر و بیشتر ظالم حکمران اور اس کے ظالمانہ اقدامات کی حمایت کرتے ہیں اور شاذ و نادر ہی کلمہ حق کہتے ہیں۔ تیسری دنیا کی صحافت تو حکمران طبقہ کی زبان اور ترجمان خیال کی جاتی ہے، اس کا کام بھی حکومت کی مدح سرائی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اس طرح الیکشن میں ظالم امیدوار یا پارٹی کی مالی امداد بھی اسی زمرہ میں آتی ہے۔ الغرض مذکورہ حدیث میں ظالم کی کسی شکل میں بھی معاونت کرنا یا اس کے شریک کار بننے پر سخت وعید موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لوگ جب ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں۔ خاموش رہیں یا اس سے تعاون کریں تو اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنا ہمہ گیر عذاب ان پر مسلط کر دیتا ہے۔"

(مسند احمد)

حدیث: (12) تین منجیات اور تین ہلاکتیں

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سے ابوہریرہؓ بیشک رسول اللہ ﷺ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِيَاتٌ وَ ثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِيَاتُ

کہا تین نجات دینے والی اور تین ہلاکتیں پس جہاں نجات دینے والی ہیں

تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں جو نجات دینے والی ہیں

فَتَقْوَى اللّٰهِ فِى السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ

پس خوف اللہ میں پوشیدہ اور ظاہر اور بات حق

پس وہ پوشیدہ و علانیہ خدا خوفی ہے اور خوشی و غصہ میں حق بات کرنا

فِى الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِى الْغِنَا وَالْفَقْرِ

میں خوشی اور ناراضگی اور میانہ روی میں غنا اور مفلسی

اور تونگری و مفلسی میں اعتدال کی راہ ہے اور تین ہلاکتیں

وَ اَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُتَّبَعٌ وَ شُحٌّ مُطَاعٌ

اور ہلاک کرنے والی پس خواہش پیروی کی جائے اور لالچ طمع شدہ

نفسانی خواہش کی پیروی طمع و لالچ کی بندگی اور اپنے

وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَ هِىَ اَشَدُّهُنَّ-

اور اپنے آپ کو اچھا سمجھنا اور یہ شدید ترین ہے-

آپ کو سب سے اچھا سمجھنا ہے اور یہ شدید ترین ہے-(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

شرح الفاظ:

ثَلاثٌ : تین

مُنْجِيَاتٌ : نجات دلانے والی چیزیں

مُهْلِكَاتٌ : ہلاک کرنے والی چیزیں

فِى السِّرِّ : پوشیدہ طور پر

السَّخَط : غصہ، ناراضگی

قَصْد : میانہ روی، اعتدال

هَوىً : خواہش

مُتَّبَعٌ : جس کی اتباع کی جائے، پیچھے لگنے والا

شُحٌّ : لالچ، طمع

اِعْجَابُ الْمَرْءِ : کسی شخص کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا، ادا، اترانا

تشریح حدیث (12):

اس حدیث پاک میں نجات اور ہلاکت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں-

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین باتیں نجات دینے والی ہیں اور تین باتیں تباہ کرنے والی ہیں-

انسان کو نجات دینے والی باتیں یہ ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، تنہائی میں بھی اور دوسروں کے سامنے بھی یہی تقویٰ ہے جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے-

۲- حق بات کہنا راضی ہونے کے عالم مین بھی اور ناراضگی کے وقت بھی حق گوئی کے بغیر حق پرستی ممکن نہیں-

۳- میانہ روی اختیار کرنا تونگری میں بھی اور غربت میں بھی کہ میانہ روی ہزار دکھوں کا علاج ہے- اس کے برعکس انسان کو تباہ و برباد کرنے والی تین باتیں یہ ہیں:

۱- نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ جانا، اس لئے جو شخص من مرضی کا بندہ ہو جائے گا وہ کہیں کا نہ رہے گا-

۲- طمع اور لالچ کا بندہ بن جانا- لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے اس سے حلال اور حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے-

۳- اپنے آپ کو سب سے اچھا سمجھنا اور مغرور ہو کر اترانا، جو آدمی اس خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ ہر شخص کی نگاہوں میں ذلیل ہوتا ہے-

منجیات:

انسان کو نجات دلانے والی باتوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- تقویٰ:

اصطلاح میں دل کی ایک خاص کیفیت کا نام تقویٰ ہے جس کی بناء پر انسان میں خدا کے حکم کے مطابق نیک عمل کی رغبت اور برے کام سے شدید نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ نیک اعمال بجا لاتا ہے اور برے اعمال سے بچتا ہے- تقویٰ انسان میں ہر لمحے اللہ کا خوف پیدا کر کے برائی سے باز رکھتا ہے-

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت کعب الاحبارؓ سے کہا کہ تقویٰ کی تعریف بتایئے- انہوں نے پوچھا، "امیر المومنین! کیا آپ کبھی خاردار راستے میں چلے ہیں؟ فرمایا، ہاں پھر پوچھا کہ آپ وہاں سے کیسے گزرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا، میں اپنے کپڑے سمیٹ کر اور جسم سکیڑ کر چلتا ہوں تا کہ کوئی کانٹا نہ لگ جائے- حضرت کعبؓ نے کہا کہ یہی تقویٰ ہے- دنیاوی زندگی ایک خاردار جنگل کی طرح ہے اگر کوئی شخص خود کو غلط راہوں سے بچاتا ہوا گزر جائے تو وہ متقی ہے- تقویٰ کو اسلامی اخلاق میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے- یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں حصول تقویٰ پر بہت زور دیا گیا ہے اور اسے دین اسلام کی روح اور تمام نیکیوں کا مقصود اصلی قرار دیا گیا ہے- پس حدیث میں پہلی چیز نجات دلانے والی ظاہر اور باطن میں پرہیزگاری ہے- تقویٰ صرف لوگوں کو دکھلاوے کے لئے نہیں بلکہ حقیقی اور اصلی تقویٰ تنہائی میں تقویٰ اختیار کرنا ہے-

۲- وَالْقَوْلُ بِالْحَقّ:

دوسری نجات دلانے والی بات خوشی اور ناخوشی، ناراضگی اور رضا کی حالت میں ہمیشہ کلمہ حق کہنا ہے- حق کا لفظ باطل کی ضد ہے یعنی قول حق سے مراد صحیح سچی بھلی اور خدا لگتی اور مطابق عدل و انصاف بات کہنا ہے- اس میں کسی کی دشمنی اور دوستی کو آڑے نہیں آنا چاہیے اور نہ ہی ذاتی پسند اور ناپسند انفرادی ناراضگی اور خوشی کو دخل ہونا چاہیے بلکہ کلمہ حق باامتیاز اور بلاتفریق کہنا چاہیے- اس کا نقصان اپنے دوست اور رشتہ دار کو ہو یا فائدہ دشمن اور مخالف کو ہو پھر اس میں ادنیٰ و اعلیٰ اور چھوٹے بڑے کی تمیز بھی نہیں ہونی چاہیے- چنانچہ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ

"یعنی ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل ترین جہاد ہے-"

اس لئے اللہ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ ہمیشہ قول حق اور سچی بات کہیں، سچی گواہی دیں- چنانچہ اسلامی معاشرے میں کلمہ حق اور قول حق کہنے والے ہمیشہ موجود رہتے ہیں جو معاشرے کو اخلاقی زوال سے بچانے کے ضامن ہوتے ہیں- اس طرح وہ خود بھی نجات حاصل کرتے ہیں اور پورا معاشرہ بھی نجات و فلاح کی راہ پر گامزن رہتا ہے-

۳- اَلْقَصْدُ فِي الْغَنَاءِ وَالْفَقْرِ

رسول پاک ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا، مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ یعنی "معیشت میں اعتدال کی راہ اپنانے والا کبھی تنگ دست نہیں ہوتا-"

نجات دلانے والی تیسری صفت تونگری اور غربت میں اعتدال کی راہ ہے-

سورہ فرقان میں عبادالرحمٰن کی ایک خوبی یہ بیان کی گئی کہ اللہ کے بندے خرچ کرنے کے معاملے میں نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ توازن اور اعتدال کی راہ پر چلتے ہیں- غربت اور افلاس میں کفایت اور صبر سے کام لیتے ہیں- حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے مفسرین کے نزدیک گناہ کی راہ میں خرچ کیا جانے والا ہر پیسہ اسراف ہے اگرچہ بہت کم ہی کیوں نہ ہو- ایک دوسری چیز تبذیر ہے جس کے معنی غیر شرعی اور غیر اسلامی امور پر خرچ کرنا ہے لیکن بعض علماء کے نزدیک جائز کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے یعنی ایک بندہ مومن تونگری میں فضول خرچی یا بخل سے کام نہیں لیتا بلکہ میانہ روی اختیار کرتا ہے- حدیث میں کہا گیا ہے کہ مال و دولت اللہ اور اس کے رسول نے جن کاموں میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں بخل سے کام لینا مہلک ہے-

Scanned with CamScanner

حتیٰ کہ اپنے اہل خانہ، اقرباء اور اپنے نفس کی جائز ضروریات پر بھی مال و دولت خرچ نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کی عقل مندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ میں میانہ روی اختیار کی جائے۔ (مسند احمد)

الغرض دین اسلام کا سنہری اصول **خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا** ہے۔ آنحضور ﷺ نے دولت مندی اور مفلسی دونوں حالتوں میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور اسے آدھی معیشت اور روزی کہا ہے۔ **اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ۔**

مہلکات:

ہلاک کرنے والی باتوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اتباع ھواء:

۱۔ مہلکات میں پہلی مہلک اور تباہ کرنے والی بات اتباع ھواء اپنی خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ اس سے مراد اپنی شہوات کی تسکین اور اپنے حیوانی جذبات کی تکمیل ہے خواہ وہ حلال ذرائع سے ہو یا حرام، جائز طریقہ سے ہو یا ناجائز طریقے سے۔ نفس کے بندے کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی میں لگا رہتا ہے اور تمام اخلاقی حدود اور روحانی ضابطے توڑتا ہے نہ اسے اللہ کی نافرمانی کی پروا ہوتی ہے اور نہ اطاعت رسول کی۔ انہی لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔
اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ خواہشات نفس کا بندہ آخرکار **اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ** کے درجے پر پہنچ کر تباہ و برباد ہوتا ہے۔ دین اسلام نفس کی پیروی کے برعکس اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کا حکم دیتا ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت حقیقی ایمان کا تقاضا ہے جیسا ارشاد نبوی ہے:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے پیغام کے تابع نہ ہو جائے۔" اور قرآن میں ہے:

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ۔ (فرقان:۴۳)

پس نفسانی خواہش کی پیروی ہلاکت کی موجب ہے جب کہ اتباع رسول نجات کا ذریعہ ہے۔

دوسری ہلاکت:

دل کی تنگی قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ☆

ترجمہ: "اور اپنے مال خرچ کرتے رہو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو شخص اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہا پس ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" (سورہ تغابن آیت ۱۶)

شُحّ کا لفظ عربی میں بخل اور کنجوسی کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر جب اس لفظ کو نفس کیطرف منسوب کر کے شح نفس کہا جائے تو یہ تنگ نظری، تنگ دلی، کم حوصلگی اور دل کے چھوٹے پن کا ہم معنی ہوتا ہے۔ شح نفس کا مریض چاہتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے سب اس کو مل جائے کسی اور کو کچھ نہ ملے۔ اسی بناء پر قرآن نے اس بیماری سے بچ جانے کو فلاح کی ضمانت قرار دیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَکَ مَنْ قَبْلَکَ حَمَلَهُمْ عَلٰی اَنْ سَفَکُوْا دِمَائَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ۔ (بخاری فی الادب)

"شح سے بچو کیونکہ شح ہی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ اس نے ان کو ایک دوسرے کے خون بہانے اور دوسروں کی حرمتوں کو اپنے لئے حلال کر لینے پر اکسایا یعنی بخل قوموں کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ بخیل اور حریص مال و دولت کی محبت میں حلال و حرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے اور حصول مال کے لئے ظلم و ستم پر اتر آتا ہے جو بالآخر اسے ہلاک کر دیتا ہے۔"

تیسری ہلاکت: عجب نفس

حدیث میں تیسری ہلاکت **اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ۔**

عجب نفس کی تعریف خود نبیؐ نے ایک سوال کے جواب میں نہایت واضح طور پر فرما دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی خودفریبی اور تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں

Scanned with CamScanner

ہوگا- ایک شخص نے سوال کیا کہ آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کا جوتا اچھا ہوتو کیا یہ بھی تکبر ہے- آپؐ نے فرمایا: "اللہ خود صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے- تکبر اور عجب نفس یہ ہے کہ آدمی حق کا انکار کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے-"

اس سے معلوم ہوا کہ عجب نفس کی اصل حقیقت حق کا انکار اور دوسروں کو حقیر سمجھنا ہے- بعض لوگ اپنے آپ کو اتنی بڑی چیز سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ ان کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ جس بات کو وہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں حق اس کے سوا کچھ اور بھی ہوسکتا ہے اوران کے سوا کوئی اور شخص بھی کسی احترام یا بڑائی کا مستحق ہوسکتا ہے ان کو جو عزت اور نعمت حاصل ہوتی ہے اسے اللہ کا فضل سمجھنے اور اس کا شکرگزار ہونے کی بجائے اس کو اپنا پیدائشی اور خاندانی حق سمجھ بیٹھتے ہیں یا اس کو اپنی کوشش اور قابلت کا ثمرہ خیال کرتے ہیں اور پھر اس پر اتراتے اور فخر کرتے ہیں- ایسی چیز کو بعض احادیث میں اعجاب المرء بنفسہ (آدمی کی خودفریبی) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور انسان کے لئے تین بڑی مہلک چیزوں میں سے اس کو سب سے زیادہ مہلک شمار کیا گیا ہے-

خلاصہ:

لازم ہے کہ پہلی تین خصلتیں اختیار کرے تاکہ وہ ایک کامیاب اور بامراد زندگی بسر کر سکے- اللہ کے حضور اور اس کے بندوں کے آگے سرخرو ہو- اس کے ساتھ ہی ضروری ہے کہ دوسری تینوں خصائل سے بچے جو سراسر گھاٹے اور نقصان والی ہیں- ان میں گرفتار ہوکر انسان کہیں کا نہیں رہتا-

حدیث: ۲۸

پانچ قابلِ قدر نعمتیں

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِي قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

سے عمرو بن میمون الاودی کہا کہا رسول

عمرو بن میمون الاودی سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَ هُوَ يَعِظُهٗ

اللہ ﷺ لئے آدمی اور وہ نصیحت کرتے تھے

ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ

غنیمت جانو پانچ قبل پانچ جوانی اپنی قبل بڑھاپے

قبل غنیمت جانو- جوانی کو بڑھاپے سے قبل

وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ

اور صحت اپنی قبل بیماری اپنی اور تونگری اپنی قبل مفلسی اور

اور صحت کو بیماری سے قبل اور دولت مندی کو غربت سے قبل اور

فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ-

فراغت اپنی قبل مشغولیت اور زندگی موت سے قبل-

فراغت کو مشغولیت سے قبل اور زندگی کو موت سے پہلے-

تشریح حدیث ۲۸:

یہ حدیث پاک بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: پانچ حالتوں سے پہلے ان پانچ نعمتوں کو غنیمت جان (اوران سے فائدہ اٹھا) فرمایا:

۱- بڑھاپے سے پہلے اپنی جوانی کو
۲- بیماری سے پہلے اپنی صحت کو
۳- تنگدستی سے پہلے خوشحالی کو
۴- مشغول ہونے سے پہلے فرصت کو
۵- موت سے پہلے زندگی کو

Scanned with CamScanner

حالات یکساں نہیں رہتے ، اس حدیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان کی حالت ہر وقت یکساں نہیں رہتی ہے اس لئے کسی کام کے کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کسی کام کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا جائے تو ضروری نہیں کہ اس کے کرنے کا موقع بھی مل جائے اس لئے بہتر ہے اگر وہ اس وقت ہو سکتا ہے تو اسی وقت کر لینا چاہیے۔ زمانے کو ثبات ار قرار نہیں اور اس کے ساتھ دنیا کی ہر شے بدلتی رہتی ہے۔ گرمی و سردی کا اثر ماحول پر ہوتا ہے اور اس کی جسمانی و دماغی حالت پر ان تغیرات کی فقط ظاہری علامتیں ہی اثر انداز نہیں ہوتیں بلکہ اس کی ہمت اور قوت پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔

۱- دنیا امتحان گاہ:

دنیا کی زندگی اور نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور امتحان کی غرض سے عنایت فرمائی گئی ہیں۔ اگر انسان اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو اپنے آقا اور مالک کی مرضی کے مطابق عمل میں لائے اور ہر معاملہ میں اپنے آقا کی مرضی کو مقدم رکھے تو اس کارگاہ امتحان میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ غنیمت جان کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ضائع نہ کر، ان کی قدر کو پہچان اور انہیں اللہ کے احکام کے مطابق گزار۔ اب ہم انہی نعمتوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

۲- شباب و جوانی:

اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ کسی شخص کو بھی کام کے بغیر چارہ نہیں اور کام کے لئے ہمت اور قوت چاہیے۔ ظاہر بات ہے کہ ہمت اور قوت جوانی میں زیادہ ہوتی ہے جو کام جوانی میں ہونے ممکن ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو بڑھاپے میں ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہیں۔ اگر جوانی کو بے کار بے مقصد ضائع کر دیا تو بڑھاپے میں سوائے افسوس اور پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا اس لئے بڑھاپے کا انتظار نہ کر بلکہ جوانی کی بہاروں میں خدا کا بندہ بن کر رہ۔ اس کی اطاعت کر، غلط راہ پر مت بھٹکتا پھر کیونکہ عبادت کردن در جوانی شیوہ پیغمبری۔

۳- تندرستی:

اسی طرح تندرستی کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ بیماری آدمی کے پیچھے لگی رہتی ہے۔ اگر صحت و تندرستی حاصل ہے تو جو کچھ کرنا ہے صحت ہوتے ہوئے کر لینا چاہیے ورنہ پھر کچھ پتہ نہیں کہ

انسان کو کب بیماری آ گھیرے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے اور آخرت کا زاد راہ جمع کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں کہیں ایسا نہ ہو بیماری کا بے رحم ہاتھ تیری قوت عمل کو مفلوج کر کے رکھ دے اور جب تو خدا کے ہاں پہنچے تو کف افسوس ملتا رہے اور اس کوتاہی پر کہ صحت اور طاقت کے لمحات میں اپنے رب کو راضی نہ کر سکا جوانی اور صحت بخشنے والے خدا کو زمین پر رہ کر اس کی نافرمانی اور بغاوت پر کمربستہ ہو جانا نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے۔

۴- مالداری و تونگری:

اگر تو غنی اور مال دار ہے تو اللہ کی اس بخشی ہوئی نعمت پر اس کا شکر ادا کر جس کی عملی شکل غریب رشتہ دار، تنگ دست پڑوسی کی امداد، اقامت دین کے لئے مال خرچ کرنا تیری خوش بختی ہے کیونکہ دولت اور مال بھی آنی جانی شے ہے۔ بہت سے کام اس پر موقوف ہیں اور اس چند روزہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور مرنے کے بعد کچھ کرنے کا موقع نہیں صرف حسرت، افسوس، ندامت اور پچھتاوا باقی رہ جائیں گے اور اپنی کوتاہیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

۴- موت سے قبل زندگی:

غلط کاری اور کھیل کود میں زندگی برباد نہ کر جب موت کی گھنٹی بجے گی تو اس امتحان کے کمرے، دنیا سے نکلنا ہی پڑے گا خواہ تو نے کسی سوال کا جواب لکھا ہے یا نہیں لکھا ہے۔

۵- فرصت اور فراغت:

کام کرنے کے لئے فراغت بھی ضروری ہے اگر کوئی اس وقت فارغ ہے تو اسے چاہیے کہ ضرور کوئی کام کی بات کرے ورنہ پھر ممکن ہے کہ ایسے جھگڑوں میں پھنس جائے کہ فراغت نصیب ہی نہ ہو اور بہت سے کام ادھورے رہ جائیں۔

الغرض شباب و جوانی، صحت و تندرستی، مالداری و تونگری، حیات و زندگی اور فرصت و فراغت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں اور نوازشیں ہیں۔ ان انعامات خداوندی کا ہر دم شکر ادا کرنا چاہیے اور اس شکر کی عملی شکل یہ ہے کہ ان سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے اور انہیں حتی المقدور احکام الٰہی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے کیونکہ قیامت کے دن ان نعمتوں کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ وَلَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ

حدیث: ۲۹ قیامت کے دن پانچ سوال

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

سے ابن مسعود سے نبی ﷺ

حضرت ابن مسعودؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے

وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کہا نہیں ہٹیں گے دو قدم ابن آدم دن قیامت

ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: کہ قیامت کے دن ابن آدم کے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائیں گے

حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ

حتیٰ کہ سوال کیا جائے گا سے پانچ چیزیں سے اس کی عمر کس میں کھپائی

جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے گا- اوّل

وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ

اور سے اس کی جوانی کس میں گزاری اور سے اس کا مال سے کہاں

اس کی عمر کہ کن باتوں میں کھوئی، دوسرے جوانی کن باتوں میں گنوائی اور تیسرے مال کے

اِكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ-

اسے کمایا اور کن باتوں میں اسے خرچ کیا اور کیا عمل کیا جس میں اس کا علم تھا-

متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کن باتوں میں خرچ کیا، پانچویں یہ کہ علم سیکھ کر اس پر عمل کیا اور کتنا کیا-

(رواہ الترمذی)

(اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا)

شرح الفاظ:

لَاتَزُوْلُ : زائل نہیں ہوں گے، ہٹیں گے نہیں

قَدَمَا : دو قدم، دونوں پاؤں

فِيْمَا اَفْنَاهُ : کس میں فنا کی، کھپائی

فِيْمَا اَبْلَاهُ : جوانی کس میں گنوائی، گزاری

اَيْنَ اكْتَسَبَ : کہاں سے مال کمایا

فِيْمَا انفقهٗ : کن کاموں میں مال خرچ کیا

مَاذا عمل فِيْمَا عَلِمَ : علم کے مطابق کتنا عمل کیا-

تشریح حدیث ۲۹:

حدیث مبارک میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عدالت سے کوئی شخص ہٹ نہ سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ سوالات کی جواب طلبی نہ کر لی جائے گی یعنی ان پانچ چیزوں اور نعمتوں کا حساب ہر شخص کو لازماً فرداً فرداً دینا پڑے گا-

۱- اولاً اپنی عمر اور زندگی کن امور میں گزاری اور بسر کی-

۲- دوسرے جوانی کی بابت کہ کن مشاغل میں بسر کی-

۳- تیسرے مال و دولت کے بارے میں کہ کیسے کمایا؟

۴- اور کن باتوں میں خرچ کیا اور پانچواں اور آخری سوال

۵- علم سیکھ کر، اس پر عمل کہاں تک اور کتنا کیا؟

اس حدیث میں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کو دنیا میں جو سامان حیات دیا ہے اس کے ذرے ذرے کا حساب ہوگا گویا سورۃ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ کی آخری آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ کی یہ حدیث تفسیر ہے-

انسان ان پانچ باتوں کا صحیح جواب نہیں دے سکتا جب تک وہ دنیا میں خدا کا بندہ بن کر نہ رہے اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ کے احکام کی پیروی نہ کرے-

Scanned with CamScanner

ہر نعمت کی جواب دہی:

اوّل یہ کہ جس نعمت کی بابت سوال ہوگا اس کی حد کیا ہے- دوسرے یہ کہ انسان کس قدر دولت پر کفایت کرے اور اس بات کی کوشش کرے کہ جو کچھ ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں صرف کرے ورنہ حساب سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوجائے گا-

۱- نعمت اسی کو نہ سمجھنا چاہیے کہ فراغت اور آرام سے بسر کرنے کا ڈھیر سارا سامان میسر ہو- عمر اور زندگی بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن کے متعلق سوال ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اس وقت کچھ جواب نہ بن پڑے گا کیونکہ عموماً زندگی کھیل کود، عیش و عشرت، کمزوروں کو دبانے، شیخی بگھارنے اور مفلسوں کو چڑانے، لوٹ مار، دغا فریب سے پیسہ کمانے میں صرف کی جاتی ہے- اگر جواب دے گا کہ میں نے تیری دی ہوئی مہلت سے خوب گلچھرے اڑائے، خوب دولت کمائی، داد عشرت دی، حاجت مندوں سے چھین چھین کر اپنا گھر بھرا تو اس سے کہا جائے گا کیا ہمارے رسولوں نے اور ہماری کتابوں نے تمہیں یہی تعلیم دی تھی؟ اس وقت سوائے بغلیں جھانکنے کے کچھ جواب نہ بن پڑے گا-

قیامت کے دن ان نعمتوں کی بابت سوال ہوگا اور آئیں بائیں شائیں سے کام نہیں چلے گا- ان کا جواب شافی دینا ہوگا کہ اگر اس کا درست جواب بن نہ آیا تو سیدھا جہنم میں جانا ہوگا- یہ باتیں ہنسی کی نہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر مرنا برحق ہے شک و شبہ کی گنجائش نہیں تو زندگی میں موت کی فکر کرنا اور جوانی میں بڑھاپے کی فکر کرنا دانش مندی کی علامت ہے- قیامت کے دن سب سے پہلے جن نعمتوں کے بارے میں بازپرس ہوگی اس کی فکر آج کر لینی ضروری ہے ورنہ کل ندامت کے سوا کچھ نہ ہوگا-

انسان شترِ بے مہار نہیں:

آدمی کی بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شتر بے مہار سمجھتا ہے- وہ اس بھول میں گرفتار ہے کہ کوئی اس کا محاسبہ کرنے والا نہیں، جو چاہے کھائے پیئے، جو جو چاہے کرے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں کہ تو نے کیا کھایا اور کیوں کھایا، کیا کمایا اور کیسے کمایا اور پھر اپنی کمائی کیسے خرچ کی بے فکری اور لا ابالی پن کی زندگی بسر کرنے کا نام شخصی آزادی رکھا گیا ہے- اس کے بڑے بڑے لوگ حامی ہیں- ان کے منہ میں ہر وقت یہی ہے کہ ہر شخص آزاد ہونا چاہیے اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر جہاں چلا جائے

تماشا یہ ہے کہ یہی آزادی کے حامی زبان سے تو یہ کہتے ہیں لیکن جب کوئی شتر بے مہار اور لاابالی انسان آزادی کی ترنگ میں آ کر خود ان کی شان میں کوئی گستاخی کر بیٹھے تو پھر وہ اسے ادھر ادھر سے گھیر کر پکڑتے ہیں اور اس کی ناک چھید کر اس میں نکیل ڈال دیتے ہیں اور سرا اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ قید خانے بھرے ہوئے ہیں- جیل خانے آباد ہیں اور مالداروں اور طاقت وروں کے سوا کسی کی مجال نہیں کہ ذرا ان کے مقرر کئے ہوئے قاعدوں سے ہٹ سکے- اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان انسان کی آزادی سلب نہیں کرسکتا- خود اس کے پیدا کرنے والے نے اس کو اپنے بنائے ہوئے قوانین کا پابند بنایا ہے یہاں تک کہ وہ بےحکم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا- سب سے بڑی روک تو یہ ہے کہ جن چیزوں کے بل پر وہ کودتا ہے یعنی جوانی اور علم ان سب کا اسے قیامت کے دن حساب دینا ہوگا اور وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکے گا جب تک وہ ان چیزوں کی بابت سوالات کا جواب نہ دے دے کہ اس نے زندگی کن شغلوں میں بسر کی- جوانی سے کیسے کام لیا، مال کیسے کمایا اسے کن چیزوں میں خرچ کیا- علم سے کیا کام لیا مگر غور کیا جائے تو یہ قانون زندگی کا خلاصہ ہے اور دین کا نچوڑ ہے- موت ایک دن آنی ہے کوئی اس سے آج تک نہیں بچا اور نہ کسی کے بچنے کی امید ہے پھر ذرا سوچ سمجھ کر چلو تمہارا ذرہ ذرہ کام لکھا جاتا ہے اور اس کی بابت ایک دن پوچھا جائے گا- آج ہم ایک دن کا حساب دینے سے گھبراتے ہیں لیکن مرنے کے بعد زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا- اللہ! اللہ! کتنا کٹھن ہوگا یہ کام اور کتنی بڑی ہوگی یہ گھڑی- جوانی کو دیوانی کہتے ہیں- اس عمر میں انسان زندگی سے بھرپور، مگر بے فکری اور وہ لاابالی ہوتا ہے- اس کے بارے میں یہ خاص طور باز پرس ہوگی- مال و دولت کے ذرائع اور خرچ کے مقامات دونوں کی پوچھ ہوگی- ناجائز ذرائع سے کمانا ہی برا نہیں بلکہ ناجائز کاموں میں خرچ کرنا بھی اتنا ہی بڑا جرم ہے پھر علم ہو تو عمل نہ ہو یہ انسان کی بڑی بدقسمتی اور بدبختی ہے- اب ہم ان سوالات کی تفصیل بیان کرتے ہیں-

پہلا سوال: زندگی کیسے گزاری؟

انسان کی زندگی بڑی نعمت ہے- دنیا کی حیات مستعار چند روزہ اور عارضی ہے- ارشادِ الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا-

"اللہ کی وہ ذات ہے جس نے زندگی اور موت کو تخلیق کیا تاکہ تمہاری

"آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں سب سے زیادہ اچھا ہے۔"

انسانی زندگی کا مقصد بتایا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔

"ہم نے انس و جن کو صرف اپنی عبادت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا ہے۔"

اور ہر پیغمبر نے پیغام دیا ہے: وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

"اور میری حیات اور ممات اللہ کی اطاعت کے لئے ہے۔"

روز قیامت ہر انسان کو اپنی زندگی کے لمحے لمحے کا حساب دینا ہوگا کہ اس نے اسے کس طرح گزارا۔ اچھے عمل میں یا برے عمل میں کیونکہ دنیا دارالعمل اور امتحان گاہ ہے۔

دوسرا سوال: جوانی کیسے گزاری؟

قیامت کے دن دوسرا سوال جوانی اور عالم شباب کے متعلق ہوگا کہ اسے کن مشاغل میں گزارا اور اس میں کیا اعمال کئے۔ ہر عمل کے لئے قوت، طاقت اور ہمت کی ضرورت ہے۔ جوانی اور عالم شباب اللہ تعالیٰ کا بڑا عطیہ اور انعام ہے۔ جو کام جوانی میں ممکن اور آسان ہیں وہ اعمال بڑھاپے میں مشکل اور محال ہیں کیونکہ بڑھاپے میں انسانی قوتیں اور توانائیاں کمزور اور مضمحل ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ اچھے اعمال کرنا بھی چاہے تو نہیں کر سکتا اس لئے کہا جاتا ہے کہ جوانی میں عبادت اور اطاعت الٰہی پیغمبری کا شیوہ ہے۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے اس میں انسان ہوش کی بجائے جوش، دماغ کی بجائے دل کا اسیر ہو کر شیطانی کاموں میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ایسی بے ہوش جوشیلی جوانی برے اعمال کی وجہ سے انسان کو جہنم کا ایندھن بنا دے گی۔ جیسا کہ شاعر نے کہا۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا خواہ کتنا ہو صاحب فہم و ذکاء
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

لہٰذا ضروری ہے کہ انسان جوانی اطاعت الٰہی اور عبادت خداوندی اور خدمت خلق میں گزارے۔ اسے غفلت، معصیت، ظلم اور سرکشی میں گزارنی نہیں چاہیے۔

تیسرا اور چوتھا سوال:

روز قیامت کو یہ ہوگا کہ اس نے مال کن ذرائع سے کمایا اور کن مصارف میں خرچ کیا۔ مال و دولت دنیاوی زندگی کے لئے ضروری ہے۔ انسانی ضروریات اور دنیاوی حاجات کے لئے

مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ مال کے بغیر انسانی زندگی اجیرن اور بوجھ بن جاتی ہے اس لئے آنحضور ﷺ کا قول ہے کہ "مفلسی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔" اسی لئے مال و دولت بھی نعمت خداوندی ہے اس لئے اسلام نے اسے حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے لیکن حصول کے لئے دین اسلام نے کچھ اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں جن میں سب سے بڑا اصول محنت اور ایمان داری ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا، اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ یعنی "محنت اور مشقت سے مال کمانے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔" پھر حصول مال کے لئے دیانت داری لازمی ہے۔ تجارت میں دیانت اور صداقت بنیادی اصول ہے۔ ایک صحابی نے آنحضور ﷺ سے پوچھا، کونسا مال افضل اور طیب ہے؟ فرمایا "محنت اور دیانت سے کمایا ہوا مال۔" اس طرح آپ کا ارشاد ہے:

"ایک سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن شہداء، صدیقین اور انبیاء کے ساتھ ہوگا۔"

اس کے برعکس اسلام نے حرام یعنی ناجائز ذرائع سے کمانے کی مخالفت کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"اے مومنو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔" (البقرۃ)

اسی طرح دھوکہ دہی سے حصول مال کی تمام شکلیں رشوت، سود، جوا، چوری، ڈاکہ، ملاوٹ، سمگلنگ اور غبن وغیرہ حرام اور ممنوع ہیں۔ اسلام نے نہ صرف مال کے حلال اور جائز ذرائع کی تاکید کی ہے بلکہ صرف دولت اور انفاق مال کے اصول دیئے ہیں۔ اس میں اسراف اور تبذیر کی ممانعت ہے۔ اسراف سے مراد فضول خرچی یعنی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا جیسا کہ آج کل بیاہ شادی پر نمائش کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ تبذیر سے مراد ایسی جگہوں پر مال خرچ کرنا جہاں خرچ کرنے پر شرعی ممانعت ہے مثلاً شراب نوشی، ناچ، گانے بجانے وغیرہ حرام کاموں پر خرچ کرنا ہے۔ قرآن مجید نے فضول خرچی اور حرام کاموں پر خرچ کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۲۷)

پھر ریاکاری سے مال خرچ کیا ہوا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے لہٰذا خرچ کرنے میں ہمیں اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ قیامت کے روز ہمیں پیسے پیسے کا حساب دینا پڑے گا کہ کیسے کمایا اور کس طرح خرچ کیا۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اہل مال کو حساب دینے میں خاصا وقت لگے گا۔

Scanned with CamScanner

آخری اور پانچواں سوال: علم سیکھ کر اس پر کہاں تک عمل کیا؟

علم حاصل کرنا ہر انسان کا فطری حق ہے اور دین اسلام اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ (ابن ماجہ)

"حصولِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے، آپ ؐ نے فرمایا، "علم حاصل کرو، طلب علم عبادت ہے، علم جنت کا راستہ ہے۔ علم دلوں کی زندگی ہے اور اندھوں کے لئے بینائی ہے۔ علم توانائی اور قوت ہے۔ علم کے ذریعے انسان فرشتوں کے اعلیٰ درجات تک پہنچتا ہے۔ علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت اور عبادت کی جاتی ہے اس کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔ علم راہنمائے زندگی ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو علم حاصل کرتے ہیں۔ الغرض علم لازوال دولت ہے اور عطیہ خداوندی ہے لیکن علم وہی مفید ہے جس پر عمل کیا جائے۔ علم و عمل میں موافقت ضروری ہے ورنہ یہ منافقت ہے اور اس کی مثال گدھے کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اور وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

آپ ؐ کا فرمان ہے:

اَلْعِلْمُ دُوْنَ الْعَمَلِ وَبَالٌ، یعنی "عمل کے بغیر علم وبال اور ہلاکت ہے۔" ایک اور موقع پر آپ ؐ نے عالم بے عمل کو چراغ کے فتیلہ سے تشبیہ دی ہے جو لوگوں کے لئے تو روشنی مہیا کرتا ہے لیکن خود جل کر رہ جاتا ہے۔ اسی لئے قیامت کے روز عالم سے پوچھا جائے گا کہ اس نے علم حاصل کر کے اس پر کس قدر عمل کیا اور اگر اس نے اپنے حاصل کردہ علم پر عمل نہ کیا ہوگا تو اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

الغرض اللہ کے صادق و مصدوق رسول ﷺ نے ہمیں قیامت کے دن کا پرچہ اور سوالات بتا دیئے ہیں۔ ان سوالات کے ٹھیک ٹھیک جوابات دینے کی دنیاوی زندگی میں تیاری کرنی چاہیے تاکہ آخرت کے اس امتحان میں ہم کامیاب ہوں۔

حدیث: ۵۵

برابر کا بدلہ؟

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

سے حذیفہؓ کہا کہا رسول اللہ ﷺ

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ

وسلم نہ ہو جاؤ ضعیف الرائے تم کہتے ہو اگر اچھا سلوک کیا لوگ

فرمایا: تم کمزور رائے والے لوگ نہ بن جاؤ کہ کہنے لگو اگر لوگ ہم سے حسن سلوک

اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ

ہم نے اچھا کیا اور اگر ظلم کیا ہم نے ظلم کیا اور لیکن قائم کرو نفسوں اپنے

کریں گے تو ہم بھی حسن سلوک کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم ظلم کریں گے بلکہ تم اپنے نفسوں کو

اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَاِنْ اَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا (رواہ الترمذی)

اگر حسن سلوک کریں لوگ کہ تم ایسا کرو گے اگر وہ برا کریں تو نہ تم ظلم کرو

اس پر قائم رکھو کہ اگر لوگ حسن سلوک کریں گے تم حسن سلوک کرو گے اور اگر وہ برائی کریں گے تو تم ظلم نہیں کرو گے

Scanned with CamScanner

شرحِ الفاظ:

اِمَّعَۃ : ضعیف الرائے لوگ، جن کا اپنا کوئی نظریہ اور رائے نہ ہو- حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود ہی امعۃ کی تشریح کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہر وہ شخص ہے جو دوسرے کی رائے کی پیروی کرے اور کہے کہ جیسی اس کی رائے وہی میری رائے یعنی ضعیف الرائے جس میں استقامت نہ ہو- (لسان العرب)

وَطِّنُوْا اَنْفُسَکُمْ: اپنے نفوس کو پختہ کرو، جمالو

اِنْ اَسَاءُوْا : اگر وہ برائی کریں-

تشریح حدیث (۵۰):

حدیث پاک میں آنحضور ﷺ نے لوگوں سے حسن سلوک کا اعلیٰ معیار بیان کیا ہے- وہ یہ کہ بدسلوکی کے مقابلہ میں حسن سلوک کی روش اختیار کی جائے نہ کہ وہ شخص جو حسن سلوک کرے اس کے بدلے میں اس سے حسن سلوک کیا جائے اور جو بدسلوکی سے پیش آئے اس سے بدسلوکی کی جائے- یہ تو ایک طرح سے حساب چکانے والی بات ہے- ایسے لوگوں کو حدیث میں اِمَّعَۃ یعنی ضعیف الرائے اور حساب برابر چکانے والے کہا گیا ہے- حضور پاک ﷺ نے احسان کی روش اختیار کرنے کی تلقین کی ہے نہ صرف حسن سلوک کا بدلہ حسن سلوک سے دیا جائے بلکہ بدسلوکی کرنے والے شخص سے بھی بھلائی اور حسن سلوک سے پیش آیا جائے- اس مضمون کی تائید مندرجہ ذیل احادیث کرتی ہیں- آپؐ نے فرمایا:

۱- مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور پر حکم فرمایا ہے، ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ کوئی مجھ سے زیادتی اور بدسلوکی کرے تو میں اسے معاف کر دیا کروں- (بخاری)

۲- آپؐ کا ارشاد ہے کہ رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ وہ ہے جس کا رشتہ کاٹا جائے تو وہ اسے جوڑے رکھے- (بخاری)

۳- حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں، مجھے میرے حبیب نے وصیت فرمائی کہ تم رشتہ داروں سے نیک سلوک ہی کرنا خواہ وہ تم سے بدسلوکی سے پیش آئیں- (مسند احمد)

نیز ارشاد الٰہی ہے:

"برائی کو اچھائی سے دور کر پھر تیرا دشمن بھی جگری دوست بن جائے گا-" (حم السجدۃ:۳۴)

اُسوۂ رسول ﷺ:

آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لئے کامل نمونہ ہے- آپؐ نے نہ صرف اپنوں سے بلکہ دشمنوں سے بھی ہمیشہ احسان کیا-

غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے قیدی آپ کے ہاتھ آئے- ان سے بڑھ کر آپ کا کوئی دشمن نہ تھا اور باوجودیکہ صحابہ کرامؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا آپؐ نے نہ صرف انہیں رہا کر دیا بلکہ جب تک وہ لوگ حضور ﷺ کی قید میں رہے آپؐ نے ان کے آرام و آسائش کا ہر طرح خیال رکھا- ابوسفیان جو قبول اسلام سے پیشتر اسلام کے بدترین دشمن تھے، فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا وہ بھی امن میں ہوگا- اس کے علاوہ اس کے بیٹوں کو ہوازن کے مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ دیا- فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور فرمایا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْھَبُوْا وَاَنْتُمْ طُلَقَاءُ-

"جاؤ تم آزاد ہو آج تم پر کوئی سرزنش نہیں-"

الغرض حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اور حسن سلوک کا چلن ہو یا ظلم اور بدسلوکی کا دور دورہ ہو اہل ایمان کو چاہیے کہ ان کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی کا ہے- نیز یہ احسان صرف ان لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں بلکہ جو ہمارے ساتھ برا سلوک کریں ان کے ساتھ بھی ہم احسان کا رویہ رکھیں- حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں اور جو مجھے نہ دے، جب میرے پاس دینے کا وقت آئے تو میں اس کو بھی دوں-"

Scanned with CamScanner

حدیث: ۵۱ — اچھے اور بُرے لوگوں کی پہچان

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ

سے عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید بیشک

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ بیشک

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِاللّٰهِ الَّذِيْنَ

نبی ﷺ فرمایا بہترین بندے اللہ وہ لوگ

نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کی

اِذَا رُأُوْا ذُكِرَاللّٰهُ وَ شِرَارُ عِبَادِاللّٰهِ الْمَشَّاؤُنَ

جب دیکھے جائیں یاد آئے اللہ اور بدترین بندے اللہ کرتے پھریں

صورت دیکھتے ہیں اللہ یاد آ جائے اور اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو لوگوں سے ایک دوسرے کی برائی کرتے پھرتے ہیں

بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَاَءَ

ساتھ چغلی جدا کرنے والے درمیان دوستوں چاہتے ہیں بے گناہ

ہیں، دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور چاہتے ہیں بے گناہوں کے لئے

الْعَنَتَ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

مصیبت۔ (روایت کیا امام بیہقی نے)

مصیبت۔

شرح الفاظ:

خِيَار : بہترین، واحد خیر

عِبَادُ اللّٰه : اللہ کے بندے

اِذَا رُأُوْا : جب انہیں دیکھا جائے، وہ دکھائی دیں۔ (مجہول کا صیغہ ہے)

شِرَارُ : واحد شریر، بدترین لوگ

اَلْمَشَّاؤُوْنَ : چلتے پھرتے ہیں (مَشْیٌ: چلنا)

بِالنَّمِيْمَةِ : چغلی کے ساتھ

اَحِبَّةٌ : واحد حبیب: دوست

اَلْبَاغُوْنَ : چاہتے ہیں

اَلْبُرَءَاءُ : بے گناہ

عَنَتٌ : مصیبت

تشریح حدیث ۵۱:

حدیث پاک میں بہترین اور بدترین لوگوں کی پہچان بتائی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

۱- اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جنکی صورت دیکھتے ہی اللہ یاد آ جائے اور

۲- بدترین لوگ وہ ہیں کہ جو لوگوں سے دوسرے کی برائی کرتے پھرتے ہیں۔

۳- دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور

۴- اور بے گناہوں کے لئے مصیبت اور تکلیف چاہتے ہیں۔

اسلام ایک فطری عقلی اور مکمل دین ہے۔ اس کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ خود اچھے کام کرو، دوسروں سے کہو کہ اچھے کام کریں اور اللہ کو ہر وقت یاد رکھو۔ یوں تو سارے مذاہب اچھے کام کرنے کی نصیحت کرتے ہیں لیکن اسلام اس کے ساتھ اس امر پر خاص زور دیتا ہے کہ اللہ کو نہ بھولو یہی ایک ایسی چیز ہے جو دنیا کے دھندوں میں پھنس کر انسان کے خیال سے نکل جاتی ہے۔ اسی کے یاد دلانے کے لئے دنیا میں لا تعداد نبی اور رسول آئے۔ یہ حضرات اللہ کے بندوں کو اللہ بزرگ و برتر کی یاد دلاتے رہے ان کی اپنی زندگیاں ہمہ وقت یادالٰہی کیلئے وقف تھیں انہیں دیکھ کر اللہ کریم کی یاد آ جاتی تھی۔

Scanned with CamScanner

اللہ کے سب سے نیک بندوں کی پہچان اس حدیث میں بتائی گئی ہے کہ ان کو دیکھتے ہی اللہ کی یاد آ جاتی ہے۔ وہ اپنی زبان سے نہیں کہتے کہ ہم عالم ہیں شریعت پر چلتے ہیں، ہماری بات کو مانو وغیرہ وغیرہ اور نہ وہ اپنے مریدوں اور ملنے جلنے والوں سے اپنے آپ کو حضرت صاحب کہلوانا چاہتے ہیں۔ ان کے اخلاق و عادات ہی کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ بغیر کچھ کہے سنے، فقط انہیں دیکھ کر ہی دل پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

وہ دوسروں سے زیادہ بھڑک داریا۔ نرالی وضع کا لباس، پگڑی، جبہ، قبا کچھ نہیں پہنتے، عام سادی وضع میں رہتے ہیں لیکن دل ہے کہ ان کی طرف خواہ مخواہ کھنچا چلا جاتا ہے وہ لوگوں سے بھاگتے ہیں مگر لوگ ان کی طرف بھاگتے ہیں۔

اس حدیث میں آخری نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد اچھے لوگ وہی ہیں جنہیں دیکھ کر ایمان والوں کو اللہ یاد آ جائے۔ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے دل و جان سے رسول اللہ کی فرمانبرداری کر کے اپنے آپ کو اس قابل بنایا کہ ان کو دیکھتے ہی سے اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جنہیں صحیح معنوں میں رسول کے جانشین کہہ سکتے ہیں۔ اگر کوئی معلوم کرنا چاہے کہ اس زمانہ میں واقعی طور پر اچھا کون ہے تو اسی معیار پر جانچنا چاہیے اگر کوئی اس نشانی کے مطابق پورا اترے تو اس حدیث کی رو سے اچھے آدمیوں میں شامل ہے۔ اس کے پاس بیٹھنے اٹھنے اور اس سے میل جول رکھنے میں جہاں تک ہو سکے۔ کوشش کرنی چاہیے یہ ضروری نہیں کہ وہ مشہور زمانہ عالموں اور صوفیوں سے ہو اس لئے بہت سے اللہ کے بندے چھپے ہوئے ہیں وہ اپنے ناموں کی تشہیر نہیں کرتے۔ ظاہرداری نمود نمائش سے دور رہتے ہیں ایسے پُرکشش بندے آج کل برائے نام ہیں بلکہ اکثر نام نہاد لوگ لاکھ ترکیبیں کرتے ہیں کہ کسی طرح لوگ انہیں پوچھیں ان کے گرویدہ بنیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بدترین لوگ وہ ہیں کہ دوسروں کی برائیاں کرتے پھرتے ہیں۔ دوستوں کا باہم لڑوا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے بے گناہ بھولے بھالے لوگوں کو بدنام کرتے پھرتے ہوں اور مزے سے دندناتے پھرتے ہیں۔

بہتان طرازی کی مذمت:

سورہ احزاب میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا☆

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں، انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔''

گویا مومن پر جھوٹا الزام لگانا اسے اذیت پہنچانے کے مترادف ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ کسی مومن کے لئے اس سے بڑھ کر اذیت کیا ہوگی کہ اس کی عزت داغ دار کر دی جائے اور اس کے کردار پر سیاہی کا دھبہ پھیر دیا جائے۔ سورہ نور میں ہے:

''جو لوگ پاک دامن، معصوم اور بھولی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے۔

حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جھوٹی تہمت لگائی تھی جس سے حضرت عائشہؓ، نبی کریمؐ اور عام مسلمانوں کو تکلیف اور اذیت پہنچی۔

(آیات ۲۳ تا ۲۵)

چنانچہ حدیث میں بدترین لوگوں کی علامات یہ بتائی گئی ہیں کہ ان کا مشغلہ جھوٹ، غیبت اور بہتان طرازی کے ذریعے مسلمانوں میں بھی نفرت اور تفریق پیدا کر کے لڑانا ہے جس پر پورا معاشرہ اذیت اور عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کسی کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ ایسے شرپسند لوگ امن پسند شہریوں اور معصوم مسلمانوں پر جھوٹے مقدمات اور جھوٹے گواہ پیش کر کے انہیں مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔

حدیث: ۵۲ — اللہ تعالیٰ حیادار ہے

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سے	سلمان	کہا	کہا	رسول	اللہ	صلی	اللہ	علیہ	وسلم

حضرت سلمان سے روایت ہے کہ رسول ﷺ

Scanned with CamScanner

اِنَّ رَبَّـکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِیْ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ
بیشک رب تمہارا حیادار سخی شرماتا ہے سے بندہ اس کا جب اٹھاتا ہے
نے فرمایا: بیشک تمہارا رب حیادار اور سخی ہے جب کوئی بندہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے پھیلاتا ہے
یَدَیْہِ اَنْ یَّرُدَّھُمَا صِفْرًا—(رواہ الترمذی)
دونوں ہاتھ اپنے کہ لوٹائے دونوں خالی (اسے امام ترمذی نے روایت کیا)
تو خالی ہاتھ لوٹاتے اسے شرم آتی ہے۔ (اسے امام ترمذی نے روایت کیا)

شرح الفاظ:

حَیِیٌّ	:	بہت زیادہ حیادار
کَرِیْمٌ	:	بہت زیادہ کرم اور سخاوت کرنے والا
رَفَعَ	:	اس نے اٹھایا
یَدَیْہُ	:	اپنے ہاتھ
اَنْ یُّرُدَّ	:	کہ وہ لوٹائے
صِفْرًا	:	خالی

تشریح حدیث (۵۲):

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً حیادار اور سخی ہے جب کوئی بندہ دعا کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے پھیلاتا ہے تو خالی ہاتھ لوٹاتے اسے شرم آتی ہے یعنی اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے پیار کرتا ہے جو اس کی بارگاہ میں سوال کے لئے ہاتھ اٹھائے اس کی دعا قبول نہ کرے اور اسے خالی ہاتھ واپس لوٹا دے ممکن نہیں۔ دعا قبول نہ کرنا اس کی شان کریمی کے خلاف ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بندوں کے اعمال میں سے دعا کا عمل سب سے زیادہ اللہ کو متوجہ کرنے والا ہے۔

دعا کی فضیلت:

آپ کا ارشاد گرامی ہے:

لَیْسَ شَیْئٌ اَکْرَمَ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ۔

''اللہ کے ہاں دعا سے معزز کوئی چیز نہیں ہے۔''

دعا کا مفہوم:

دعا کا معنیٰ ہیں پکارنا، عاجزی سے مانگنا، مدد چاہنا، مصیبت کو دور کرنے اور حاجت روائی کے لئے التجا کرنا، بیماری، افلاس اور تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے درخواست کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جسمانی اور روحانی آفتوں سے چھٹکارا پانے اور ہر طرح کی نعمتوں کو حاصل کرنے کی درخواست کرنے کا نام دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی بارگاہ میں اپنی درخواست لے کر پہنچیں جب انہیں کسی چیز کی ضرورت یا کسی رنج اور مصیبت سے رہائی حاصل کرنا ہو تو اس کو پکاریں، دینے کے لئے اس کے خزانے بے حساب ہیں اور وہ کسی کو خالی نہیں لوٹاتا ہے، دعا بھی عبادت ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَءَ وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ— (مومن: ۴۰)

یعنی دعا عبادت ہے پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: ''تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذلیل خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

دعا بندگی کا جوہر ہے۔ آپ نے فرمایا: اَلدُّعَا مُخُّ الْعِبَادَۃِ— ''دعا بندگی کا مغز ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے سب انسانوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ وہ سب کے سب اپنے رب کی عبادت کریں۔ قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف انداز میں بار بار بیان کیا گیا ہے کہ تم مصیبت اور پریشانی کی حالت میں اللہ رب العالمین کو پکارو، اس کی بارگاہ میں فریاد کرو جو کچھ مانگنا ہو اور جب بھی مانگنا ہو صرف اللہ سے التجا کرو کیونکہ کائنات میں خدا کے سوا کوئی مشکل کشا ہے نہ فریاد رس ہے۔

قبول دعا کی شرائط:

احادیث میں دعا کے آداب اور شرائط درج ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

۱- دعا پورے اخلاص، توجہ اور حضور قلب سے مانگنی چاہیے۔ دعا کے وقت اللہ سے غافل نہ ہو۔

۲- دعا اس یقین کے ساتھ اور اعتماد سے مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول کرے گا۔ عزم اور یقین کے ساتھ مانگی ہوئی دعا ضرور اور یقیناً قبول ہوتی ہے۔

۳- دعا کی قبولیت کے لئے رزق حلال بھی شرط ہے۔ رزق حرام قبولیت دعا میں رکاوٹ ہے۔

دعا کی قبولیت کا مطلب اور اس کی صورتیں:

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیت دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جاتے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھے کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ بندے کا علم بے حد ناقص ہے۔ بہت سے بندے ہیں کہ دولت مندی ان کے لئے نعمت ہے اور بہت سے ایسے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار قرب خداوندی کا وسیلہ ہے اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لئے حکومت اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کیا چیز میرے حق میں بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ ہے۔ اس لئے وہ بعض اوقات ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی۔ اس کا عطا کرنا حکمت الٰہی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے یہ بات اس کے علم و حکمت کے خلاف ہے ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرما دے۔ دوسری طرف اس کی کریمی تقاضا کرتی ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے آگے ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں کرتا۔ کبھی تو اس کو وہی عطا کر دیتا ہے جو دعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عوض آخرت کی بے شمار نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کا ذخیرہ آخرت بن جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا کرنے والے بندے پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کے نتیجے میں اس سے مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہرحال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا

رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب سے ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا:

یَالَیْتَهٗ لَمْ یُعَجَّلْ لَهٗ شَیْءٌ مِنْ دُعَائِهٖ۔

"اے کاش میری کوئی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی اور ہر دعا کا پھل مجھے یہاں ملتا۔" (کنز الاعمال ص ۵۷ جلد ۲)

حدیث: ۵۳

مال کا عیب چھپانا جائز نہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

سے ابوہریرہؓ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَرَّ عَلٰی صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهَا فَنَالَتْ

گزرے پر ڈھیر غلہ پس داخل کیا ہاتھ اپنا میں اس لیں حاصل کیا

غلہ کے ایک ڈھیر پر سے گزرے۔ تو اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر ڈالا، آپ کی انگلیوں نے نمی اور گیلا پن محسوس کیا،

اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟

انگلیاں آپ کی نمی کہا کیا ہے یہ اے غلے والے

آپ نے فرمایا: اے غلے والے: یہ کیا ہے؟

Scanned with CamScanner

فَقَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ

کہا اسے پہنچی بارش اے رسولؐ اللہ کہا کیا نہ تم نے رکھا اسے

اس نے جواب دیا: یارسول اللہ! اس ڈھیر پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: پھر تم نے بھیگے ہوئے غلے

فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ: "مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔" (رواہ مسلم)

اوپر غلہ حتیٰ کہ دیکھیں اسے لوگ جس نے دھوکہ دیا پس نہیں ہم میں سے

کو اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکیں۔ "جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔"

شرح الفاظ:

مَرَّ	:	وہ گزرا
صُبْرَةٍ	:	ڈھیر
فَنَالَتْ اَصَابِعَهٗ	:	اس کی انگلیوں کو پہنچا
بَلَلًا	:	گیلا پن، تری
مَنْ غَشَّ	:	جس نے دھوکا دیا
فَلَيْسَ مِنَّا	:	وہ ہم میں سے نہیں یعنی مسلمان نہیں

تشریح حدیث (۵۳):

تجارت میں دھوکا جائز نہیں:

رسول پاکؐ نے اس حدیث میں تجارت میں دھوکا دہی کی ایک صورت سے منع فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ کا ایک غلہ کے ڈھیر پر سے گزر ہوا۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں اندر داخل کیا تو انگلیوں نے تری اور گیلا پن محسوس کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "اے

غلہ والے! یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب دیا اس ڈھیر پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، تم نے بھیگے ہوئے غلہ کو اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں پھر اسلامی تجارت کا ایک اصول بتایا کہ "جو تجارت میں دھوکا دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔"

حصول رزق کا اسلامی طریقہ:

اسلام نے حصول رزق سے متعلق عدل و انصاف پر مبنی اصول مقرر کیا ہے جس کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ رزق کے حصول کے ذرائع میں سے کونسا ذریعہ حلال اور حرام ہے۔ سورہ نساء میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ☆

"اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال و دولت ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ لیکن اگر باہمی رضامندی سے لین دین ہو تو یہ جائز ہے۔"

باطل بیع:

یہ آیت لین دین سے متعلق ایک اصولی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے لین دین کے ان طریقوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے کہ جو ایمان داری کے خلاف ہیں۔ اس کے لئے لفظ باطل ارشاد فرمایا یعنی یہ چیز خواہ دھوکہ وفریب کے ذریعے کی جائے یا رشوت اور خیانت اور سود کے ذریعے حاصل کی جائے۔ غرض یہ کہ جس ناجائز طریقے سے بھی دوسرے کا مال لیا جائے گا۔ اس آیت مبارکہ کے مفہوم میں داخل ہے پھر اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیم کا یہ عالم ہے کہ اس نے ان معاملات کی نشان دہی فرمائی ہے جنہیں عموماً باطل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ ان کی دینی اور دنیوی برائیوں کی نشان دہی فرما کر خطرناک ہونے کی اہمیت کا اظہار فرمایا ہے۔

مال کا عیب نہ چھپاؤ:

زیر بحث حدیث میں مال کے عیب چھپانے سے منع کیا گیا ہے کہ تاجر نے گیلی گندم ڈھیر کے نیچے کر لی تھی اور خشک اوپر۔ یہ گاہک کو دھوکا دینے کی کوشش تھی، جس سے آپ نے تاجر کو

Scanned with CamScanner

منع فرمایا۔ لہٰذا ایک مسلمان تاجر کے لئے لازم ہے کہ مال میں جو عیب ہو وہ گاہک سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ صاف صاف بتا دے کیونکہ اسلامی تجارت کا معروف اصول ہے۔

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔

ترجمہ: ''جو دھوکا دے وہ ہم سے نہیں ہے یعنی دھوکا اور جُل دینے والا تاجر مسلم برادری کا فرد شمار نہیں ہوگا کیونکہ ایمان اور دھوکا بازی ایک دوسرے کے منافی ہے۔''

ملعون تاجر

حدیث: ۵۲

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ
سے واثلہ بن اسقع کہا سنا میں نے رسول اللہ
حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا وَلَمْ
صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے جس نے بیچا عیب اور نہ
علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا: جو شخص کسی عیب دار چیز کو
يُنَبِّهْ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ اَوْلَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ
متنبہ کیا ہمیشہ میں ناراضگی اللہ یا ہمیشہ فرشتے
فروخت کرے اور اس کا عیب نہ بتائے وہ ہمیشہ اللہ کی ناراضگی میں رہتا ہے یا فرشتے
تَلْعَنُهٗ. (رواہ ابنُ ماجۃ)
لعنت کرتے ہیں اسے۔
ہمیشہ اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (اس حدیث کو ابنِ ماجہ نے روایت کیا)

شرح الفاظ:

مَنْ بَاعَ	:	جس نے بیچی
عَيْبًا	:	عیب والی
لَمْ يُنَبِّهْ	:	اُس نے آگاہ نہیں کیا
مَقْتِ اللّٰهِ	:	اللہ کی ناراضگی
تَلْعَنُهٗ	:	اس پر لعنت کرتے ہیں۔

تشریح حدیث ۵۲:

حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے ایسے تاجر کو تنبیہ کی ہے جو عیب دار چیز کو فروخت کرے اور گاہک کو اس کا عیب نہ بتائے تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس پر ناراض رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

مال کا عیب نہ چھپاؤ:

تاجر کو اپنے مال کا عیب اور نقص گاہک پر واضح کر دینا چاہیے تاکہ وہ مال خریدنا چاہے تو خرید لے۔ اس سلسلہ میں آنحضور ﷺ کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ آپ نے ایک تاجر کے پاس اونٹ فروخت کیے۔ جب وہ تاجر چلا گیا تو یاد آیا کہ ان میں سے ایک اونٹ لنگڑا تھا' آپ فوراً تاجر کے پیچھے بھاگ کر گئے اور اس اونٹ کا عیب بتایا اور اس کی قیمت واپس کرنا چاہی لیکن تاجر آپ کی اس دیانت سے بہت متاثر ہوا اور قیمت واپس نہ لی۔

اسلام دھوکے اور فریب کی تجارت کے خلاف ہے۔ لہٰذا تاجر کو مشتری پر اپنے مال کا عیب اور نقص واضح کر دینا چاہیے تاکہ وہ لاعلمی میں کوئی سامان نہ خریدے اور نہ بیع میں تنازعہ پیدا ہو۔ ارشاد نبویؐ ہے' مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اسے حلال نہیں کہ جب کسی کے پاس سودا بیچے اور اس سودے میں اگر عیب ہو تو اسے ظاہر نہ کرے (ابن ماجہ)

مزید فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے تاجر سے ناراض ہوتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' اس سلسلہ میں آنحضور کا اپنا واقعہ بیان کیا جاچکا ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک اونٹ کو فروخت کیا جس کے پاؤں میں نقص تھا لیکن اس نے خریدار کو نقص نہ بتایا۔

Scanned with CamScanner

ایک صحابی واثلہ بھی پاس تھے' انہوں نے خریدار کو یہ نقص بتایا' اور اس نے مال واپس دیا' تاجر نے خفگی کا اظہار کیا تو واثلہ نے فرمایا' میں نے رسول اللہؐ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ اَخِیْهِ بَیْعًا فِیْهِ عَیْبٌ اِلَّا بَیَّنَهٗ لَهٗ.

"کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب اس سے اس کا بھائی عیب دار چیز کا سودا کرے اور اسے اس کے نقص سے آگاہ نہ کرے۔

حضرت یونس بن عبید تابعی بزرگ تھے۔ چادریں اور اوڑھنیاں فروخت کرتے تھے' جب کبھی بادل چھا جاتے تو انہیں فروخت نہ کرتے۔ اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا بادل ہو تو خریدار کو اندھیرے کی وجہ سے مال کا عیب نظر نہیں آتا۔

الغرض ایک مسلمان تاجر اپنے مال فروخت کرتے وقت مال میں کوئی عیب ہو تو اسے گاہک کو بتا دینا چاہیے۔ رسول پاک نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے کہ عیب نہ بتانے والا تاجر بے ایمان بھی ہوگا اور ظالم بھی' پھر اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے اور ہمیشہ فرشتوں کی لعنت۔

حدیث: ۵۵ حرام خور دوزخی ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
سے جابر کہا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ
وسلم نہیں داخل ہوگا جنت میں گوشت پلا ہوا سے
فرمایا: جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوگا جو حرام مال سے پلا ہوا ہو

السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ
حرام کمائی اور ہر گوشت پلا سے حرام مال
اور ہر وہ گوشت جو حرام مال سے پلا ہو
كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)
ہے آگ زیادہ لائق ساتھ اس بیہقیؒ نے اسے روایت کیا
آگ اس کے زیادہ لائق ہے۔

شرح الفاظ

لَحْمٌ : گوشت

نَبَتَ : پلا ہوا' پرورش پایا ہوا

سُحْتٌ : سود' حرام مال

اَلنَّارُ : آگ' جہنم

اَوْلٰى بِهٖ : اس کے زیادہ لائق ہے

تشریح حدیث ۵۵:

حدیث پاک میں حرام خوری سے منع کیا گیا ہے' چنانچہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:

"جنت میں وہ گوشت (شخص) داخل نہیں ہوگا جو حرام مال سے پلا ہو۔ ہر وہ گوشت جو حرام خوری سے پلا ہو وہ نار جہنم کے لائق ہے۔"

کسب حرام کی ممانعت:

اسلام نے ایک طرف تو کسب حلال پر زور دیا ہے دوسری طرف کسب حرام کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء: ۲۹)

"اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔"

رزق حرام کی شکلیں:

قرآن و حدیث میں انسان کو کمائی کے ان تمام حرام طریقوں سے روکا گیا ہے جو اس وقت ہمارے معاشرہ میں پائے جاتے ہیں' مثلاً سود اور جوا کی تمام شکلیں رشوت' چوری' ڈکیتی' کم تولنا' ذخیرہ اندوزی' ملاوٹ' سمگلنگ' غبن' شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کی آمدنی۔

حرام رزق کے نقصانات:

بے حسی: حرام اور ناپاک رزق سے دوسروں کی تکلیفوں کا کوئی احساس نہیں رہتا۔ رفتہ رفتہ حرام خور سنگدلی کی ایسی راہ پر چل پڑتا ہے کہ انسانیت کی اعلیٰ صفات سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر گناہ کا خیال ہی اس کے دل سے مٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت لینے والے' سمگلر' ذخیرہ اندوزی کرنے والے لوگ رحم دلی سے یکسر خالی ہوتے ہیں۔

انہیں صرف دولت اور روپے اکٹھے کرنے کی دھن ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنے آپ کو فائدہ پہنچانے کی سوچ میں غرق ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس حلال اور پاکیزہ رزق کھانے والا نرم دل ہوتا ہے۔ اسے لوگوں سے محبت اور ہمدردی ہوتی ہے' اسی وجہ سے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے رزق حلال کی تلقین کی ہے۔

دعا قبول نہیں ہوتی:

ایک حدیث میں حضور اکرمؐ نے ایک آدمی کا ذکر کیا ہے جو بڑا لمبا سفر کر کے حج کرنے کی غرض سے آتا ہے۔ جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور چہرہ گرد سے اٹا ہوا ہے پھر وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے لیکن اس کا کھانا' پینا اور لباس حرام کی کمائی سے تیار ہوا ہے لہٰذا ایسے آدمی کی دعا کیوں کر قبول ہو سکتی ہے۔

قبولیت دعا کے لیے اہم ترین شرط:

رزقِ حلال: آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا: ''اس شخص کی نماز قبول نہیں ہوگی جس کے کپڑوں میں اس کی قیمت کا دسواں حصہ بھی حرام کا ہو۔'' نیز فرمایا: ''جس شخص کے پیٹ میں ایک لقمہ حرام کا چلا گیا ہے اس کی چالیس دن تک دعا قبول نہیں ہوتی۔''

ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے رسول اللہ سے عرض کیا: ''دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعائیں قبول فرمائے۔'' حضورؐ نے جواب میں فرمایا: ''لقمہ حلال کھاؤ دعا خود بخود قبول ہوگی۔'' (بخاری)

رسول اللہ کی حدیث ہے قیامت کے دن آدمی کے ساتھ سب سے پہلے جھگڑنے والے اس کے کنبے کے لوگ ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے۔ ''اے اللہ! ہم بے خبر تھے اس نے ہمیں حرام روزی کھلائی' ہمیں جو کچھ سکھانا اس کا فرض تھا اس نے ہمیں نہ سکھایا اور ہم جاہل رہ گئے جس کے لیے ہمارے والدین ذمہ دار ہیں۔''

حجاج کا واقعہ:

مورخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعا لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب کوئی حاکم ان پر مقرر ہوتا وہ اس کے لیے بددعا کرتے تو وہ ہلاک ہو جاتا۔ حجاج بن یوسف کو جب کوفہ کا گورنر بنا گیا تو اس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور پر شریک کیا۔ وہ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو حجاج نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بددعا سے محفوظ ہو گیا ہوں کیونکہ حرام کی روٹی ان کے پیٹ میں داخل ہو گئی ہے۔

رزق حرام کی مذمت:

رزق حرام کھانا پیٹ میں آگ بھرنے کے مترادف ہے۔ ایسا شخص خواہ کتنا ہی نیک ہو عبادت گزار ہو اس کی عبادت اس کے لیے نفع مند نہیں ہوگی۔

مزید احادیث:

''کتنے ہی لوگ ہیں کھاتے بھی حرام ہیں اور پیتے بھی حرام ہیں اور پہنتے بھی حرام ہیں' پھر اس کے باوجود ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتے ہیں' آخر ان کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہیں۔''

۲۔ اسی طرح ایک اور موقعہ پر آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ مال کہاں سے آ رہا ہے' یعنی حلال بھی ہے یا نہیں' تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو بھی پروا نہیں ہے کہ اسے دوزخ کے کونسے حصے میں جھونک دے۔''

۳۔ ایک فرشتہ ہر شب منادی کرتا ہے کہ جو شخص حرام خور ہے نہ اس کے فرض قبول ہوتے ہیں نہ سنتیں۔

Scanned with CamScanner

۴۔ اگر کوئی شخص دس درہم میں ایک کپڑا خریدتا ہے اس میں ایک درہم حرام کا ہوتا ہے تو جب تک وہ لباس اس کے جسم پر رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

جناب سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص مال حرام سے صدقہ خیرات کرتا ہے وہ گویا ناپاک کپڑوں کو پیشاب سے دھونے کی کوشش کرتا ہے جو بجائے خود اور بھی زیادہ ناپاک ہوتا ہے۔''

الغرض حدیث پاک میں کسب حرام کی مذمت اور ممانعت آئی ہے اور کسب حرام پر دوزخ کی وعید ہے جس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

علاج:

اسلام کسب حرام سے بچنے کے لیے اہلِ اسلام میں آخرت میں جواب دہی اور خدا خوفی کا احساس پیدا کرتا ہے نیز انہیں سادگی، کفایت شعاری، قناعت اور میانہ روی کی زندگی گزارنے کے سنہری اصول بتاتا ہے۔

حدیث : ۵۶ ممنوع تجارت

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ								
سے	علیؓ	کہا	منع کیا	رسول	اللہ	صلی	اللہ علیہ	وسلم
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم								
عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ								
سے	فروخت	جبر	اور	سے	فروخت	دھوکہ	اور	سے
نے دھوکہ کی تجارت اور مجبوری کی تجارت سے منع کیا، نیز								

بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ. (راوہ ابوداؤد)								
فروخت	پھل	قبل	کہ	پختہ	ہو	(روایت کیا	اسے	ابوداؤد نے)
پھلوں کے پختہ ہونے سے قبل بیچنے سے منع کیا۔								

شرح الفاظ:

بَيْعُ الْمُضْطَرِّ : جبر کی تجارت، اضطرار: مجبوری کی تجارت

بَيْعِ الْغَرَرِ : دھوکے کی تجارت: غرر: دھوکا

تشریح حدیث ۵۶:

حدیث شریف میں نبی پاک ﷺ نے تین قسم کی تجارت سے منع کیا ہے۔

۱۔ بیع المضطر یعنی مجبوری کی تجارت۔

۲۔ بیع الغرر یعنی دھوکے کی تجارت

۳۔ اور پھلوں کے پکنے اور پختہ ہونے سے قبل فروخت کرنے سے منع کیا ہے۔

ذیل میں انہی کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

۱۔ بیع المضطر:

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ تاجر حل کرنا جائز منافع خوری کے لیے طلب و رسد کے آزادانہ عمل کی بجائے مارکیٹ میں مصنوعی طلب یا مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں۔ چند افراد باہمی گٹھ جوڑ کے ذریعہ مخصوص اشیاء کا کاروبار اپنے لئے خاص کر لیتے ہیں اور پوری مارکیٹ پر قبضہ کر لیتے ہیں پھر صارفین سے منہ مانگی قیمتیں وصول کی جاتی ہیں اور عوام الناس یہ اشیاء مہنگی قیمت پر خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں اس طرح سرمایہ دار اور تاجر عوام کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک کسی کو یا چند کاروباری افراد یا فرموں کو کھلی مارکیٹ پر غیر معمولی قابو پانے کا حق نہیں۔ اسلام ہر ایسے عمل کو ظلم قرار دیتا ہے جو ناجائز منافع خوری کا سبب بنے۔ آنحضرتؐ کے دور میں بعض تاجر اس طرح کرتے کہ دیہات سے شہر کی طرف آنے والے قافلوں کو راستے ہی میں جا کر مل لیتے اور ان سے سودا کر لیتے۔ دیہات سے

مال لانے والے چونکہ شہر کی موجودہ قیمتوں سے ناواقف ہوتے' اس لیے وہ کچھ منافع لے کر سستے داموں ان کے پاس اپنا مال بیچ دیتے' چنانچہ جب یہی مال بازار میں آتا تو وہ لوگ زیادہ منافع لے کر فروخت کرتے اور عام لوگوں کو بھی وہ اشیاء مہنگے داموں ملتیں۔ آپ نے اس طریقہ کی ممانعت فرمائی کیونکہ یہ بیع المضطر (مجبوری کی تجارت) میں داخل ہے جس سے عام صارفین کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سامان تجارت کو آگے جا کر نہ خریدو یہاں تک کہ بازار میں اُتار دیا جائے۔'' (مشکوۃ)

علامہ ابن تیمیہ اپنی تصنیف ''الحسبہ فی الاسلام'' میں لکھتے ہیں: ''اسی اصول کی بنیاد پر متعدد فقہاء مثلاً ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقاء نے اجارہ داری کے لیے باہم اشتراک کر کے انجمن بنا لینے سے منع کیا ہے اور ایسے تاجروں پر پابندی لگائی ہے جو باہم اشتراک کر کے طے کریں کہ مال کو اپنی طے کی ہوئی مخصوص قیمت پر فروخت کریں گے۔ یہی حکم ان خریداروں پر پابندی عائد کرنے کا ہے جو خریدنے کے سلسلے میں باہم اشتراک کر لیں تاکہ فروخت کرنے والے لوگوں کا مال ہضم کر سکیں چنانچہ جب افراد کا کوئی گروہ جو کسی خاص چیز کو خریدتا یا فروخت کرتا ہو باہم یہ معاہدہ کرے کہ خریدنے میں زیادتی کرے گا اور اس کے خریدنے کی معروف قیمت مثل سے کم پر خریدے (اور بیچنے کی) معروف ثمن مثل سے زیادہ فروخت کرے گا اور اس طرح اپنے خریدے ہوئے مال پر زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرے تو یہ طرز عمل بڑا ظلم ہے۔ یہ لوگ اس بات پر اشتراک کرتے ہیں کہ عوام پر ظلم کریں گے تاکہ عوام ان کی مال کو ثمن مثل سے زیادہ پر خریدنے اور (اس سے کم داموں پر) فروخت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

بیع الغرر:

آنحضور ﷺ نے دھوکے کی تجارت سے بھی منع فرمایا ہے۔ مال کے عیب چھپانا بھی دھوکے میں شامل ہے۔ مال کا نقص اور عیب بتا دینا چاہیے۔ جو اسے چھپائے گا وہ دغا بازی کا مرتکب ہوگا۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک روز حضورؐ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو گندم فروخت کر رہا تھا۔ آپؐ نے گندم کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اندر سے بھیگی ہوئی گندم نکلی۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ اُس نے کہا کہ گندم ذرا بھیگی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے اسے باہر کیوں نہیں کیا؟'' پھر آپ نے فرمایا:

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا ''جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

یعنی دھوکہ اور جعل دینے والا تاجر مسلم برادری کا فرد شمار نہیں ہوگا کیونکہ اسلام دھوکہ بازی کا روادار نہیں ہے۔

ناپ تول میں کمی:

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے قرآن مجید میں سخت وعید آئی ہے کیونکہ یہ بھی دھوکہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ہلاکت ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے جو لیتے وقت تو پورا لیتے ہیں لیکن دیتے وقت کمی کر دیتے ہیں۔ (سورہ المطففین)

اسی لئے حضورؐ جب بھی کچھ خریدتے تو دکاندار سے فرماتے:

''قیمت کے مطابق تول اور ذرا جھکتا ہوا تول۔''

ناپ تول میں کمی کرنا دھوکہ ہے اور یہ قابل تعزیر جرم ہے۔ ایک مسلمان تاجر کے لیے یہ بات ہرگز روا نہیں ہے کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ اسے صاف صاف معاملہ کرنا چاہیے' رازق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا ترازو رازق نہیں ہے' لہٰذا اپنے ترازو کی بجائے اُسے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

بیع الغرر کی مزید شکلیں:

غَرَّ یَغُرُّ غِرٌّ (بالکسر) کے اصلی معنی خطرے (Risk) کے ہیں یعنی ہر وہ چیز کہ جس کا ہونا یا نہ ہونا معلوم نہ ہو' اس بنا پر شارحین نے اس لفظ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے کہ جس کی نوعیت اور کیفیت معلوم نہ ہو اور وہ معدوم ہو یا وہ چیز جسے بائع مشتری کے قبضہ میں دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو یا وہ چیز کہ جس کی شرعاً کوئی قدر و قیمت نہ ہو' اس بنیاد پر فقہائے اسلام نے بیع کی مندرجہ ذیل صورتوں کو بیع غرر قرار دیا ہے۔ مثلاً:

۱۔ برستے ہوئے مینہ میں پانی یا ایسا پانی کہ جو ابھی کنویں سے یا نہر کے اندر جمع ہے فروخت کرنا جائز نہیں' ہاں اگر بارش کا پانی جمع کر لیا یا نہر یا کنویں سے پانی برتن میں بھر لیا تو جمع کرنے اور بھرنے سے پانی کا مالک ہو جائے گا۔ اب اس کی بیع جائز ہے۔

Scanned with CamScanner

۲۔ جانور کی پشت یا مادہ کے پیٹ میں جو نطفہ ہے کہ جو آئندہ پیدا ہوگا اس کی بیع باطل ہے۔

۳۔ وہ پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہے اس کی بیع باطل ہے۔

۴۔ زندہ جانور کا گوشت، چربی چمڑا، سری پائے، زندہ دنبہ کی چکی اور اون جو ابھی بھیڑ کے جسم پر ہے، موتی جو ابھی تک سیپ سے نہ نکالا گیا ہو، گھی جو ابھی دودھ سے نہ نکالا گیا ہو ان تمام چیزوں کی بیع ممنوع ہے اور بیع الغرر میں داخل ہے۔

۳۔ پختہ ہونے سے قبل بیع الثمار:

آنحضور ﷺ نے پھلوں کے پکنے سے قبل ان کی فروخت سے منع کیا ہے۔ یہ طریقہ سٹہ بازی کی شکل ہے کہ کچھ تاجر دیہاتوں میں جا کر کھیتوں پھلوں وغیرہ کے پک تیار ہونے سے پہلے ہی سودا کر لیتے ہیں۔ اس صورت میں بائع یا مشتری کسی کی حق تلفی ضرور ہوتی ہے یہ ایک قسم کا قمار (جوا) ہے جسے شریعت نے منع کیا ہے۔ اس قسم کی خرید و فروخت کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے پختگی ظاہر ہونے سے پہلے پھل بیچنے سے منع کیا ہے۔ آپ نے بائع اور مشتری دونوں کو اس سے منع کیا ہے صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کھجوروں کے بیچنے سے منع کیا ہے، یہاں تک کہ وہ پختہ ہوں اور کھیتی خوشے میں بیچنے سے منع کی ہے، یہاں تک کہ پختہ ہو اور آفت سے امن میں ہو جائے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے پھلوں کے بیچنے سے منع کیا ہے، یہاں تک وہ پختہ ہوں، پوچھا گیا: ''ان کا پختہ ہونا کیا ہے؟'' فرمایا: ''سرخ ہوں'' اور فرمایا: بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تعالیٰ پھل پکنے اور تیار ہونے سے روک دے، تو تم میں کوئی اپنے بھائی کا مال کس چیز کے عوض لیتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگور بیچنے سے منع کیا ہے، یہاں تک کہ سیاہ ہو جائیں اور غلہ کے بیچنے سے منع کیا ہے، یہاں تک کہ سخت ہو جائے (مشکوٰۃ المصابیح)

حدیث: ۵۷

حلف بازی

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

سے ابوقتادہ کہا کہا رسول اللہ صلی اللہ

حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَکَثْرَۃَ الْحَلْفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّہٗ

علیہ وسلم : بچو تم کثرت حلف بازی میں تجارت بے شک

نے فرمایا: تم خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے اور حلف بازی سے

یُنَفِّقُ ثُمَّ یَمْحَقُ (رواہ مسلم)

کاروبار چلاتی ہے، پھر مٹا دیتی ہے۔

بچو اس لیے کہ حلف بازی (پہلے پہل) تجارت چمکاتی ہے پھر تباہ کر دیتی ہے۔

شرح الفاظ

اِیَّاکُمْ	:	تم بچو، پرہیز کرو۔
کَثْرَۃُ الْحَلْفِ	:	زیادہ قسمیں کھانا۔
یُنَفِّقُ	:	کاروبار خوب چلاتی ہے۔
یَمْحَقُ	:	تباہ کر دیتی ہے، برباد کر دیتی ہے۔

تشریح حدیث ۵۷:

اس حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ خرید وفروخت میں زیادہ قسمیں اور حلف اٹھانے سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ حلف بازی (پہلے پہل وقتی طور پر) کاروبار چلا دیتی ہے اور پھر (آخرکار) برکت کو مٹا دیتی ہے۔

۲۔ اس حدیث کا ایک دوسرا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ایسا تاجر ایک طرف تو قسمیں کھاتا اور حلف اٹھاتا ہے اور دوسری طرف اپنے عمل سے اسے مٹاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنا اعتماد کھو بیٹھتا اور لوگ اس پر بھروسہ نہیں کرتے اور وہ آخرکار تجارت اور کاروبار میں نقصان اٹھاتا ہے۔

الغرض حدیث کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس میں پیشہ ور لوگ مثلاً درزی اور دھوبی بھی شامل ہیں جو گاہک سے وعدہ کرتے اور قسمیں کھا کر مقررہ وقت پر اشیاء دینے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن وعدہ کے مطابق نہیں دیتے اور مزید وعدہ فردا پر ٹال دیتے ہیں۔

حلف بازی اور قسمیں کھانے کی ممانعت:

تجارت کے بارے میں ایک ہدایت جو حضورؐ نے ارشاد فرمائی یہ ہے کہ تاجر بات بات پر خدا کی قسم نہ کھایا کرے۔ خدا کی قسم بالعموم اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے' ہمارے آج کے زمانے میں بھی یہ بری رسم جاری ہے کہ دوکاندار بات بات پر خدا کی قسم کھاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''افسوس ہے ان تاجروں پر جو بات بات پر ''نہیں خدا کی قسم'' اور ''ہاں خدا کی قسم'' کی رٹ لگاتے رہتے ہیں اور ان پیشہ وروں پر بھی افسوس ہے جو گاہکوں کو کل اور پرسوں کے وعدوں پر ٹالتے رہتے ہیں۔ نیز فرمایا جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مارے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا۔'' (ابوداؤد)

ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص اللہ کی قسم کھا کر اپنا مال بیچے گا اللہ قیامت کے روز اس کی طرف رحمت کی نظر بھی نہیں کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک اور ناراض ہوگا۔ (متفق علیہ)

آپؐ کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ بات بات پر قسم کھانا خواہ سچی ہو' ناپسندیدہ امر ہے۔ اسی طرح گاہک کو کل اور پرسوں پر ٹالنا اور وعدہ پورا نہ کرنا بھی خدا کی ناراضگی کا موجب ہے۔ ہمارے ہاں اکثر پیشہ ور مثلاً درزی' موچی اور دھوبی وغیرہ گاہک سے وعدہ کرتے ہیں اور جب گاہک وعدہ کے مطابق مال لینے پہنچتا ہے تو وہ کل پرسوں پر ٹالتے ہیں۔ اسی طرح تاجر رقم کی ادائیگی کا وعدہ کر کے پھر ٹال مٹول سے کام لینے لگتے ہیں' یہ روش غیر اسلامی اور خدا

ورسول کو سخت ناپسند ہے۔ ایسا تاجر آخرکار اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے اور تجارت میں نقصان اور خسارہ اٹھاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان تاجر کے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ وہ بات بات پر قسمیں کھائے یا حلف اٹھائے اسے صاف صاف معاملہ کرنا چاہیے۔ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے' اس کی اطاعت ہی میں رزق کی کشائش ہے' لہٰذا اسے اپنی قسموں کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

حدیث : ۵۸

مادیّت کا دور

عَنْ مِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرَبَ قَالَ سَمِعْتُ
سے مقدام بن معدی کربؓ کہا میں نے سُنا
مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے
رسولؐ صلی اللہ علیہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ لوگوں
لَيَاتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ
ضرور آئے گا پر لوگ زمانہ نہیں نفع دے گا اس میں
پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جب انہیں درہم و دینار کے
اِلَّا الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ
سوائے دینار اور درہم
علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی۔

شرح الفاظ:

لَيَأْتِيَنَّ زَمَانٌ	:	زمانہ ضرور آئے گا۔
لَايَنْفَعُ فِيْهِ	:	جس میں نفع نہیں دے گا۔

تشریح حدیث (۵۸):

آنحضور ﷺ نے پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جب انہیں درہم و دینار کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی یعنی خالص مادیت کا دور ہوگا۔

پس منظر:

حضرت ابوبکر بن ابومریم کا بیان ہے کہ حضرت مقدام بن معدی کرب کی ایک لونڈی جو دودھ بیچا کرتی تھی اور حضرت مقدام بن معدی کرب دودھ کی قیمت لے لیا کرتے تھے' ان سے پوچھا گیا کہ سبحان اللہ! آپ دودھ بیچ کر اس کی قیمت لیتے ہیں؟ حضرت معدی کرب نے فرمایا: ''ہاں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''لوگوں پر وہ زمانہ ضرور آئے گا جس میں سوائے دینار اور درہم کے کوئی اور چیز فائدہ نہیں پہنچائے گی۔''

مادیت پرستی:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''سائل کے خیال میں دودھ فروخت کرنا اچنبھے کی بات تھی' کیونکہ خیر القرون میں دودھ کا استعمال اہل خانہ' احباب اور رشتہ داروں اور مساکین کے لیے ہوتا تھا۔ دودھ کو فروخت کرنا اسے عجیب محسوس ہوا لیکن صحابی رسول حضرت معدی کرب نے اس کے اس اچنبھے کو دور کیا کہ دودھ کا فروخت کرنا کسب حلال میں شامل ہے اور مجھے مال کی ضرورت بھی ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج یا برائی نہیں ہے' نیز فرمایا کہ تم اس معمولی بات پر حیران ہو رہے ہو حالانکہ ایک زمانہ آنے والا ہے جس کے متعلق آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مادیت پرستی کا دور دورہ ہوگا اور لوگ درہم و دینار کے پرستار اور بندے بن جائیں گے اور صدقہ و خیرات کرنا اور دوسروں سے احسان کی روش ختم ہو جائے گی مال و دولت کی حرص بڑھ جائے گی اور تعلقات کا معیار محض درہم

و دینار اور مال و دولت رہ جائے گی۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳)

حب مال اور مادہ پرستی:

قرب قیامت کی ایک نشانی ہے جب کہ لوگ مال و دولت اور درہم دینار کے پرستار بن جائیں گے۔ اونچی اونچی عالیشان عمارات بنانے میں باہمی مسابقت کریں گے کہ جن سے رسول اللہ نے بے زاری کا اظہار کیا۔ ان کے حق میں بددعا کرتے ہوئے فرمایا:

لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرهَم

یعنی بندہ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہوا اور بندہ درہم خدا کی رحمت سے دور رہا۔ مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اس کے حصول اور طلب میں ایسا غرق ہو کہ جائز و ناجائز ذرائع اور حلال و حرام کی اسلامی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

مال و دولت فتنہ ہے:

مال و دولت کی محبت فطری ہے کیونکہ اس کے بغیر زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص کو کھانے پینے' کپڑا پہننے اور مکان کی ضرورت ہے اور یہ چیزیں بغیر مال کے حاصل نہیں ہوتیں' اس لیے مال و دولت کا حصول ناگزیر ہے۔ اگر مال نہ ہو تو مفلسی کے ہاتھوں کفر کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے لیکن مال کی محبت جب اپنی حد سے بڑھ جائے تو یہ انسان کے لیے مہلک ثابت ہوتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خبردار کیا ہے کہ مال و دولت تمہارے لئے فتنہ ہے۔ فتنہ آزمائش کو کہتے ہیں۔ لہٰذا مال و دولت کے فتنہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس کے ذریعے انسانوں کو آزماتا ہے جو لوگ مال کی محبت کے باوجود اسے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے خرچ کرتے ہیں' وہ اس آزمائش میں پورے اترتے ہیں اور جو مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو کر بخل اور کنجوسی سے کام لیتے ہیں وہ اس امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (سورہ المنافقون آیت ۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تمہیں مال و دولت اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے جو لوگ ایسا کریں گے وہ خسارہ پانے والے ہوں گے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال و اولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر بسا اوقات آدمی اللہ کو بھلا

بیٹھتا ہے جو مال و اولاد عطا کرنے والا ہے اس لئے حضور ﷺ نے مال و دولت کی محبت کو انسان کے لیے تباہ کن قرار دیا ہے۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ بھوک سے بیتاب دو بھیڑیے اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنی تباہی نہیں مچا سکتے جتنی مال و دولت کی محبت ایک مسلمان کے دل میں مچا سکتی ہے۔

کونسا مال باعث خیر ہے:

مال و دولت اگرچہ بہت بڑا فتنہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مال و دولت میں چند خیر کے پہلو بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ اس مال و دولت سے اپنی آخرت سنوارتا ہے یا اس سے تباہی و بربادی خریدتا ہے جو شخص جائز ذرائع سے مال کمائے اور کھلے دل سے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کی آخرت سنور جاتی ہے لیکن جو شخص ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرے اور پھر بخل سے کام لیتے ہوئے اسے جمع کرتا رہے تو اس کی آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے وہ مال جو صدقہ و خیرات میں خرچ کیا جائے باعث خیر ہے' اسی طرح جو مال اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر خرچ کیا جائے وہ باعث خیر ہے۔

لالچ کی کوئی انتہا نہیں:

لالچی شخص کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ مال و دولت میں اضافے سے اس کے لالچ میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (سورہ التکاثر آیات ۱۔۲)

ترجمہ: ''تمہیں زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ تم اسی فکر میں لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔''

حضرت ابی بن کعب نے حضور ﷺ کا ایک قول نقل کیا ہے' جس میں آپ نے فرمایا:

لَوْ اَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَيْنِ مِنْ مَالٍ لَتَمَنّٰى وَادِيًا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ

یعنی اگر ابن آدم کے پاس دو وادی مال ہو تو تیسری وادی کی تمنا کرے گا کیونکہ ابن آدم کا پیٹ مٹی کے سوا کسی چیز سے نہیں بھر سکتا۔

حدیث: ۵۹

ذخیرہ اندوز ملعون ہے

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سے عمر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں

قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ (ابن ماجہ۔ دارمی)

کہا تاجر رزق دیا گیا اور احتکار کرنے والا ملعون

فرمایا: تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوز ملعون ہے

شرح الفاظ:

اَلْجَالِبُ : روزی کمانے والا یعنی حلال طریقے سے روزی کا طالب

مَرْزُوْقٌ : رزق دیا جاتا ہے (مفعول)

اَلْمُحْتَكِرُ : ذخیرہ اندوزی کرنے والا

مَلْعُوْنٌ : اللہ کے فضل اور رحمت سے دور ہے ملعون ہے

تشریح حدیث ۵۹:

آنحضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بازار میں مال لانے والے تاجر کو خوب رزق دیا جاتا ہے جبکہ ذخیرہ اندوز تاجر ملعون ہے۔

احتکار:

اس حدیث میں احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے اور محتکر ذخیرہ اندوز کو کہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی ایک بڑی خرابی احتکار ہے۔ احتکار کا مفہوم یہ ہے کہ غلہ اور دوسری اشیاء کو اس غرض سے ذخیرہ کر لیا جائے کہ ان کی قیمتیں چڑھ جائیں اور من مانی قیمت حاصل

Scanned with CamScanner

کرنے کا موقعہ میسر آئے۔ عام طور پر اشیاء کی رسد کو روک کر مصنوعی کمی پیدا کی جاتی ہے اور جب طلب بڑھ جائے اور قیمتیں چڑھ جاتی ہیں تو آہستہ آہستہ مال کو مارکیٹ میں لایا جاتا ہے تاکہ زیادہ منافع کمایا جا سکے۔ احتکار کا سبب حرص و لالچ ہے۔

احتکار کی ممانعت:

اسلامی نظام معیشت کی روح سرمایہ دارانہ نظام کے سخت خلاف ہے۔ اسلام افراد کو فطری مقابلہ (Natural Competition) کی آزادی دیتا ہے لیکن احتکار کی کسی صورت میں اجازت نہیں دیتا۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ تاجر اپنا مال مارکیٹ میں لائیں اور جتنا نفع ملتا ہے لے کر فروخت کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے متعدد احادیث میں اس کی سخت مذمت کی ہے۔

حضرت معمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ

ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بازار میں مال درآمد کرنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ کرنے والے کو لعنت بھیجی جاتی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص چالیس دن تک غلہ روک کر رکھتا ہے اور اس کے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے، وہ اللہ سے بیزار ہے اور اللہ اس سے بیزار ہیں۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو شخص چالیس دن تک غلہ روک کر رکھے پھر وہ اس کو صدقہ بھی کر دے وہ اس کا کفارہ نہیں ہو سکے گا۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ذخیرہ اندوزی کرنے والے شخص کی نفسیات اس طرح بیان کی ہے: "احتکار کرنے والا بندہ برا ہے اگر اللہ تعالیٰ بھاؤ سستا کر دے غمگین ہو جاتا ہے اور اگر مہنگا کر دے تو خوش ہو جاتا ہے۔" حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ "جو شخص چالیس روز تک غلہ ذخیرہ کیے رہتا ہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔"

ان کے علاوہ بھی بے شمار احادیث ہیں جو احتکار اور چور بازاری کو ایک خطرناک جرم قرار دیتی ہیں، جس کے ارتکاب سے آدمی انسانیت کے مرتبہ سے نکل کر خدا کے غضب اور اس کی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ احتکار کو روکنے کے لیے اسلام صرف اخلاقی دباؤ پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ قانونی وسائل بھی استعمال کرتا ہے۔ اسلام نے حکومت کو اختیار دیا ہے کہ وہ ذخیرہ اندوز کو مجبور کرے کہ وہ اپنے تمام ذخیرہ کو نکال کر ان داموں میں فروخت کرے جو حکومت کی

رائے میں مالک اور صارفین کے حق میں بہتر ہیں اور یہ کام ان خصوصی ذمہ داریوں میں سے ایک ہے جو محتسب پر ڈالی گئی ہیں۔ جو تمام امور کو شرعی احکام کے مطابق نافذ کرانے پر مقرر ہے۔ امام مالکؒ نے موطا میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارے بازار میں کوئی احتکار نہ کرے۔ جن لوگوں کو اللہ نے دولت دی ہے انہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اس رزق کو جو اس نے ہمیں عطا کیا ہم سے روک لیں۔ احتکار کے جواز کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ اگر کوئی چیز عام دستیاب ہو رہی ہو اور اس کے ذخیرہ کرنے میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو اس کا ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔

حدیث: ٦٥ ناحق لینے کی سزا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ
سے عبداللہ بن عمر کہا کہا رسول
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے لیا سے زمین
نے فرمایا: جس نے ناحق زمین کا کچھ حصہ لیا
شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
کچھ حصہ بغیر حق اپنے دھنسایا جائے گا دن قیامت
اسے سات زمینوں تک قیامت کے دن دھنسایا
اِلٰى سَبْعِ اَرَضِيْنَ. (بخاری)
تک سات زمینیں
جائے گا۔

تشریح حدیث (٦٥):

نبی رحمتؐ نے اس حدیث میں ظلم اور بلاحق زمین غصب کرنے پر وعید فرماتے ہوئے فرمایا:
''جس نے ناحق زمین کا کچھ حصہ لیا (اس کے بدلے میں) قیامت کے دن اسے سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔''

اس حدیث کی وضاحت مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

۱۔ آپ نے فرمایا: ''جس شخص نے ایک بالشت زمین ناحق لی اس کو محشر میں اس کی مٹی اٹھانے کی تکلیف دی جائے گی۔'' (مسند احمد)

۲۔ نیز فرمایا: ''جس شخص نے ایک بالشت زمین از راہ ظلم لی اللہ عزوجل اس کو تکلیف دے گا کہ اس کو کھودے یہاں تک کہ آخر ساتویں زمین تک پہنچے پھر قیامت تک اس کی گردن میں یہ طوق ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔'' (مسند احمد)۔

ظلم کا مفہوم:

ظلم کے معنی ہیں کسی کا حق مارنا اور ظالم وہ ہے جو کسی کا حق تلف کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ظالم کو پسند نہیں کرتا۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ.

اور پھر ظالم کا انجام دردناک عذاب ہے: وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا.

عبرت ناک مثال:

آنحضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص بہت سی نیکیوں کے ساتھ آئے گا لیکن اس نے دنیا میں بہت سے لوگوں پر ظلم کیا ہوگا۔ اس نے ان کا حق مارا ہوگا۔ لہٰذا اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور وہ خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ پھر باقیوں کی برائیاں اس کے پلڑے میں ڈال دی جائیں گی اور سے جہنم میں پھینک دیا جائے گا' اس طرح آخرت میں ہر ایک کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا' کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

حدیث میں ہے تمہیں قیامت کے روز ان حقداروں کے حقوق ادا کرنے ہوں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے انتقام لیا جائے گا' یعنی جانوروں تک سے بدلہ دلوایا جائے گا۔

حرف آخر:

اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے ساتھ حقوق العباد پر بھی زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں شاید رعایت کر دے لیکن جب تک کوئی بندہ اس آدمی سے معافی نہ مانگ لے جس کا اس

نے حق دبایا ہو اللہ تعالیٰ اس کی نجات نہیں فرمائے گا۔ آخرت میں ہر بات کی جزا و سزا دی جائے گی کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اس زندگی میں معاملہ درست کر لو یہاں تک کہ وہ دن آ جائے کہ تم کچھ بھی نہ کر سکو۔

حدیث: (٦٦) افضل ترین جہاد

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
سے ابو سعید کہا کہا رسول اللہ صلی اللہ
حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ
علیہ وسلم افضل ترین جہاد جس نے کہا بات سچی
علیہ وسلم نے فرمایا بہترین جہاد اس شخص کا ہے جس نے جابر سلطان
عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ. (رواه الترمذی)
پاس سلطان جابر (اسے ترمذی نے روایت کیا)
کے سامنے سچی بات کہی۔

شرح الفاظ:

افضل الجهاد : بہترین جہاد
كلمة حق : حق گوئی
جابر : ظالم
مَنْ : جس شخص نے

تشریح حدیث (٦٦):

صادق مصدوق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"افضل ترین اور بہترین جہاد اس شخص کا ہے جس نے جابر اور ظالم سلطان کے سامنے کلمہ حق کہا۔"

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جس میں آپ نے فرمایا:

اَنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ۔

"بے شک قیامت کے دن اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ قابل نفرت اور اس کی رحمت سے دور ظالم حاکم ہوگا۔" نیز آپؐ نے ظالم حاکموں کے جانشینوں کے متعلق وعید فرمائی۔

"جو لوگ ظالم حاکم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے جھوٹ کی تائید کریں گے اور ان کے مظالم کی پشت پناہی کریں گے وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ وہ حوض کوثر پر میرے پاس نہ آ سکیں گے۔" (نسائی)

مطلب یہ ہے کہ آپ نے ظالم حکمران اور ان کے خوشامدیوں سے بے زاری کا اعلان کیا ہے۔

کلمہ حق:

حق کا کلمہ باطل کی ضد ہے یعنی کلمہ حق سے مراد صحیح، درست، سچی اور خدا لگتی اور مطابق عدل و انصاف اور مطابق حقیقت بات کہنا ہے۔ پھر اس میں ادنیٰ و اعلیٰ اور چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ جہاں نقصان پہنچنے کا زیادہ خدشہ ہو مثلاً ظالم حاکم کے منہ پر اس کے ظلم اور بے انصافی کا اظہار جہاں اپنی جان جانے کا بھی خطرہ ہو تو ایسے مواقع پر مصلحت کو نظر انداز کر کے ظالم حکمران کو اس کے ظلم و زیادتی پر روکنا ٹوکنا اور کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ اس مفہوم کو آپؐ نے ایک اور اسلوب میں اس طرح بیان کیا ہے:

اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا

"یعنی اپنے بھائی کی امداد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔" پوچھا گیا کہ "ظالم کی مدد کیسے کریں؟" فرمایا "اسے اس کے ظلم اور زیادتی سے روکو، یہی اس کی نصرت ہے۔"

غلط کار حکمران:

امت مسلمہ کے غلط حکمران کی دو نشانیاں ہیں:

۱۔ وہ زبان سے اسلام کی حمایت اور اس کے نظام کی خوبیوں پر لچھے دار تقریریں کرتے ہیں، لیکن ان کی انفرادی زندگی اور اجتماعی و سیاسی معاملات میں، ان پر اسلام کا سایہ بھی نہیں پڑتا۔

۲۔ وہ اپنے اقتدار کے دور میں ایسے قوانین نافذ کرتے ہیں جن کی سند خدا اور رسول سے ثابت نہیں ہوتی۔ وہ نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہوتے ہیں۔

ہر مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ان بگڑے ہوئے اور غلط کار حکمرانوں کے خلاف جہاد کرے۔ ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئینی اور معقول ذرائع سے انقلاب قیادت کی کوشش کی جائے۔ انہیں مسند اقتدار سے ہٹا کر حکومت کی باگ ڈور صالح اور خدا ترس افراد کے ہاتھ میں دی جائے۔

جہاد:

اسلام میں جہاد سے مراد وہ انتہائی کوشش اور حتی الامکان جدوجہد ہے جو حق و صداقت کی حفاظت، عدل و انصاف کی سربلندی اور ظلم و تعدی کے خاتمہ کے لیے کی جائے اُسے ہی حدیث میں افضل ترین جہاد کہا گیا ہے۔ ظالم حکمران نہ صرف خود اللہ کی رحمت سے محروم ہوتا ہے بلکہ اس کے ظلم سے قوم میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ معاشرہ میں امن و امان تباہ ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے حقوق پامال ہو جاتے ہیں۔ اقتصادی حالت خراب ہو جاتی ہے اور بالآخر معاشی طور پر ملک و قوم بدحال ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

"اور جب ظالم شخص کو حکومت ملتی ہے تو وہ زمین میں فساد پھیلاتا ہے اور انسانی آبادی کو تباہ اور مویشیوں اور کھیتوں کو برباد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔" (البقرہ)

اسلامی معاشرہ:

اسلامی معاشرہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک اصلاحی معاشرہ ہوتا ہے جہاں عدل و انصاف کا بول بالا ہو، حق و صداقت کو غلبہ حاصل ہو چنانچہ آپؐ کی مشہور حدیث ہے کہ:

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی اور ظلم کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اگر طاقت نہ ہو تو زبان سے (کلمہ حق) سے منع کرے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل میں برا سمجھے۔ یہ کمزور ترین ایمان ہے۔" (مشکوٰۃ)

ایک اور روایت میں حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ہم نے جن باتوں پر حضور ﷺ کی بیعت کی تھی ان میں سے ایک یہ تھی کہ ہم جہاں بھی ہوں حق بات کہیں اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔ (متفق علیہ)

Scanned with CamScanner

ایک اور موقعہ پر آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہنا اور ظلم کو روکتے رہنا' ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے گا۔ تم دعائیں مانگو گے لیکن وہ قبول نہیں ہوں گی۔ (ترمذی)

لہٰذا اسلامی معاشرے میں کلمہ حق کہنے والے افراد کا موجود ہونا ضروری ہے جو معاشرے کو ظالم حکمرانوں کی چیرہ دستیوں' ظلم وستم سے بچانے کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ اس طرح معاشرہ ظلم وستم سے محفوظ رہتا ہے اور وہ خود بھی نجات کی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔

قابل تقلید روشن مثالیں:

تاریخ اسلام کلمہ حق اور حق پر عزیمت کی شاندار مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

شہید کربلا حضرت امام حسینؓ حق کی حمایت کا مجسمہ تھے۔ یزید ایک جابر اور ظالم حاکم تھا' جب یزید نے بیعت لینا چاہی تو آپؓ نے صاف انکار کر دیا اور بڑی بے باکی سے کلمہ حق کہا۔ حضرت امام حسین نے باطل کے آگے سر جھکانا قبول نہ کیا بلکہ حق وصداقت کے لیے اپنے آپ اور اہل وعیال کو قربان کر کے دین اسلام کو سربلند کر گئے بقول مولانا محمد علی جوہر ؎

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

علاوہ ازیں حضرت امام حسین نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے ظالم حاکم' حرام کو حلال کرنے والے' اللہ کے عہد کو توڑنے والے اور اللہ کے بندوں پر ظلم سے حکومت کرنے والے حکمران کو دیکھا اور اس نے اپنے قول وفعل کے ذریعے حق کی حمایت نہ کی تو اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ اسے اس حاکم کے ساتھ دوزخ میں داخل کرے۔" ("الحسین" از عمر ابوالنصر)

اس طرح امام ابوحنیفہ کو عباسی خلیفہ منصور نے چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ جائز اور عادل حاکم نہ تھا۔ لہٰذا آپ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ پھر منصور نے حضرت امام کو کوڑے لگوائے' قید کر دیا' لیکن امام اعظم حق وصداقت پر ڈٹے رہے اور باطل کی حمایت نہ کی اور جیل ہی میں جان دے دی۔ امام مالکؒ نے جبری بیعت کے خلاف فتویٰ دیا اور کلمہ حق بلند کیا۔ انہیں بھی عباسی حکمران نے کوڑے لگوائے لیکن وہ باطل کے آگے نہ جھکے۔ اسی

طرح امام احمد بن حنبل نے "خلق قرآن" کے مسئلہ پر حق وصداقت کی راہ اختیار کی۔ عباسی خلیفہ معتصم کی خواہش کے آگے نہ جھکے حتیٰ کہ انہیں بھرے دربار میں کوڑے لگوائے گئے لیکن امام پُرعزم رہے اور باطل کا ساتھ نہ دیا۔ اس طرح یہ حق کے شیدائی اور صداقت کے متوالے علماء حق گوئی کی روشن مثالیں قائم کر گئے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حدیث: (۲۲)

غصہ پر کنٹرول

عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اس سے (ابوہریرہؓ) کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
انہی (ابوہریرہؓ) سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ
نہیں طاقت ور پچھاڑنے والا بلکہ طاقت ور وہ
پہلوان وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے
يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
قابو میں رکھتا ہے اپنا نفس وقت غصہ (متفق علیہ)
جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔ (بخاری و مسلم)

شرح الفاظ:

اَلشَّدِيْدُ : پہلوان، طاقتور۔ بہادر۔ قوی

Scanned with CamScanner

يَمْلِكُ : کنٹرول کرتا ہے، قابو پاتا ہے

صُرَعَة : وہ شخص جو دوسروں کو پچھاڑ دے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔

تشریح حدیث (۲۲):

عام طور پہلوان اور طاقت ور بہادر آدمی اسے کہا جاتا ہے جو اپنے مقابل کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دے۔ لوگ اس کا لوہا مان لیتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں لیکن انہیں سوچنا چاہیے کہ یہ کمال تو فقط ہاتھ پاؤں کے مضبوط اور طاقت ور ہونے سے حاصل ہوتا ہے اس کے لئے جسم کی ورزش کافی ہے۔ جسمانی طاقت سے دل کی طاقت اور اخلاق کی قوت ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقی مضبوطی اور روحانی قوت کے بغیر جسمانی قوت دنیا میں انتہائی شر وفساد کا باعث ہوسکتی ہے بلکہ دنیا میں جتنے دنگے فساد ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں ان سب کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے اخلاقی قدروں سے منہ موڑ لیا۔ اپنی مادی اور ظاہری قوتیں بڑھا کر دوسروں کو کچلنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اس حدیث میں توجہ دلائی گئی ہے کہ بدنی اور مادی قوت بڑھا کر کیا کروگے اس سے اس کے سوا کچھ فائدہ نہیں کہ دنیا کا ناک میں دم آجائے۔ دوسروں کی زندگی دو بھر ہو جائے، ہر جگہ شورش اور بے چینی کا دور دورہ ہو اور لڑائی، جھگڑا، قتل و غارت کے سوا اور کوئی چیز نظر نہ آئے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اپنی روحانی قوت بڑھانے کی کوشش کرو۔

اخلاق حسنہ:

اچھی اخلاقی خوبیاں مثلاً حلم، تحمل اور قوت برداشت انسانی کردار کی بہت بڑی فضیلت ہے اور جو لوگ اس وصف سے متصف ہوتے ہیں وہی اللہ کے محبوب بندے ہیں کیونکہ حلم اور تحمل خود اللہ تعالیٰ کا وصف ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (اسرائیل ۴۴)

"یقیناً اللہ تعالیٰ بردبار اور بخشنے والا ہے۔"

یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ چاہتے ہیں کہ یہ وصف میرے محبوب بندوں میں بھی ہو۔

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ۔

"اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرو۔"

حیوانی جبلت میں انگیخت اور ہیجی جذبہ کے اشتعال کا نام غضب ہے جس سے ظلم اور زیادتی

کے دروازے کھلتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید نے ان سفلی جذبات پر کنٹرول کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ۔

"یعنی اچھے مسلمان غصہ دبا لینے والے ہیں۔" (آل عمران: ۱۳۴)

اسی طرح ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا، لَاتَغْضَبْ "غصہ نہ کیا کر۔" اس نے بار بار یہ سوال کیا اور آپؐ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا، لَاتَغْضَبْ۔ (صحیح بخاری)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ صرف پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ اگر تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو وضو کرے۔ (ابوداؤد) نیز فرمایا، آدمی کو غصہ آئے تو کھڑا ہوا بیٹھ جائے، بیٹھا ہوا لیٹ جائے۔ (ترمذی)

خلاصہ:

مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ یعنی تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے اور غصہ کے وقت اس کو قابو میں رکھنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ طاقت ور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حق دار وہی مرد خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور نفس اس سے کوئی بے جا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ یہ نہیں کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ وغضب کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی وقت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہوجانا تو بالکل فطری بات ہے۔ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں) اب ظاہر ہے کہ مطالبہ یہ ہے کہ ایسی کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شان بندگی کے خلاف ہوں۔ الغرض انسان کی اصل عظمت غصہ جیسے سفلی جذبات پر قابو پانے میں ہے نہ مغلوب الغضب ہونے میں۔ آخر میں ہندوستان کے آخری مغل فرمانروا ظفر کا ایک شعر بھی سن لیجئے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا خواہ کتنا ہو صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

Scanned with CamScanner

سیرت النبی ﷺ

نوٹ: اس حصہ سے امتحان میں 15 نمبر کا سوال آئے گا۔

نبی کریم ﷺ کے خصائص و امتیازات

آنحضرت ﷺ سے پہلے مختلف انبیاء مختلف ادوار اور اقوام میں تشریف لائے۔ اس دور اور قوم کے ہر فرد پر نبی کی اطاعت واجب تھی۔ یہ سنہری سلسلہ برابر جاری رہا حتیٰ کہ آپؐ تشریف لائے جو اس سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ اپنے اپنے زمانے میں سب بنی نوع انسان کے لئے قابل اطاعت اور قابل تقلید نمونہ تھے لیکن ان مشترک امور کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو چند امتیازی خصائص سے نوازا ہے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ تھے۔ وہ خصائص و امتیازات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عالمگیریت:

دنیا میں رسول اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے جتنے انبیاء کرام تشریف لائے وہ اپنی اپنی قوم میں آتے رہے لیکن آپؐ کرہ ارض کے کسی خاص علاقے یا کسی خاص قوم کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ آپؐ کی بعثت پورے بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّةً لِلنَّاس بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا۔ (سبا: ۲۸)

''اور ہم نے آپؐ کو سبھی لوگوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

سی طرح ایک اور جگہ قرآن پاک میں ہے:

یاَیُّھَاالناس اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۸)

''اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپؐ کے لئے خاص ہے۔ آپؐ سے قبل جو انبیاء علیہم السلام آئے ان میں سے کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ ایک حدیث ہے: ''مجھ سے پہلے ہر نبی مخصوص لوگوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

آپؐ کے اس ارشاد کی سچائی پر اب پورا عالم اسلام شاہد ہے۔ دنیا کا کونسا خطہ، ملک یا

براعظم ہے جہاں نبی ﷺ کے امتی موجود نہ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں آئے تھے۔ اسی طرح حضرت شعیبؑ، حضرت نوحؑ اور ہودؑ صرف اپنی اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے آئے تھے لیکن آپؐ پہلے اور آخری بین الاقوامی رسول ہیں جو ہر رنگ و نسل کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ آپؐ کی عالم گیریت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عبادت کے لئے کوئی محدود اور خاص عبادت گاہ ضروری نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

''میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے۔''

اسی طرح آپؐ کی بعثت تمام عالم کے لئے عام تھی بلکہ تمام جہانوں کے لئے اور تا قیامت ہے۔ آپؐ کی دعوت میں جن و انس سبھی شامل ہیں۔ چنانچہ قاری محمد طیب لکھتے ہیں:

''سرکار دو عالم، فخر بنی آدم، رسول الثقلین، حضرت محمد ﷺ کی سیرت مقدسہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں اور پہنائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت نہیں بلکہ ایک عالم گیر اور بین الاقوامی سیرت ہے جو کسی شخص واحد کا دستور زندگی نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے مکمل دستور حیات ہے۔''

(سیرت کی جامعیت کے چند اہم اصول)

۲- دائمی تعلیمات و تکمیل دین:

آپ کی ایک اور خصوصیت آپؐ کی تعلیمات کا دوام ہے۔ یہ وصف پہلے امتیاز کا لازمی نتیجہ تھا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ اب نبی ایسا بھیجا جائے جو سب کے لئے ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو تو اس کے لئے ضروری تھا کہ اس نبی پر نازل ہونے والے دین کا مزاج بین الاقوامی اور دائمی ہو۔ اس کی تعلیمات ہر زمانے، ملک اور ہر قسم کے انسانی مسائل پر حاوی ہوں۔ چنانچہ قرآن مجید کا اعلان ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔''

(المائدہ:۳)

یہ آیت دین اسلام کے مکمل ہو جانے کی طرف اشارہ ہے اور بتانا مقصود ہے کہ یہ دین ارتقاء کی تمام منازل طے کر چکا ہے اور اب اس میں بنیادی ارتقاء کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہوگیا اور اب قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا۔ اسلام نے زندگی کے بنیادی اصول متعین کر دیئے ہیں اور ان اصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کے حالات کے تحت قوانین مدون کئے جا سکتے ہیں۔ اس حکیمانہ نظام کی بناء پر اسلام میں ہر دور کا ساتھ دینے کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

دائمی تعلیم اور کامل دین کا تقاضا ہے، آپ کی لائی ہوئی کتاب محفوظ ہو نیز آپؐ کی سیرت پاک مستند اور قابل اعتماد ہو۔

(الف) قرآن مجید محفوظ ترین کتاب:

آپؐ نے قرآن مجید کو اس واضح دعویٰ کے ساتھ پیش کیا کہ یہ اللہ کا آخری، کامل اور دائمی کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اس طرح یہ کلام اللہ (word of God) ہے، اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے۔ اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے آنحضور ﷺ نے خود اہتمام کیا۔ چنانچہ،

۱- آپؐ نے خود کاتبین وحی سے اسے اوّل تا آخر لکھوایا۔

۲- بہت کثیر صحابہ نے پورا قرآن لفظ بہ لفظ یاد کرلیا۔

۳- پڑھے لکھے صحابہ کی ایک اچھی تعداد نے اپنے طور پر قرآن لکھ بھی لیا اور حضور ﷺ کو سنا کر اس کی صحت کا اطمینان بھی کر لیا تھا۔

پس یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے، یہ لفظ بلفظ وہی ہے جسے رسول اللہ نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپؐ کے پہلے خلیفہ ابوبکر صدیقؓ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نوشتوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوایا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسی کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں۔ ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ایک استنبول میں اور دوسری تاشقند میں۔ جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ

لے کر ان سے ملا لے، کوئی فرق وہ نہ پائے گا۔ پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیا اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید، قلمی اور مطبوعہ ۴۲ ہزار نسخے جمع کئے تھے۔ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کئے گئے تھے۔

زندہ زبان:

قرآن مجید کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ عراق سے مراکو تک تقریباً 20 کروڑ انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں؟ اور غیر عرب دنیا میں بھی لاکھوں آدمی اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے ۱۴ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں۔ آج ہر عربی دان اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح ۱۴ سو برس پہلے عرب سمجھتے تھے۔ یہ ہے محمد ﷺ کی ایک خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی وہ اصل زبان میں اپنے الفاظ کے ساتھ بلاتغیر و تبدل موجود ہے جس کے مخالفین بھی معترف ہیں۔

(ب) مستند سیرت رسول:

اب دوسری خصوصیت کو دیکھئے جس میں رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء اور پیشوایان مذاہب میں یکتا نظر آتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ لائی ہوئی کتاب کی طرح آپؐ کی سیرت بھی محفوظ ہے جس سے ہم زندگی کے ہر دوز میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک جتنے لوگوں نے آپؐ کو کسی چیز کا حکم دیتے ہوئے سنا یا کسی چیز سے منع کرتے سنا ان کی ایک عظیم تعداد نے سب کچھ یاد رکھا اور بعد کی نسل تک اسے پہنچایا۔ بعض محققین کے نزدیک ان لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچی ہے۔

صحابہ سے جو روایات بعد کی نسلوں تک پہنچی تھیں ان کے بارے میں ابتدا ہی میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا کہ جو شخص بھی رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات کہتا اس کو یہ بتانا پڑتا

تھا کہ اس نے وہ بات کس سے سنی اور اوپر سلسلہ بہ سلسلہ کون کس سے سنتا اور آگے بیان کرتا رہا ہے۔ اس طرح رسول اللہ تک روایت کی پوری کڑیاں دیکھی جاتی تھی تاکہ اطمینان کر لیا جائے کہ وہ صحیح طور پر حضور ﷺ سے منقول ہیں اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے انسان کے حالات اس طرح سے مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے کہ آپؐ کے بارے میں کوئی بات سند کے بغیر نہیں کہی گئی اور سند میں صرف یہی نہیں دیکھا گیا کہ ایک حدیث کا سلسلہ روایت رسول اللہ تک پہنچتا ہے یا نہیں بلکہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس سلسلے کے تمام راوی بھروسے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اس طرح اتنے بڑے پیمانے پر راویوں کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں کہ آج بھی ہم ایک ایک حدیث کے متعلق یہ جانچ سکتے ہیں کہ وہ قابل اعتماد ذرائع سے آئی ہے یا ناقابل اعتماد ذرائع سے۔ انسانی تاریخ میں کوئی شخص ایسا نہیں پایا جاتا جس کے حالات زندگی اس قدر مستند طریقے سے منقول ہوئے ہیں۔

۳- جامعیت:

آپؐ کے خصائص میں سے ایک وصف جامعیت ہے۔ دوسرے مذاہب پوری انسانی زندگی کا احاطہ نہیں کرتے۔ ان کے مقابلے میں آپؐ کی رسالت زندگی کا نہایت جامع اور منظم ضابطہ پیش کرتی ہے۔ حیات انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا روحانی اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں۔

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً – (البقرہ: ۲۰۸)

”اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ۔“

۴- صاحب خلق عظیم:

آپ کی ایک اور خصوصیت آپ کا صاحب خلق عظیم ہونا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ – ”بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔“ پھر آپؐ نے خود فرمایا، ”مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔“ (القلم:۴)

تمام انبیاء میں کسی نہ کسی خلق اور خوبی کی خصوصیت موجود ہے اور آپؐ کی ذات پاک جملہ انبیاء کے تمام اخلاق کی جامع ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی آپؐ کے اخلاق میں جامعیت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ذات مبارک میں حضرت نوحؑ کی سرگرمی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نرم دلی، حضرت یوسف علیہ السلام کی سی درگزر، حضرت داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات، حضرت ایوب علیہ السلام کا سا صبر، حضرت سلیمان جیسی سطوت، حضرت عیسیٰؑ جیسی خاکساری، حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سا زہد، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روی مکمل طور پر تھی اور رحمۃ للعالمینی کا نور تمام رنگوں سے بڑھ کر تھا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲)

اس طرح سیرت محمدی دین و دنیا کی، وحدت علم و عمل کی یک رنگی اور زندگی میں توازن و اعتدال سکھاتی ہے۔ آپ کی سیرت پاک جامعیت کی حامل ہے۔ مختلف طبقات انسانی کو اپنی رشد و ہدایت کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہے یا ہر فرد کو اپنے مختلف تعلقات اور فرائض کو ادا کرنے کے لئے جن ماڈلز کی ضرورت ہے وہ سب ہی آپ کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں۔

قرآن کریم کی نظر میں آپ کی حیات ہر ایک مسلمان کیلئے بہترین نمونہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب:۲۱)

"البتہ تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

غرضیکہ حضور ﷺ نے حیات انسانی کے ہر شعبے، ہر گوشے میں مکمل ہدایات اور مثالی اعمال کے ذریعے ہمیں سیدھا، سچا، روشن اور بہترین راستہ بتایا ہے۔

۵- ابتدائے آفرینش سے نبی اور موعود اقوام عالم:

آپؐ نے فرمایا کہ "میں اس وقت نبی تھا جب آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔" آپؐ کی رسالت کی گواہی اور عظمت کا اظہار ہر نبی نے کیا اور آپ کے آنے کی پیشگوئی کی۔ آپؐ سردار انبیاء ہیں۔ اول و آخر بھی آپؐ ہیں۔ آپ کی آمد کا ہر ایک کو انتظار تھا اور جب آپ دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو ورقہ بن نوفل اور بحیرہ راہب جیسے عیسائی علماء نے فوراً آپ کو شناخت کر لیا تھا۔ یہودی عالم عبداللہ بن سلام آپؐ کو دیکھتے ہی ایمان لے آئے بلکہ تمام اہل کتاب نے آپؐ کو پہچان لیا۔

۶- عطیہ کوثر:

رسول اکرم ﷺ کو کوثر عطا کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (الکوثر:۱)

"ہم نے آپؐ کو کوثر عطا کی۔"

یہ خصوصیت کسی اور نبی کے لئے نہیں ہے۔ یہ فخر آپ ہی کے لئے ہے۔

۱- امام فخر الدین رازیؒ کے نزدیک لفظ "کوثر" دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیوں کا جامع ہے۔

۲- اس سے مراد ایسی نبوت کاملہ اور ریاست عامہ اور ہدایت جامعہ ہے جو پہلے کسی کو نہ دی گئی ہو۔

۳- کوثر سے مراد وہ اخلاق حمیدہ ہیں جو صرف آپ کی ذات بابرکات میں ہی پائے جاتے تھے اور کسی کے پاس نہ تھے۔ آخرت کی نعمتوں میں حوض کوثر، نہر کوثر اور مقام محمود کا عطیہ ہے۔

۷- ختم نبوت:

نبی کریم ﷺ سے پہلے تمام انبیاء کرام اپنی اپنی امت اپنے اپنے علاقوں کے لئے تشریف لائے۔ ان کی تعلیمات اپنے علاقوں اور ایک عرصہ تک کے لئے مخصوص تھیں۔ بعد میں جو نبی تشریف لاتے وہ پہلے نبی کی تعلیمات میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تنسیخ یا ترمیم کر دیتے مگر حضور ﷺ کی رسالت پوری نوع انسانی کے لئے ہے۔ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔

"لوگو! محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔" (احزاب: ۴۰)

پھر ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

"اے نبی! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔" (سبا: ۲۸)

Scanned with CamScanner

پھر فرمایا: قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف: ۱۵۸)

اے نبی" کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"

اس بات کو آنحضور ﷺ نے مختلف انداز میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ پہلے ہر نبی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

۲۔ آپؐ نے فرمایا: "میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہیں جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوبصورت و جمیل بنائی مگر ایک طرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں پھر فرمایا، مجھ سے نبوت کی عمارت مکمل ہوگئی ہے اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔" (ترمذی)

۳۔ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے، میرے بعد اب نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں نیز فرمایا: فَاِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ۔

ترجمہ: "پس میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔" (ابن ماجہ۔ کتاب الفتن)

پس نبوت کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہو چکا ہے اور آپؐ کے بعد جو بھی رسول یا نبی ہونے کا دعویٰ کرے وہ دجال و کذاب ہے۔ آپؐ کے وصال کے بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، صحابہ کرامؓ نے ان کے خلاف جنگ کی تھی کیونکہ ختم نبوت بنیادی مسئلہ ہے جس پر ایمان اور کفر کا انحصار ہے۔ اب قیامت تک نہ کوئی رسول آئے گا نہ ہی کسی قسم کا نبی اور قیامت تک انسانوں کے لئے یہ دین ہدایت ربانی کا کام دیتا رہے گا۔ بقول علامہ اقبالؒ:

لا نبی بعدی احسان خداست
پردہ دین ناموس مصطفیٰ است

۸۔ سراج منیر:

آپؐ کو قرآن مجید میں سراجا منیرا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ سراج منیر ختم نبوت کا ہی ایک پہلو ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اے پیغمبر تمہارا معاملہ تمہاری لائی ہوئی شریعت کے بارے میں بالکل نمایاں اور واضح ہے۔ تم ایسے روشن اور ممتاز ہو جیسے سورج اپنی چمک و دمک میں نمایاں اور ممتاز ہوتا ہے کہ معاندین بھی اس کی افادیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ کو سورج کے ساتھ تشبیہ دے کر آپؐ کی نبوت کا عمومی فیض بیان کیا گیا ہے جس طرح آسمانی سورج کے بعد کسی روشنی کی ضرورت نہیں رہتی، اسی طرح اس آفتاب رسالت کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

۹۔ کامیاب ترین شخصیت:

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت محمد ﷺ سب سے کامیاب ترین شخصیت ہیں۔ آپؐ نے تمام کاموں کو کامیابی سے سرانجام دیا۔ ان کے سرانجام دینے میں سخت ترین مصائب کا سامنا تھا۔ تمام دنیا کے علماء و مورخین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ آپ ایک کامیاب ترین مصلح تھے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا میں لفظ قرآن کی بحث کے نیچے یہ حقیقت تسلیم کی گئی ہے کہ "دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب حضرت محمد ﷺ ہیں۔"

۱۰۔ سیرت النبی کی مکمل معلومات:

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء اور مصلح ہو گزرے ہیں ان کی زندگی کے حالات ہم تک صحیح ذرائع سے نہیں پہنچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے بے شمار پہلو اخفاء میں ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے متعلق موجودہ تورات بتاتی ہے کہ جو حضرت موسیٰؑ کے سینکڑوں سال بعد لکھی گئی لیکن آپ ﷺ ہی وہ مقدس محترم برگزیدہ ہستی ہیں جن کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔

جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن" کے تمہیدی الفاظ یہ ہیں:

"اس میں کوئی کلام نہیں کہ تمام قانون سازوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کے سوانح حیات محمد کے سوانح حیات سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔"

Scanned with CamScanner

۱۱- امتیازات کا خاتمہ:

نوع انسانی کے لئے قوم، وطن، نسل، رنگ اور زبان کے امتیازات قدیم ترین زمانے سے لے کر اس زمانے تک بہت بڑی مصیبت کا ذریعہ بنے رہے ہیں- اسی بنیاد پر لڑائیاں ہوتی رہی ہیں- ایک قوم نے دوسری قوم کو لوٹا ہے اور پوری پوری نسلیں تباہ کر دی گئی ہیں- انسان کو سب سے بڑھ کر جس چیز نے تباہ کیا وہ یہی امتیازات ہیں جو انسان اور انسان کے درمیان قائم کئے گئے ہیں- نبی ﷺ نے اس مرض کا ایسا علاج فرمایا کہ دشمنان اسلام بھی مان گئے کہ رنگ نسل اور وطن کے امتیازات کو جس کامیابی سے اسلام نے حل کیا ہے ایسی کامیابی کسی کو نصیب نہیں ہوئی- چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا:

اے لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے- بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے- کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فوقیت نہیں (اِلَّا بِالتَّقْوٰی) مگر تقویٰ کے سبب-

۱۲- عملیت:

عملیت سے یہ مراد ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہے، خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو- جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو (آئیڈیل لائف) اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جا سکتا کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا- صلح و جنگ، فقر و دولت، حاکمیت و محکومیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیے- دنیا کا بیشتر حصہ انہی مشکلات کے حل کرنے میں الجھا ہوا ہے- اس لئے لوگوں کو ان ہی مشکلات کے حل کرنے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے اور اس معیار پر سیرت محمدی کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی-

چنانچہ ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں، "اسلام کے پیغمبر کی خصوصیت یہ تھی کہ کبھی کوئی نصیحت آپ کی زبان سے نہیں کی گئی جس پر پہلے خود آپ نے عمل کر کے نہ دکھایا ہو-" (مقالات سیرت)

۱۳- جانثار صحابہؓ:

اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کو جانثار، وفا شعار اور فدا کار صحابہ سے نوازا- یہ خصوصیت کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہے- حضرت موسیٰؑ کے اولین صحابہ نے ہر آزمائش کے موقع پر بے وفائی کا مظاہرہ کیا- امتحان کے وقت حضرت موسیٰؑ کو مایوس کیا- اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی- ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کی لیکن جب انہیں حکم دیا گیا کہ بیت المقدس پر حملہ کریں، وہاں آباد قوم عمالقہ سے جہاد کریں تو انہوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور صاف انکار کر دیا بلکہ گستاخی سے کہا:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ- (المائدہ:۲۴)

"تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں-"

بنی اسرائیل کو اس نافرمانی، بزدلی اور گستاخی کی سزا دی گئی کہ وہ بیت المقدس کی فتح سے محروم کر دیئے گئے اور چالیس سال تک وادی تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے-

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ قریبی ساتھی اور حواری تھے لیکن آزمائش کی گھڑی میں یہ بے وفا ثابت ہوئے- انہوں نے حضرت عیسیٰؑ سے غداری اور بے وفائی کی اور مشکل کے وقت ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ سے لاتعلقی کا اعلان کیا اور ان کی تکذیب کی- ان کے ایک حواری یہود اسکریوتی نے مخبری کر کے حضرت عیسیٰ کو چند سکوں کے عوض گرفتار کروا دیا-

لیکن اس کے برعکس آنحضور ﷺ کے مخلص صحابہ نے ہر موقعہ پر جانثاری، فداکاری اور وفاداری کا مظاہرہ کیا- آپؐ پر ہمیشہ اپنا مال و جان نثار کیا- غزوہ بدر کے موقعہ پر آپؐ کے صحابہ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دے دیں گے تو ہم اسی میں کود جائیں گے- ہم آپ کو کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے- اللہ تعالیٰ ہمارے طرف سے آپؐ کو وہ چیز دکھلائے گا جس سے آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی- ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف لڑیں گے- اللہ کے فضل سے ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا: اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ-

چنانچہ جان نثار صحابہ نے ایسا ہی کیا اور ہر غزوہ میں کمال فداکاری کے بے نظیر کارنامے سر انجام دیئے- بقول شاعر ؎

Scanned with CamScanner

غلامان محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے

صحابہ رسول کی اخلاص اور فداکاری کا نتیجہ تھا کہ چالیس سال کے عرصے میں یہ جان نثار صحابہ دنیا کی قیادت و امامت کے منصب پر فائز ہوئے اور دنیا کے حکمران بن گئے-

۱۴- شفاعت عظمیٰ:

آنحضور ﷺ کی ایک خصوصیت اور امتیاز شافع محشر ہونا ہے- روز قیامت جب جلال الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا اور گناہگار انسانوں پر، امن وسکون کا کوئی سایہ نہیں ہوگا اور وہ گھبراہٹ کے عالم میں تمام انبیاء کے پاس فرداً فرداً جائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب کرنے کی استدعا فرمائیں تو تمام انبیاء انکار کر دیں گے کہ آج ہمیں کلام کا یارا نہیں ہے- اس وقت فخر موجودات، باعث خلق کائنات، سید اولاد آدم اور امام الانبیاء ﷺ ہاتھوں میں لوائے حمد اور سر پر تاج شفاعت عظمیٰ سجائے بنی نوع انسان کی دستگیری فرمائیں گے- حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

"میں سب سے پہلے شفیع ہوں گا جس کی شفاعت قبول کی جائے گی- قیامت کے دن میں امام الانبیاء اور بنی آدم کا نمائندہ ہوں گا اس پر فخر نہیں اور روز محشر میں مجھے شفاعت عظمیٰ اور مقام محمود عطا کیا جائے گا اور اس پر فخر نہیں-"

۱۵- دین و دنیا کی یکجائی:

سیرت النبی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپؐ کی دعوت ہمیں ایک اہم سبق دیتی ہے اور وہ یہ کہ اخلاق راہبوں اور تارک الدنیا درویشوں کی خانقاہوں کے لئے نہیں ہے بلکہ دنیا کی زندگی کے ہر شعبے میں برتنے کے لئے ہے جس روحانی اور اخلاقی بلندی کو دنیا فقیروں اور درویشوں میں تلاش کرتی ہے- رسول اللہ ﷺ اسے حکومت کی مسند پر اور عدالت کی کرسی پر اٹھا لائے- آپ نے تجارت کے کاروبار میں خداترسی اور دیانت داری سے کام لینا سکھایا- آپؐ نے انسان کی اس غلط فہمی کو دور کیا کہ خدا کا ولی وہ ہوتا ہے جو تارک دنیا ہو کر بس اللہ اللہ کرتا رہے- آپؐ اخلاق و روحانیت کو رہبانیت کے گوشوں سے نکال کر معیشت و معاشرت،

سیاست و عدالت اور صلح و جنگ کے میدانوں میں لے آئے اور پاکیزہ اخلاق کی حکمرانی قائم کی- فکر معاش اور پرورش عیال کو آپؐ نے باعث رحمت قرار دیا- ایک حدیث ہے کہ جو شخص رزق حلال کی تگ و دو کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو اپنی ذات کو فقر و فاقہ سے بچانے کے لئے مشقت اٹھاتا ہے وہ بھی اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے-"

۱۶- رؤف و رحیم:

ارشاد باری ہے: بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ-

نبی ﷺ کے حق میں یہ آیت نہایت شرف و عزت اور غایت تکریم و اعزاز کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں وہ دو نام بحالت ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترکیب کے ساتھ خود ذات پاک سبحانی کے لئے مستعمل ہوئے ہیں- حضور ﷺ کی شفقت و رحمت کو بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے- مومنین کے لئے شکر کا مقام ہے کہ ان کو رحمت کا مصداق بنایا گیا ہے-

بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی- چھوٹے بچوں کو پیار کرتے- ان کو خود سلام کرتے- ان کے سرپرست شفقت رکھتے- گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے- غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہوجاتے- جب کوئی مسلمان مقروض ہوجاتا تو اس کا قرض بیت المال سے قبل از تدفین ادا فرماتے مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے- عادت مبارکہ تھی کہ سوار ہوکر کسی کو پاپیادہ ہمرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے-

ان سب امور کا ظہور از راہ شفقت رحمت ہوا کرتا تھا اور اس بلند ترین رحمت کا ظہور حضور پرنور کے خصائص میں سے تھا جیسا کہ قرآن اعلان کرتا ہے-

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ-

الغرض رسول کریم ﷺ کی خصوصیات کا احاطہ ممکن نہیں تاہم چند نمایاں پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے- خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس واحد ذریعہ ہدایت سے رہنمائی حاصل کریں-

Scanned with CamScanner

دعوت دین میں نبی اکرم ﷺ کا طریق کار اور مساعی جمیلہ

تبلیغی دین:

اسلام تبلیغی دین ہے، اسلام کی بنیاد اس کی اشاعت اور وسعت حکیمانہ تبلیغ پر منحصر ہے۔ امت مسلمہ اس وقت تک خیر امت اور امت وسط ہے جب تک وہ من حیث الجماعت خیر کی دعوت معرفت کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران:۱۰۴)

پھر امت مسلمہ کے ہر فرد کا فریضہ منکر کی مخالفت ہے جس سے کے حدیث نبوی تین مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ اول قوت و طاقت کا استعمال، دوم زبان سے تبلیغ و ارشاد اور تیسرے یہ کہ برائی سے قلبی نفرت اور عدم تعاون۔

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔ (مشکوٰۃ)

دین اسلام فقط افکار و نظریات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ ایک اصلاحی، تبلیغی اور دعوتی تحریک ہے جس کا اولین مقصد نیکیوں کی اشاعت اور برائیوں کا سدباب ہے۔ اسلام ایک فکری نظام ہی نہیں بلکہ ایک انقلابی تحریک ہے جس کا مطالبہ ہے کہ اسلام کو عملاً دنیا میں رائج کیا جائے۔ وہ ایک غالب قوت کے طور پر قائم رہے اور غلبہ دین حق ہی کو ہونا ہے کہ وہ آخرکار تمام ادیان پر غالب آجائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ (الصف:۹)

ایک مسلمان کی حیثیت سے انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ہمیں ہر شعبہ میں

سرکار دو عالم کی راہنمائی کی ضرورت ہے اور آپ کی حیات مبارکہ پوری انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَه۔ (الاحزاب:۲۱)

دعوت دین اور تبلیغ میں بھی آپ ﷺ ہمارے لئے بہترین اسوہ ہیں کیونکہ آپؐ کی زندگی سراپا دعوت و تبلیغ ہے لہٰذا دعوت دین میں نبی کریمؐ کا طریقہ کار اور مساعی جمیلہ ہم ذیل میں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

پہلی وحی:

جب نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک ۴۰ برس ہوئی تو ۹ ربیع الاول بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو آپ ﷺ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام نمودار ہوئے اور فرمایا: ''خوشخبری ہو! آپ ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔'' اس کے بعد روح الامین نے کہا: ''اِقْرَاْ (پڑھیئے)'' آپ ﷺ نے جواب دیا: مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں پڑھنا نہیں جانتا) پھر حضرت جبرائیل نے آپ کو کہا، پڑھیئے۔ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو تیسری مرتبہ اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا، پڑھیئے۔ پھر جبرائیل نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ☆ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ☆ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ☆

(سورہ علق: ۱ تا ۵)

''پڑھیئے اللہ تعالیٰ کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو لوتھڑے سے۔ پڑھیئے اور آپ کا رب سب سے بزرگ ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ گھر کو واپس ہوئے تو اس نئے تجربے سے گھبرائے ہوئے اور پریشان تھے۔ اپنی اہلیہ خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا:

''زَمِّلُوْنِىْ زَمِّلُوْنِىْ۔'' ''مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔''

جب ذرا طبیعت ٹھیک ہوئی تو آپ ﷺ نے سارا ماجرا حضرت خدیجہؓ کو سنایا تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اطمینان دلایا۔ پھر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو انجیل اور تورات کا عالم تھا اور عمر رسیدہ اور نابینا تھا۔ اس نے جب سارا واقعہ سنا تو کہنے لگا:

Scanned with CamScanner

"یہ وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اترا- آپ ﷺ پریشان نہ ہوں- آپ اس امت کے نبی ہیں اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ قوم آپ ﷺ کو شہر (مکہ) سے نکال دے گی- کاش میں اس وقت زندہ رہتا تو ضرور آپ کی مدد کرتا-"

دوسری وحی: تبلیغ کا پہلا حکم:

اس کے بعد آپ ﷺ بدستور غار حرا میں تشریف لے جاتے رہے- چھ ماہ تک آپ ﷺ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی- اس عرصہ کو "فترۃ الوحی" کہا جاتا ہے- اس عرصہ میں آپ ﷺ بہت بے چین رہا کرتے تھے- آپ ﷺ اسی حالت میں تھے کہ ایک دن جبرائیلؑ کا ظہور اس طرح ہوا کہ وہ آسمان و زمین کے مابین ایک کرسی پر تشریف فرما تھے- اس سے رسول اللہ ﷺ پر ہیبت طاری ہوگئی- گھر آئے اور خدیجہؓ سے فرمایا:

"دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ" "یعنی مجھے کچھ اوڑھا دو-"

اور آپ ﷺ کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے لیکن الٰہی پروگرام میں اب مشن کو پھیلانے کا وقت آ گیا تھا، جس کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا تھا- چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی-

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ☆ قُمْ فَاَنْذِرْ ☆ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ☆ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ☆

"اے چادر میں لپٹے ہوئے شخص! اُٹھ اور لوگوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے صاف رکھ-" (مدثر: ۱ تا ۴)

یوں دوبارہ وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا-

مکی زندگی میں دعوت دین کے چار دور:

حضور ﷺ کی حیات طیبہ کا وہ حصہ جو ہجرت سے پہلے مکہ میں بسر ہوا اور جس میں اسلامی تحریک دعوت کے مختلف مرحلوں سے ہوکر گزری اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر چار مختلف ادوار میں منقسم کیا جا سکتا ہے-

پہلا دور:

آغاز سے اعلان نبوت تک تقریباً تین سال تک جس میں آپ دعوت و تبلیغ کا فرض خفیہ طور پر انجام دیتے رہے اور خاص لوگوں کو دعوت دی-

دوسرا دور:

جب اس پر بھی تحریک اسلامی بڑھتی گئی تو پھر ظلم و ستم کا دور شروع ہوا اور مسلمانوں پر زیادتیاں ہونے لگیں- یہ دور تقریباً پانچ چھ سال تک رہا- اس میں مسلمانوں کو طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا- یہ دور پانچ نبوی سے ۱۰ نبوی تک ہے-

چوتھا دور:

۱۰ نبوی حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد سے لے کر ہجرت نبوی تک تقریباً تین سال- یہ دور حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے انتہائی سختی اور مصیبت کا زمانہ تھا- حتیٰ کہ اہل مکہ آپ کے قتل یا قید کرنے کی سازش کرنے لگے-

پہلا دور: خفیہ دعوت دین:

دوبارہ وحی کے شروع ہونے سے آپ ﷺ اٹھے اور اس کام کے لئے کمر باندھ لی، جس کے لئے آپ ﷺ کو بلایا گیا تھا- اس کار خیر کا آغاز آپ نے اپنے گھر سے کیا کیونکہ تبلیغ کی ایک بنیادی روح حکمت ہوتی ہے- اس کے تحت آپ نے خفیہ طریق سے تبلیغ شروع کی، یعنی صرف ان لوگوں تک پیغام پہنچایا جو خاص اعتماد کے آدمی تھے اور آپ کو قریب سے جانتے تھے-

دعوت گھر سے:

جس وقت آپ کو تبلیغ کا حکم ملا تو اس حکم کی تعمیل سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کی- اس وقت آپ کا کنبہ تین افراد پر مشتمل تھا-

۱- حضرت خدیجہؓ طاہرہ جو آپ کی نہایت غمگسار، ہمدرد اور جان نثار بیوی تھی-

۲- حضرت علیؓ جو ابوطالب کے فرزند اور آپ کے چچا زاد بھائی تھے، ان کی پرورش اور تربیت آپ ہی کی نگرانی میں اور زیرسایہ ہو رہی تھی-

۳- حضرت زیدؓ جو آپ کے غلام تھے اور جن کو اگرچہ آپ نے آزاد کر دیا تھا مگر انہوں نے آپ کی غلامی سے نکلنا نہ چاہا اور ساری عمر انتہائی وفاداری کے ساتھ آپ کے ساتھ رہے-

ان تینوں نے بلا تامل نہایت کھلے دل سے آپ کی دعوت پر لبیک کہا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ تینوں تبلیغ سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ حضرت خدیجہؓ نے پندرہ برس تک آپ کی اعلیٰ

Scanned with CamScanner

نجی زندگی کا نہایت قریب سے مطالعہ کیا تھا اور آپ کے ایک ایک قول وفعل کو بغور دیکھا تھا، جس کے نتیجے میں ایک لمحہ بھی انہیں آپ کی صداقت پر شبہ نہیں ہوا- حضرت علیؓ کا بچپن کا تمام عرصہ آپ کی تربیت کا رہین منت تھا، پس ان کی پاک فطرت کس طرح پیغام الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کرسکتی تھی- حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ ہمدردی اور احسان کا جو اعلیٰ ترین نمونہ آپ دکھا چکے تھے، اس نے ہمیشہ کے لئے ان کو بندہ بے دام بنا دیا تھا، لہٰذا یہ تینوں نفوس قدسیہ اولین مسلمان تھے-

گھر سے باہر اقرباء اور احباب کو دعوت:

گھر کے آدمیوں کو تبلیغ کرنے کے بعد آپ نے باہر لوگوں تک پیغام پہنچانے کا ارادہ کیا- اس سلسلے میں آپ نے اپنے گہرے دوست ابوبکر کو اسلام کی دعوت دی- ابوبکر محمد ﷺ سے دو سال چند ماہ چھوٹے تھے- ہم عمری، پیشے میں اشتراک، طبائع میں یک جہتی قریش کے بت پرستانہ عقائد سے نفرت اور اخلاق ذمیمہ سے اجتناب ان سب باتوں نے دونوں دوستوں کے تعلقات محبت پروان چڑھانے میں مدد دی اور یہ دوستی وفکری وحدت ان کے سب سے پہلے اسلام لانے کا محرک ہوئی- پھر اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب اور ہدایت سے حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت یاسر اور ان کا سارا خاندان سب سے پہلے اسلام لائے- حضرت ابوعبیدہ (عامر بن الجراح) حضرت ارقم بن ابی ارقم، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبید بن الحارث بن عبدالمطلب اور حضرت سعید بن زید، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ کے چچا عباس کی بیوی ام الفضل، اسماء بنت عمیس، اسماء بنت ابی بکر اور حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ بنت خطاب ایمان لائیں- یہ سب "السابقون الاولون" میں شامل ہیں-

اس ابتدائی دور میں آنحضرت ﷺ نے جن باتوں کی تبلیغ کی وہ دین کے بنیادی عقائد تھے-

۱- توحید، ۲-رسالت، ۳- ایمان بالآخرت-

ان تینوں باتوں کا جامع کلمہ شہادت ہے، یعنی میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں-

نماز کا حکم:

مذکورہ بالا بنیادی عقائد بیان کرنے کے بعد آپ نے جس رکن عظیم کی سب سے پہلے تعلیم وتلقین کی وہ نماز ہے-

خفیہ ملاقاتیں:

اب تک جو کچھ ہو رہا تھا وہ پوشیدہ طور پر ہو رہا تھا- احتیاط کی جاتی تھی کہ قابل اعتماد لوگوں کے علاوہ بات کہیں باہر نہ جائے- اس وقت اگرچہ اسلام قبول کرنے والے شخص کے لئے توحید ورسالت کے اقرار کے ساتھ حضرت ﷺ اسے نماز کی تلقین بھی فرماتے تھے- اس وقت تک نمازوں کے اوقات کا تعین ہوا تھا، نہ رکعتوں کی تعداد معین تھی، نہ جماعت کا انتظام تھا اور نہ ہی ایسی مخصوص جگہ تھی، جہاں جمع ہوکر مسلمان فریضہ نماز ادا کرتے ہوں- تمام مسلمان خفیہ اور انفرادی طور پر نماز ادا کرتے تھے-

انفرادی تبلیغ:

حضرت محمد ﷺ نے ابتدائی ایام میں انفرادی تبلیغ کا طریقہ اختیار فرمایا- یعنی ایک ایک آدمی سے علیحدہ علیحدہ مل کر اسے اسلام کی دعوت دیتے اور اس کام کے لئے اُن آدمیوں کو منتخب کرتے جن کے متعلق آپ سمجھتے کہ ان میں حق بات سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت ہے- اس تبلیغ میں آپ دو باتوں کا لحاظ رکھتے ایک تو یہ خفیہ اور پوشیدہ ہوتی، یہاں تک کہ خود مسلمانوں کی اکثریت کو بھی پتہ نہیں تھا کہ ہمارے علاوہ اس وقت تک اور کون شخص مسلمان ہوا ہے اور کتنی تعداد اس وقت تک مسلمان ہو چکی ہے- دوسرے یہ کہ اپنی ابتدائی تبلیغ میں حضور ﷺ صرف خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی تبلیغ فرماتے اور عرب میں مروجہ اخلاقی ومعاشرتی برائیوں سے اجتناب کی تلقین فرماتے تھے-

اعلانیہ تبلیغ، دوسرا دور:

تین سال تک خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا لیکن آپ ﷺ کا فریضہ چند آدمیوں کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہیں ہو جاتا تھا بلکہ سارے عالم کو اعلانیہ اسلام کی دعوت سے مشرف کرنا تھا- اس لئے آپ کو حکم ہوا کہ کسی قسم کی پروا کیے بغیر اعلان حق کریں- چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا آپ کو حکم ہوا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ- (سورہ الحجر:۹۴)

Scanned with CamScanner

"آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے واضح طور پر بیان کیجئے اور مشرکین کی کوئی پروا نہ کیجئے۔"

چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو بلایا جب مکہ کے لوگ جمع ہوگئے تو آپ ؐ نے فرمایا:

"اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کی دوسری جانب سے دشمن کی فوج حملہ آور ہونے والی ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟"

تمام لوگوں نے بیک زبان کہا: "ہاں کیوں نہیں ہم نے ہمیشہ تمہیں سچی بات کرتے سنا ہے۔" اس کے بعد آپ نے قریش کے لوگوں سے کہا:

"لوگو سنو! کہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ بت پرستی شرک ہے۔ بت پرستی اور بداخلاقی سے بچو، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں، اگر تم لوگ ایمان نہ لائے تو تمہارے اوپر عذاب شدید نازل ہوگا۔"

جب لوگوں نے یہ خطاب سنا تو قریش مکہ بہت ناراض ہوئے اور کہا تو (نعوذ باللہ) ہلاک ہو، کیا تم نے ہمیں اس لئے بلایا تھا۔ رفتہ رفتہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور ان کی تعداد ۴۰ تک پہنچ گئی۔ ایک روز رسول ﷺ نے بیت اللہ جا کر اللہ کی وحدانیت کا اعلان فرمایا۔ قریش مکہ اس بات پر بہت برہم ہوئے اور آپ کو مارنے کے لئے دوڑے۔ حارث بن ابی ہالہ جو آپ ﷺ کے رشتہ دار تھے، آپ کو بچاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ یہ پہلے شہید تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر جان کی قربانی دی۔

اقرباء کی دعوت:

پھر آپ کو حکم ملا کہ:

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ (شعراء:۲۱۴)

"اپنے قریبی اہل خاندان کو برے انجام سے ڈرائیں۔"

اس پر آپ ﷺ نے بنو ہاشم سے تقریباً چالیس افراد کو کھانے پر دعوت دی، لیکن اس روز ابولہب نے حاضرین کو بیہودہ گفتگو میں الجھا دیا اور آپ ﷺ کو اپنی تقریر کے لئے موقعہ نہ مل سکا۔ دوسرے روز آپ ﷺ نے پھر ضیافت کا اہتمام کیا، جب لوگ ضیافت کھانے سے فراغت پا چکے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر فرمایا:

"میں تمہاری طرف وہ بات لے کر آیا ہوں جس سے زیادہ اچھی چیز کوئی شخص اپنے قبیلہ کی طرف نہیں لایا، بتاؤ تم میں کون میرا ساتھ دے گا؟"

سب حاضرین خاموش رہے صرف حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر جواب دیا:

"گو مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نوعمر ہوں لیکن میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔" (طبری)

قریش کی ایذا رسانی:

قریش مکہ نے جب یہ باتیں رسول اللہ سے سنیں کہ آپ ﷺ بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور تمام بتوں کے قلع قمع کے لئے کوشاں ہیں تو قریش نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے۔ آپ کو پتھر مارے جاتے، راستہ میں گندگی ڈال دی جاتی، حتیٰ کہ آپ کو (نعوذ باللہ) دیوانہ، جادوگر اور شاعر کہا جاتا۔ اگر مکہ میں کوئی شخص نیا داخل ہوتا تو اس کو کہا جاتا کہ محمد کی بات پر کان نہ دھرنا غرضیکہ آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

دعوت پر ثابت قدمی:

قریش مکہ نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ آپ کے بارے میں ابوطالب سے بات کی جائے کہ اپنے بھتیجے کو منع کریں کہ وہ ہمارے بتوں کو برا نہ کہے اور دعوت توحید سے باز رہے۔ چنانچہ ایک وفد تشکیل دیا گیا، جس میں عتبہ بن ربیعہ، ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور ابوسفیان وغیرہ شامل تھے۔ یہ سب لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ وفد نے واضح طور پر جنگ کی دھمکی بھی دی۔ ابوطالب نے آپ ﷺ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا:

"بیٹا! میرے اوپر اتنا بوجھ نہ ڈالو، جسے میں اٹھا نہ سکوں۔" نبی کریم ﷺ نے جب چچا ابوطالب کی یہ بات سنی تو آپ ﷺ نے انتہائی سکون سے فرمایا:

"چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر مہتاب اور مجھ سے مطالبہ کریں کہ اسلام کی دعوت نہ دوں تو خدا کی قسم میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا، جس پر مجھے اللہ نے مامور کیا ہے۔"

Scanned with CamScanner

آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے جب آپ کا یہ پختہ عزم دیکھا تو فرمایا کہ "جاؤ پورے شوق سے اپنے مشن کو جاری رکھو- میرے ہوتے ہوئے کوئی بھی آپ ﷺ کو گزند (نقصان) نہ پہنچا سکے گا- (سیرت ابن ہشام، ج ۱ ص ۸۹)

لالچ کا حربہ:

قریش مکہ نے جب آپ پر مظالم ڈھا لئے اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو آپ ﷺ کو لالچ دیا کہ اگر چاہیں تو بادشاہ بن جائیں یا کسی حسین عورت سے شادی کر لیں یا پھر اگر مال چاہیے تو مال لے لیں مگر آپ ﷺ اپنا مشن چھوڑ دیں لیکن اس حربہ میں بھی انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا- بہرحال آپ ﷺ نے اپنا تبلیغی مشن سرگرمی سے اور مستعدی سے جاری رکھا- آپ نے محفلوں، میلوں اور بازاروں میں توحید کا پیغام پہنچانا شروع کیا- گھر گھر جا کر زنا، جوئے، جھوٹ، چوری و ڈاکے جیسے رزائل اخلاق سے لوگوں کو منع فرماتے- بت پرستی کی مخالفت مشرکین کو کسی طرح گوارہ نہ تھی، نیز وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لئے زبردست خطرہ محسوس کرتے لہٰذا کفار کا ظلم ستم بھی بڑھ گیا اور ان کی ایذا رسانی میں بھی سختی آ گئی-

مسلمانوں پر کفار کے مظالم:

قریش مکہ نے آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ہر طرح سے اس مشن سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر آپ اور آپ کے صحابہ نے اپنے مقصد کو جاری رکھا، بلکہ دعوت کا دائرہ مزید وسیع کر دیا اور کفار مکہ کی تکالیف، مظالم اور دھمکیوں کو خاطر میں نہ لائے، اس کے بعد قریش مکہ نے آپ کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بھی مظالم کا نشانہ بنایا تاکہ یہ تنگ آ کر آپ کا ساتھ چھوڑ دیں مگر نتیجہ برعکس ہوا- حضرت بلال، امیہ بن خلف کے غلام تھے- انہیں تپتی ریت پر لٹایا جاتا اور اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیا جاتا- لوہے کو سرخ کر کے داغا جاتا مگر حضرت بلال اس تکلیف کے باوجود "احد، احد" کی آواز بلند فرماتے- حضرت خباب کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا- ان کے خون اور چربی سے آگ کے انگارے بجھتے تھے- حضرت سمیہ کو ابوجہل نے برچھا مار کر شہید کر دیا- یہ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں، حضرت صہیب رومی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو کفار مکہ نے انہیں بھی اس قدر اذیتیں پہنچائیں کہ آخر تنگ آ کر ہجرت کا ارادہ فرمایا تو کافروں کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ یہ لوگ کسی دوسری جگہ جا کر آرام سے زندگی بسر کر لیں- اسی

طرح مسلمان کنیزوں، لبینہ، زنیرہ نہدیہ اور ام عبیس کو مسلسل تکالیف اور اذیتیں دی گئیں، لیکن یہ مظالم انہیں راہ حق سے نہ ہٹا سکے-

قریش مکہ نے نہ صرف آپ کے صحابہ پر مظالم ڈھائے بلکہ نبی کریم ﷺ کو بھی طرح طرح کی تکالیف اور اذیتیں پہنچائیں- ایک روز آپ بیت اللہ شریف میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عتبہ نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈالکر کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر گئے- نبی کریم ﷺ نے یہ تمام تکالیف استقامت سے برداشت فرمائیں اور اپنا فرض منصبی دعوت دین کا سلسلہ برابر جاری رکھا، پھر مکہ اور قریش کی حدود سے نکل کر یہ نئی دعوت نسبتاً زیادہ وسیع حلقے تک پہنچنے لگی اور ان مظالم کے باوجود لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے-

تبلیغی مرکز کا قیام:

تین سال کی مسلسل تبلیغ کے بعد آپ نے اشاعت اسلام کے کام کو نہایت منظم طریق پر کرنے کے لئے ایک تبلیغی مرکز کا قیام ضروری سمجھا- اس مقصد کے لئے حضرت ارقم بن ارقم کا مکان تجویز فرمایا- انہوں نے خوشی سے اپنا مکان پیش کر دیا- یہ مکان جو مسلمانوں کا سب سے پہلا تبلیغی مرکز بنا اور اس وجہ سے "دارالاسلام" کے نام سے پکارا جاتا تھا- مکہ سے کچھ دور جنوب مشرق کی طرف کوہ صفا کے دامن میں اسی جگہ پر واقع تھا کہ جب حج کے سالانہ اجتماع میں لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے تو وہ اس مکان کے سامنے سے گزرا کرتے تھے- آپ نے اس دارالتبلیغ میں تین برس تک قیام فرمایا- اس دوران دارارقم میں جس قدر اشخاص حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان اصحاب کا نام بھی سابقون الاولون میں شمار ہوتا ہے- ان میں سب سے پہلے عاقل بن ابی جلید اور ان کے بھائی اور آخر میں حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم ہیں- حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے بعد حضرت محمد ﷺ نے اس مکان کو چھوڑ دیا-

شعب ابی طالب:

(۷ تا ۱۰ نبوی) اسلام کی دعوت کی بڑھتی ہوئی رفتار دیکھ کر قریش کے سردار پیچ و تاب کھا رہے تھے اور آئے دن اس تحریک کو دبانے کی نت نئی تدبیریں کر رہے تھے- انہوں نے مجلس مشاورت میں بیٹھ کر یہ فیصلہ کر ڈالا کہ آپ کو اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے برباد کر دیا جائے- چنانچہ انہوں نے بالاتفاق ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص بنو ہاشم سے رشتہ ناطہ نہ

Scanned with CamScanner

کرے، نہ خرید وفروخت، لین دین کرے- اس طرح ان کا مکمل بائیکاٹ کیا- یہ معاہدہ درکعبہ پر لکھ کر لٹکا دیا گیا- ابوطالب مجبوراً اپنے اہل خاندان کو لے کر پہاڑ کے دامن میں قلعہ نما ایک گھاٹی میں چلے گئے جو بنی ہاشم کی ملکیت تھا اور شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھی- تین برس تک نبی کریم ﷺ اور اس کے ساتھ خاندان بنو ہاشم قید کی حالت میں رہے- تین سال بعد بالآخر خود قریش میں سے بعض نیک فطرت لوگوں نے درکعبہ پر لٹکی ہوئی دستاویز کو چاک کر دیا، جس کو دیمک نے چاٹ لیا تھا- اس طرح یہ مقاطعہ ختم ہوگیا اور تین سال بعد بنو ہاشم شہر مکہ میں واپس آ گئے۔

چوتھا دور عام الحزن/۱۰ نبوی

مظالم اور مصائب کی انتہا:

جب آپ شعب ابی طالب سے باہر آئے اور قریش کے مظالم سے چند دن کے لئے امان ملی تو اس کے تھوڑے ہی دن بعد ابوطالب کا انتقال ہوگیا اور کچھ ہی دن بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی رحلت فرمائی، چنانچہ یہ سال آپ کے لئے عام الحزن (غم کا سال) ثابت ہوا- ان دونوں ہستیوں کے انتقال کے بعد قریش کے مظالم میں سختی آئی اور انہوں نے تکلیف اور ایذا رسانی میں شدت اختیار کر لی اور کوئی دقیقہ آپ کے ساتھ بدسلوکی کا باقی نہ چھوڑا- اس تمام کارروائی سے ان کا واحد مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح آپ تنگ ہوکر تبلیغ سے دست کش ہو جائیں اور ان کے خداؤں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں، حق کا پیغام نہ وہ خود سنتے تھے نہ انہیں یہ بات گوارا تھی کہ باہر سے مکہ میں آنے والے کسی مسافر یا زائر کے کان میں محمد کی تبلیغی آواز پڑے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد عرب کے مختلف قبائل میں آہستہ آہستہ، ان مکہ میں آنیوالوں کے ذریعہ اپنی تبلیغ پھیلا کر بہت سے پیروکار مہیا کر لیں۔

سفر طائف، مکے سے باہر تبلیغ:

مکے والوں میں جو بہترین آدمی تھے، وہ سب تقریباً دائرہ اسلام میں آ چکے تھے- چنانچہ اب داعی اعظم نے مکے سے باہر جا کر اللہ کا پیغام پہنچانے کا فیصلہ کیا- اسی پروگرام کے تحت آپ طائف میں تشریف لے گئے- طائف میں بڑے بڑے امراء اور بااثر لوگ رہتے تھے۔

آپ اسلام کی دعوت لے کر ان لوگوں کے پاس بھی تشریف لے گئے، لیکن یہاں بھی وہی معاملہ پیش آیا، آپ نے طائف کے ایک ایک دروازے کو کھٹکھٹایا- ہر گھر میں تشریف لے گئے- طائف کے ہر قبیلے اور ہر خاندان تک پیغام پہنچایا، ہر شخص کو تبلیغ کی، ہر چھوٹے بڑے کو توحید کی دعوت دی، مگر سارے شہر میں ایک فرد نے بھی حضور کی بات پر توجہ نہ دی- آپ کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا اور یہ ساری تکلیفیں اور ایذائیں آپ کو محض اس وجہ سے دی گئیں کہ آپ اہل طائف کے لئے خدا کا پیغام لائے تھے اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی تھی۔

طائف سے واپسی کے بعد حضور کا تبلیغی پروگرام:

جب آپ طائف سے واپس تشریف لائے تو دوگنی مستعدی کے ساتھ اپنے تبلیغی فرض کی ادائیگی میں مصروف ہوگئے- اکثر شہر کے باہر تشریف لے جاتے اور جو کوئی شخص نظر آتا، اسے دعوت دین دیتے- جب کوئی مسافر مل جاتا اسے اپنے ہمراہ لاتے، کھانے پینے کا انتظام کرکے پھر اسلام کی دعوت دیتے۔

قبیلوں کی دعوت:

مکے کے آس پاس جو قبائل قریوں اور دیہاتوں میں آباد تھے وہاں چلے جاتے اور حق کا پیغام پہنچاتے۔

میلوں میں جا کر دعوت دین:

مکہ کے اطراف میں جو میلے سالانہ لگا کرتے تھے اور جن میں دور دور سے آدمی آ کر شامل ہوتے تھے، جیسے سوق عکاظ، سوق مجنہ اور ذی المجاز وہاں تشریف لے جاتے اور میلے میں آئے ہوئے لوگوں کو خدائے واحد کی طرف بلاتے- جب سنتے کہ شہر میں کوئی معزز اور شریف آدمی آیا ہے تو خود اس کے پاس جاتے اور اسے دعوت دین دیتے۔

ایام حج میں دعوت دین:

جب حج کے ایام ہوتے اور لوگ دور دور سے زیارت کعبہ کے لئے آتے تو آپ ان ایام میں بڑی مستعدی کے ساتھ ان تمام قبائل کا دورہ کرتے اور انہیں دعوت الی اللہ دیتے- ابن ہشام نے آپ کے ان تبلیغی دوروں میں سے بعض کے واقعات اپنی سیرت میں بیان کئے ہیں،

Scanned with CamScanner

جن میں بنو کندہ، بنو کلب، بنو جہینہ، بنو عامر، بنو محارب، فزارہ، غسان، مرہ سلیم، عبس، بنی نضر، عذرہ اور مضاربہ قبائل میں تبلیغ کے لئے گئے لیکن کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہ کی۔

تدریج:

آنحضرت ﷺ نے دعوت وتبلیغ کا مہتم بالشان کام شروع کیا۔ وہ بغیر سوچے سمجھے یونہی شروع نہیں کر دیا تھا بلکہ منشاء الٰہی کے مطابق اس میں نہایت احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیا گیا تھا اور معاملہ کے ہر پہلو پر کافی غور کرنے کے بعد نہایت منظم اور باقاعدہ طور پر بڑی آہستگی کے ساتھ تمام خطرات وخدشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ضروری فریضہ کی ابتداء کی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اگرچہ ابتداء میں آنحضرت ﷺ کو اپنے پاک اور مقدس مشن میں کامیابی بہت سست رفتاری سے ہوئی مگر جتنی بھی ہوئی وہ نہایت پختہ اور مضبوط تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی پختہ بنیاد پر اسلام کی عظیم الشان عمارت تعمیر کی گئی جو شدید مخالفت کے باوجود کامیاب ہوئی۔ انبیاء کرام علیہم السلام جس طرح لوگوں کو مخاطب کرنے میں ایک خاص ترتیب کا لحاظ رکھتے ہیں اور یہ ترتیب تبلیغ ودعوت کی ایک بڑی حکمت پر مبنی ہے جو اس ترتیب کو الٹ دینے کی صورت میں مفقود ہو جاتی ہے اسی طرح جو تعلیمات پیش کی جاتی ہیں ان میں بھی ایک خاص تدریج کا اہتمام ضروری ہے کہ اگر دعوت دین میں اس تدریج کا اہتمام نہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے ساری محنت اکارت ہو کر رہ جائے بلکہ اس بات کا اندیشہ بھی ہے کہ اس سے الٹا دعوت دین کے مقصد کو نقصان پہنچے۔

حضور ﷺ نے بھی اپنی دعوت وتبلیغ میں تدریج کے اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ اسلامی تعلیمات میں سب سے پہلے صرف عقائد پر ایمان لانے کی تبلیغ کی۔ ایمان کے بعد اعمال صالحہ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد پورا کرنے کی تلقین کی۔ چنانچہ احکام والی آیات زیادہ تر مدنی زندگی میں نازل ہوئیں۔ پھر احکام میں بھی تدریج کو ملحوظ رکھا۔ پہلے قدرے آسان احکام پھر مشکل تر پھر اس سے مشکل۔ پہلے نماز کا حکم ہوا، پھر روزہ، زکوۃ، حج کا اور شراب کو بتدریج حرام قرار دیا گیا۔ سود کی ممانعت کا حکم آخری دور میں ہوا۔ اگر ابتداء ہی سے سارے احکام نازل ہو جاتے تو امکان تھا لوگوں پر گراں گزرتے اور لوگ ایمان ہی نہ لاتے۔

مدینہ میں اشاعت اسلام:

جب مکہ میں تبلیغ کرنا تقریباً ممکن ہوگیا، باہر سے آنے والے قبائل کو تبلیغ کرنے میں اہل مکہ نے رکاوٹیں ڈالیں تو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مکہ کی نسبت مدینہ میں زیادہ تیزی سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ جس تیزی اور سرعت کے ساتھ حضور ﷺ کی مدنی زندگی میں اسلام پھیلا، ایسا مکی زندگی میں نہیں پھیلا۔

مدینہ میں مرکزی دارالتبلیغ کی تعمیر:

مدینہ میں داخل ہوکر سب سے پہلا کام رسول اکرم ﷺ نے یہ کیا کہ صحابہ کے ساتھ مل کر اپنے ہاتھ سے ایک مسجد تعمیر کی۔ یہی مقدس عبادت گاہ مسجد نبوی کے نام سے آج سجدہ گاہ خلائق بنی ہوئی ہے۔

دارالتبلیغ کی تعمیر کا مقصد:

مسجد نبویؐ کا عام مقصد تو یہ تھا کہ یہاں مسلمان پانچوں وقت جمع ہوکر خدائے واحد کی عبادت کیا کریں، لیکن بنیادی غرض یہ تھی کہ یہ عمارت اسلام کا ایک زبردست اور شاندار دارالتبلیغ بنے۔ اس کے ایک گوشے میں مبلغین اور واعظین کے لئے جگہ تھی، جو چبوترے کی شکل میں تھی، یہ "الصفہ" کہلاتی تھی اور جو لوگ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، انہیں اہل صفہ کہتے تھے ان کی تعداد تقریباً چار سو تک تھی، مدینہ کی یہ عمارت عبادت گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔ یہ دارالتبلیغ بھی تھی اور زبردست اشاعتی مرکز بھی۔ کبھی یہاں خلوص وعقیدت سے سجدے میں سر جھکائے جاتے تھے، کبھی ہتھیاروں کی جھنکار سے تمام عمارت گونج اٹھتی تھی۔ یورپی مصنف سرولیم میور اس عمارت کے بارے میں لکھتا ہے:

> "اگرچہ یہ عمارت سامان تعمیر کو دیکھتے ہوئے بہت ہی سادہ اور معمولی تھی، لیکن محمد کے ہاتھ کی یہ بنائی ہوئی عمارت اسلامی تاریخ میں ایک خاص شان کی مالک ہے۔ محمد اور ان کے اصحاب اس عمارت میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ گزارتے۔ اسی عمارت میں نماز کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ یہیں تمام مسلمان جمعہ کے دن خدا کی تازہ وحی سننے کے لئے نہایت مودبانہ

Scanned with CamScanner

حالت میں جمع ہوا کرتے تھے۔ یہیں اپنی فتوحات کی تجاویز بروئے کار لایا کرتے تھے۔ وہ ایوان تھا جہاں مفتوح اور مغلوب قبائل کے وفد محمد کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے۔ یہی وہ دربار تھا جہاں سے وہ شاہی احکام جاری کئے جاتے تھے، جو عرب کے دور دراز گوشوں تک باغیوں کو خوف سے لرزا دیا کرتے تھے۔" (لائف آف محمد سر ولیم میور)

مسجد نبوی ان فقراء مہاجرین کی ایک خاص بڑی تعداد کا مسکن تھی، جن کا وہاں پر نہ کوئی مکان تھا نہ مال اور نہ اہل وعیال جو اہل صفہ کے نام سے مشہور تھے۔

پھر اوائل ہجرت میں ہی اذان شروع ہوئی۔ یہ ایک لاہوتی نغمہ تھا جو روزانہ پانچ بار گونجتا تھا، جس سے تمام مسلمان نماز کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ مسلمانوں کی جمعیت کو اکٹھا کرنے کے لئے جمعہ کی نماز فرض کی گئی تھی اور خطبہ کو ارکان جمعہ کا ایک اہم رکن بنایا گیا، جس میں آپ دین و دنیا میں فائدہ بخش باتوں کی طرف رہنمائی کرتے اور انہیں ہدایت دیتے تھے، ان کا تزکیہ کرتے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے۔ آپ جمعہ اور عیدین اور ہر تاریخی موقعہ پر ان سے خطاب کرتے۔

مسلمانوں میں بھائی چارہ:

جس طرح رسول اللہ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا اہتمام فرما کر باہمی اجتماعی اور میل و ملاقات کے ایک مرکز کو وجود بخشا، اس طرح آپ نے تاریخ انسانی کا ایک نہایت تابناک کارنامہ سرانجام دیا، جسے مہاجرین اور انصار کے درمیان "مواخات مدینہ" کا نام دیا جاتا ہے۔

مدینہ اسلام کے لئے محفوظ مرکز:

انسان کسی نصب العین یا نظریہ کے لئے جتنی قربانیاں دیتا جاتا ہے، اس کے ساتھ اس کی وابستگی اور لگن اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کی خاطر اپنا گھر بار، خاندان وطن، کاروبار سب کچھ چھوڑ دیا اور ان کے دل اسلام کی لگن میں مگن ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مدینہ میں محفوظ و مامون پایا۔ مدینہ میں مشرکین مکہ کی طرح ایسی کوئی قوت نہ تھی جس سے اسلام یا مسلمانوں کو کسی قسم کا خطرہ لاحق ہوتا۔

مدینہ میں مسلمان متحد اور منظم ہو گئے:

مدینہ میں آنے سے قبل مسلمان مختلف علاقوں میں بکھرے ہوتے تھے۔ کچھ مکہ میں تھے، اور کچھ حبشہ میں اور کچھ دیگر علاقوں میں۔ ہجرت کے بعد تمام مسلمان ایک جگہ یعنی ایک مرکز مدینہ میں اکٹھے ہو گئے۔ یہ ہجرت دشمن سے جان بچانے کے لئے نہیں تھی بلکہ مقصد تمام مسلمانوں کو یکجا اور متحد کرنا تھا تاکہ اشاعت اسلام کے لئے متفق اور منظم ہو کر اجتماعی طور پر کوشش کی جا سکے۔

اسلام کی اشاعت کے لئے حضور ﷺ کو ایسی سرزمین میسر آگئی جہاں وہ اشاعت اسلام کی مہم زیادہ کامیابی سے چلا سکتے تھے۔ عبادت کی آزادی مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ ان کے لئے معاشی سرگرمی اور تجارت کی توسیع کے امکانات روشن ہو گئے اور ملت اسلامیہ کی انفرادی اور امتیازی حیثیت قائم ہوگئی۔

میثاق مدینہ:

ہجرت مدینہ کے بعد جب حضور ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو مدینہ منورہ مختلف جماعتوں میں بٹا ہوا تھا، جن میں مہاجرین، انصار، منافقین، عیسائی اور یہودی شامل تھے۔

یہودیوں کے بعض قبائل طاقتور تھے اور کافی عرصہ سے انصار پر حاوی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں میں نظم وضبط پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ مدینہ منورہ میں سیاسی معاشی اور معاشرتی استحکام پیدا ہو اور مسلمانوں کے تعلقات غیر مسلموں سے واضح معین اور منضبط ہو جائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے امن وامان برقرار رکھنے کے لئے مدینہ کے تمام فریقوں کو اکٹھا کیا اور باہمی رضامندی سے ایک معاہدہ طے کیا، جسے "میثاق مدینہ" کہا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ ایک سیاسی اور معاشرتی منشور تھا، جس پر مدینہ کی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ مسلمانوں کو اعلانیہ تبلیغ کا موقع میسر ہوا اور اسلام مغلوبیت سے نکل کر واضح طور پر غالب نظر آنے لگا۔

سفارتی مہمات و وفود:

یہ دور اس سال سے شروع ہوتا ہے جسے "عام الوفود" کہا گیا ہے۔ یعنی وفود کا سال۔ عرب کے گوشے گوشے سے وفود خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے، ان وفود کی

Scanned with CamScanner

تعداد کم سے کم پندرہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سو چار (۱۰۴) بیان کی گئی ہے- اگرچہ عام قبائل کے وفود فتح مکہ کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہونا شروع ہوئے تھے لیکن بعض قبائل ایسے بھی تھے جن کے وفود فتح مکہ سے پہلے ہی مدینہ میں آ چکے تھے- ان قبائل میں قبیلہ مضر، قبیلہ سعد، قبیلہ اشجع، قبیلہ عبدالقیس، قبیلہ جھینیہ اور وفد بنو ثقیف شامل ہیں-

تبلیغ اسلام کے وفود:

آنحضور ﷺ نے جنگ خندق کے بعد اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت کے لئے اطراف ملک میں جن قبائل کی طرف وقتاً فوقتاً جماعتیں بھیجیں ان میں بنو ثعلبہ، بنی کعب، بنی سلیم، بنو فضالہ، بنو کلاب، قبیلہ ہمدان اور بنی حارث شامل ہیں-

سلاطین والیان اور قبائلی روساء کے نام دعوتی خطوط:

آنحضور ﷺ نے بادشاہوں، گورنروں اور قبائل کے سرداروں کو اپنے صحابہ کرام کے ذریعہ تبلیغی خطوط روانہ کئے- وہ جزیرہ نما عرب کے چاروں طرف کے حکمرانوں کے نام تھے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- شمال مشرق میں روما کی نہایت مشہور سلطنت کے قیصر روم کے نام-

۲- ملک فارس کے عظیم الشان کسریٰ ایران کے نام-

۳- شمال مغرب میں شاہ مقوقس کے نام جو رومی سلطنت کا باجگزار اور محکوم تھا-

۴- مشرق میں ھوذہ بن علی رئیس یمامہ کے نام-

۵- مغرب میں نجاشی شاہ حبشہ کے نام-

۶- ایک خط شمال میں عرب کی حدود کے ساتھ ریاست غسان کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے نام-

۷- ایک خط عرب کے جنوب میں یمن کے رئیس کی طرف بھیجا-

۸- ایک خط عرب کے مشرق میں بحرین کے والی منذر بن ساوی کو بھجوایا-

اس طرح آنحضور ﷺ نے عرب کے چاروں طرف اسلام کے تحریری پیغام بھجوا کر فریضہ دعوت دین کو بہ احسن وجوہ ادا کیا- یہ تبلیغی خطوط آپؐ نے مختلف فرمانرواؤں کو ایک وقت میں نہیں بھیجے بلکہ آہستہ آہستہ مختلف اوقات میں روانہ فرمائے-

اثرات و نتائج:

آنحضور ﷺ نے بین الاقوامی دعوت کی جس مہم کا آغاز مدینہ سے کیا اور عرب کی متصلہ عظیم سلطنتوں کے عظیم سربراہوں کے نام جو دعوت حق کا پیغام بھیجا، اس سے بڑے اہم نتائج برآمد ہوئے- بالفاظ دیگر آپ کی یہ تدبیر فروغ اسلام کے ضمن میں سودمند ثابت ہوئی-

اولاً گرد و نواح کی سلطنتوں میں اسلام کا پیغام پہنچا- گو اس پیغام کی رسائی محدود حلقوں میں ہوئی مگر اس نے غور طلب اور فکرانگیز موضوع کی حیثیت اختیار کر لی-

ثانیاً اسلام کی صداقت کا جادو اثر پذیر ہوا اور اہل جاہ و اقتدار کی ایک اچھی خاصی تعداد اس حالت میں مشرف بہ اسلام ہوئی، جبکہ مسلمان تمدنی لحاظ سے بہت پیچھے تھے-

ثالثاً ان نومسلم اہل جاہ و اقتدار کے زیراثر عوام بھی اسلام سے روشناس ہوگئے، نیز مختلف مملکتوں کے وہ امراء اور سلاطین کو دعوت حق کے آغاز سے خود اندرون عرب میں بھی اسلام کے حق میں فضا ہموار ہوگئی-

نبوی دعوت دین کے اصول

آنحضرت ﷺ کے تبلیغی احوال و کیفیات کا قرآن مجید میں بار بار تذکرہ ہے- ان کی دعوت اور تبلیغ کا محرک بندگان خدا پر رحمت و شفقت اور خیرخواہی کا جذبہ ہے- بندوں کی اس ابتر حالت کو دیکھ کر حضورؐ کا دل جلتا ہے اور خیرخواہی سے ان کا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ان کی حالت سدھر جائے- امت کے غم سے یہ حال ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنا جینا بھی دوبھر معلوم ہوتا- حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا – (الکھف:۶)

تو کیا آپ اپنی جان کو اُن کے پیچھے غم سے ہلاک کر دیں گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں-

اس محبت و رحمت کا اقتضاء تھا کہ حضور انور ﷺ پر مسلمانوں کی ہر تکلیف شاق گزرتی تھی اور چاہتے تھے کہ ہر بھلائی اور خیر کا دروازہ ان پر کھل جائے- ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ – (توبہ:۱۲۸)

یقیناً تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا ہے- تمہارا تکلیف پانا اس پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہارے لئے بھلائی کا خواہش مند ہے- مومنوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے-

Scanned with CamScanner

نرمی اور سہولت:

دعوت وتبلیغ کا بڑا اصول یہ تھا کہ نرمی اور سہولت، آہستگی و دانش مندی اور ایسے اسلوب سے گفتگو کی جائے جس سے مخاطب متاثر ہو اور بات اس کے دل میں اتر جائے- مثلاً منافقین نے اسلام کو نقصان پہنچانا چاہا اور جس طرح اسلام کی دعوت اور رسالت محمدیہ کو ناکام کرنا چاہا وہ بالکل ظاہر ہے- بایں ہمہ آپ کو یہی حکم دیا گیا-

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِیْغًا- (النساء ۶۳)

پس آپ ان سے منہ پھیر لیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان سے ان کے حق میں اثر کرنے والی بات کیجئے-

اس سے اندازہ لگائیے کہ جب اس نرمی اور سہولت اور دل میں گھر کر لینے والی بات کا منافقین سے برتنے کا حکم ہے تو عام نادان مسلمانوں کو بتانے اور سمجھانے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے- اس لئے اللہ تعالیٰ نے دعوت میں اس اصول کا حکم دیا ہے- (سورہ نحل: ۱۲۵)

اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ- (نحل: ۱۲۵)

اے نبیؐ آپ دانشمندی اور اچھی نصیحت سے اپنے رب کے راستے کی طرف بلائیں اور ان سے اچھے طریقے پر بحث ومباحثہ کریں-

آنحضور ﷺ نے جب یمن میں دو صحابیوں کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو انہیں نصیحت فرمائی- یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا- (بخاری)

پس مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ جس جماعت کو دعوت دے انہیں آسان سے آسان طریقہ سے دین کو پیش کرے- سختی نہ کرے، ان کے لئے اعمال کی بشارت اور مغفرت کا تذکرہ کرے، نیز ان کی حوصلہ افزائی کرے-

۳- ترتیب وتدریج:

تبلیغ کا ایک نمایاں اصول تدریج یعنی الاَھَمُّ فَالاَھَمُّ (اہم تر سے اہم کی طرف) کی ترتیب ہے، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے- حضورؐ نے دعوت تبلیغ کا آغاز کیا تو سب سے پہلے توحید ورسالت کی تاکید کی- قریش پوچھتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ''فقط ایک کلمہ، اگر تم اس کو مان لو گے تو سارا عرب تمہارا مطیع ہو جائے گا-'' اللہ کی الوہیت اور رسول کی رسالت درحقیقت وہ تخم ہے، جس سے سارے احکام نکلتے ہیں، سب سے پہلے اس کی تخم ریزی چاہیے، اس کے بعد احکام کا دور آتا ہے- قرآن پاک کا طریق نزول خود اس طریق دعوت کی

صحیح مثال ہے- حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ قرآن پاک میں پہلے قلوب کو نرم کرنے والی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں جنت دوزخ کا ذکر ہے- یعنی جن میں ترغیب وترہیب ہے، پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال وحرام کی آیات نازل ہوئیں اور اگر پہلے ہی اترتا کہ شراب مت پیو تو کون مانتا (بخاری) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے نزول میں بھی تبلیغی ترتیب ملحوظ رہی ہے-

۴- عوامی رابطہ:

دعوت تبلیغ کا ایک امتیازی اصول نبوی عوامی رابطہ ہے، یعنی آنحضرت ﷺ اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں خود حاضر ہوں بلکہ آپ اور آپ کے داعی خود لوگوں تک پہنچتے تھے اور دین کی دعوت دیتے تھے- یہاں تک کہ لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے اور دعوت حق پیش کرتے- مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے رؤساء کے گھروں میں جا کر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا- حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے اور ان کی مخالفت اور استہزاء کی پروانہ فرماتے تھے- آخر اس تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ منتقل ہوئی- صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب ملک میں امن و امان ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے سفراء مختلف سلاطین اور روساء کے پاس اسلام کی دعوت اور پیغام لے کر پہنچے- اس سے معلوم ہوا کہ داعی و مبلغ کا فرض ہے کہ وہ لوگوں تک خود پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے-

۵- دین فہمی:

نبوی تبلیغ کا ایک اہم اصول دین فہمی ہے، یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لئے ترک وطن کرکے ایسے مقامات پر جانا جہاں دین حاصل ہو سکے اور پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے وطن آ کر اپنے قبیلوں اور ہم قوموں کو اس فیض سے مستفید کرنا مثلاً سورت توبہ میں یہ آیت خاص اسی مفہوم کی ترجمان ہے-

Scanned with CamScanner

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ-

عہد نبویؐ میں اسی طرح وفود بنا کر مختلف قبائل سے لوگ مدینہ منورہ آتے اور ہفتہ عشرہ بعض دو عشرے رک کر دین کا علم حاصل کر کے اپنے اپنے قبائل میں واپس جاتے اور یہ حاصل کردہ دین لوگوں کو پہنچاتے اور سکھاتے-

۶- اصحاب صفہ:

عہد رسالت میں مسجد نبوی کے چبوترے پر اصحاب صفہ کا حلقہ تھا، جن کا کہیں گھر نہ تھا، گزر بسر کی صورت یہ تھی کہ لوگ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتے اور بازار میں بیچتے اور رات کو کسی معلم کے پاس دین کا علم سیکھتے اور بوقت ضرورت مختلف مقامات کی طرف مبلغ بنا کر بھیجے جاتے- ضروری مشاغل کے علاوہ دین کی تعلیم اور حضور انور ﷺ کی محبت سے فیض یابی اور عبادت میں انہماک کے کام تھے- اس سے معلوم ہوا کہ ایک ایسے گروہ کا تیار کرنا بھی ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ گروہ خاص تربیت سے پیدا ہوتا ہے اور صحبت نبوی کی برکت سے ظاہری و باطنی فیوض سے مالا مال رہتا تھا اور تبلیغی امور کو انجام دیتا تھا، اس طرح تعلیم کا طریقہ زیادہ فیض صحبت، زبانی تعلیم و احکام و مسائل کا ذکر اور مذاکرہ اور ایک دوسرے سے پوچھنا اور سیکھنا اور بتانا تھا ان کی راتیں عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور دن کاروبار میں مصروف اور آخری بات یہ ہے کہ یہ تمام تبلیغ کا پروگرام اور دعوت کا عمل بلا اجرت ہوتا تھا-

وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ- (الفرقان: ۱۲۲)

نبی اکرم ﷺ نے ان مذکورہ اصولوں کو اپناتے ہوئے دین اسلام، آخری پیغام الٰہی وضاحت، تندہی، لگن اور کامیابی سے پہنچایا، پھر ۱۰ ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ وَ أَنْتُمْ تُسْئَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ صحابہ نے جواب دیا:

لوگو! تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟

نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ أَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ-

ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے دین پہنچا دیا اور امانت ادا کر دی اور خیر خواہی کی۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھا اور تین بار فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

اے اللہ تو گواہ رہنا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ-

جو حاضر ہے وہ میری بات غیر موجود لوگوں تک پہنچا دے۔

تاریخ شاہد ہے کہ نبی الخاتم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ نے بڑی دیانت اور اخلاص سے انسانیت کو یہ بار امانت...... خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت فرمائی-

بعد ازاں حدیث خیر القرون کے مطابق جماعت تابعین اور جماعت تبع تابعین نے بڑی جانفشانی اور ایثار سے پیغام الٰہی، چہار دانگ عالم میں پھیلایا اور آج دنیا میں سوا ارب کے قریب فرزندان اسلام، صحابہ کرام اور بے شمار بے لوث مسلمان مبلغین کی تبلیغی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے-

بنیادی انسانی حقوق
خطبہ حجۃ الوداع اور میثاق مدینہ کی روشنی میں

حقوق کا مفہوم:

انسان کی زندگی اجتماعی ہے جو باہمی تعاون کی محتاج ہے-وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے سلسلہ میں بعض چیزوں کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے مگر ممکن ہے اس چیز کا دعویٰ کوئی اور شخص بھی کردے- اس صورت میں ملکیت کے دعویٰ کا فیصلہ کرنے کے لئے یکساں اور مسلمہ ضابطے اور اصول کی ضرورت ہوتی ہے- چنانچہ اس ضابطہ کے مطابق ہم جس چیز کو اپنا کہہ سکیں، وہی ہمارا حق سمجھا جاسکتا ہے- لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے حق کی حفاظت کے لئے ہر شخص دوسروں کے حقوق کا احترام کرے ورنہ دوسروں کے حقوق کے لئے خطرہ بننے کی صورت میں دوسرے خود ہمارے حقوق کے لئے خطرہ بن جائیں گے-

حق اور اس کے متبادل انگریزی لفظ (Right) دونوں ذومعنی ہیں اس کے ایک معنی تو حقیقت اور سچائی ہیں اور دوسرے وہ چیز جسے ہم قانوناً باضابطہ طور پر اپنا کہہ سکیں-

تاریخ تحفظ حقوق انسانی:

انسانیت کی تاریخ کو اگر حقوق کی تاریخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کتنی ہی جنگیں اور تحریکیں حقوق کے نام پر ہوئیں اور کتنے ہی آزاد منش اپنے حقوق کی حفاظت کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل گئے- کتنے ہی پیغمبر مصلح اور فلاسفر پیدا ہوئے اور تحفظ حقوق انسانی کا پیغام دیتے چلے گئے-

اسلامی تصور حقوق اور مغربی یا غیر اسلامی تصور حقوق میں نمایاں فرق، حقوق کے تحفظ کا ہے- اسلام میں مقتدر اعلیٰ اللہ ہے جس نے بندوں کے حقوق واضح طور پر بتائے ہیں جن کو کسی

بھی صورت میں معطل نہیں کیا جاسکتا- اسلام نے انسان کو اس کا اصل مقام دکھایا ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ☆

تحقیق ہم نے انسان کو خوبصورت شکل میں پیدا کیا-

دوسری جگہ فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ-

بلاشبہ ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی-

حدیث نبویؐ میں ہے:

خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ-

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا-

یعنی اگر اللہ تعالیٰ یہاں کسی صورت میں آنا چاہتا تو انسان کی شکل میں آتا- زمین پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور نیابت الٰہی اور خلافت الٰہی سے انسانی عظمت کو واضح کیا- جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ مناصب اور اعلیٰ درجات عطا کئے ہیں وہاں وہ اس کے حقوق کا بھی بہترین ضامن ہے- انسان کے حقوق بہت اہمیت رکھتے ہیں اس لئے کہ انسان پوری کائنات میں سب سے اشرف ہے- دین اسلام میں اس کی مکمل تفصیل ہے-

سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں انسانی حقوق کی درجہ وار کوئی تفصیل نہیں ہے- اسلام میں اہل خاندان، قبیلہ اور ملک کے حقوق واضح کئے گئے ہیں اور فطری تفصیل سے کام لیا ہے-"

حقوق والدین، حقوق اولاد، حقوق زوجین، ہمسایہ کے حقوق، یتیموں کے حقوق، شہریوں کے حقوق، بیماروں، مہمانوں اور کمزوروں کے حقوق، انسانوں کے حقوق اور انسانی برادری کے حقوق وغیرہ- حقوق کی اس تفصیل میں اجتماعی ضرورت اور معاشرتی احساس کا خاص خیال رکھا گیا ہے- اس میں کسی ادنیٰ اعلیٰ کی قید نہیں- اب ہم میثاق مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں بنیادی انسانی حقوق کا جائزہ لیتے ہیں-

میثاق مدینہ

ہجرت مدینہ کی بدولت رسول اللہ ﷺ کے بچ کر مدینہ چلے جانے کے واقعہ نے کفار مکہ کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا تھا- انہوں نے ایک وفد مدینہ بھیجا اور مطالبہ کیا کہ رسول خداؐ کو

Scanned with CamScanner

مدینہ سے نکال دیا جائے یا ان کے سپرد کر دیا جائے- انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مدینہ والوں کو سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے- کفار مکہ کا یہ وفد ناکام و نامراد واپس آیا مگر ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ اب کچھ ہو کر رہے گا اور ہمیں اپنے دفاع اور سلامتی کے لئے ضروری اقدامات کرنے چاہیں- اس واقعہ کے دو اہم نتائج نکلے- مدنی ریاست کا آئین مرتب ہوا اور مدینہ کے اردگرد ایک بفرسٹیٹ کا قیام عمل میں آیا-

رسول خداؐ نے مدینہ کے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کا ایک عام اجلاس طلب کیا- اجلاس آنحضور ﷺ کے ذاتی خدمت گزار حضرت انسؓ کے والد کے گھر ہوا- رسول خداؐ نے اس اجلاس میں تجویز پیش کی کہ مدینہ کے لوگوں میں باہمی تنازعات کے خاتمہ اور کسی بیرونی حملہ آور کی حوصلہ شکنی کے لئے مدینہ کی ایک ریاست قائم کی جائے- یہ ریاست ایک کنفڈریشن ہو جس کے تمام یونٹوں کو بڑی حد تک خودمختاری حاصل ہو- کسی جرم کے بارے میں سزا کے خلاف ریاست کے سربراہ سے اپیل کی جا سکے گی- سربراہ مملکت کو جنگ اور امن کے دوران میں کسی مہم کے لئے افراد کے قطعی انتخاب کا اختیار ہوگا- سماجی تحفظ کے لئے بھی ایک مضبوط نظام قائم کیا گیا- خون بہا کی صورت میں بھاری رقم متعین کی گئی جو اس صورت میں ادا کرنا ضروری تھی جب قتل کے مجرم کو سزائے موت نہ دی جائے- دشمن کے جنگی قیدیوں کی رہائی کے لئے فدیہ بھی مقرر کیا گیا اس طرح سیاسی اور معاشرتی حقوق کی ضمانت دی گئی- اس دستوری معاہدے سے سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار محمد ﷺ کے ہاتھ آ گیا- مدینہ کے منظم ہونے والے معاشرے میں خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگئی-

دفاعی لحاظ سے مدینہ اور اس کے نواح کی پوری آبادی ایک متحدہ طاقت بن گئی اور اس کے کسی عنصر کے لئے قریش کی حمایت کے دروازے بند ہوگئے نیز دفاعی لحاظ سے بھی مرکزی اور فیصلہ کن اختیار آنحضور ﷺ کے پاس آ گیا- اس دستوری معاہدے سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات کی بنیاد رکھ دی گئی-

معاہدے کی تمام دفعات پر اتفاق رائے کے بعد انہیں ضبط تحریر میں لایا گیا- یہ معاہدہ پہلا تحریری دستور تھا جو کسی سربراہ مملکت نے جاری اور نافذ کیا ہے- اس تاریخی دستاویز کی تفصیل درج ذیل ہے جو ''میثاق مدینہ'' کے عنوان سے معروف ہے- یہ معاہدہ ہجرت نبوی سے تقریباً پانچ ماہ یا چھ ماہ بعد تحریر کیا گیا-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری معاہدہ مدینہ کے مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان ہے-

ا- محمد نبی رسول اللہ
ب- مسلمان قریش مکہ از ساکنین شہر مدینہ
ج- مدینہ کے مسلمان و مدینہ کے یہودی
د- مدینہ کے نصرانی و مدینہ کے غیر مسلم

معاہدے کی شقیں:

میثاق مدینہ تاریخی اہمیت کی حامل ایک دستاویز ہے جسے آنحضرت ﷺ کی سیاسی بصیرت اور تدبر کا بہترین نمونہ کہنا بے جا نہ ہوگا- اس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- یہ معاہدہ مدینہ کے مسلمانوں اور دیگر گروہوں کے درمیان ہے جو مملکت کے نظم و ضبط کے لئے ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے-
۲- خون بہا کا پرانا طریقہ رائج رہے گا-
۳- یہود کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی- یہود اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر- یہود مسلمانوں کی عبادات کے اوقات میں سنکھ نہیں بجائیں گے اور اسی طرح مسلمان بھی ان کی مذہبی باتوں کا خیال رکھیں گے-
۴- معاہدہ کے شریک تمام فریق ایک جماعت تصور کئے جائیں گے-
۵- مسلمانوں کے قلبی اور حقیقی رفیق صرف مسلمان ہوں گے-
۶- مسلمانوں کے دوست و دشمن مشترکہ ہوں گے- کوئی مسلمان اسلام کے دشمن سے تنہا معاہدہ نہیں کرے گا-
۷- تمام فریق ایک دوسرے سے خلوص، نیک نیتی اور بھلائی سے پیش آئیں گے نہ ہی ایک دوسرے کو نقصان دیں گے اور نہ ہی ایک دوسرے کے خلاف زیادتی کے مرتکب ہوں گے- اہل یہود کے ساتھ دستور کے مطابق معاملہ اور انصاف و مساوات کا سلوک روا رکھا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا وہ بھی ہر حال میں مظلوم کی مدد کریں گے-
۸- اگر کوئی مسلمان قرض میں مبتلا ہے تو دوسرے مسلمان اس کی ادائیگی کے لئے مالی امداد دیں گے-

٩- اگر کوئی مسلمان سرکشی یا بغاوت کرے گا تو وہ خواہ کسی کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو سب لوگ اس کے خلاف محاذ میں شامل ہوں گے۔

١٠- کوئی مسلمان کسی بھی ظالم کی مدد نہیں کرے گا یعنی اسے پناہ نہیں دے گا اگر اس نے ایسا کیا تو وہ خدا کے غضب کا مستحق ہوگا۔

١١- یہود کے دوست قبائل کے حقوق بھی ایسے ہی ہوں جیسے یہود کے تصور کئے جاتے ہیں۔

١٢- ہر فریق اپنے علاقے کے امن کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

١٣- کوئی بھی گروہ نہ تو قریش کی حمایت کرے گا اور نہ ہی ان کو پناہ دے گا۔

١٤- اگر کسی نے مدینہ پر حملہ کیا تو سب ہی اس کی مدافعت کے لئے لڑیں گے نیز اخراجات فریقین میں برابر تقسیم ہوں گے البتہ مذہبی لڑائیاں اس قاعدے سے الگ تصور کی جائیں گی۔ اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ مروجہ دستور و انصاف سے ادا کریں گے۔ جو کسی کا ناحق خون کرے گا اسے مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا الا یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر راضی ہو جائے۔

١٥- فریقین میں اگر کسی کو تیسرے گروہ کی جنگ لڑنی پڑے تو باقی فریق اس کی امداد کریں گے۔

١٦- اگر فریقین میں سے کوئی فریق تیسرے گروہ سے صلح کرتا ہے تو باقی کو بھی اس سے صلح کرنی ہوگی۔

١٧- ہر مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اس کا حلیف اس کی ذمہ داری میں شریک تصور نہیں کیا جائے گا اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ اس معاہدہ کی دفعات کو اپنے لئے آڑ بنانے کی کوشش کرے۔

١٨- اگر فریقین میں اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے تو آنحضرت ﷺ کا فیصلہ آخری فیصلہ تصور ہوگا۔

١٩- فریقین مکہ کی طرح مدینہ کو بھی حرم کا درجہ دیں گے اور اسے کشت و خون سے پاک رکھ کر امن و سکون کی قیام گاہ بنائیں گے۔

٢٠- ہر فریق معاہدہ کے مال، جان اور آبرو کی حفاظت ریاست مدینہ کے ذمہ ہوگی۔

حرف آخر:

١- اس معاہدہ کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔

٢- جو شخص مدینہ میں خلوص اور امن کے ساتھ سکونت رکھے اور وہ شخص جو مدینہ سے خلوص اور امن کے ساتھ کسی اور جگہ نقل مکانی کرنا چاہے ان دونوں پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن فساد اور شرارت کرنے کے لئے قیام مدینہ اور یہاں سے ترک اقامت دونوں پر گرفت ہے۔

٣- جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طلب گار ہے خدا تعالیٰ اور محمد ﷺ بھی اس کے خیر اندیش ہیں۔ (فتوح البلدان۔ بلاذری)

اہمیت:

ہجرت مدینہ کی حقیقی عظمت اور اہمیت کا راز یہی ہے کہ اس معاہدے کی بدولت مسلمان ایک محکوم اقلیت سے ایک غالب اکثریت میں تبدیل ہو گئے۔ کہاں ایک مظلوم گروہ جن کی اپنے گھروں میں بھی جانیں محفوظ نہ تھیں اور کہاں ایک آزاد اور خودمختار ریاست کی ملکیت جو اسلام کی دنیا بھر میں وسعت کا باعث بنی چنانچہ معاہدہ مدینہ سے ہمیں مندرجہ ذیل باتوں کا علم ہوتا ہے جو اس کی اہمیت اجاگر کرتی ہیں۔

١- میثاق مدینہ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم ترین کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

٢- تاریخ عرب میں پہلی بار ایک اجتماعی زندگی کا تصور نظر آیا۔

٣- عرب کی تاریخ میں شاید یہ پہلی مرتبہ ہوا کہ بہت سے مختلف گروہ اپنے مذہبی اختلاف کے باوجود ایک امیر کی اطاعت کے لئے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو گئے۔

٤- میثاق مدینہ پر یہود کی حمایت حاصل کرنا یقیناً آنحضرت ﷺ کی سیاسی بصیرت کا نتیجہ تھا۔

٥- اس معاہدے کے بعد قانون اسلامی کے نفاذ کی تمام راہیں کھل گئیں۔

٦- سیاسی، قانونی اور عدالتی طور پر آنحضرت ﷺ کو تمام گروہوں نے اپنا حاکم تسلیم کر لیا تھا۔

٧- دفاعی نکتہ نظر سے اگر مدینہ کی جغرافیائی صورت حال بہت محفوظ تصور کی جاتی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے اس معاہدے سے اندرونی تحفظ کا بھی بندوبست فرما دیا اور تمام گروہ ایک متحدہ طاقت بن کر ابھرے۔

Scanned with CamScanner

۸- دیگر قبائل اس معاہدے کے بعد قریش کی حمایت سے محروم قرار دیئے گئے-

۹- اس معاہدے کے بعد قبائل کی آپس کی جنگوں کا بھی خاتمہ ہو گیا-

۱۰- اس معاہدے کے بعد مسلمان ایک باضابطہ اسلامی حکومت اور حقیقی نظام حیات کے تصور سے آشنا ہوئے-

۱۱- آنحضرت ﷺ نے مدینہ کو مکہ کی طرح حرم قرار دے کر جنگ و جدل اور فتنہ و فساد کی فضا کا خاتمہ کر دیا- وہاں تمام گروہوں کے لئے امن و سکون کی فضا بھی مہیا کر دی-

۱۲- اس معاہدے کے بعد قریش بھی ان قبائل کو جو اس میں شریک تھے مسلمانوں کے خلاف نہ ابھار سکے- الغرض اس معاہدے کے ذریعے تمام فریقوں کے بنیادی مذہبی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی حقوق کی ضمانت دے دی گئی-

معاہدے پر مختلف مورخین کی رائے:

اس معاہدے پر ہر دور کے مورخین نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، ہم ان میں چند رائے تحریر کر رہے ہیں-

۱- جرمنی کے ایک مشہور مورخ ولہاؤزن (welausin) اس معاہدے کو شہری مملکت کا دستور کہہ کر پکارتے ہیں-

۲- ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جو فرانس میں اسلامک ریسرچ سنٹر کے ڈائریکٹر ہیں اس معاہدے کو ''دنیا کا پہلا تحریری دستور قرار دیتے ہیں'' جس کا ایک ایک لفظ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے-

۳- محمد حسین ہیکل اسی معاہدے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ معاہدہ ایک سیاسی کارنامہ ہے جسے آنحضرت ﷺ نے چودہ سو برس پیشتر انجام دیا- اس کی رو سے افکار و عقائد کی آزادی اور مدینہ میں اہل مدینہ کی حفاظت کے لئے ایک نظام معرض وجود میں آ گیا جس کے ذریعے انسانی بنیادی حقوق کو تحفظ حاصل ہو گیا- اس طرح آنحضرت ﷺ مدینہ اور اطراف مدینہ کے لئے امن و سلامتی کا پیغامبر بن گئے- معاہدین پر معاہدے کی حفاظت اور جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی نصرت لازم ہو گئی-'' (محمد حسین ہیکل سیرۃ الرسول)

۴- مولانا محمد اسلم جیراج پوری اپنی کتاب ''تاریخ الامت'' میں رقم طراز ہیں کہ ''اس معاہدے کے بعد آنحضرت ﷺ اطمینان سے تبلیغ رسالت کرنے لگے اور اسلام کی ترقی کا دور دورہ شروع ہوا-

۵- جناب نعیم صدیقی اپنی کتاب ''محسن انسانیت'' میں یوں فرماتے ہیں:

''یہ دستوری معاہدہ محسن انسانیت کی سیاسی بصیرت اور قائدانہ مہارت کی عمدہ مثال ہے جس کا کہیں جواب نہیں-''

الغرض ''میثاق مدینہ کی بدولت بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ حاصل ہو گیا- ریاست مدینہ سے ہر شہری کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو گئی- ہر فرد کو اظہار رائے کی مذہبی اور سیاسی آزادی کی ضمانت مل گئی-

خطبہ حجۃ الوداع

آج سے چودہ صدیاں قبل محسن انسانیت خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کی شکل میں بنیادی انسانی حقوق کا چارٹر دنیا کے سامنے پیش کیا- خطبہ کے اہم نکات کی روشنی میں انسانی حقوق کی وضاحت پیش کی جاتی ہے-

حمد و ثناء:

اللہ کی حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا: ''لوگو! میری بات سنو میرا خیال ہے کہ شاید اس سال کے بعد میں تم کو اس جگہ نہ مل سکوں-

میں اعلان کرتا ہوں اس حقیقت کا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں- وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی اس حقیقت کی کہ محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے-

''اللہ کے بندو! میں تم کو اس کی عبادت کی نصیحت کرتا ہوں اور ترغیب دلاتا ہوں کہ میں آغاز کلام اس بات سے کرتا ہوں جو باعث خیر ہے-''

اس (تمہید) کے بعد (میں کہتا ہوں) اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو میں تم کو وضاحت سے بتاتا ہوں-

تحفظ جان:

اسلام نے انسانی جان کو انتہائی محترم قرار دیا ہے اور ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کا قتل ٹھہرا کر تحفظ جان کی اہمیت پر جس طرح زور دیا ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہبی اخلاقی یا قانونی لٹریچر میں کہیں نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً. (المائدہ:۳۲)

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔''

حرمت جان کے بارے میں قرآن کے واضح احکامات کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

''لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئی ہیں۔ ہمیشہ کے لئے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی آج تمہارے اس دن اور اس ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی حرمت اس شہر (مکہ) میں ہے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو اور کفار کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔'' (بخاری، ابوداؤد، نسائی)

بعدازاں آپؐ نے اپنی اس نصیحت پر عمل کی اولین مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''زمانہ جاہلیت کے سارے خون اب کالعدم ہیں پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنی ہذیل نے مار ڈالا تھا اب میں معاف کرتا ہوں۔'' (بخاری، ابوداؤد، نسائی)

تحفظ ملکیت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ. (البقرہ/۱۸۸)

حکومت کو اگر کسی کی ذاتی ملکیت اجتماعی مفاد کے تحت اپنے قبضہ میں لینے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ مالک کی مرضی سے معروف معاوضہ ادا کر کے اسے حاصل کرے گا۔

خطبہ حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ نے حرمت جان کے ساتھ حرم مال کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ پہلے ہی نگاہ سے گزر چکا ہے۔ تحفظ ملکیت کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔

''آپؐ نے فرمایا جو شخص اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے۔'' (بخاری)

تحفظ آبرو:

اسلام نے ہر شخص کو یہ حق دیا ہے کہ اس کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا جائے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ نے جان و مال کے ساتھ حرمت و آبرو کا بھی حکم دیا ہے۔

قرآن مجید میں بھی ارشاد باری ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ.

''اے نبی ﷺ! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔''

نبی کریم ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں لوگوں کو بلاوجہ مارنے پیٹنے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے سے منع کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

مسلمان کی پشت محترم ہے (اس کی پٹائی نہیں کی جا سکتی) الا یہ کہ اس نے سزا کے قابل جرم کیا ہو۔ جس نے بلاوجہ کسی مسلمان کو مارا اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضب ناک ہوگا۔

دور جاہلیت کا خاتمہ:

دور جاہلیت کے تمام فریقوں کے مطالبات قصاص منسوخ کئے گئے اور سب سے پہلے عامر بن ربیعہ بن حارث کے خون کا مطالبہ ساقط کرتا ہوں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام مناصب کالعدم کئے جاتے ہیں سوائے متولی (یعنی بیت اللہ کی دیکھ بھال کرنے کا منصب) اور سقایہ (حاجیوں کے لئے آب رسانی) کے قتل عمد کا قصاص لیا جائے گا شبہ قتل عمد جو پتھر یا لاٹھی کی ضرب سے ہو اس کی دیت سو اونٹ ہیں۔ جو شخص اس میں اضافہ کرے گا وہ اہل جاہلیت میں شمار ہوگا۔

Scanned with CamScanner

"اے لوگو! شیطان اس بات سے تو ناامید ہوگیا ہے کہ اب تمہاری سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے لیکن وہ اس پر بھی خوش ہوگا کہ اس کے علاوہ دیگر گناہوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم ہلکا سمجھتے ہو۔"

حق مساوات:

قرآن دنیا کے تمام انسانوں کو بحیثیت انسان مساوی قرار دیتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ. (حجرات:۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

پہلی بات خطبہ حجۃ الوداع میں زبان رسالت ﷺ سے ان الفاظ میں ادا ہوئی:

"کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر ماسوا تقویٰ کے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔" (بخاری و مسلم)

قرآن اور پیغمبر کے ان ارشادات کی رو سے بنیادی انسانی حقوق کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

عورتوں کے حقوق:

ایک اور اصولی حق جو ہمیں قرآن مجید میں معلوم ہوتا ہے اور حدیث میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں، یہ ہے کہ عورت کی عظمت ہر حال میں واجب الاحترام ہے۔ آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

"لوگو! تمہارے اوپر جس طرح تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ

تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ سلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی کام کھل کر بے حیائی کا نہ کریں پس اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اجازت ہے۔ (ان کی اصلاح کے لئے) ان کو جدا کر سکتے ہیں۔ خواب گاہوں سے الگ کر سکتے ہیں علاوہ ازیں ایسی بدنی سزا دے سکتے ہیں جو نشان ڈالنے والی نہ ہو۔ پھر اگر باز آ جائیں اور تمہاری اطاعت میں چلیں تب قاعدے کے مطابق ان کا نان نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔ یقیناً وہ تمہارے تحت ہیں جو اپنے لئے بذات خود کچھ نہیں کر سکتیں۔ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں رکھا ہے۔"

غلاموں کے حقوق:

"اے لوگو! غلاموں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ ان سے انصاف کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔"

سود کی حرمت:

"دور جاہلیت کا ہر سود معاف ہے۔ (اس قانون کی ابتداء بھی میں اپنے خاندان سے کرتا ہوں) اور اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔"

قرض کی ادائیگی:

ارشاد فرمایا: "قرض ادا کیا جائے گا۔ امانتیں واپس کی جائیں گی۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔"

اطاعت امیر (میرٹ کا حق):

ارشاد فرمایا:

"اگر کوئی ناک کٹا اور سیاہ فام حبشی بھی تمہارا امیر بنادیا جائے اور وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔"

Scanned with CamScanner

تمسک بالقرآن اور غلو سے اجتناب:

ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد اب کوئی نئی امت نہیں۔''

''میں تم میں ایک نعمت چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم مضبوطی سے اسے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ نعمت اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے۔ مزید ارشاد فرمایا ''لوگو مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہو گئیں۔''

حرمت والے مہینے:

اے لوگو! مہینوں (یعنی حرام مہینوں) کا اول بدل کفر کے طریقے میں اضافہ ہے اور اس کے ذریعے سے کفار مزید گمراہی میں پڑتے ہیں یعنی وہ ایک وقت تو کسی مہینے کو حلال قرار دیتے ہیں اور دوسرے وقت اسی مہینے کو حرام قرار دیتے ہیں تاکہ وہ آگے پیچھے کر کے خدا کے حرام کردہ مہینوں کی فقط گنتی پوری کر دیں۔

یقیناً آج زمانہ اسی حالت پر آ گیا ہے جب کہ خدا نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مہینوں کی تعداد قطعی طور پر بارہ ہے اور جب اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ تعداد اس کی کتاب (نوشتہ تقدیر) میں اسی طرح ثبت ہے۔ اس میں چار مہینے حرام ہیں تین متواتر یعنی ذی القعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور رجب جو جمادی الاخر اور شعبان کے درمیان ہے آگاہ رہو! کہ میں نے یہ بات پہنچا دی ہے اور اے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔''

میراث کا تعین:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے میراث میں سے ہر وارث کے لئے حصہ مقرر کیا ہے اور ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

بچہ اس کا جس کے بستر میں (نکاح میں) تولد ہوا اور بدکار کے لئے پتھر، جس نے اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے کو باپ قرار دیا جس غلام نے اپنے آقا کے علاوہ اور کو آقا ظاہر کیا

تو ایسے شخص پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی طرف سے لعنت ہے۔ اس کے لئے قیامت کے دن کوئی عوض یا بدلہ نہ رکھا جائے گا۔''

جنت کی راہ:

لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی آئے گا نہ تمہارے بعد کوئی امت پیدا ہوگی۔ خوب سن لو، اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ مال کی زکوٰۃ خوشی خوشی دو۔ خانہ کعبہ کا حج کرو۔ اپنے حاکموں کے فرمانبردار رہو۔ اس کی جزا یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

تکمیل دین:

خطبہ حجۃ الوداع کے فوراً بعد میدان عرفات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تکمیل دین کے لئے آخری وحی نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدۃ:۳)

''آج تمہارا دین مکمل ہوا۔ میں نے تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔ اسلام کو دین کے طور پسند کیا۔ آپؐ نے فرمایا اچھی طرح سن کر تم میں سے جو حاضر ہے اسے چاہیے کہ یہ باتیں وہ غائب کو پہنچا دے شاید ان سے وہ جسے یہ پہنچے اس کا زیادہ محافظ ہو بہ نسبت ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اسے سن لیا ہے۔''

عمومی گواہی:

رسول اللہ ﷺ نے اس خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا:

ہاں! بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ہے؟ لوگ کہتے گئے ہاں! بے شک۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہ۔ اور قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دو گے۔ سب نے کہا ہم اس کی شہادت دیں گے کہ آپؐ نے امانت پہنچا دی۔ تب آپ نے اپنی انگشت شہادت کو تین بار آسمان کی طرف اٹھایا اور

Scanned with CamScanner

لوگوں کی طرف جھکایا پھر فرمایا اے خدا! تو گواہ رہ، اے خدا! تو گواہ رہ، اے خدا! تو گواہ رہ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ۔

حرف آخر:

آنحضور ﷺ کے پیش کردہ یہ بنیادی انسانی حقوق اس امر کا واضح ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ اسلام میں بنیادی حقوق کا تصور اولین انسان کی پیدائش کے دن سے موجود ہے اور اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حقوق زماں مکاں کی حدود سے ماوراء ہیں اور یہ حقوق ناقابل تغیر ہیں۔ آج جہاں کہیں ان حقوق کی بازگشت سنائی دے رہی ہے وہاں اسلامی تعلیمات کے پرتو سے ہی بنیادی حقوق کا شعور بیدار ہوا ہے۔

اسلامی حقوق کے چارٹر کی خوبی یہ ہے کہ اس کے پیش کرنے والے پیغمبر اسلام نے منشور کے ہر آرٹیکل پر خود عمل کر کے دنیا کے سامنے عملی نمونہ پیش کر دیا تھا۔ ایک مغربی دانش ور کے بقول آنحضور ﷺ کے اس فرمان پر کہ:

"کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں الا بالتقویٰ اقوام متحدہ کی بتیس دفعات کو قربان کیا جا سکتا ہے جو لمبے چوڑے دعوؤں کے باوجود گورے اور کالے کے فرق سے اب تک نجات نہیں دلا سکی۔"

نبی کریم ﷺ کی معاشی حکمت عملی

قبل از اسلام معاشی حالت:

اسلام سے قبل اہل عرب معاشی لحاظ سے بالکل غریب، کمزور اور مفلوک الحال لوگ تھے۔ ان کا معیار زندگی بہت پست تھا۔ وہ عام طور پر اونٹ کے بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے اور بھیڑ، بکری اور اونٹ کے دودھ پر بسر اوقات کرتے تھے۔ وہ جنس کا جنس سے تبادلہ کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے روپیہ پیسہ کی شکل بھی نہ دیکھی تھی۔ اس معاشی بدحالی کے اسباب میں عرب کے خود جغرافیائی حالات کے ساتھ معاشرہ میں دولت اور پیدائش دولت کے ذرائع کی غیر منصفانہ تقسیم تھی۔ عرب معاشرہ معاشی طور پر عدم توازن کا شکار تھا، مزید برآں شراب نوشی، مسلسل خانہ جنگیوں، وراثت کی تقسیم کے غلط قانون اور سودی نظام نے عرب معاشرہ کی معاشی بدحالی کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔

بعثت نبویؐ:

آنحضور ﷺ بعثت کے وقت معاشی طور پر خودکفیل تھے۔ اپنی جوانی میں تجارت کے ذریعے کافی دولت کمائی ہوئی تھی پھر حضرت خدیجہؓ سے نکاح سے آپ ﷺ کو مزید معاشی خوشحالی حاصل ہوئی تھی۔ جب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو آپ ﷺ مکہ کے استحصالی نظام، اخلاقی انحطاط اور مشرکانہ ماحول سے بیزار ہو گئے اور آپ ﷺ کھانے پینے کا سامان ساتھ لیتے اور راہ حق اور معبود حقیقی کی تلاش میں غار حرا میں تشریف لے جاتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے حتیٰ کہ آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ نبوت کے اعلیٰ مرتبہ سے سرفراز ہوئے۔ نبوت سے قبل بھی آپ ﷺ نے اپنی دولت غرباء، مساکین کے لئے وقف کر دی تھی۔ چنانچہ پہلی وحی کے موقع پر آپؐ کو حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا:

Scanned with CamScanner

"اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی غمگین نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں، غریبوں کا مالی بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کے مددگار، مہمانوں کی خاطرداری اور مساکین کے غم خوار ہیں۔"

اسلام پر اولین ایمان لانے والے لوگوں کی اکثریت معاشی طور پر مفلوک الحال تھی۔ آپؐ نے ان لوگوں کو حتی المقدور معاشی سہارا دیا۔ آپؐ کے چچا ابوطالب کی مالی حالت کمزور تھی اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی معاشی کفالت میں لے لیا تھا۔ متعدد غلام اور لونڈیاں جو اسلام کی پاداش میں کفار کے مظالم کا نشانہ بن رہے تھے آپ ﷺ کی ترغیب پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان میں سے اکثر کو خرید کر آزاد کر دیا۔ ان میں حضرت بلالؓ عامر بن فہیرہؓ نہدیہؓ اور ام عبیسؓ قابل ذکر ہیں۔

اسلام دشمنی میں قریش نے بنی ہاشم سے معاشرتی اور معاشی مقاطعہ کیا تو آپ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے اور بڑی تنگی اور عسرت سے گزارا کیا لیکن آپ ﷺ نے بڑے صبر اور استقامت سے یہ تکالیف برداشت کیں اور اپنے رفقاء کو بھی صبر، تحمل اور استقامت کی تلقین کرتے رہے حتیٰ کہ آپ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا اور خود بھی مدینہ ہجرت فرما گئے۔

مواخات مدینہ:

آنحضور ﷺ نے نبوت کے تیرہ سال مکہ میں بسر کرنے کے بعد، مدینہ میں ہجرت فرمائی۔ مکہ معظمہ سے آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی اپنے گھربار چھوڑ کر خالی ہاتھ آئے تھے۔ پریشان تھے نہ ان کا کوئی ذریعہ معاش تھا اور نہ سر چھپانے کی جگہ۔ اس پریشان کن مسئلہ کو نبی کریم ﷺ نے جس تدبر اور حکمت سے حل فرمایا اس سے پہلے اس قسم کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں تقریباً سو اصحاب موجود تھے جس میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ مہاجرین میں سے ایک ایک فرد کی معاشی کفالت انصار کے ذمے ڈالتے ہوئے فرمایا: تَآخَوْا فِي اللّٰهِ أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ یعنی اللہ کی خاطر دو دو آدمی بھائی بھائی بن جاؤ اس طرح آپ نے ایک اخلاقی اپیل کے ذریعے آبادکاری کے اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کر دیا۔ آپ ﷺ کی معاشی حکمت عملی کی یہ بہترین مثال تھی۔

سلطان دو جہاں ﷺ کی معاشی زندگی

انسانی زندگی کی ابتداء سے اب تک اس خطہ ارضی پر لاتعداد مصلحین، مفکرین اور فاتحین گزرے ہیں جنہوں نے اپنے نظریات کے ذریعے بنی نوع انسان کی مادی اور معاشی فلاح و بہبود میں اضافہ کا پروگرام تشکیل دیا۔ افلاطون، ارسطو سے لے کر دور حاضر کے کارل مارکس اور لینن تک سب نے انسانی مصائب و تکالیف کے مداوے کے لئے خوش کن نظریات اور نئے نئے منشور پیش کئے لیکن ان میں سے اکثر کے منشور مظلوم طبقات کے مسائل کو حل نہ کر سکے کیونکہ ان لوگوں نے جو نظریات پیش کئے تھے وہ خود بھی ان پر عمل پیرا نہ ہو سکے۔ اس طرح انہوں نے اپنی عملی زندگیوں سے بھی اپنی تعلیمات کا ابطال کیا۔ اس جہاں فانی میں صرف انبیائے کرام ہی وہ عظیم الشان انسان ہیں جنہوں نے نہ صرف انسان کی معاشی فلاح و بہبود کے اصول فراہم کئے بلکہ خود بھی ان پر عمل کر کے دکھایا۔ اس مقدس قافلہ کے سالار شہنشاہ دو عالم حضرت محمد ﷺ کا مقام و مرتبہ اس لحاظ سے بلندترین ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے ایک اعلیٰ و ارفع مکمل معاشی نظام پیش کیا اور امت کو جو تعلیم دی خود اس پر پہلے عمل کر کے دکھایا۔ شہ لولاک ﷺ کی تریسٹھ سالہ زندگی ہر قسم کے تکلف سے پاک، سادگی، درویشی اور فقر کا بہترین نمونہ تھی لیکن یہ فقر اضطراری نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا جو ایک مسلمان حکمران کا اسوہ حسنہ ہے۔

مسند احمد بن حنبل اور ترمذی میں حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے پروردگار نے مجھے فرمایا کہ آپ کے لئے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیا جائے گا، میں نے کہا، نہیں۔ اے میرے پروردگار میں تو چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں، تجھ کو یاد کروں اور جس دن سیر ہو کر کھاؤں، تیری تعریف کروں اور تیرا شکر کروں۔"

مکی زندگی کا کٹھن و پُرمصائب دور ہو یا مدنی زندگی کی خوشحالی و فراوانی، آنحضور ﷺ کی زندگی میں وہی سادگی اور درویشی رہی۔ پورے عرب کی دولت دارالخلافہ مدینہ میں جمع ہو چکی تھی اور ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق آپ ﷺ کی زندگی میں ہی دس لاکھ سے زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ ﷺ کے زیر اقتدار آ چکا تھا۔ (عہد نبوی کے میدان جنگ ص ۷) لیکن آپ کی زندگی سادہ تھی۔

Scanned with CamScanner

لباس وخوراک:

آپؐ عیش وعشرت، ناز ونعمت اور پُرتکلف زندگی کو ناپسند کرتے تھے اور اپنے صحابہ کو بھی ان ناپسندیدہ باتوں سے روکتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لئے، ایک بیوی کے لئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔ آپؐ کا بستر نہایت سادہ ہوتا تھا۔ نیچے بچھانے کے لئے یا تو آپؐ کمبل استعمال کرتے تھے یا چمڑے کا گدا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا:

''اگر چاہتی ہو کہ قیامت کے دن میرے ساتھ رہو تو درویشانہ گزر بسر کرو اور کپڑے کو اس وقت تک نہ بدلو جب تک اس میں پیوند نہ لگ جائیں۔'' (کیمیائے سعادت)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ بعض اوقات پورا مہینہ اس طرح گزر جاتا کہ گھر میں آگ نہیں جلتی تھی اور اس وقت ہمارا کھانا صرف کھجوریں اور پانی ہوتا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے پُرتکلف کھانوں سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے حتیٰ کہ معمولی اور سادہ غذا بھی کم استعمال کی۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ ملتے ہیں:

''آلِ محمد ﷺ نے پے در پے دو دن جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے۔''

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھ پر تیس رات اور دن ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے لئے کوئی چیز نہ تھی جس کو کوئی جگر والا کھائے مگر تھوڑی سی چیز جس کو بلال کی بغل چھپاتی تھی۔''

سنن ابی داؤد میں حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے جو کی روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس پر کھجور رکھی اور فرمایا، یہ اس کا سالن ہے اور کھا لیا۔ (مشکوٰۃ)

زیب وزینت اور شاہانہ طرز زندگی سے ہمیشہ نفرت رہی۔ آپ ﷺ کے لباس یعنی کمبلی اور تہمند کی مجموعی قیمت دس درہم تھی۔ کبھی زیادہ نہ ہوتی تھی اور اس پر بھی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ لباس میں نمائش سخت ناپسند تھی اور سامان نمائش سے طبعی نفرت تھی۔

سادہ رہائش:

حضرت حسین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے گھر کی تمام چھتوں تک ہاتھ پہنچتا تھا یعنی وہ زیادہ بلند نہ ہوتی تھیں۔

مسجد نبوی سے متصل آپ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کے لئے حجرات بنائے۔ یہ حجرات کچی اینٹوں کے بنے ہوئے تھے۔ تمام حجرے چھ ہاتھ چوڑے اور دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو سکتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بوریہ پر سوئے تھے اور پھر اٹھے اور اس کے نشانات کا اثر آپ ﷺ کے جسم مبارک پر تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا، حضرت! اگر آپ حکم دیں تو ہم آپ کے لئے بستر بچھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا دنیا سے کیا تعلق۔ میرا اور دنیا کا حال ایسا ہے جس طرح ایک سوار سایہ دار درخت کے نیچے سایہ میں بیٹھتا ہے پھر چل کھڑا ہوتا ہے اور اس درخت کو چھوڑ دیتا ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر جس پر آپ سوتے تھے، چمڑے کا تھا جس میں کھجور کا پوست بھرا ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں، میں ایک دفعہ آپ ﷺ کو ملنے کے لئے حجرہ میں داخل ہوا۔ دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ ایک کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں جو کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی اور اس پر کوئی بستر نہیں تھا۔ کھجور کی چٹائی کے نشان آپؐ کے پہلو مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک پیوند دار چادر اور ایک موٹا تہمند نکالا اور کہا، رسول اللہ ﷺ ان دو کپڑوں میں فوت ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فوت ہونے کے بعد درہم و دینار نہ چھوڑے اور نہ بکریاں اور نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔''

میجر اے لیونارڈ لکھتا ہے:

''اگر کبھی کسی انسان نے اپنی زندگی خدا کے لئے ایک اچھے اور پاکیزہ جذبے کے تحت مکمل سادگی سے بسر کی ہے تو یقینی طور پر وہ انسان پیغمبر عربی ہیں۔''

Scanned with CamScanner

الغرض آپؐ نے سادگی اور عسرت کی زندگی برضا و رغبت اختیار کر رکھی تھی۔ آپؐ نے ایک مسلمان حکمران کو سادہ زندگی کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ. بقول احمد رضا خاں بریلوی ؎

کل جہاں ملک اور جَو کی روٹی
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

ذرائع آمدنی

نبی کریم ﷺ اسلامی ریاست مدینہ کے دس سال تک حکمران رہے۔ آپؐ کے دور میں اسلامی سلطنت کی آمدنی کے ذرائع اور ان کا مصرف حسب ذیل تھا۔

۱۔ مالِ غنیمت:

میدان جنگ میں دشمن (کفار) کو شکست دینے کے بعد جو مال و دولت اور سامان حرب فاتحین (مسلمانوں) کے ہاتھ لگتا تھا مال غنیمت کہلاتا تھا۔ شرع اسلامی کے مطابق اس مال غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ مرکزی حکومت کو بھیج دیا جاتا تھا اور باقی ماندہ 4/5 سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا جو میدان جنگ میں شریک ہوتے، خمس کو ریاست کے اخراجات میں لایا جاتا تھا۔

مال غنیمت کی آمدنی مستقل نہ تھی بلکہ جب کبھی دشمن کو شکست دی جاتی تو یہ مال حاصل ہوتا تھا۔ قرآن کریم اسے خدا کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ آنحضور ﷺ خمس نکالنے کے بعد تمام مال غنیمت کو سپاہ میں تقسیم کرتے تھے۔ سواروں کو دو اور بعض روایتوں کے مطابق تین حصے ملتے تھے جبکہ پیدل سپاہیوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔ خمس کا مال آپ عموماً محتاجوں اور مسافروں پر خرچ کر دیتے تھے۔

۲۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ کی ادائیگی صرف ان بالغ مسلمانوں پر فرض تھی جو صاحب حیثیت ہوں اس سے انکار، بغاوت کے مترادف تصور کیا جاتا ہے۔ اس کا اطلاق ہر مال و دولت نقدی، سامان تجارت، مویشیوں یا چھوٹے چوپایوں اور پھل دار اور دیگر زرعی پیداوار پر ہوتا تھا بشرطیکہ ان کی

مقدار ایک خاص حد یا نصاب سے زائد ہو اور وہ ادا کنندہ کی ملکیت میں مکمل ایک سال تک رہے۔ دو سو درہم چاندی، بیس مثقال سونا، چالیس روپے نقد، پانچ عدد اونٹ، بیس عدد مویشی اور چالیس عدد بھیڑ بکری سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ نقدی، سونا چاندی اور مال تجارت پر شرح زکوٰۃ ڈھائی فی صد تھی۔ جانوروں پر زکوٰۃ عائد کرنے کا طریقہ مختلف تھا اس میں جانوروں کی تعداد اور عمر کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔

مصارف زکوٰۃ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے والے عمال کی تنخواہ اور وصولی و تقسیم کے دیگر اخراجات ادا کرنے کے بعد فقیروں، مسکینوں، مقروضوں، مسافروں اور نومسلموں کی امداد بھی شامل تھی۔

زکوٰۃ کا نظام امت مسلمہ کے افراد میں قانون الٰہی کی پیروی کے ساتھ ساتھ سخاوت و مروت اور ایثار و قربانی کے جذبات کی نشوونما کرتا ہے۔ اس کے برعکس دنیاوی مال و دولت کی بے جا محبت، بخیلی اور خودغرضی کے جذبات کی بیخ کنی کرتا ہے چونکہ زکوٰۃ کی نوعیت ایک مذہبی فریضہ کی ہے۔ اس لئے اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندے اس کی ادائیگی سے مستثنیٰ ہیں۔

۳۔ عشر:

مسلمانوں سے جو لگان اراضی وصول کیا جاتا ہے اسے عشر کہتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی زکوٰۃ تھی اس کے اطلاق کے لئے ایک سال کی متواتر ملکیت ضروری نہیں ہے۔ ندی نالوں اور بارش کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار پر اس کی شرح دس فی صد تھی مگر جو زمین مصنوعی آبپاشی کے ذریعے سیراب کی جاتی اس پر پانچ فی صد عشر (زکوٰۃ) لی جاتی تھی۔

۴۔ صدقات:

زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ وہ تمام رقوم جو مسلمان رضاکارانہ طور پر خیراتی کاموں پر خرچ کرنے کے لئے بیت المال میں جمع کراتے ہیں، "صدقات" کہلاتی ہیں۔ ان کا مصرف بھی زکوٰۃ کی طرح ہوتا ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر اسی قسم کی رقوم سے لشکر اسلام کی تیاری کا سامان کیا گیا تھا۔

Scanned with CamScanner

۵۔ جزیہ:

جزیہ ایک ایسا ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت صرف غیر مسلموں سے ہی وصول کرتی ہے اور اس کے بدلے میں حکومت ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کرتی تھی۔ اسلامی قانون کے مطابق فوجی خدمات ہر مسلمان کے لئے لازمی تھیں۔ لیکن چونکہ غیر مسلم رعایا اس سے مستثنیٰ تھی اس لئے فوجی خدمات کے عوض میں ان سے جزیہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا جو غیر مسلم مسلمانوں کی پناہ میں چلے جاتے ہیں اور جزیہ ادا کرتے تھے انہیں ذمی کہا جاتا ہے۔ اگر اسلامی حکومت کسی وجہ سے غیر مسلم آبادی کی حسب وعدہ حفاظت کرنے سے معذور ہو جاتی ہے تو اسے جزیہ کی رقم واپس کردی جاتی تھی۔ اگر کوئی غیر مسلم فوج میں بھرتی ہوکر مسلمانوں کے شانہ بشانہ جنگ میں شریک ہوتا تو اُس جزیہ کا ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ تاہم بوڑھے، اپاہج، مفلس، عورتیں، بچے اور راہب بھی جزیہ ٹیکس سے مستثنیٰ تھے۔ غیر مسلم جنگی خدمات کے عوض معمولی سی رقم جزیہ کے طور پر بجوشی ادا کرتے تھے اور اس کی ادائیگی کو عار نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس کی ادائیگی سے وہ ہر نوع کے اندرونی اور بیرونی خطروں سے محفوظ ہو جاتے تھے لیکن بعض غیر مسلم مورخین نے محض مذہبی تعصب کی وجہ سے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی غرض سے جانب دارانہ تنقید کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جزیہ ایک مذہبی ٹیکس ہے جو مسلمان غیر مسلموں سے وصول کرتے ہیں۔ انہوں نے جزیہ ٹیکس کو اسلامی عدل و مساوات کے اصول کے منافی قرار دیا ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ جزیہ کی ایک ادنیٰ سی رقم ادا کرکے ذمی (غیر مسلم) نہ صرف اپنی جان و مال کی حفاظت کے بارے میں مطمئن ہوجاتے ہیں بلکہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی مستثنیٰ ہوجاتے تھے جو مسلمانوں پر فرض تھی حالانکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے باوجود فوجی خدمت مسلمانوں کے لئے لازمی تھی۔ مزید برآں یہ کوئی نیا ٹیکس نہیں تھا جسے مسلمانوں نے ایجاد کیا ہو بلکہ ایرانیوں کے ہاں بھی یہ ٹیکس عائد تھا اور رومی اسے بڑی بیوٹم کیپٹس (BRIBUTUM CAPITIS) کے نام سے وصول کرتے تھے۔ ایرانی اپنی غیر ایرانی اور رومی اپنے غیر رومی رعایا سے ہمیشہ یہ ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

۶۔ خراج:

غیر مسلم رعایا سے جو لگان اراضی وصول ہوتا تھا اسے خراج کہتے تھے۔ خراج کی شرح کل

پیداوار کا 1/2 حصہ تھی۔ خیبر فتح ہوا تو دستور وقت کے مطابق یہودیوں نے تمام زرعی زمینوں پر فاتح مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کر لی لیکن آنحضور ﷺ نے یہود کی درخواست پر زمین کا بیشتر حصہ ان کے قبضہ کاشت میں رہنے دیا اور یہودیوں نے پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کرنے کا عہد کیا۔ آنحضور ﷺ نے خراج کے تخمینے اور اس کی وصولی پر عبداللہ بن رواحہ کو مامور کیا جو ہر سال خیبر جاتے اور پیداوار کا نصف حصہ وصول کر لاتے۔ خیبر کے علاوہ فدک، وادی القریٰ سے بھی خراج وصول کیا جاتا تھا۔ خراج کی آمدنی بھی فوج کی مضبوطی اور دفاع پر خرچ کی ہوتی تھی۔

۷۔ فئے:

فئے کی اصطلاح اس جاگیر زمین یا جائیداد کے لئے استعمال کی جاتی تھی جو مفتوحہ علاقوں میں براہ راست حکومت کے زیر قبضہ ہو۔ ان سے وصول شدہ آمدنی آنحضور ﷺ کی مرضی سے ان کے اعزہ، افراد خانہ، یتیموں، غریبوں، مسافروں اور بنوہاشم کے مستحق افراد پر خرچ ہوتی تھی۔ فدک کا مشہور خطہ جو نواح خیبر میں تھا اسی ذیل میں شمار ہوتا ہے، یہ آپ کے قبضہ میں تھا۔

معاشیات کی اہمیت:

آج کی دنیا میں معاشیات کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔ معاشرے کے لئے معاشی انصاف کے بغیر سکون سلامتی کا حصول ناممکن ہے اور قوموں کے لئے معاشی استحکام کے بغیر سیاسی آزادی کو بھی برقرار رکھنا محال ہوجاتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان اس حقیقت کے شعور پر بھی بے چین اور مضطرب ہے کہ دنیا میں دولت کی فراوانی، وسائل پیداوار کی محیرالعقول ترقی اور بے مثال معاشی ارتقاء کے باوجود غربت، افلاس، بے روزگاری اور معاشی اور معاشی ظلم کا دور دورہ ہے۔ آج بھی انسانی آبادی کا ساٹھ فی صد حصہ نان شبینہ کا محتاج ہے۔ افلاس و غربت اس کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ اس کے پاس نہ پیٹ بھرنے کو روٹی نہ بدن چھپانے کو لباس اور نہ سر ڈھانپنے کو معقول مسکن۔ جب ہم ان مسائل پر غور کرتے ہیں تو ہمیں لازماً معاشی نظام کے مسئلے پر اور ان اصولوں پر جن کی بنیاد پر معاشی زندگی کو مرتب کیا جاتا ہے غور کرنا پڑے گا۔ یہ مسئلہ ہمیں بہ حیثیت ایک ملک کے درپیش ہے۔ مسلمانوں کو پوری دنیا میں بحیثیت ایک ملت کے بھی اس سے سابقہ ہے لہٰذا اس مسئلے کے پیش نظر ہم نبی کریم ﷺ کی معاشی حکمت عملی پر گفتگو کریں گے۔

Scanned with CamScanner

نبوی معاشی نظام کے اہم اصول

آنحضور ﷺ نے جو معاشی نظام پیش کیا وہ مندرجہ ذیل اصولوں پر مشتمل تھا:

۱۔ معاشیات اور اخلاق و مذہب:

سب سے پہلے آپؐ نے فرد اور جماعت دونوں کے ذہن میں اس باطل نظریے کو ختم کیا کہ اخلاق اور مذہب کا تعلق معاشی زندگی سے نہیں اور تجارت تو بس تجارت ہے۔ قرآن پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

"مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (الجمعہ ۹:۱۰)

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو "فضل اللہ" کہا گیا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ معاشی زندگی کو بھی مسلمان اسی طرح خدا کی حدود کا پابند بنائے۔ جس طرح باقی زندگی کو ان مقاصد کی تحصیل کے لئے استعمال کرے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے اسلام نے مقرر کئے ہیں اس لئے مسلمانوں کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (النور: ۲۷)

"وہ لوگ جنہیں خرید و فروخت اور تجارت خدا کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔"

خدا کے ذکر کا بڑا وسیع مفہوم ہے اس کے معنی یہ ہے کہ ہر حال میں وہ خدا کو یاد رکھتے ہیں اور اس کی رضا کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اسی طرح معاہدہ لکھنے اور صحیح گواہی دینے کو تقویٰ قرار دیا گیا ہے اور ناپ تول میں کمی کو ایسا عظیم گناہ کہا جس کی وجہ سے حضرت شعیب کی قوم کا تختہ الٹ دیا گیا۔ یہ وہ بنیادی نقطہ نظر ہے جو آنحضور ﷺ نے دیا اور جس کی بنیاد معاشیات اور اخلاق کی ہم آہنگی پر ہے۔

۲۔ معاشی جدوجہد اور اس کا مقصد:

اسلام نے ساری زمین بلکہ پوری کائنات کو انسان کے لئے میدان عمل قرار دیا ہے اور انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنی معاش کے حصول اور خلق خدا کی فارغ البالی کے حصول کے لئے جدوجہد کرے۔

سرمایہ دارانہ معیشت میں اصل اہمیت کثرت نفع کو حاصل ہوتی ہے جبکہ اسلامی معاشیات میں پیداوار کی تکثیر اور خدا کے بندوں کے لئے سامان معاش کی زیادہ سے زیادہ فراوانی کا حصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ.

"اور بے شک ہم ہی نے زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے سامان معاش پیدا کیا۔" (الاعراف:۱۰)

حصول رزق کی ترغیب:

اس بنیادی حقیقت کے اظہار کے بعد اسلام نے انسانوں کو مختلف طریقوں سے محنت، معاشی جدوجہد اور حصول رزق کی کوشش پر اکسایا ہے اور اس طرح ہر شخص کو فروغ پیداوار کے لئے سرگرم کر دیا ہے۔

ا۔ بے عملی، بے روزگاری اور گداگری:

اس کو اسلام نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اس پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور رزق کی تلاش نہ کرے اور یہ کہتا رہے کہ اللہ مجھے رزق عطا فرما۔ تم کو (دعا کے ساتھ) اس کے لئے جدوجہد بھی کرنی چاہیے کیونکہ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا چاندی برساتا نہیں۔ (المدینہ والاسلام)

اور ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے کام کرنا بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لئے ہوئے آؤ۔

Scanned with CamScanner

(ب) پھر مثبت طور پر رزق کی جدوجہد کی ترغیب دی اور سے ہر مسلمان پر فرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی تلاش سے غافل ہو کر سو نہ رہو۔ (کنزالعمال) ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی عزت غنا اور فراغ دستی ہے اور آخرت کی شرافت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ (کنزالحقائق)

اور خود قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا.

''اور دنیا میں جو تمہارا حصہ ہے اسے بھول نہ جاؤ۔ (القصص:۷۷)

نبی اکرم ﷺ نے کسب حلال کو "فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ."

یعنی نماز کے بعد سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے۔ اسلام کے نقطہ نظر پر ایک واقعے سے روشنی پڑتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو دیکھا جو خستہ حال تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تمہارے پاس کچھ ہے۔'' انہوں نے بتایا: ''ہاں دو درہم ہیں۔'' آپ ﷺ نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خرید دی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا، اس طرح آپ ﷺ نے محنت کی کمائی اور ہاتھ کے استعمال کی ترغیب دی۔

صنعت و حرف کے ذریعے سے روزی کمانے کی تکمیل انسان پر فرض (کفایہ) ہے۔ بعض گناہوں کا کفارہ روزی کمانے میں مغموم و متفکر رہنا ہے اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ سوال سے بچے اور اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسائے کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودہویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔ (ابونعیم فی الحلیہ بحوالہ ''اساس تہذیب'')

ان آیات و احادیث سے محنت اور معاشی جدوجہد کی اہمیت ہمارے سامنے آتی ہے اور انہی کی روشنی میں پیداوار کو بڑھانے اور معیشت کو تقویت دینے کی پالیسی معاشی نظام کا ایک اہم جزو قرار پاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ میں معاشی جدوجہد کو فرض عین اور پیداوار کو فروغ دینے کی کوشش کو فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے۔ ردا میں ہے:

ومن فروض الكفاية الصناعة المحتاج. ضروری صنعتوں کا قیام فرض کفایہ ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اسلام کی معاشی جدوجہد کو بڑی اہمیت دی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام انسانوں کے لئے معاشی سہولتیں فراہم

کی جائیں۔ قدرت نے جو وسائل ودیعت کئے ہیں ان کو ترقی دی جائے۔ پیداوار کو اس امکانی حد تک بڑھایا جائے اور رزق کے خزانوں کو چند ہاتھوں میں اس طرح مرکوز نہ کیا جائے کہ دوسروں پر اس کے دروازے بند ہو جائیں۔ اسے علم معاشیات کی اصطلاح میں پیداوار کی تکثیر اور وسائل پیداوار کی بہترین تقسیم کہا جاسکتا ہے۔

(ج) غربت مکاؤ:

غربت کا مسئلہ بھی نبی پاک ﷺ کی معاشی پالیسی میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ محمدی معاشی پالیسی کے مقاصد میں غربت کے انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔ بعثت نبوی کا سب سے اہم مقصد کفر کا استیصال ہے اور چونکہ فقر و فاقہ انسان کو کفر کی طرف لے جاتا ہے، اس لئے نبی پاک ان کو اپنا بنیادی ہدف سمجھتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لئے ایک گھر ہو، جس میں وہ رہ سکے اور کپڑا ہو جس میں وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے پانی ہو۔'' (ترمذی)

اسلام اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ سب کو حصول رزق کے مواقع دے اور پھر مثبت طور پر ایسی پالیسی بنائے جس سے غربت و افلاس ختم ہوں اور انسانوں کو ان کے بنیادی ضرورتیں لازماً حاصل ہوں۔

آنحضور ﷺ نے تنگی کو دور کرنے کا طریقہ حصول رزق کی کوشش اور پیداوار بڑھانے کے ذرائع کی طرف رجوع قرار دیا ہے اور محض غربت معیار زندگی کے گرنے کے خطرے اور قلت وسائل کے واویلے سے انسان کشی اور نسل کشی کی پالیسی کی اجازت نہیں دیتا۔ معاشی مسئلے کا اصل حل معیشت کو فروغ دینا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود ہیں۔'' (کنوز الحقائق)

''عورت کو گھر میں خالی بیٹھے رہنے کی بجائے چرخہ کاتنا اچھی کمائی کا مشغلہ ہے۔'' (خنوز الحقائق)

Scanned with CamScanner

"رسول اللہ ﷺ نے مالداروں کو حکم دیا ہے، بکریاں پالیں اور غریبوں کو حکم دیا ہے کہ مرغیاں پالیں تا کہ فراخی حاصل کریں۔" (ابن ماجہ)

اس طرح آپؐ نے ہر فرد اور پوری قوم کی توجہ معاشی وسائل کی ترقی اور پیداواری وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھانے پر مرکوز کی تھی۔ وہ ایک طرح معاشرے میں انصاف اور آزادی کو قائم کرنا ہے اور دوسری طرف غربت و افلاس کا خاتمہ کر کے بہتر معاشی زندگی کا قیام ممکن بنانا ہے۔

۳۔ حلال وحرام کی تمیز:

آپ نے پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہت فروغ کی پالیسی اختیار کرنے کی تلقین کی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگائی کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے۔ ہر نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو دوزخ کی آگ قرار دیا۔ قرآن و حدیث میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوششیں ہوں گی اور ان تمام ذرائع کا کلی انسداد کیا جائے گا جو حرام ہیں اور ان کو شریعت ناروا اور ناجائز قرار دیتی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا.

"اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔" (البقرہ:۱۶۸)

حلال روزی طلب کرنا ایسے ہے جیسے خدا کی راہ میں بہادروں سے لڑنا اور جو شخص حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش کر کے تھک کر رات کو سو جائے تو خدا اس سے راضی ہے۔ (المدینہ والاسلام)

اور حرام کی کمائی اور روزی کے متعلق فرمایا:

"حرام کی روزی سے پرورش پایا ہوا گوشت اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آگ میں ڈالا جائے۔"

یہ ایک ایسا اصول ہے جس سے آج کے دور کی معاشیات بالکل نا آشنا ہے چونکہ اسلام کا اصل مقصد وسائل معاش کی فراوانی نہیں بلکہ ان کا منصفانہ اور عادلانہ استعمال ہے اس لئے معاشی جدوجہد کو حلال اور حرام کا پابند کیا ہے اس طرح ایک کی معاشی جدوجہد دوسرے کے لئے معاشی تکلیف یا معاشرہ کے لئے ظلم اور استحصال کا ذریعہ نہیں بننے پاتی۔ اسلام نے جن چیزوں

کو حرام کیا ہے وہ چیزیں ہیں جو یا تو فرد یا معاشرے کی جسمانی اور اخلاقی زندگی کا نقصان کرتی ہیں اور یا انسانوں کے درمیان حقیقی معاشی تعاون، مساوات، عدل و انصاف کا قیام مشکل کر دیتی ہیں۔

حرمت سود:

آپؐ کے بنیادی معاشی اصولوں میں سے ایک حرمت سود ہے جو معاشی ظلم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں سود کو اس کی ہر شکل میں حرام قرار دیا ہے۔ سود مفرد ہو یا مرکب، ذاتی قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی اور پیداواری قرضوں پر، ایک فرد کے لئے ہو یا پوری قوم کے لیئے، ہر حال میں اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ. (البقرة:۱۷۹)

"پس اگر تم نے سود لینا نہ چھوڑا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔"

علماء کا بیان ہے کہ قرآن مجید میں اتنی شدید دھمکی اور کسی گناہ کے لئے موجود نہیں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

"اے ایمان والو! سود کے کئی کئی حصے بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔" (آل عمران:۱۳۰)

اسی طرح احادیث میں سود کی شدید مذمت آئی ہے:

"جس شخص نے ایک درہم سود جانتے بوجھتے کھایا، یہ چھتیس درجے زنا سے بڑھ کر ہے۔" (مسند احمد) نیز فرمایا، سود کے ستر اجزاء ہیں اس کا ہلکا ترین گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔" (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے سود کھانے والے کو، سود کا کاغذ لکھنے والے کو اور سود کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور ان سب کو برابر قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم) اسلام میں سود کی ممانعت محض اخلاقی بنیادوں پر ہی نہیں بلکہ اس کے خطرناک اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی نقصانات کی بناء پر بھی ہے۔ سود کی لعنت متعدد قدیم معاشروں کی تباہی کا باعث بنی ہے اور آج بھی جدید سرمایہ دارانہ معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ اس کی بنیاد استحصال اور ظلم پر

Scanned with CamScanner

ہے اور اس کی وجہ سے ملک کی معیشت پر چند سرمایہ داروں کا غلبہ ہو جاتا ہے جو صحت مند معاشی جدوجہد کو ختم کر دیتی ہے اور معیشت میں عدم استحکام کا باعث ہوتا ہے۔

۵۔ تجارتی اخلاقیات کا ضابطہ:

آپ نے تجارتی اخلاقیات کا ایک ضابطہ پیش کیا ہے تا کہ اہل تجارت اس کی اتباع کریں۔ یہ ضابطہ اخلاق تجارتی لین دین میں دیانت داری اور صداقت کو فروغ دیتا ہے۔ تجارت کے معاملے میں قرآن مجید کی اصولی ہدایت یہ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.

''اے ایمان والو! اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔''

(النساء:29)

اس آیت ربانی کے ذریعے سے قرآن کریم نے معیشت کے ان تمام ذرائع کو ممنوع قرار دیا ہے جو ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی پر مبنی ہوں۔ معیشت اور تجارت کا دائرہ وہ دائرہ ہے کہ جس میں انسان نے نت نئے ظلم کئے ہیں اور خصوصیت سے اہل سرمایہ اور اہل قوت نے دوسرے فریق پر جو کمزور اور غریب ہو اکثر اپنی مرضی مسلط کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے استحصال کے یہ سارے دروازے بند کر دیئے ہیں اور فرمایا کہ معاشی معاملات کی بنیاد باہمی رضامندی اور تجارت کے حصول پر ہونی چاہیے۔ تجارت میں امانت و دیانت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''امانت دار تاجروں کا حشر صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

(ترمذی)

آپؐ نے فرمایا: ''لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ.'' یعنی ''نہ خود کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ تم دوسروں سے نقصان اٹھاؤ۔''

نیز فرمایا: مَنْ ضَارَّ ضَارَّهُ اللّٰهُ. ''جو تجارت میں دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچاتا ہے۔''

مختصراً قرآن و حدیث میں اصول تجارت حسب ذیل بتائے گئے ہیں۔

(ا) باہمی رضامندی:

تجارت باہمی رضامندی سے ہونی چاہیے۔ دونوں فریق اپنی آزاد مرضی سے زبردستی کے بغیر اپنے معاملات کو طے کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تجارت کی بنیاد ''تعاون باہمی'' پر ہے اور تجارت کی وہ تمام شکلیں جن میں دوسرے فریق کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ خاص شرائط یا معاملات اس پر تھوپ دیئے جاتے ہیں وہ ناجائز ہیں۔

(ب) دیانت:

دوسرا اصول یہ ہے کہ تجارت دیانت کے ساتھ ہو اس میں کسی قسم کا دھوکہ یا بد معاملہ نہ ہو، مال کی اصل کیفیت لوگوں کے سامنے رکھ دی جائے اور ان کو غلط فہمی میں رکھ کر خرید و فروخت پر مجبور نہ کیا جائے۔ اسی طرح جان بوجھ کر دوسرے کو نقصان پہنچانا، معاملے پر معاملہ کرنا، خیانت یا وعدہ خلافی کرنا یہ سب اسلام کی نگاہ میں ممنوع ہیں اسی طرح ناپ تول درست ہونا تجارتی دیانت کا ایک اہم پہلو ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

وَالْوَزْنُ اَمَانَةٌ وَالْكَيْلُ اَمَانَةٌ ''یعنی وزن اور ماپ دونوں امانت ہیں جب تولو تو جھکا کر تولو۔''

(ج) جائز اور مباح کی تجارت:

تیسرا اصول یہ ہے کہ تجارت صرف ان اشیاء کی کی جائے جو جائز اور مباح ہوں۔ وہ تمام اشیاء جن کا استعمال گناہ کی تعریف میں آتا ہے یعنی شراب، بدکاری، خنزیر وغیرہ ان کی تجارت بھی اسلام میں ممنوع ہے۔

(د) ذخیرہ اندوزی کی ممانعت:

پھر آپؐ نے اس بات کی بھی ممانعت کی ہے کہ ضروریات زندگی کو روک رکھا جائے تا کہ ان کے دام بڑھ جائیں اور اس طرح سے منافع میں اضافہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے ایسے تاجر پر لعنت کی ہے۔ ارشاد ہے:

''جو شخص چالیس روز تک اناج کو محض اس لئے ذخیرہ کئے رکھتا ہے کہ مہنگا ہو جائے گا تو فروخت کروں گا۔ وہ اگر تمام غلہ بھی صدقہ کردے تو بھی

Scanned with CamScanner

اس کی بدنیتی کا کفارہ نہیں ہوسکتا۔ نیز آپؐ نے فرمایا: ''غلہ کو روک رکھنے والے اور قاتل کا انجام ایک جیسا ہے۔'' (جمع الفوائد)

مزید ارشاد فرمایا: ''اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالمحتکر ملعون.'' ''یعنی بیرون ملک سے مال لانے والے کو اللہ رزق دیتا ہے اور جو شخص غلہ کو مہنگائی کے انتظار میں روکے رکھے وہ لعنتی ہے۔ نیز ذخیرہ اندوزی کے لئے جزام اور افلاس کی بیماری ہے۔''

ذخیرہ اندوزی اور احتکار کو اسلام نے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر رسول خدا نے لعنت بھیجی ہے۔

(س) جوا اور سٹہ بازی وغیرہ کی ممانعت:

آپؐ نے تجارت کی وہ تمام شکلیں بھی منع کی ہیں، جن کے ذریعہ کسی دوسرے سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہو یا جن میں مناسب محنت کئے بغیر دولت ہاتھ آ رہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سٹہ، لاٹری اور جوئے کی ساری صورتیں اسلام میں ممنوع ہیں۔ جوئے کو قرآن مجید میں شیطانی عمل کہا گیا ہے اور اس کے ذریعے حاصل شدہ کمائی کو حرام قرار دیا گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے کسی ساتھی کو جوا کھیلنے کی دعوت دی لیکن وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنائے تو اس کو چاہیے کہ صدقہ و خیرات دے کہ جوئے سے باز رہنے کے باعث گویا اس سے بلا ٹل گئی۔

(و) اہل تجارت کا ذاتی اخلاق:

احادیث کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل تجارت میں اعلیٰ اخلاق و کردار ہونا چاہیے تاکہ وہ تجارت کا حق ادا کرسکیں اور اسلام کے سچے سفیر بن سکیں۔ ان میں خصوصیت سے دیانت، اور خوش اخلاقی ہونی چاہیے۔ نیز انہیں اپنے صارفین کی خدمت کے جذبے سے کام کرنا چاہیے اور اپنے کاروبار میں پوری دیانت اور دل جمعی سے کام لینا چاہیے تاکہ وہ اپنی قوتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید عامہ مقاصد کے لئے استعمال کرسکیں پھر سب سے بڑھ کر وہ مستقل مزاجی اور اعتدال کے ساتھ کام کریں اور دولت جمع کرنے کی ہوس سے بچے رہیں۔

معاش اور اخلاق میں یہی وہ حسین توازن ہے جو نبی پاک کے معاشی نظام کا امتیاز ہے۔

(ز)۔ اسراف کی بندش:

طلب حلال کے ساتھ ساتھ نبی پاکؐ نے انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ لیکن اسراف سے روکا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے محنت کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو محض آن بان دکھانے کے لئے دولت کماتا ہے وہ شیطان کی راہ میں کماتا ہے۔

ایک انصاری نے مکان بنایا، آپ چپ ہو رہے۔ جب وہ خدمت اقدس میں پیش ہوئے اور سلام کیا تو آپؐ نے منہ پھیر لیا۔ انہوں نے پھر سلام کہا۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے، اسی وقت جاکر گنبد گرا دیا۔ ایک دن بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا۔ معلوم ہوا کہ اس انصاری نے گرا دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ضرورت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبال ہے۔

نیز آپؐ نے فرمایا: ''قلیل آمدنی کو اگر خوش تدبیری سے خرچ کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، اس کثیر آمدنی سے جس کے ساتھ فضول خرچی شامل ہو پھر مال و دولت بھی اللہ کی امانت ہے۔ اس لئے اسے جائز مصرف پر خرچ کرنا چاہیے۔

۷۔ ارتکاز دولت کی ممانعت:

پھر آپؐ نے دولت کے ارتکاز کو ایک یا چند ہاتھوں میں اس کا جمع ہونے کو بھی پسند نہیں کیا اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف معاشرتی اداراتی، قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو اور پورے معاشرے میں گردش کرے۔ قرآنی حکم ہے:

'' کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ .''

''ایسا نہ ہو یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔''

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''اَقْسِمُوْا الْمَالَ بَیْنَ الْفَرَائِضِ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ.''

''اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کیا گیا ہے۔'' (ابوداؤد)

Scanned with CamScanner

گردش دولت کی صورتیں

(ا) زکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقراء اور مساکین کا حق ہے۔

زکوٰۃ جہاں حب مال کو کم کرتی ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور مال قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے، وہیں معاشی نقطہ نظر سے یہ سماجی فلاح کی ایک ہمہ گیر اسکیم ہے، جس کے ذریعے سے ملک وملت کے غریب اور نادار افراد کی امداد کی جاتی ہے اور انہیں زندگی کی جدوجہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنایا جاتا ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ اِفْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَاءِ ھِمْ.

"اللہ نے اہل مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے کہ ان سے لے کر غرباء پر تقسیم کی جائے۔" (صحیح مسلم)

جو معاشرہ کمزوروں کی مدد نہ کرے، ناداروں کو سہارا نہ دے اور گرتوں کو تھام نہ لے وہ انسانی معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ نظام زکوٰۃ کے ذریعے اسلام معیشت کو صحت مند بنیادوں پر کھڑا کرتا ہے اور اس میں امداد باہمی کی روح کو جاری کردیتا ہے۔

جدید علم معیشت میں سماجی فلاح کا تصور بالکل نیا ہے لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصور پیش کیا اور زکوٰۃ کی شکل میں معاشرے کے کمزور انسانوں کی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دی۔ آنحضور ﷺ نے ابتدا ہی سے اس نظام کو عملاً قائم کیا۔ آبادی کی مردم شماری کی، ناداری کے رجسٹر بنائے، ضرورت مندوں کو سرکاری وظیفے دیئے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ حال ہوگیا کہ:

بقول مؤرخ طبری کہ دینے والے تو سینکڑوں تھے، مگر زکوٰۃ لینے والے نہ ملتے تھے۔ الغرض زکوٰۃ کا ادارہ مسلمانوں کی کواپریٹو سوسائٹی ہے، یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے، یہ ان کے بیکاروں، بیماروں، اپاہجوں، یتیموں، بیواؤں کا ذریعہ معاش ہے اور ان سب

سے بڑھ کر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ آج تم مال دار ہو تو دوسروں کی مدد کرو، کل تم نادار ہوگئے تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ سید قطب شہید اپنی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ" میں لکھتے ہیں: "زکوٰۃ سماج کا ایک حق ہے جو فرد پر واجب ہوتا ہے تاکہ ضرورت مند طبقوں کی ضرورت پوری ہو سکے، اسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"وہ شخص مومن نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سویا ہو۔" (مسند احمد)

پھر زکوٰۃ دولت کی تقسیم میں غیر فطری عدم مساوات کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے امیروں کی دولت غریبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ معاشی بحران کے جس چکر میں مغربی سرمایہ دار ممالک گرفتار ہیں، اس کو دور کرنے میں بھی زکوٰۃ بڑی معاون ہوسکتی ہے۔ لیکن زکوٰۃ جہاں ایک طرف پیداوازی عمل کو تیز کرتی ہے، وہیں دوسری طرف عوام میں قوت خرید کا اضافہ بھی کرتی ہے، اس طرح یہ معیشت میں معاشی توازن کو قائم کرنے کا آلہ بن جاتی ہے۔

(ب) صدقات واجبہ:

بہت سے ایسے صدقات ہیں جنہیں مختلف مواقع پر ہر صاحب حیثیت مسلمان کو ادا کرنے ہوتے ہیں، جیسے صدقہ، فطر وغیرہ ہے، یہ بھی مندرجہ بالا مقصد پورا کرتے ہیں۔

(ج) انفاق:

اسلام ہر مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کرکے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

(د) قانون وراثت:

اسلام نے وراثت کا جو قانون تجویز کیا ہے، اس طرح کا ہے کہ متوفی کا ترکہ پورے خاندان میں مناسب طریقے سے تقسیم ہوجاتا ہے اور ساری جائیداد مغربی ممالک کی طرح ایک وارث کو نہیں ملتی، اس طرح دولت ارتکاز کے بجائے منصفانہ تقسیم سے گردش میں رہتی ہے۔

Scanned with CamScanner

(ز) حق سوی الزکوٰۃ:

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بطور ٹیکس لے اور اسے قیام انصاف اور فلاح عامہ کے لئے صرف کرے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکوٰۃِ.

”بے شک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے۔“

(ح) العفو:

نبی کریم ﷺ نے انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ پیدا کیا ہے کہ اس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی ہو اسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کرے۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ. (البقرہ: ۲۱۹) وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں، کہہ دیجئے العفو (یعنی جو بھی اپنی ضرورت سے زیادہ ہو)، آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس زائد سواری ہو، پیدل کو دے۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا ہو یا لباس ہو وہ دوسرے مستحق کو دے۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں، اس طرح ہم سمجھ گئے کہ اپنی حاجت سے زائد کوئی چیز ہماری نہیں، وہ دوسروں کا حق ہے۔ اس طرح قرآن پورے معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم کو رواج دیتا ہے اس کی پالیسی کے دو بنیادی اصول فروغ پیداوار اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہیں، وہ ان میں کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔

۷۔ ملکیت و تصرف کا حق:

آپؐ نے زمین اور وسائل فطرت کو خدا کا عطیہ اور اس کی ملکیت قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان کو اس عظیم تر ملکیت کے تصور کے تحت انفرادی ملکیت و تصرف کا حق دیا ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں، لیکن یہ حق غیر محدود نہیں یعنی اگر ملکیت آلہ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہے تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔ دراصل اسلام ملکیت کے اس محدود حق کو ایک امانت کی شکل دیتا ہے اور اس میں تصرف کے اختیار کو بہت سی قانونی اور اخلاقی پابندیوں سے محدود کرتا ہے۔

۹۔ عدل اجتماعی کی ضمانت:

آنحضور ﷺ نے معاشی فرائض کا بھی ایک مثبت تصور پیش کیا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو حکومت کی اوّلین ذمہ داری قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ سماجی فلاح کی اسکیم ہے، جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے۔ معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے، جس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں، اس کی ریاست ولی ہے۔ ناداروں، اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔

اَلسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَا وَلِیَّ لَهُ.

”حکومت ہر اس شخص کی ولی ہے (دست گیر) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔“ (بخاری)

ایک اور حدیث میں ہے:

مَنْ تَرَکَ کَلًّا فَاِلَیْنَا. (بخاری مسلم)

”یعنی جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار مثلاً قرض چھوڑا وہ ہمارے ذمہ ہے۔“

ان اصولوں کے مطابق جو معاشی نظام قائم ہوتا ہے اس میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگ دستی ختم ہو جاتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”اے لوگو! صدقہ دو کیونکہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ لئے لئے پھرے گا، مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے۔ (یعنی اس کا حاجت مند ہو۔)“

یہ ہے آپ کا معاشی نظام اور درحقیقت انسانیت کی نجات انہی اصولوں پر منحصر ہے۔

نبی کریم ﷺ کی معاشرتی حکمت عملی

جاہلی عرب معاشرہ:

قبل از اسلام عرب کا جاہلی معاشرہ غیر منضبط، غیر منظم اور منتشر معاشرہ تھا۔ قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ ہر قبیلہ آزاد اور خودمختار تھا۔ عرب معاشرہ امیر اور غریب طبقات میں منقسم تھا۔ مذہبی اور امیر طبقہ غرباء کا استحصال کرتا تھا۔ غلامی کا عام رواج تھا۔ عورت کی معاشرہ میں کوئی عزت نہ تھی۔ عورت اور غلام، سوسائٹی کا مظلوم ترین اور تمام حقوق سے محروم طبقہ تھا۔ دنیا کی ہر برائی جاہلی عرب معاشرہ میں موجود تھی۔ وہ ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ قتل و غارت گری، سنگدلی، بے حیائی اور بدکاری عام تھی۔ عورت اور مرد ننگے اور اکٹھے خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ قماربازی اور سودخوری کا رواج تھا۔ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ شرک اور کفر عام تھا حتیٰ کہ خانہ کعبہ میں 360 بت پرستش کے لئے موجود تھے۔ حرام و حلال کی قطعاً کوئی تمیز نہ تھی۔ الغرض قدیم عرب معاشرہ میں وحشت، جہالت و بت پرستی، قتل و غارت، زنا و قمار، شراب و کباب، بدامنی اور انتشار کا دور دورہ تھا۔ اس معاشرہ میں آنحضرت ﷺ نے آنکھ کھولی جس کی اصلاح کا فریضہ آپ ؐ کو سونپا گیا۔

آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی:

قبل از بعثت حضرت محمد ﷺ نیک سیرت اور پاکباز شخص تھے حالانکہ ماحول آپ ؐ کی طبیعت کے بالکل خلاف تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی ابتدا سے ہی اہل عرب کی مشرکانہ رسومات اور لہولعب سے پاک تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو نیک سیرت اور سلیم الفطرت بنایا تھا۔

آپ ؐ کی جوانی کے ایام نیکی، مخلوق کی خدمت، بے کسوں کی حمایت میں گزرے۔ آپ ﷺ دیانت اور امانت کے بہترین نمونہ تھے۔ مسلم اور غیر مسلم مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آپ

ﷺ کا شباب نہایت پاکیزہ اور بے عیب تھا۔ قرآن پاک جو آپ ﷺ کی سب سے زیادہ معتبر تاریخ ہے اس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ آپ ؐ کے اخلاق نہایت بلند مقام پر تھے۔ آپ ؐ نے ہمیشہ سچ بولا، کبھی جھوٹ نہ بولا۔ آپ ﷺ کے سخت ترین دشمن ابوجہل بلکہ مکہ کے تمام قبیلوں نے آپ ؐ کی صداقت و دیانت کا اعتراف کیا۔

آپ ؐ کو تمام لوگ ''الصادق'' اور ''الامین'' کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ ؐ نے کبھی لہو ولعب میں حصہ نہیں لیا۔ آپ ؐ تمام خوبیوں کے جامع تھے۔

ملک عرب میں اس وقت بت پرستی عام تھی مگر آپ ﷺ بچپن سے بت پرستی سے نفرت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ؐ کے سامنے لات و عزیٰ کے بتوں کا ذکر آیا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ مجھے ان سے شدید نفرت ہے۔ چنانچہ آپ ؐ نے اپنی نبوت کی صداقت پر اپنی پاک اور بے عیب زندگی کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ.

''یقیناً میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں یعنی تم جانتے ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا پھر بھی تم نہیں سمجھتے ہو۔''

نبوی ﷺ معاشرہ کی خصوصیات

آنحضور ﷺ نے اپنی معاشرتی حکمت عملی کی بنیاد مندرجہ ذیل خصوصیات پر رکھی:

۱۔ نظریاتی معاشرہ:

قدیم جاہلی عرب معاشرہ مادر پدر آزاد معاشرہ تھا۔ اس کا کوئی واضح نظریہ اور اعلیٰ مقصد حیات نہ تھا بلکہ ان کی زندگی بے مقصد اور بے کار تھی۔ آنحضور ﷺ نے اسلامی معاشرہ کو ایک واضح اور اعلیٰ نصب العین دیا، جس کی بنیاد توحید، رسالت اور عقیدہ آخرت پر تھی۔ تیرہ سالہ مکی زندگی میں مسلمانوں کو انہی ایمانیات ثلاثہ کو تعلیم دی گئی۔ ان کے قلوب میں یہ عقائد راسخ کئے گئے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(ا) توحید:

اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے۔ اس نظریہ کے حامل افراد کا مل کر زندگی گزارنا ''اسلامی

Scanned with CamScanner

معاشرہ" کہلاتا ہے۔ توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کی ذات، صفات، کمالات، اختیارات میں کوئی ذرہ برابر بھی شریک نہیں۔ اگر یہ عنصر بنیادی طور پر موجود نہ ہو تو تمام اعمال اکارت جاتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ توحید کا محض زبانی اقرار کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ قلبی تصدیق بھی ضروری ہے جس کا اظہار اعمال وافعال سے ہونا چاہیے۔

(ب) رسالت:

توحید کے بعد رسالت کا مقام آتا ہے۔ یہ اس لئے کہ توحید کا صحیح تصور رسالت ہی کی وساطت سے انسان کو ملا، نیز خدائے واحد نے خود اپنی اطاعت کو رسول کی اطاعت قرار دیا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی شکل میں بھی کسی کو نبی تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ایسا کرنا شرک فی الرسالت ہے جو کہ ایک ناقابل معافی جرم ہے۔

(ج) آخرت:

ایمان بالآخرت سے مراد اس حقیقت کا اعتراف و یقین ہے کہ ایک دن یہ ساری کائنات فنا ہوجائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دوبارہ انسانوں کو زندہ کرے گا جو اپنے اپنے اعمال کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہوں گے اور اپنے اعمال کے مطابق انہیں جزا و سزا دی جائے گی۔ اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیاد احتساب یعنی جزاء و سزا کے نظریہ پر ہے۔
توحید، رسالت اور آخرت کے ماننے والے لوگ اسلامی معاشرہ کو ایک نظریاتی معاشرہ کی شکل دیتے ہیں جس کا رکن دنیا کے ہر خطہ کا باشندہ، ہر رنگ و نسل زبان اور حسب و نسب کا حامل انسان ہے۔ اسلامی معاشرہ، ایک عالمی معاشرہ ہے جس کے رب رب العالمین جس کے رسول رحمت للعالمین ہیں اور جس کا ضابطہ حیات ذکری للعالمین ہے۔

اثرات:

اس اعلیٰ نصب العین اور نظریہ توحید و رسالت نے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا نقشہ بدل ڈالا۔ ان کے عقائد ونظریات بدل گئے۔ انہوں نے ہر قسم کی بت پرستی چھوڑ دی۔ انسان کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اپنے نفس کی خواہشات کی غلامی چھوڑ دی۔ آزمائش، ابتلاء اور

امتحان میں ثابت قدم رہے۔ ہر مصیبت کو "احد، احد" پکارتے ہوئے سہہ گئے۔ تمام اہل مکہ نے ۳ سال تک بنی ہاشم کا معاشرتی بائیکاٹ کیا اور وہ شعب ابی طالب میں محصور رہے لیکن نصب العین اور نظریے کو نہیں چھوڑا۔ یہ نفوس قدسیہ جبر کے ماحول کے سامنے نہ جھکے۔ ایمان اور اسلام کی خاطر ہر قسم کی جانی، مالی قربانی دی حتیٰ کہ اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے۔ آخر اپنے مقصد کو پالیا اور تمام عرب حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

۲۔ مساوات:

آنحضور ﷺ کی معاشرتی حکمت عملی کی دوسری بنیاد اور امتیازی خصوصیت انسانی مساوات ہے۔ آنحضور ﷺ نے بنی نوع انسان کی وحدت اور مساوات کا سبق دیا ہے۔

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ. (۴:۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا۔

یعنی تمام بنی نوع انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ قبائل، خاندان اور اقوام محض باہمی تعارف کے لئے ہیں۔ مساوات کے تحت تمام افراد ملت کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ امیر ہو یا غریب، سربراہ حکومت تک کو سوشل لائف میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اسلام میں نہ اونچ نیچ ہے نہ برتری و کمتری۔ عزت و احترام کا معیار پرہیزگاری ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (حجرات:۱۳)

"بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ.

"سارے انسان بھائی بھائی اور برابر ہیں۔"

فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: "اے لوگو! تم سب آدمؑ سے ہو اور آدمؑ مٹی سے تھے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے ساتھ اسلامی عبادات مساوات کی بہترین ترجمان ہیں۔ ان میں نماز عملی مساوات کا بہترین ذریعہ ہے۔"

جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

Scanned with CamScanner

خطبہ حجۃ الوداع:

آپؐ نے عدم مساوات اور نسلی امتیازیت کو ختم کرنے کیلئے ان تمام خرابیوں اور ایسی تمام مخصوص مراعات کو ختم کر دیا جن کے سبب عرب معاشرہ طبقاتی تقسیم کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ آپؐ نے آزادی اور مساوات کا درس دیتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

"خبردار! عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے اور عجمی کو عربی پر فوقیت ہے نہ سرخ کو سیاہ پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ سیاہ کو سرخ پر فضیلت ہے صرف وہ شخص افضل ہے جو پرہیزگار ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب اہل اسلام کی ایک برادری ہے، کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں جب تک وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے۔"

آنحضور ﷺ کے اس اعلان نے عدم مساوات اور نسلی و طبقاتی امتیاز کی وہ تمام دیواریں گرا دیں جو سماجی اتحاد اور خوشحالی کی راہ میں حائل تھیں۔ چنانچہ عرب معاشرے میں بلند و پست، غریب و امیر، کالے اور گورے کا کوئی امتیاز نہ رہا اور وہ ایک رشتے میں منسلک ہو گئے۔ عرب معاشرے کی اس معاشرتی اصلاح میں آنحضور ﷺ کا مقصد دراصل ساری انسانیت کو ایک قوم، ایک نسل اور ایک طبقہ کی صورت میں ایک پلیٹ فارم پر لانا تھا۔

غلامی کا خاتمہ:

غلامی عرب معاشرے کا ایک رستا ہوا ناسور تھا۔ غلاموں کو اسلام سے پہلے عرب سوسائٹی میں کوئی حقوق حاصل نہ تھے۔ آنحضور ﷺ نے غلاموں کو معاشرے میں ایک باوقار مقام دینے کے لئے اور معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر مسلمانوں کو غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کی سخت تاکید فرمائی۔ خطبۃ الوداع میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"اپنے غلاموں کا دھیان رکھو۔ ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرو جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ ان پر ظلم نہ کرو۔ اگر ان سے خطا ہو جائے تو معاف کر دو۔"

کتاب البدایہ والنہایہ میں ہے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں محسن انسانیت آنحضور ﷺ نے تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔ ان میں ایک غلاموں کو اسلامی سوسائٹی کے اندر

مساوات کا درجہ دینا تھا اور اس ضمن میں اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا:

"اے لوگو! اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا تعالیٰ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کرو۔"

آنحضور ﷺ نے اسلامی قانون میں غلاموں کو اتنے حقوق دیئے کہ وہ آزاد لوگوں کے برابر ہو گئے۔

۴۔ اخوت و بھائی چارہ:

آنحضور ﷺ معاشرہ میں اونچ نیچ کے امتیازات ختم کرنے آئے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے اعلان فرمایا: "مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اسلامی معاشرہ کی بنیاد اتحاد و یگانگت، ایثار اور اخوت پر ہے۔" کُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانَا. "اللہ کے بندو! تم سب بھائی بھائی بن جاؤ۔"

معاشرہ میں جو چیزیں تعلقات کو بگاڑنے والی ہیں اور دلوں میں کدورت پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً غیبت، خیانت اور غلط بیانی وغیرہ انہیں حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے: "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، غلط بیانی نہیں کرتا۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت، مال اور خون حرام ہے۔" نیز ارشاد فرمایا:

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ یعنی "تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔" نیز فرمایا، مسلمین باہمی مروت، شفقت اور ہمدردی میں ایک جسم کی مانند ہیں اگر ایک عضو بیمار ہو تو کل جسم بے خواب اور بخار آلود ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کی تکلیف تمام ملت اسلامیہ کی تکلیف بن جاتی ہے۔

بقول مولانا ظفر علی خاں مرحوم

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو دلی کا ہر ایک پیر و جواں بے تاب ہو جائے

مواخات مدینہ ا ہجری/۶۲۲ء:

اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کی بہترین مثال مواخات مدینہ ہے۔ جب اہل مکہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو آپؐ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ مکہ مظمہ سے آپؐ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی خالی ہاتھ اپنے گھربار چھوڑ کر گئے۔ وہ بڑے

پریشان تھے نہ کوئی ذریعہ معاش تھا اور نہ سر چھپانے کی جگہ۔ آپ نے اس پریشان کن مسئلہ کو جس مدبرانہ حکمت عملی سے حل فرمایا، اس سے پہلے اس قسم کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بغیر کسی جبر کے محض ایک اخلاقی اپیل کے ذریعے آبادکاری کے اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کر دیا گیا۔

حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں تقریباً سو اصحاب موجود تھے۔ یہاں نصف مہاجرین تھے اور نصف انصار تھے۔ مہاجرین میں سے ایک ایک فرد کی کفالت انصار کے ذمہ ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تَآخَوْا فِي اللّٰهِ اَخَوَيْنِ اَخَوَيْنِ. ”یعنی اللہ کی خاطر دو دو آدمی بھائی بھائی بن جاؤ۔“ چنانچہ آنحضور ﷺ نے عقیدے اور نظریے پر صحیح معنوں میں ایک نئی برادری پیدا کر دکھائی۔ انصار کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال، گھر، باغات اور کھیتی نصف نصف تقسیم کر کے اپنے مہاجرین بھائی کو دے رہے تھے۔ دوسری طرف مہاجرین کی خودداری کا عالم یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ بھائی ہمیں کھیت یا بازار کا راستہ دکھاؤ، ہم تجارت یا مزدوری کر کے پیٹ پال لیں گے۔

بہرحال انصار نے اس معاہدے میں جس جذبے کا ثبوت دیا اس کی وضاحت ترمذی شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک بار مہاجرین میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم جن لوگوں میں اترے ہیں وہ مال کی کمی کے باوجود ہماری اتنی مدد کرتے ہیں کہ ہمیں خدشہ ہو گیا ہے کہ اسلام کی راہ میں قربانیوں کا تمام اجر یہی لوگ نہ لے جائیں۔ تاریخ اسلام میں خصوصاً اور تاریخ عالم میں عموماً یہ پہلی برادری تھی جس کی بنیاد عقیدہ اور نظریہ پر تھی۔ اس طرح نہ صرف مہاجرین اور انصار ایک متحدہ ملت بن گئے بلکہ خود انصار کے قبائل اوس اور خزرج بھی قدیم دشمنیاں چھوڑ کر باہم شیر و شکر ہو گئے۔

بقول مولانا حالی ؎

مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اس طرح نبوی معاشرہ میں نظم و ضبط اتحاد و اتفاق، استحکام و یکجہتی پیدا ہو گئی اور تمام معاشرہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گیا۔

علم و حکمت:

کوئی معاشرہ علم و حکمت کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اسلامی معاشرہ کی بنیاد علم و حکمت پر رکھی۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ (البقرہ:۲۶۹)

”جسے علم و حکمت دیا گیا اسے ہر بھلائی دی گئی۔“

مزید ارشاد فرمایا: يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ. (البقرہ:۲۵۷)

”اللہ انہیں جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم و حکمت کے نور کی طرف لاتا ہے۔“

اسلام دنیا میں عالم نو کا پیغام تھا اس نے حصول علم کو ہر فرد کے لئے لازمی ٹھہرایا۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ.

آنحضور ﷺ کو تلقین کی گئی کہ وہ ہمیشہ علم میں اضافہ کی دعا کریں۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا. ”کہو اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔“

نتائج:

اسلام نے کائنات پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی ہے۔ یہ اسلام میں علم کی اہمیت ہی کا نتیجہ ہے جب آپؐ مبعوث ہوئے تو اس وقت مکہ میں صرف سترہ آدمی پڑھنا لکھنا جانتے تھے لیکن 23 سال بعد آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جہاں علم کا چراغ روشن نہ ہو۔ تفکر، تدبر، مشاہدہ اور تجربہ سے مسلمانوں نے تمام علوم میں حیرت انگیز ترقی کی اور پوری دنیا کو علوم و فنون سے آشنا کیا۔ اس طرح اسلامی معاشرہ کا دامن علم و حکمت اور علوم و معارف سے مالا مال کیا۔ صحابہ کرام کی جماعت میں اعلیٰ درجہ کے مفسر اور محدثین پیدا ہوئے۔ اس میں ماہر انساب، مورخ، شاعر اور بہترین خطیب بھی تھے جنہوں نے عالمی معاشرے پر ان مٹ نقوش چھوڑے۔ پروفیسر تھیچر نے اپنی کتاب ”تاریخ یورپ“ میں اعتراف کیا ہے:

Muhammad (PBUH) made the Arabs into a nation, brought them into history. His influenceon themintellectually may be seen from the fact that for early three hundred years, the Arabs led the whole world, in knowledge, science and civilization.

عدل و انصاف:

آنحضرت ﷺ عدل و انصاف کے پیکر تھے۔ آپ عدل میں امیر و غریب رنگ و نسل اور اپنے بیگانے میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ آپؐ کی طبیعت میں اس قدر انصاف پسندی تھی کہ آپؐ کے دشمن بھی آپ کے فیصلوں پر اعتماد کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ مظلوموں کی فریاد سنتے اور

Scanned with CamScanner

ان سے انصاف کا برتاؤ کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی دادرسی کرتے تھے۔ جب تک آپ مکہ میں تشریف فرما رہے اہل مکہ اپنے تصفیہ طلب معاملات فیصلے کے لئے آپؐ کے پاس لاتے تھے اور جب مدینہ میں قیام پذیر ہوئے تو یہودی اور دوسرے مخالفین بھی اپنے مقدمات کا فیصلہ آپؐ سے کراتے تھے۔

عدل و انصاف کے معاملے میں آنحضور ﷺ کسی قسم کی سفارش، دباؤ، لالچ اور مصلحت کو آڑے نہ آنے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش کے ایک بڑے گھرانے کی عورت نے چوری کا ارتکاب کیا تو لوگوں نے حضرت اسامہؓ کو جو آنحضور ﷺ کو بہت پیارے تھے، سفارش کرائی اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ سنو! اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔"

ہجرت کے بعد یہود مدینہ نے میثاق مدینہ سے آنحضور ﷺ کو اختلافی امور میں حکم تسلیم کیا اور آپؐ کے عدل پر پورا پورا اعتماد ظاہر کیا۔ اہل یہود اگرچہ آپؐ کے سخت ترین دشمن تھے لیکن اپنے مقدمات آنحضور ﷺ کے سامنے پیش کرتے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں تنازع ہوا، دونوں آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دونوں کی باتیں سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ الغرض نبی عادل ﷺ نے معاشرہ میں ایسا نظام عدل قائم کیا کہ اس میں امیر و غریب کی حیثیت یکساں تھی جس میں وقت کے حکمران کو بھی ایک عام شہری کی طرح مقدمے میں طلب کیا جاسکتا تھا۔ اس نظام کی برکت سے جرائم کا تقریباً خاتمہ ہوگیا۔ لوگوں کو جان، مال، آبرو اور بنیادی حقوق کا جیسا تحفظ نبوی معاشرے میں حاصل ہوا، تاریخ انسانی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ امن و امان کی وہ اعلیٰ مثال قائم ہوئی جس کے متعلق رسول برحق نے مکہ کے دور آزمائش میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ ایک عورت سونے سے لدی ہوئی صنعا سے حضرموت تک سفر کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں ہوگا۔

حقوق و فرائض:

آنحضور ﷺ نے اصلاح و تربیت کے عمل میں اپنی توجہ کا بنیادی مرکز فرد کو بنایا کیونکہ خاندان، معاشرہ اور قوم تینوں کا نقطہ آغاز فرد ہے۔ افراد سے خاندان اور خاندان سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور پھر جب معاشرہ اپنی حدود کو وسیع کرتا ہے تو قوم بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

آنحضور ﷺ نے فرد کو مخاطب کیا اپنی اصلاح کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرایا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ ۔

"تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

اس طرح آپؐ نے حق تربیت اور ذمہ داری کی ابتدا فرد سے کی۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

تعلیمات نبوی میں حق اور فرض ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ والدین کی خدمت کرنا والدین کا حق اور اولاد کا فرض ہے۔ اسی طرح ایک شخص جب اپنا فرض ادا کرتا ہے تو وہ کسی دوسرے کا حق ادا کرتا ہے۔ لہٰذا آنحضور ﷺ نے یہ نہیں کہا، فلاں پر تمہارا یہ حق ہے۔ اس سے وصول کرلو بلکہ یہ کہا کہ تم پر فلاں کا یہ حق ہے اسے ادا کرو۔ چنانچہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنی عمر کے مطالعہ کا ماحصل اس طرح بیان کیا ہے:

"دور حاضر اور مغربی معاشرہ کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ تعلقات کی بنیاد مطالبہ حقوق پر رکھتا ہے جب کہ اسلام میں تعلقات کی بنیاد ادائے حقوق پر ہے۔"

حقوق نسواں:

آنحضور ﷺ نے عورتوں کو ذلت کی پستیوں سے نکال کر تمام انسانی حقوق سے نوازا ہے۔ اسلام سے قبل عورت کا وجود معاشرے میں ذلت اور گناہ کا باعث خیال کیا جاتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو معاشرے میں باوقار مقام عطا کیا۔ آپؐ نے حقوق نسواں متعین کرتے ہوئے باپ کو بتایا کہ بیٹی کا وجود اس کے لئے ہرگز ننگ و عار نہیں، لڑکی کی پرورش اور حق رسانی باپ کو جنت کا مستحق بناتی ہے۔ شوہر کو بتایا کہ نیک بخت بیوی ایک شوہر کے لئے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ بیوی شوہر کے گھر کی مالکہ ہے۔ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو بیوی سے حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔ بیٹے کو بتایا کہ خدا اور رسول کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور حسن سلوک کی مستحق اس کی ماں ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ علاوہ ازیں آپؐ نے اخلاقی ہدایات کے ساتھ عورت کو قانونی معاشی حقوق کا بھی مستحق قرار دیا

Scanned with CamScanner

ہے۔ وراثت میں عورت کو نہایت وسیع حقوق دیئے۔ چنانچہ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے اور قریبی رشتہ داروں سے عورت کو باقاعدہ وراثت ملتی ہے۔ علاوہ ازیں شوہر سے اس کو مہر بھی ملتا ہے اسی طرح آنحضورﷺ نے عورتوں کو دینی اور دنیوی علوم حاصل کرنے کی بھی پوری آزادی دی تاکہ وہ معاشرے میں مردوں کے دوش بدوش آزادانہ فرائض زندگی ادا کر سکیں۔ عورتوں کے ازدواجی اور انفرادی حقوق کی حفاظت کا خیال آنحضورﷺ کو آخری دم تک رہا۔ چنانچہ خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے فرمایا:

> ''عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امان اور اس کے کلمہ کے ساتھ نکاح میں لیا ہے، تمہارا حق ان پر اور ان کا تم پر ہے۔ بیویوں سے بھلائی کرو، تمہیں ان پر جبر کا کوئی حق نہیں سوائے اس کے کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کے کام کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو گھر میں ان سے الگ رہو اور انہیں پیٹو لیکن زخم نہ لگاؤ اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو تمہارا حق ہے کہ وہ ناپسندیدہ اشخاص کو گھر میں نہ آنے دیں اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ انہیں اچھا کھلاؤ، پلاؤ اور پہناؤ۔''

تحمل و بردباری:

آنحضورﷺ کی معاشرتی تعلیمات ہر قسم کی دہشت گردی، تخریب کاری اور تشدد کے خلاف ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا وہ ہم سے نہیں ہے۔'' آپؐ نے زندگی بھر تشدد سے اجتناب کیا۔ چنانچہ نبوی معاشرہ کی ایک اہم خصوصیت تحمل اور رواداری ہے۔ اسلامی معاشرہ میں ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو اپنے مسلک اور عقیدہ کے مطابق عبادت کی اجازت ہے، کسی پر کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ (البقرہ: ۲۵۶۱) دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مذہب اور عقیدہ کی آزادی مثالی رہی ہے جس کی شہادت مستشرق موسیو لیبان نے اس طرح دی ہے، ''تاریخ کسی ایسی قوم سے واقف نہیں ہے جو عرب (مسلم) قوم سے بڑھ کر انصاف پرور، روادار اور فاتح ہوئی ہو۔''

رواداری میں اسوہ رسول:

حضور اکرمﷺ کی ذاتی زندگی سے رواداری کی بڑی خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔ تاریخ اسلام میں مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب شرائط صلح طے پا گئیں تو کفار مکہ نے تحریری معاہدہ کے وقت معمولی سی بات پر رکاوٹ ڈال دی اور اس قدر ضد کی کہ معاہدہ ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ صلح حدیبیہ میں جو شرائط طے پا چکی تھی ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے اگر کوئی شخص بھاگ کر مدینہ جائے تو وہ واپس کیا جائے گا لیکن مدینہ سے اگر کوئی شخص مکہ جانا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔ یہ شرط اگرچہ مسلمانوں کے خلاف تھی لیکن حضورﷺ نے صلح کی خاطر اسے بھی تسلیم کر لیا۔ اتفاق یہ ہوا کہ جب شرائط لکھی جا رہی تھیں تو سفیر قریش یعنی سہیل بن عمرو کے اپنے صاحب زادے، حضرت ابوجندل جو اسلام لا چکے تھے، مکے سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچ گئے۔ کفار نے انہیں مکہ میں قید کر رکھا تھا اور انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ اب بھی ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور وہ حدیبیہ پہنچ کر سب سے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے کہا: ''اے محمد! صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے ابوجندل کو شرائط کے مطابق واپس کر دو۔'' حضورﷺ نے فرمایا کہ ابھی معاہدہ قلم بند نہیں ہوا۔ سہیل نے کہا: ''تو پھر ہم کو یہ صلح بھی منظور نہیں۔''

آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ اچھا ان کو یہیں رہنے دو سہیل نے یہ بھی منظور نہ کیا۔ کافروں نے ان پر اس قدر تشدد کیا کہ ان کے سارے جسم پر نشان پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجمع میں تمام نشان دکھائے اور کہا، اے برادران اسلام! کیا مجھ کو پھر اس حالت میں دیکھنا چاہتے ہو اس پر مسلمان تڑپ اٹھے اور قریب تھا کہ معاہدہ ٹوٹ جائے اور دونوں فریقوں میں لڑائی شروع ہو جائے کہ حضورﷺ نے ابوجندل سے مخاطب ہو کر کہا:

> ''ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے اور دیگر مظلوموں کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکالے گا۔ اب صلح ہو چکی ہے ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ ابوجندل کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔ یوں یہ بحران ٹل گیا اگر حضورﷺ رواداری سے کام نہ لیتے تو یہ صلح ٹوٹ چکی تھی۔''

Scanned with CamScanner

عیسائیوں سے رواداری:

صلح حدیبیہ کے بعد مختلف قبائل کے وفود مدینہ میں آنے لگے۔ انہی میں سے ایک ساٹھ رکنی وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ اس وفد میں عیسائیوں کے بڑے بڑے علماء بھی شامل تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں مسجد نبوی میں اتارا تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے اپنے طریقے پر نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے روکا لیکن حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کی یہ حضور ﷺ کی رواداری کی اعلیٰ مثال ہے کہ مسجد نبوی میں بھی آپؐ نے غیر مسلموں کو عبادت سے نہیں روکا اور انہیں اپنے طریقے سے عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اخلاق کی اصلاح:

سیرت و اخلاق کی اصلاح کے بغیر تمام معاشرتی اصلاحات بے کار رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے سیرت و اخلاق کی اصلاح کو مقدم سمجھا اور ان برائیوں کو جو عرب معاشرہ کو بے راہ روی کی طرف لے جارہی تھیں قلع قمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس ضمن میں محسن انسانیت نے جھوٹ، وعدہ خلافی، غرور و نخوت، جھوٹی شہادت، غیبت، قمار بازی، سودخوری اور زنا کو گناہ کبیرہ قرار دیا۔ شراب نوشی کو جو تمام برائیوں کی جڑ ہے ام الخبائث قرار دے کر لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت و ناپسندیدگی کے جذبات پیدا کئے نیز شراب نوشی کی صورت میں اسی کوڑے سزا مقرر کی۔ آنحضور ﷺ نے اسلام کی ان انقلاب آفرین تعلیم سے اُن عربوں کو جو بدترین اخلاق کے حامل تھے، دنیا کی مہذب ترین قوم بنا دیا۔ جاہلی عرب کے اخلاق میں آنحضور ﷺ نے جو انقلاب پیدا کیا اس کی بہترین ترجمان حضرت جعفر طیارؓ کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے نجاشی کے دربار میں کی۔ انہوں نے فرمایا:

"اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، شراب پیتے تھے، چوری کرتے تھے، زنا کے مرتکب اور راہزن تھے۔ ہم میں انسانیت اور سچی ایمانداری کا نشان نہ تھا۔ ہمسایوں سے بدسلوکی، مسافروں کے ساتھ ظلم اور مظلومین کی ایذا رسانی ہمارا شیوہ تھا۔ ہمارے ہاں کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم پر رحم فرمایا اور

ہم میں ایک نبی پیدا فرمایا جس کے حسب، نسب، صداقت، امانت اور شرافت سے ہم اچھی طرح واقف تھے۔ اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اس نے ہمیں بت پرستی سے روکا اور ہمیں سمجھایا کہ ہم سچ بولیں، وعدہ پورا کریں، رحم کریں، گناہوں سے دور رہیں اور برائیوں سے پرہیز کریں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں اور صدقہ دیں، ہماری قوم ہم سے ان باتوں سے بگڑ گئی ہے۔ انہوں نے جہاں تک ہوسکا ہمیں ستایا تا کہ ہم وحدہٗ لاشریک کی عبادت چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کے بتوں کی دوبارہ پوجا میں لگ جائیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت مظالم اور تکلیفیں برداشت کیں اور جب مجبور ہوگئے تو آپ کے ملک میں پناہ لینے کے لئے آگئے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں، آپؐ کی سلطنت میں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔"

(ابن اثیر)

اثرات:

آنحضرت ﷺ کی معاشرتی حکمت عملی کے مندرجہ ذیل اثرات اہل عرب اور پوری انسانیت پر ہوئے۔

جامع اصلاحات:

محسن انسانیت رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے۔ آپؐ نہ صرف ایک بہت بڑے ریفارمر تھے بلکہ ایک عظیم ترین معمار قوم بھی تھے۔ آپ کی نافذ کردہ مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، سماجی اصلاحات کا منشا و مقصد یہ تھا کہ معاشرہ ہر اعتبار سے مربوط، مستحکم ہر قسم کی برائی سے یکسر پاک اور خوشحال ہوتا کہ انسانی ذہنی اور باطنی قوتوں کو ایک پاکیزہ اور پرسکون فضا میں نشوونما پانے کا موقع ملے اور اس طرح تہذیب و تمدن کی تعمیر مستحکم بنیادوں پر استوار ہو اور ایک ایسا معاشرتی ماحول قائم ہو، جس میں انفرادی مفاد پرستی کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دی جائے۔ کوئی فرد کسی دوسرے کا حق غصب نہ کر سکے۔ ظلم، انتشار اور بدامنی کی بیخ کنی ہو۔ کسی فرد واحد کو نسلی، طبقاتی لحاظ سے فوقیت حاصل نہ ہو اور معاشرے میں ہر فرد کو اس کی ذاتی صلاحیتوں کی

Scanned with CamScanner

بناء پر ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔ علاوہ ازیں لہو ولہب کی وہ تمام باتیں یکسر ختم ہوجائیں جو انسان کو حق ناشناسی، ظلم، نفرت اور قتل و غارت جیسے گھناؤنے جرائم تک لے جاتی ہیں۔ ہر انسان کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ معاشرے میں باہمی اعتماد و اتحاد، محبت، اخوت، عدل و انصاف اور مساوات، رواداری کی فضا قائم ہو۔ عورتوں اور مردوں کے معاشرتی اور دینوی حقوق کے حصول کے سلسلے میں کوئی امتیاز باقی نہ ہو۔ صنفی تعلقات محض ازواج تک محدود رہیں اور اس طرح پورے معاشرے میں امن سکون اور خوشحالی و استحکام کی ایک لازوال روح پیدا ہوجائے۔ اس پاکیزہ نظام کے تحفظ کے لئے حضور ﷺ نے فرد کی باطنی اصلاح کی طرف توجہ دی تا کہ وہ اس پر تیار ہو جائیں کہ اس نظام معاشرت کے قوانین اور اصول وضوابط کی پیروی بخوشی کریں۔ اس ضمن میں رسول کریم ﷺ نے نہ صرف دلوں میں اسلامی تعلیمات کے ذریعہ ایمانی روح پھونکی بلکہ مناسب انسدادی تدابیر بھی اختیار کیں اور ساتھ ساتھ اخلاقی جرائم کے انسداد کے لئے تعزیری سزائیں مقرر کیں۔ حضور ﷺ کی ان نافذ کردہ اصلاحات کا ہی فیضان تھا کہ وہ سرزمین عرب جو طلوع اسلام سے پیشتر ہر قسم کی برائیوں، لاقانونیت طوائف الملوکی، خانہ جنگی اور نفرت وعداوت کا مرکز تھی۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ محسن انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے طفیل تہذیب وتمدن صلح و آشتی اور امن و راحت کا قابل رشک گہوارہ بن گئی۔ بقول جارج برنارڈ شا: ''ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے اپنی جہالت اور تعصب کی بناء پر مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ انہوں نے حضرت محمد ﷺ اور آپ کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔ میں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اسے نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد (ﷺ) عظیم ہستی تھے اور صحیح معنوں میں انسانیت کے مصلح اور نجات دہندہ۔''

نبی کریم ﷺ کی تعلیمی حکمت عملی

بعثت نبوی:

قبل از اسلام اہل عرب کے ہاں علمی اور تدریسی روایت موجود نہ تھی وہ تہذیب اور تعلیمی مراکز سے دور صحراؤں اور ریگستانوں میں سادہ اور فطری زندگی گزارتے تھے۔ ان کے قافلے تلاش رزق میں مسلسل سرگرداں رہتے تھے۔ ایسی خانہ بدوش زندگی میں تعلیم و تدریس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ عرب کے مرکزی شہر مکہ میں مبعوث ہوتے ہیں جہاں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

اُمّی عربوں کے اُمی نبی پر اللہ کی طرف سے جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی:

> ''اِقْـــرَاْ'' پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور آپ کا رب سب سے بزرگ ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' (علق: ۱تا۵)

اس پہلی وحی نے ہی بتا دیا کہ اسلام ''دین علم'' ہے اور آنحضور ﷺ اس علمی تحریک کے سربراہ ہیں۔ قرآن مجید سورہ آل عمران آیت ۱۶۴ میں آنحضور ﷺ کو بحیثیت معلم اس طرح پیش کرتا ہے:

> يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ.
>
> ''وہ رسول انہیں آیات قرآن پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ اخلاق کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

آنحضور ﷺ ختم الرسل تاقیامت رہبر اور معلم انسانیت ہیں اس چیز کو آپ نے خود فرمایا ہے:

> اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّما. ''یعنی مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

Scanned with CamScanner

گویا آنحضور ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی دنیا میں اشاعت علم و حکمت تھا۔ آپ کو معلم بنانے والی ہستی خود ذات باری تعالیٰ ہے۔ اس طرح آپؐ ہی صحیح معنوں میں تلمیذ الرحمٰن ہیں۔ دنیا کے جدید اور قدیم علوم آپ ہی کے فیوض و برکات ہیں اور آپ ہی مدینۃ العلم یعنی علم کا شہر ہیں۔ اس کے باوجود آپ ہمیشہ اپنے علم میں اضافہ کی دعا فرمایا کرتے تھے۔

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (طٰہٰ:۱۱۴) "اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔"

اسلام کی نظر میں علم کی اہمیت

یہ شرف اور افتخار صرف اسلام کو ہی کو حاصل ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو علم کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ اس نے علم و تعلیم کے دروازے ہر امیر و غریب، مرد و عورت اور چھوٹے بڑے پر یکساں کھول دیئے بلکہ حصول علم ہر مسلمان کے لئے لازم کر دیا اور حکومت اسلامی کے فرائض میں مفت، لازمی اور عوامی تعلیم کی سہولیات لازمی ٹھہرائیں۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تحصیل علم کی ترغیب اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

آیات قرآنی:

۱۔ علم کی فضیلت اور فوقیت میں کہا گیا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الزمر:۹)

"فرما دیجئے کہ کیا اہل علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔"

۲۔ اصحاب علم کے بلند درجات کا یوں ذکر فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ. (المجادلہ:۱۱)

"خدا تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات کو بلند کرتا ہے۔"

احادیث نبویہ:

۱۔ فخر کائنات نے اپنی امت پر واضح فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ.

"حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔" (ابن ماجہ)

۲۔ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِيَاءِ. "علماء انبیاء کے وارث ہیں۔" (ترمذی)

۳۔ علم و عبادت کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں کے چاند کو سب ستاروں پر۔" (مشکوٰۃ)

۴۔ مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ.

"جھولے (یعنی پیدائش) سے لے کر قبر تک علم طلب کرتے رہو۔"

۵۔ علم سکھاتے رہو اور سیکھتے رہو، تیسری صورت اختیار کی تو ہلاک ہو جاؤ گے۔

۶۔ جو آدمی تلاش علم کا راستہ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، فرشتے اس کے قدموں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اس کی مغفرت کے لئے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں دعا کرتی ہیں حتیٰ کہ مچھلیاں سمندر میں، پرندے ہوا میں اور چیونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں۔ (ترمذی)

۷۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ جس نے طلب علم میں وفات پائی وہ شہید ہوا۔

مکی زندگی...... تعلیمی حکمت عملی

اسلام کا اوّلین مدرسہ۔ دارِارقم:

دنیا کی کسی مقدس کتاب نے تعلیم کو وہ اہمیت نہیں دی جو قرآن دیتا ہے۔ بعثت کے ساتھ ہی اس حکم کی تعلیم میں نبی کریم ﷺ نے مکہ شریف میں مدرسہ کھول دیا۔ کوہ صفا کی بلندی پر حضرت ارقم جو اولین اسلام لانے والوں میں تھے ان کے گھر میں اسلام کا پہلا مدرسہ قائم ہو گیا۔ ساری تعلیم زبانی تھی جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے وہ چھپ چھپ کر اس گھر میں جمع ہوتے تھے اور قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس مدرسہ کے طالب علم اور شاگرد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے السابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

اس زمانہ میں نماز صرف دو وقت کی فرض تھی، مغرب اور فجر۔ صحابہ کرام نماز سیکھتے تھے اور جتنا قرآن مجید نازل ہوتا تھا وہ زبانی یاد کر لیتے تھے جتنا قرآن مجید نازل ہوتا تھا۔ اس کو

Scanned with CamScanner

سکھانے کا اہتمام اول روز سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔ کتابت جاننے والے جو صحابی اس وقت موجود ہوتے تھے ان سے وہ آیات قرآنی لکھوا لیتے تھے۔ چوڑی ہڈی، درخت کی چھال ٹھیکرے جو شے بھی میسر آتی اس پر لکھوا لیتے تھے۔

اس طرح نبوت کے تیرہ سال جو آپ نے مکہ شریف میں گزارے وہ سخت ابتلاء اور آزمائش کا دور تھا۔ ایک دن بھی امن و فراغت کا نصیب نہیں ہوا۔ اس وجہ سے مکی زندگی میں تعلیمی سرگرمیاں زیادہ نہ پھیل سکیں۔ جب مدینہ میں سازگار فضا نظر آئی اور آپ کو ہجرت کی اجازت مل گئی تو وہاں آپ نے مسلمانوں کو بھیجنا شروع کر دیا۔ وہیں تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ ہجرت سے قبل مدینہ کے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے آپ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت سعد بن العاص کو وہاں روانہ کیا تھا۔ وہ وہاں لوگوں کو قرآن مجید سکھاتے تھے اور نماز کی تعلیم دیتے تھے۔ سعد بن العاص نہایت خوش نویس آدمی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو تحریر و کتابت سکھانا شروع کر دی۔ اس طرح مدینہ میں ہجرت سے قبل ہی علمی فضا قائم ہوگئی تھی۔

مدنی زندگی

صفہ......اسلام کی پہلی یونیورسٹی:

جب ہجرت ہوگئی، مہاجرین مدینہ میں آگئے۔ آپؐ بھی مدینہ میں تشریف لے آئے تو سب سے پہلے جو کام آپ نے کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر ہے۔ مسجد اسلام کی اولین تعلیم گاہ ہے جہاں استاد و شاگرد جمع ہوتے ہیں اور درس و تدریس کی محفل جمتی ہے جہاں علماء وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور دعوت و ارشاد میں مشغول نظر آتے ہیں۔

مسجد مختلف کاموں کا مرکز تھی اس لئے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے سب سے پہلے مسجد تعمیر کی۔ مسجد کے داہنے ہاتھ ایک چبوترا بھی بنایا گیا جس کو صفہ کہتے ہیں۔ نووارد مہمان اس صفہ پر قیام کرتے تھے۔ ان پر نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما ہوتے تھے تاکہ ہر آنے والے کو پتہ چل جائے کہ رسول اکرم ﷺ کون ہیں۔ یہاں آپ صحابہ کرام کو قرآن مجید اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ مدینہ میں یہ اسلام کا تبلیغی مرکز تھا۔ عام طور پر اطراف مدینہ سے اور دیہات سے نئے مسلمان آتے تھے چند روز قیام کرتے تھے۔ قرآن مجید اور دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور پھر اپنے وطن واپس لوٹ جاتے تھے۔ بعض کو اہل مدینہ اپنے گھر لے

جاتے تھے اور کھانا کھلاتے تھے۔ کبھی ان طالب علموں کو یہاں ہی کھانا بھجوا دیتے تھے۔ بعض باہمت طالب علم جنگل سے لکڑی کاٹ کر لاتے اور بازار میں بیچ کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ لیکن اکثر یہاں فقر و فاقہ رہتا تھا۔ اس مدرسہ میں ایک لائق طالب علم ابوہریرہ تھے جن کا بیان ہے کہ تین تین دن کا فاقہ ہوجاتا تھا۔ بھوک کی وجہ سے نماز میں کھڑے نہیں رہا جاتا تھا گر پڑتے تھے۔

اس مدرسہ میں طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ کئی مرتبہ ستر افراد تک جا پہنچی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ کے علاوہ اس مدرسہ میں معلمی کے فرائض حضرت عبادہ بن صامت انصاریؓ بھی انجام دیتے تھے۔ اس مدرسہ کے فارغ شدہ طلبہ کو قاری (جمع قراء) کہتے تھے۔

صفہ کی درس گاہ ایک اقامتی نوعیت کی تھی جہاں تعلیم و تدریس کا حلقہ قائم تھا۔ عہد نبوی میں حصول علم کا دائرہ وسیع تھا جہاں لوگ اہل علم کی خدمت میں حاضر ہوکر علمی پیاس بجھاتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درس گاہ کے علاوہ بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت انس کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں ستر اشخاص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔ صفہ کی درس گاہ کے علاوہ ڈاکٹر حمید اللہ نے ایک اور درس گاہ کا بھی ذکر کیا ہے جو "دارالقراء" کے نام سے مشہور تھی اور جو سنہ ۲ھ میں مخرمہ بن نوفل کے مکان میں قائم ہوئی تھی۔ (ترجمان اہل سنت کراچی نمبر ۳۲)

مدینہ......مرکز علم:

اسلامی ریاست میں مدینہ کو مرکزیت حاصل تھی کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا مستقل قیام مدینہ میں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کا مرکز بھی مدینہ ہی تھا۔ ابتدائی عہد میں دوسرے قبائل عرب میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اس لئے مرکز کی حفاظت کے لئے زیادہ مسلم آبادی کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کو تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنا بھی مقصود تھا۔ آبادی اور تعلیمی اشاعت کے مسئلے سے نپٹنے کے لئے حضور ﷺ نے باہر کے مسلمان قبائل کو مدینہ میں آباد ہونے کی ترغیب دی اس لئے بہت سے بیرونی قبائل آ کر مدینہ میں آباد ہوگئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی اس ترغیب سے مدینہ میں آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور لوگوں نے اپنے محلوں میں مسجدیں بنالیں۔ اس بناء پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری آئے تو اسی (۸۰) اشخاص کو ساتھ

Scanned with CamScanner

لے کر آئے اور مدینہ میں آباد ہوئے۔ ''خلاصۃ الوفاء'' میں ہے کہ مدینہ میں جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مسجدیں تھیں۔ یہ وہی قبائل تھے جو ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور چونکہ مسجد نبوی سب کے لئے کافی نہ تھی اس لئے الگ الگ مسجدیں بن گئی تھیں۔ (سیرت النبی ج ۲)

مدینہ میں آبادی کی کثرت سے تعلیم و تبلیغ کا دائرہ وسیع ہوگیا اور مسلمانوں کو مسجد نبوی کے علاوہ بھی مساجد تعمیر کرنا پڑیں جن میں تعلیم و تدریس کا کام بھی ہوتا تھا۔ ابوداؤد نے لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ کے زمانہ میں نو مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں۔

(۱) مسجد بنی زریق (۲) مسجد بنی غفار (۳) مسجد اسلم (۴) مسجد جہینہ
(۵) مسجد بنی عمرو (۶) مسجد بنی ساعدہ (۷) مسجد بنی عبید (۸) مسجد بنی سلمہ
(۹) مسجد بنی راتج

ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی بیس اور مساجد کا پتہ چلتا ہے تاہم مدینہ میں مسلمانوں کی کثرت آبادی، مساجد میں تعلیم و تعلم کی موجودگی نے مسلمانوں کو تعلیم کے اصل منبع یعنی مسجد نبوی سے منقطع نہیں ہونے دیا تھا بلکہ مسلمان اپنی جملہ مصروفیات کے باوجود حضور اکرم کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور براہ راست مستفید ہوتے تھے اس سلسلہ میں بعض صحابہ نے خاص طریق کار اپنایا ہوا تھا جس کی شہادت حضرت عمرؓ کے اس بیان سے ملتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرا انصاری پڑوسی جو بنی امیہ بن زید میں سے تھا اور یہ قبیلہ مدینہ میں اوپر والے دیہات میں سے تھا، ہم دونوں یکے بعد دیگرے نوبت بہ نوبت حضور ﷺ کی خدمت میں آتے۔ ایک روز وہ آتا اور ایک روز میں خدمت اقدس میں آتا۔ جب میں آتا تو اس دن کی ساری خبریں وحی اور غیر وحی کی پہنچاتا اور جب وہ آتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔ (حیاۃ صحابہ جلد۳)

تبلیغ:

مقامی نوعیت کی ان درس گاہوں کے علاوہ اسلامی تعلیمات کی تدریس کا ایک طریق کار تبلیغ بھی تھا۔ مختلف قبائل عرب کی دعوت پر بعض اوقات سفیر اور بعض اوقات وفود بھیجے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں آ کر اسلام نے امن و امان کی سانس لی تو آنحضرت ﷺ نے نو مسلمانوں کو تعلیم کے لئے جو اطراف مکہ سے دارالاسلام آتے تھے نیز ملک کے مختلف گوشوں سے اسلام کی تبلیغ کے لئے ایک جماعت قائم کی جن کا نام عام طور پر ''اصحاب صفہ'' تھا، اس میں بعض

اوقات سو سے زیادہ آدمی داخل رہتے۔ یہ لوگ ملک میں اسلام کی دعوت کے لئے بھیجے جاتے تھے جو نو مسلموں کو تعلیم دیتے تھے۔ واقعہ بئر رجیع میں جو ستر صحابہ بیدردانہ قتل ہوئے تھے وہ اس جماعت کے ارکان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شروع شروع میں اس طریق کار میں مسلمانوں کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ قبائل عرب دعوت و تعلیم کے نام سے لے جاتے اور دھوکے سے مسلمانوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں کئی جانکاہ واقعات پیش آئے جن میں بہت سے صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ واقعہ رجیع میں ستر صحابہ کا مارا جانا، واقعہ بئر معونہ میں چھ یا دس داعی مسلمانوں کا قتل ہونا سریہ بن ابی العوجاء میں پچاس مسلمانوں کی شہادت کا واقعہ، ذات الجلاح میں چودہ داعی صحابہ کا تیروں سے مارا جانا، عروہ بن مسعود ثقفی کا تیروں سے چھد جانا اس دعویٰ کی شہادت ہے۔ تعلیم و تبلیغ کے اس مہنگے طریق کار کے باوجود آنحضرت ﷺ نے یہ سلسلہ جاری رکھا حتیٰ کہ قبائل عرب پر اسلام کی دھاک بیٹھ گئی اور ان مبلغین اسلام نے چار دانگ عالم میں پھیل کر اسلام کی دعوت کو پھیلایا جس کے نتیجہ میں تمام عرب میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ اصحاب صفہ کے علاوہ اکابر صحابہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں، قوموں اور قبیلوں میں اسلام کی دعوت لے کر گئے، احادیث و سیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور پر ملتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے اس قسم کے پینتیس صحابیوں کے نام جمع کئے ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے اس فرض کو انجام دیا۔

اشاعت تعلیم کے لئے حضور ﷺ کی مساعی:

علم کی ترویج و اشاعت کے لئے آپؐ نے پوری طرح کوشش فرمائی۔

۱۔ جنگ بدر:

مدینہ میں دوسرے سال جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس جنگ میں قریش کے کچھ آدمی قید ہوگئے تھے، ان میں کچھ خواندہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص دس افراد کو کتابت سکھا دے گا تو اسے رہائی مل جائے گی۔ یہ ان کا زر فدیہ تصور ہوگا۔ تاریخ عالم میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے کہ حکمران نے رقم وصول کرنے کی بجائے افراد کو خواندہ بنانے کو ترجیح دی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک مال کے مقابلے میں تعلیم کی اہمیت کہیں زیادہ تھی۔

Scanned with CamScanner

۲۔ مساجد مدینہ:

مدینہ میں آپؐ کے زمانہ میں مساجد تھیں۔ ہر مسجد میں مدرسہ قائم تھا وہاں تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ قبا مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا وہاں سب سے اول مسجد بنی اور سب سے اول جمعہ ادا کیا گیا۔ اس مسجد میں مدرسہ قائم تھا جس کی نگرانی آپؐ خود فرماتے تھے اور گاہے بگاہے وہاں تشریف لے جاتے تھے۔

۳۔ وفود:

قبائل کے وفود مسلمان ہونے کے لئے آتے تھے تو آپ ان کو صحابہ کے حوالے کر دیتے تاکہ وہ ان کو تعلیم دیں۔ تعلیم یافتہ صحابہ کو دیہات میں قبائل کے پاس خود بھی بھیجتے تھے وہ وہاں جا کر دین کی تعلیم دیتے تھے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ کو اس بات کی فکر ہوئی کہ ان میں تعلیم کا بندوبست کیا جائے اس کے لئے آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو مکہ میں معلم مقرر فرمایا۔ اس کے بعد انہیں اہل یمن کی تعلیم کے لئے روانہ کیا۔ عمرو بن حزم کو اہل نجران کی تعلیم کے لئے بھیجا حالانکہ اس وقت ان کی عمر سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

۴۔ تعلیمی دائرے:

حضور ﷺ نے تعلیم و تدریس کے لئے مختلف دائرے اور مختلف سطحیں مقرر فرمائیں، ایک ائرہ عمومی تعلیم کا تھا۔

دوسرا دائرہ عورتوں کی خصوصی تعلیم کا تھا جس کے لئے آپ نے ہفتے میں ایک دن مخصوص کر دیا تھا جس کے لئے حضرت عائشہؓ کو مامور فرما کر لوگوں کو آپ نے تلقین فرمائی کہ دین کا آدھا حصہ یعنی نظام معاشرت اور خواتین کے متعلق معلومات اس سے حاصل کرو۔

چوتھا دائرہ خاص خاص موقعوں پر خاص خاص افراد کو انفرادی توجہ سے تعلیم و تربیت دینے کا تھا۔

پانچواں دائرہ باہر سے حصول تعلیم کے لئے آنے والے وفود کو تیار کر کے قبائل میں فروغ تعلیم کے لئے واپس بھیجنے کا تھا۔

اس طریقہ تعلیم میں تربیت لازماً شامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے پڑھنے میں صحابہ کافی مدت لگاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھ سال میں سورہ بقرۃ

پڑھی تھی۔ اس سے مراد درحقیقت عمل ہے ورنہ عربی تو ان کی مادری زبان تھی اور عربوں کا حافظہ یوں بھی مشہور ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ لیتا تھا تو وہ بڑا آدمی شمار ہوتا تھا یعنی وہ عالم دین بن جاتا تھا ان دونوں سورتوں میں کافی احکام آ گئے ہیں۔ مشہور تابعی محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ ہم اسوہ محمدی بھی اسی طرح سیکھتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیرت رسول اور آداب رسول کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔

ارکان:

تعلیمی عمل کے دو ارکان استاد اور شاگرد ہیں۔ استاد سے آپ نے کہا کہ اگر لوگوں کو تعلیم دینے میں تم نے کوتاہی برتی تو کل خدا کے یہاں تمہارا مواخذہ ہوگا۔ فرمایا، ''جو شخص عالم ہے اور دوسروں کو نہیں سکھاتا، قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام لگائی جائے گی۔'' یہ وہ وعید تھی جس نے علماء اور اساتذہ کو گھر میں چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر طالب علموں کو پڑھاتے انتہائی ناسازگار حالات میں پڑھاتے تھے اس لئے کہ کہیں اس عذاب کے مصداق نہ قرار پائیں۔

طالب علم سے آپؐ نے فرمایا، علم حاصل کرنا فرض ہے۔ بہترین آدمی وہ ہے جس نے قرآن مجید پڑھا اور پھر دوسروں کو پڑھایا۔ آپؐ نے فرمایا، اس شخص کی کوئی قدر و قیمت نہیں جو نہ استاد ہے اور نہ شاگرد۔ اس کے بعد صحابہؓ طلب علم کے شوق میں شہروں شہروں مارے پھرتے تھے اور بڑی بڑی تکلیف کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مدرسہ کے متعلق آپؐ نے فرمایا: ''جب اللہ کے گھر میں جمع ہو کر کچھ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، درس و تدریس میں مشغول ہوتے ہیں تو ان پر طمانیت نازل ہوتی ہے۔ رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتے ان پر سایہ افگن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محفل مبارک میں ان کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ رسالت کے ان فرامین نے استادوں کو پڑھانے کے لئے بے تاب کر دیا۔ طالب علموں کے اندر نہ بجھنے والی علم کی پیاس پیدا کر دی۔ مسجدیں درس گاہ بن گئیں نہ کسی فرنیچر کی حاجت، نہ کسی انتظامیہ کی ضرورت۔ انتہائی سادگی کے ساتھ مدینہ میں علمی تحریک جاری ہوئی جو دنیا کی مضبوط ترین تحریک ثابت ہوئی۔ قلیل مدت میں یہ تحریک بحرالکاہل سے لے کر بحراوقیاس تک محیط ہوگئی جس نے ایک عالم کو علم کے نور سے منور کیا۔

Scanned with CamScanner

نتائج:

نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. ''تحقیق مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔'' جو شخص آپ کے کارنامے پر نظر ڈالے گا وہ تسلیم کرے گا کہ آپ نے معلمی کا حق ادا کر دیا۔ ۲۳ سال کی قلیل مدت میں ایک جاہل اور ناخواندہ قوم میں خواندگی اور تعلیم کا انقلاب عظیم برپا کر دیا، جس ملک میں پہلے خواندہ افراد کی تعداد سترہ سے زیادہ نہ تھی وہاں خواندگی کا معیار ۸۰۔۷۰ فی صد تک پہنچا دیا۔ نبوت کے پندرہویں سال میں سورہ بقرہ نازل ہوئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا میعاد کے تعین کے ساتھ دستاویز لکھ لینے میں تساہل نہ کرو۔ (بقرہ ۲۸۲) اس حکم پر عمل اسی صورت ممکن ہے جب کی غالب اکثریت لکھنے پڑھنے کے اہل بن چکی ہو جس ملک میں اور جس زبان میں ایک بھی کتاب نہ تھی اس ملک میں چالیس سال بعد جنگ صفین میں ہزاروں قرآن مجید نیزوں پر بلند ہوگئے تھے۔

تعلیم نسواں:

آپؐ نے عورتوں کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ مسجد نبوی میں درس گاہ نبوت کا ایک دن خواتین کی تعلیم کے لئے مخصوص تھا۔ اس دن وہاں صرف خواتین مسائل دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ عورت کے لئے قرآن مجید پڑھنے اور ارکان دین سیکھنے کے بعد گھر میں چرخہ کا تناسب سے بہتر ہے۔ قریش کی عورتوں میں بچوں کی تربیت کا جو سلیقہ پایا جاتا ہے۔ آپ نے اس کی تحسین فرمائی اور اس صلاحیت میں اضافہ کی حوصلہ افزائی کی۔ ام المومنین حضرت حفصہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ انہوں نے یہ کام ''شفاعدویہ'' سے سیکھا تھا۔ انہوں نے گھر میں بچیوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے ایک مدرسہ کھول رکھا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ تو علم میں بہت بلند تھا۔ وہ تو بعض مرد صحابہ سے زیادہ فقیہ تھیں۔ وہ قرآن مجید، حدیث، فقہ کے علاوہ اشعار عرب، انساب عرب اور طب کی بھی ماہر تھیں۔ علم الانساب انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سیکھا تھا جو اپنے وقت کے ماہر انساب تھے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق حضور ﷺ کا فرمان ہے: ''آدھا علم (حمیرا عائشہؓ) سے حاصل کرو۔''

علاوہ ازیں ان خواتین نے بھی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ حضرت عائشہ بنت سعد، حضرت کریمہ بنت مقداد اور حضرت الشفاعدویہ جو حضرت حفصہ کی استاد تھیں۔ قرون اولیٰ میں ۱۵۴۳ خواتین محدث تھیں۔ (الاصابہ لابن حجر)

بچوں کی تعلیم اور حکمت:

بچے مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔ آپ نے بچوں کی معصومی کی تعبیر یہ کہہ کر فرمائی کہ یہ تو جنت کے باغوں کے پھول ہیں یعنی ان کی تعلیم میں نرمی، شفقت اور رحمت کا پہلو غالب رہنا چاہیے۔ پھر بچوں کو سزا دینے کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ اول شدید ضرورت کے تحت سات سال کی عمر کے بعد سزا دی جائے اور وہ بھی اخلاقی اور دینی فرائض کی عدم ادائیگی پر۔ دوسرے یہ کہ انہیں ایسی سزا نہ دی جائے جو شدید جسمانی ہو اور نشان چھوڑنے والی ہو۔

نصاب تعلیم:

حضور ﷺ کے زمانے کا مرکزی نصاب قرآن تھا جو پوری انسانی زندگی کے لئے جامع گائیڈ بک ہے۔ تعلیم کے بقیہ شعبے اسی مرکزی نصاب کے اردگرد مرتب ہوتے تھے۔ چنانچہ نصاب تعلیم میں قرآن مجید حفظ کرنا، قرآن مجید تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنا ارکان اسلام کی تعلیم حاصل کرنا، ترکہ کے مسائل سیکھنا شامل تھا سب سے بہتر علم۔ آپ نے علم فقہ کو قرار دیا تھا۔ آپ کا فرمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ خیر عطا کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ تحریر و کتابت بھی یہاں سکھائی جاتی تھی۔

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، آپ نے بعض دوسرے امور کی جانب بھی توجہ فرمائی ہے۔ غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ زید بن ثابت انصاری دربار رسالت کے میر منشی تھے۔ انہوں نے آپ کے حکم سے فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی زبانیں سیکھ لی تھیں تاکہ جب دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کی جانب سے خطوط موصول ہوں تو ان کے جوابات دیئے جائیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

تَعَلَّمُوْا مِنْ اَمْرِ النُّجُوْمِ. ''نجوم کا علم حاصل کرو۔''

تَعَلَّمُوْا مِنَ الْاَنْسَابِ. ''انساب کا علم حاصل کرو۔''

ریاضی اور مبادی طب سیکھنے کا بھی آپ نے حکم دیا۔ عملی کاموں کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اِرْمُوْا یَا بَنِیْ اِسْمٰعِیْلَ کَانَ اَبُوْکُمْ رَامِیًا. ''اے اولاد اسماعیل تیراندازی سیکھو، تمہارے والد حضرت اسماعیل تیرانداز تھے۔'' تیراکی سیکھنے کا بھی آپؐ نے حکم دیا تھا۔ دوڑ اور کشتی میں آپ نے خود بھی حصہ لیا۔ الغرض عہد نبوی میں تعلیمی نصاب کا خاکہ جدید تعلیمی اصطلاح میں مندرجہ ذیل تھا:

Scanned with CamScanner

۱۔ دینی و دنیوی علوم:

قرآن، حدیث، فقہ، تجوید

۲۔ عقلی دنیوی علم:

انساب، ریاضی، طب

۳۔ لغت و ادب:

عربی زبان و ادب، غیر ملکی زبانیں بالخصوص عبرانی

۴۔ فنون:

خطاطی، اسلحہ سازی

۵۔ ہم نصابی مشاغل:

گھڑسواری، گھڑ دوڑ، شتر دوڑ، تیراکی، نشانہ بازی۔

شعائر اسلامی کی پابندی ان کے علاوہ تھی جس کی لازمی حیثیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔
اس طرح نبوی نصاب تعلیم دنیا اور آخرت کا جامع تھا۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کی حکمت تعلیم، فیضان نظر اور مکتب کی کرامت تھی کہ اس میں ہر شعبہ زندگی کے لئے ماہر اور تربیت یافتہ اشخاص پیدا ہوئے جنہوں نے دنیا کی تقدیر بدل ڈالا۔ ملک میں اونٹ چرانے والے اور باہمی خانہ جنگی میں مشغول رہنے والے لوگوں کی صلاحیتوں کو معلم نے جلا بخش دی تو ان کے اندر صدیق اور فاروق جیسے مثالی حکمران اور مدبر پیدا ہوئے۔ علی جیسے خطیب اور قاضی پیدا ہوگئے۔ جب حضرت علیؓ کوفہ گئے وہاں علم کی گرم بازاری دیکھی تو فرمایا، اللہ ابن مسعود کی قبر کو نور سے بھر دے، اس نے کوفہ کو علم سے بھر دیا۔ عبداللہ جیسے متبع سنت پیدا ہوئے۔ ابوہریرہ جیسے حافظ حدیث پیدا ہوگئے۔ ابوذر غفاری جیسے نقر منش پیدا ہوگئے۔ عرب کے ریگ زار میں ایک بہار لہلہا اٹھی۔ ایک ہی نسل میں بیسیوں ماہرین نابغہ پیدا ہوگئے۔

کہیں مہر و انجم کہیں ماہ و پروین
اتر آئی کیا کہکشاں آسماں سے

نبی کریم ﷺ کی سیاسی حکمت عملی

سیاست اور حکمت:

قرآن عظیم میں سیاست کے ہم معنی لفظ حکمت ہے جس کا اطلاق سیاسی حکمت پر بھی ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ حکمت کا لفظ سیاست کے مفہوم کو بھی پیش کرتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے وسیع مقاصد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں مملکت اور ملک کے قانون کے ساتھ بار بار حکمت کا ذکر کیا گیا ہے اور ایک مقام میں کہا گیا ہے کہ خداوند عالم جس کو "حکمت" سے بہرہ مند کرتا ہے وہی خیر کثیر کا مستحق ہوتا ہے۔

وَمَنْ اُوْتِیَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

"جس کو حکمت عطا کی گئی تو گویا اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔"

یہ امر اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حکمت کا تعلق سلطنت کی حکمت عملی سے بھی ہے۔
علامہ ابن خلدون سیاست کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رُو سے عام انسانی کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے جس کے ذریعہ خدا کی نائب حکومت، خدا کے بندوں کے لئے، خدا کے قوانین نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجراء عمل میں لاتی ہے۔ اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون ف ۲ ص:۱۰۱)

آپ کی زندگی میں ابتداء سے سیاسی آثار

سیاست کی اس تعریف کا یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے سیاست کا تعلق حکومت و سلطنت کے اس کاروبار سے ہے جس سے عوام کی اصلاح اور بہتری ہو۔

۱۔ سیاسی حکمت عملی بچپن میں:

ابتدائی واقعات میں سب سے اہم واقعہ سفر شام میں آتا ہے جب آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور بصریٰ کے قریب پہنچ کر عیسائی راہب بحیرا سے ملاقات ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

اس وقت آپؐ کی عمر مبارک نو سال یا بارہ سال تھی۔ راہب آپ کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر جو پہلا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے وہ یہ ہے:

"یہ ساری دنیا کا سیاسی سردار ہے۔ یہ ساری دنیا کے خداوند کا نمائندہ اور رسول ہے۔ یہ ساری دنیا کے لئے محبت اور رحمت ہے۔" (سیرت ابن ہشام ج:۱ص:۱۱۹)

کم سنی کی عمر میں ایک باخدا انسان کی پیش گوئی ان آثار پر مبنی تھی جو انجیل مقدس کے ذریعے انسانوں کو پہنچی تھی۔

حرب فجار:

۵۸۶ء میں جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک ۱۵ برس کی تھی، قریش اور قبیلہ قیس میں جنگ شروع ہوگئی۔ چونکہ یہ لڑائی حرمت والے مہینوں میں ہوئی۔ حرمت والے مہینوں (ذیقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) میں دین ابراہیمی کے مطابق لڑنا ممنوع تھا۔ اس وجہ سے اسے حرب الفجار یعنی فاجروں کی جنگ کہا جاتا ہے۔ چونکہ قریش حق بجانب تھے لہذا آپؐ نے قریش کا ساتھ دیا لیکن آپ ﷺ نے کسی پر تلوار نہیں اٹھائی اور ذاتی طور پر حرام مہینوں کا احترام کیا۔

حلف الفضول:

عرب کے قبائلی نظام میں لڑائی لوٹ مار اور جاہلی رسومات نے عرب کا امن وسکون برباد کیا ہوا تھا۔ ڈاکہ زنی کی وارداتیں عام تھیں۔ زبردست زیردستوں کو ہر طریقے سے تنگ کرتے تھے۔ عرب کے لوگ اس قسم کی وارداتوں سے عاجز آ چکے تھے۔ حرب فجار سے واپسی پر نبی کریم ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تجویز پر باہمی مشورہ سے ایک معاہدہ طے پایا جس کی اہم دفعات یہ تھیں:

۱۔ ہم ہر مظلوم کی مدد کریں گے چاہے وہ کہیں کا ہو۔
۲۔ ہم یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کریں گے۔
۳۔ ہم لڑائی جھگڑوں سے گریز کریں گے۔

نبی کریم ﷺ بھی اس معاہدے میں شریک تھے بعد میں آپ ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ بھی دے تو میں نہ لوں گا اور اگر آج

بھی کوئی شخص مجھے حلف الفضول کی طرف بلائے تو میں اس کے بلاوے کو قبول کروں گا۔ اس معاہدے کو حلف الفضول اس وجہ سے کہتے ہیں کہ شروع میں اس معاہدے کا خیال جن لوگوں کو آیا ان کے ناموں میں فضل آتا تھا۔

بیت اللہ کی تعمیر نو:

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بیت اللہ کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے شکستہ اور خستہ ہوگئی تھیں۔ چنانچہ اہل مکہ نے اسے نئے سرے سے بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس تعمیر کے دوران جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو عرب کے تمام قبائل اس سعادت کو حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس بات پر جھگڑا کھڑا ہوا، تلواریں نیام سے باہر آ گئیں۔ اتنے میں ایک معمر بزرگ ابو امیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ آج سب لوگ لوٹ جائیں۔ کل صبح جو شخص بھی حرم میں سب سے پہلے داخل ہو، اس کے فیصلے کو تمام قبائل تسلیم کریں گے۔ چنانچہ اگلے روز سب سے پہلے حرم میں حضرت محمد ﷺ داخل ہوئے تو تمام قبائل سرداروں نے بیک زبان ہوکر کہا کہ هٰذَا الْاَمِيْنُ رَضِيْنَا بِحُكْمِهٖ کہ امین آ گیا ہم سب اس کے فیصلے پر رضامند ہیں۔

آپ ﷺ نے فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے ایک چادر بچھائی اور اس پر دست مبارک سے حجر اسود کو رکھا اور تمام قبائل کے سرداروں کو دعوت دی کہ سب مل کر چادر اٹھائیں اور جب حجر اسود نصب کرنے کی جگہ پر پہنچ گیا تو نبی کریم نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرمایا۔ اس طرح تمام قبائل نے سعادت بھی حاصل کر لی اور آپ ﷺ کے حسن تدبیر سے تنازعہ بھی ختم ہوگیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ نبی کریم ﷺ تمام قبائل عرب کو بالآخر سیاسی طور پر یکجا اور متحد کر دیں گے۔

محمد علی کرد، آپ ﷺ کے تدبر اور سیاسی بصیرت کی ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"نبوت سے پہلے ہی وہ (اہل مکہ) آپ ﷺ کو الامین کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ کی امانت کو اور آپ ﷺ کی صداقت کو تسلیم کیا۔ اکثر اوقات آپ ﷺ اپنی حکمت سے اکثر پیچیدہ مسائل کا صحیح حل کر دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ حلف الفضول میں بھی حاضر تھے۔ حجر اسود کے نصب کے واقعے سے قبائل آپ ﷺ کے فیصلے سے اسی دن راضی ہوگئے تھے۔ وہ اپنے فعل پر خود حیران تھے کہ انہوں نے عمر میں

Scanned with CamScanner

اپنے سے چھوٹے اور مال میں اپنے سے کم کی اطاعت کی۔ اس طرح ان سب نے تب ہی آپ ﷺ کو خود ہی حاکم اور رئیس تسلیم کر لیا تھا۔

(الاسلام والحضارۃ العربیہ ص ۳۳۲)

اعلان نبوت:

اعلان نبوت کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی حیثیت قائد تحریک کی ہوگئی جس پر مخالفتوں کے طوفان اٹھے، مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے، معاشرتی مقاطعہ ہوا رفقا کے لئے عرصہ حیات تنگ رہا اور خوف و لالچ دلایا گیا لیکن آپ ﷺ نے کاروان شوق کو اپنی پیغمبرانہ بصیرت و تدبر اور تائید ایزدی کے ذریعے بچا لیا۔ اگر آپ ﷺ کی سیاسی پالیسی و فراست میں ذرہ بھر بھی کمی ہوتی تو مکہ میں تصادم ہوجاتا اور مٹھی بھر مسلمان ابتدا میں ہی ختم ہوجاتے۔ (سیرت ابن ہشام)

آپ ﷺ نے انتہائی حکمت سے نامساعد حالات میں اپنی دعوت کو وسعت دی اور اپنے تدبر سے قریش کی ہر تدبیر اور رکاوٹ کو ناکام بنا دیا۔ آپ ﷺ کے سیاسی تدبر میں تائید خداوندی کا عنصر خصوصی تھا۔ دعوت کے پھیلانے میں مختلف قبائل تک جانے اور عمومی تخاطب اختیار کرنے کے تمام پہلو آپ ﷺ کی فراست کی بین دلیل ہیں۔ وحی الٰہی کی ہدایت اور پیغمبرانہ بصیرت اپنا کام مسلسل سرانجام دیتی رہی۔ سیاسی نقطہ نظر سے جب آپ ﷺ نے یہ دیکھا کہ مکہ تحریک کے لئے مفید مرکز نہیں رہا تو آپ نے گرد و پیش پر نگاہ ڈالی اور مکہ سے باہر اپنی مرکزیت و اجتماعیت اور مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کے لئے پہلے حبشہ کی جانب اور پھر خود مدینہ کی جانب ہجرت کی اور مکی دور میں اہل یثرب کی بیعتیں بھی اسی سیاسی پالیسی کے زمرے میں آتی ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

سیاسی حکمت عملی......مدنی زندگی

نبی کریم ﷺ نے بحیثیت فرمانروا اور حکمران کے مدنی زندگی کا آغاز کیا کہ مکہ میں آپ ﷺ کی حیثیت حکمران کی سی نہ تھی اور نہ اقتدار آپ کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے حسن تدبر اور حسن انتظام سے مدینہ میں ایک مثالی سلطنت اور ایک مثالی معاشرہ قائم کیا جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

مواخات مدینہ ۱ ہجری/۶۳۲ء

آنحضور ﷺ نے نبوت کے تیرہ سال مکہ میں بسر کرنے کے بعد مدینہ ہجرت فرمائی۔ مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی خالی ہاتھ اپنے گھر بار چھوڑ کر گئے۔ وہ بڑے پریشان تھے نہ ان کا کوئی ذریعہ معاش تھا اور نہ سر چھپانے کی جگہ۔ اس پریشان کن مسئلہ کو نبی اکرم ﷺ نے جس تدبر اور حکمت سے حل فرمایا۔ اس سے پہلے اس قسم کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بغیر کسی جبر کے محض ایک اخلاقی اپیل کے ذریعے آبادکاری کے اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کر دیا گیا۔

حضرت انس بن مالک کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا۔ اس اجتماع میں تقریباً سو اصحاب موجود تھے جن میں نصف مہاجرین تھے اور نصف انصار تھے۔ مہاجرین میں سے ایک ایک فرد کی کفالت انصار کے ذمہ ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تَآخَوْا فِي اللّٰهِ اَخَوَيْنِ اَخَوَيْنِ ’’یعنی اللہ کی خاطر دو دو آدمی بھائی بھائی بن جاؤ‘‘

چنانچہ آنحضور ﷺ نے عقیدے اور نظریے پر صحیح معنوں میں ایک نئی برادری پیدا کر دکھائی۔ انصار کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مال، گھر، باغات اور کھیت نصف نصف تقسیم کر کے اپنے مہاجر بھائی کو دے رہے تھے۔ دوسری طرف مہاجرین کی خود داری کا عالم یہ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ بھائی ہمیں کھیت یا بازار کا راستہ دکھاؤ ہم تجارت یا مزدوری کر کے پیٹ پال لیں گے۔

بہرحال انصار نے اس معاہدے میں جس جذبے کا ثبوت دیا اس کی وضاحت ترمذی شریف کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک بار مہاجرین میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم جن لوگوں میں اترے ہیں وہ مال کی کمی کے باوجود ہماری اتنی مدد کرتے ہیں کہ ہمیں خدشہ ہوگیا ہے کہ اسلام کی راہ میں قربانیوں کا تمام اجر یہی لوگ نہ لے جائیں۔

تاریخ اسلام میں خصوصاً اور تاریخ عالم میں عموماً یہ پہلی برادری تھی جس کی بنیاد عقیدہ اور نظریہ پر تھی۔ اسی طرح نہ صرف مہاجرین اور انصار ایک متحدہ ملت بن گئے بلکہ خود انصاری قبائل اوس اور خزرج بھی قدیم دشمنیاں چھوڑ کر باہم شیر و شکر ہوگئے۔ مواخات مدینہ سے مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ بھی باحسن طریق حل ہوگیا۔

Scanned with CamScanner

میثاقِ مدینہ:

ہجرت مدینہ کے بعد جب حضور ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو مدینہ منورہ مختلف جماعتوں میں بٹا ہوا تھا جس میں مہاجرین، انصار، منافقین، عیسائی اور یہودی شامل تھے۔ یہودیوں کے بعض قبائل طاقت ور تھے اور کافی عرصے سے انصار پر حاوی تھے۔ اب وہ غلبہ تو نہ تھا مگر پھر بھی انصار کے مقابلے میں فوقیت رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام لوگوں میں نظم و ضبط پیدا کرنے کی کوشش کی تا کہ مدینہ منورہ میں سیاسی، معاشی استحکام پیدا ہو اور مسلمانوں کے تعلقات غیر مسلموں سے واضح معین اور منضبط ہو جائیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں امن و امان برقرار رکھنے کے لئے تمام قبائل اور فریقوں کو اکٹھا کیا اور باہمی رضامندی سے ایک معاہدہ طے پایا جسے "میثاق مدینہ" کا نام دیا گیا۔

میثاق مدینہ ایک سیاسی اور معاشرتی منشور تھا جس پر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

۱۔ یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت ہے اور اس کا ایک ایک لفظ اور ورق تاریخ میں محفوظ ہے۔

۲۔ اس معاہدہ سے یہود کی تائید اور حمایت حاصل کرنا آنحضور ﷺ کی بہت بڑی سیاسی کامیابی ہے۔

۳۔ تمام تنازعات میں آنحضور ﷺ کو ثالث تسلیم کیا گیا جس سے سیاسی اور عدالتی لحاظ سے آخری اتھارٹی آپ ﷺ کو قرار دیا گیا۔

پس منظر:

آپ ﷺ نے مدینہ کو مستحکم کیا۔ اب اہل مدینہ کو بیرونی خطرات سے بچانے کے لئے مسلم اور غیر مسلم کو خاص نکتے پر جمع کیا کیونکہ یہ اس وقت کی ضرورت تھی کہ اہل مدینہ خواہ وہ مسلم ہوں یا یہود متفق ہوں اور ان کے باہمی اختلافات کو ہوا نہ ملے اور بیرون مدینہ کے لوگ بھی مدینہ پر حملہ نہ کریں۔ آپ ﷺ کے سیاسی تدبر سے مدینہ کو حافظت و سکون کے حالات میسر آئے۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں مرکزی نظام نہ تھا اور آپ ﷺ کی اس وقت متعدد فوری سیاسی ضرورتیں تھیں۔

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔

۲۔ مہاجرین مکہ کی آبادکاری اور گزر بسر کا انتظام۔

۳۔ شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ۔

۴۔ شہر کی سیاسی اور فوجی تنظیم کا اہتمام۔

۵۔ قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچائے گئے جانی و مالی نقصانات کا ازالہ۔

انہی مقاصد کے لئے آپ نے مدینہ میں آنے کے چند ماہ بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جس میں شہر مدینہ کو پہلی دفعہ شہری مملکت قرار دینا اور اس کا انتظام و دستور مرتب کرنا تھا۔ (طبقات ابن سعد)

اس طرح نبی کریم ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کو ایک مستحکم سیاسی نظام دیا اور اس کے لئے خارجی خطرات سے نپٹنے کے لئے بنیاد قائم کی اور اس سے آپ کو ایک منتظم اور سیاست دان و حکمران کی حیثیت مل گئی جو آپ کی زبردست کامیابی تھی۔ بقول محمد حسین ہیکل، "یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی رو سے حضرت محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال قبل ایسا منضبط اور منظم انسانی معاشرہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کو تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکاب جرم پر گرفت اور مواخذہ نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی (مدینہ) میں رہنے والوں کے لئے امن کا گہوارہ بن گئی۔" (حیات محمد ص۲۲۷)

میثاق مدینہ کو حکمت سے لاگو کرنے سے آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد مضبوط کی۔ آپ ﷺ کے پیش نظر صالح معاشرے کا قیام تھا اور دینی حکومت قائم کرنی تھی جس کا مقصد دعوت دین، اصلاح اخلاق اور تزکیہ نفس تھا اور یہی مقصد اسلامی ریاست کا قرآن نے بیان و متعین کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۔ (حج:۴۱)

وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین پر اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوۃ ادا کریں گے نیکیوں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

یہ آیت آپ ﷺ کی سیاست کی حکمت اور حکومت کے طریق کار کو متعین کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی قائم کردہ حکومت نسلی عصبیت کی بجائے بین الاقوامی اور نظریاتی وحدت پر قائم تھی اور بطور منتظم اور مدبر سیاست دان کے آپ کے کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ امورِ داخلہ ۲۔ امور خارجہ

Scanned with CamScanner

امور داخلہ میں آپ نے خصوصی توجہ داخلی استحکام، امن و اخلاقی تربیت کی طرف رکھی، ان امور کو جس سلیقے سے ملحوظ خاطر رکھا وہ سیاسی تدبر و فراست کا بین ثبوت ہیں۔

آپ ﷺ کی حکمت عملی میں سب سے زیادہ اہمیت اشاعت اسلام کو حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں تعلیم کے مراکز قائم کئے۔ مختلف علاقوں میں تربیت یافتہ معلم بھیجے، علوم دینیہ میں تعلیم کو فروغ دیا اور جن علاقوں کو فتح کیا وہاں لوٹ مار اور قتل و غارت کی بجائے امن و آشتی کے اصولوں کو پیش نظر رکھا تاکہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لئے سازگار ماحول بن سکے۔ فتح مکہ پر آپ ﷺ نے جس صبر و تحمل سے کام لیا وہ اسی اشاعت کے جذبے کا اثر تھا۔

طائف کے مقام پر جو مصائب برداشت کئے اور دعائے رحمت کی وہ اس مشن کی تکمیل تھی۔ آپ ﷺ نے اندرون مملکت تبلیغ و اشاعت کے لئے بھرپور کوششیں فرمائیں۔

اس کے بعد بطور حکمران و سیاست دان اگلا مرحلہ شہری ریاست کو اندرونی خلفشار سے بچانے اور اسے استحکام بخشنے کا تھا، جس میں آپ ﷺ نے مواخات کے علاوہ میثاق مدینہ اور دوسرے قبائل سے معاہدے کئے جس سے مخالفتوں میں کمی ہوئی اور حکمت و تدبیر نبوی یہ تھی کہ جو شخص قبیلہ یا گروہ اور خاندان مسلمان ہو وہ مدینہ یا مضافات مدینہ میں آ بسے تاکہ آبادی بڑھنے سے فوجی و سیاسی حالت محفوظ ہو۔ (انسان کامل ص: ۳۷۰)

اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک سیاسی تدبیر یہ کی کہ نومسلموں کو اعزاز بھی دیئے۔

آپؐ نے پیغمبرانہ بصیرت سے انہیں معزز ہی رکھا اور اس اصول کو اس طرح بیان فرمایا:

''تم میں سے عہد جاہلیت کے معزز اسلام لانے پر بھی معزز ہی ہوں گے بشرطیکہ وہ اسلامی قوانین سے واقف ہو جائیں۔'' (مسلم شریف)

نبی کریم ﷺ کی داخلہ سیاست کا ایک اہم جز و احترام انسانیت تھا۔ آپؐ نے کشت و خون سے گریز کی پالیسی پر عمل کیا۔ اگرچہ دفاع کے لئے جنگیں کیں لیکن ان کی نوعیت مختلف تھی۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ:

> ''عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا جس کی آبادی یقیناً کئی لاکھ تھی۔ روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کے اوسط فتح ہوئی جس میں ایک دشمن ماہانہ قتل ہوا۔ یہ اس حکمت کا اصول ہے جو آپ کے پیش نظر انسانی خون کے احترام کی تھی۔'' (عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص: ۲۶۵)

آپؐ نے پولیس کو بھی منظم کیا اور احتساب کا نظام قائم کیا اور بطور سیاست دان آپ ﷺ کا مرکز مسجد نبوی تھی۔ آپ تمام وفود و قبائل سے یہیں ملاقات فرماتے۔ گورنروں اور عمائدین حکومت کو ہدایات مسجد نبوی سے روانہ کی جاتیں۔ دین و دنیاوی معاملات طے کئے جاتے۔ ہر قسم کی سیاسی و مذہبی تقاریب کا انعقاد مسجد نبوی ﷺ میں ہی ہوتا تھا۔

امور خارجہ:

بطور حکمران و سیاست دان سب سے پہلے امور داخلہ میں استحکام پیدا کیا۔ آپ ﷺ نے وہ تمام طریقے اپنائے جن سے ملی یک جہتی ممکن تھی۔ پھر اس کے بعد آپ نے حکمت و سیاست سے دشمن کی قوت کو توڑا۔ اس سلسلے میں پہلی تدبیر آپ ﷺ نے یہ کی کہ مشرکین پر آپ ﷺ نے معاشی دباؤ ڈالا۔ دوسرے اہل مکہ کے دوستوں سے تعلقات استوار کئے۔ آپ ﷺ کے مختلف معاہدوں پر نظر ڈالی جائے تو آپ کی سیاست کا یہ اصول بڑا ممیز ہے۔ بیعت عقبہ میں مدینہ والے اصل میں قریش سے ملنے کے لئے آئے تھے۔ میثاق مدینہ میں بھی یہی جذبہ کارفرما تھا جو آپ کی سیاست خارجہ کا شاہکار ہے۔

صلح حدیبیہ:

آپ ﷺ کی سیاست کا ایک اہم شاہکار صلح حدیبیہ ہے جب مسلمانوں کو دو خطرے تھے۔ آپ ﷺ نے مکہ کی طرف سے جنگ کو اس صلح کے ذریعے بند کر دیا کہ ان کو غیر جانب دار کر دیا اور اس کے معاوضے میں تجارتی راستہ کھول دیا۔ یہ زبردست سیاسی فتح تھی جو مسلمانوں کو ملی۔ مسلمانوں کے حالات کے مطابق سیاست دانی کا تقاضا یہی ہو سکتا تھا کہ دونوں میں سے کسی دشمن سے صلح کر لی جائے اور دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست یا طرف دار بنا لیا جائے کہ دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے اور مکہ سے صلح، یہود خیبر کے بجائے اس لئے کی گئی کہ مکہ مسلمانوں کے لئے رعایتوں کا متقاضی تھا۔ صلح حدیبیہ سفارتی سرگرمی کی پیش خیمہ تھی جو بعد میں فتح مکہ کی بنیاد بنی۔

حضور ﷺ کی سیاست خارجہ کا بہت بڑا اصول اپنی دعوت کو وسیع کرنا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے آپ ﷺ نے دو طریقے اختیار کئے۔

۱۔ دعوتی خطوط

۲۔ تبلیغ کی راہ میں حائل ہونے والوں کا انتظام

جس وقت آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت حجاز میں قبائلی نظام تھا جس میں مرکزیت کا تصور بھی نہ تھا۔ صرف دو پڑوسی سلطنتیں ایرانی اور رومی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے

اندرون ملک استحکام کے بعد بیرون ملک دعوتی خطوط لکھنے شروع کئے۔ آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اپنا خط ایک سفیر کو دے کر روانہ فرماتے اور مکتوب الیہ کا ردعمل معلوم کرتے۔ چند اہم سفراء کے نام یہ ہیں:

۱۔ دحیہ کلبی	ہرقل کے پاس بھیجا
۲۔ عبداللہ بن حذافہ السہمی	کسریٰ کے طرف
۳۔ عمرو بن امیہ	نجاشی کے دربار میں
۴۔ حاطب بن ابی بلتعہ	مقوقس والی مصر کی طرف
۵۔ مہاجر بن ابی امیہ	حارث بن عبدالحمیری والی یمن کے پاس

ان سفراء کے انتخاب میں آپ ﷺ نے تالیف قلبی کو بھی مدنظر رکھا اور زکوٰۃ کو تالیف قلب کے لئے استعمال کیا۔ یہ رعایت اس لئے تھی کہ اسلام دل میں گھر کر لے گا تو جہاد بھی ہوگا اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی۔

غرض قرآن نے عملی سیاسیات کی جو اہم تعلیم دی اور حکمران کو جو صوابدیدی کا حق دیا وہ آپ ﷺ میں پوری طرح موجود تھا۔

فتح مکہ:

بقول ڈاکٹر حمید اللہ آپ ﷺ کی سیاست کا سب سے عظیم شاہکار فتح مکہ ہے جب آپ ﷺ نے حکمت عملی سے کام لے کر تمام کفار مکہ کو معاف کر دیا جب کہ آپ ﷺ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے تھے۔ فتح مکہ دس سالہ مدنی سیاست کا وہ عظیم نتیجہ تھا جس کی بنیاد صلح حدیبیہ کو بنایا گیا تھا۔ اس میں تالیف قلب کا پہلو بھی ہے۔ (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

نبی کریم ﷺ بطور سیاست دان و حکمران بہترین منتظم اور اعلیٰ درجے کے مدبر تھے۔ آپ ﷺ نے آنے والوں کے لئے قابل قدر نمونہ چھوڑا۔ آپ نے قرآن کی بیان کردہ سیاست کو عملی سیاسیات بنایا اور آپؐ کے قائم کردہ اصول سیاست آج بھی اسلامی معاشرہ کو اس کے عروج کی بلندی پر پہنچا سکتے ہیں جو ان کو چھوڑ کر مغرب کی تقلید اپنا رہا ہے۔ عبداللہ العربی کے بقول:

اسلام اخلاق، سیاست اور معیشت کے اتحاد ثلاثہ کا نام ہے اور سیاست و معیشت کی بنیاد اخلاق ہے اور اخلاق کا مرکزی نقطہ توحید باری تعالیٰ ہے، گویا اصل مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

فقہ

☆ تعارف فقہ

☆ مطالعہ مسائلِ فقہ

نوٹ: امتحان میں تعارف فقہ کا سوال ۱۰ نمبر کا اور مطالعہ فقہ کا سوال ۲۰ نمبر کا آئے گا۔

Scanned with CamScanner

تعارف علم فقہ

فقہ کے لفظی معنی:

فقہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کے جاننے یا سمجھنے کے ہیں۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں یہ لفظ انہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ. (التوبہ:۷۸)

ترجمہ: ''اور انکے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے اس لئے ان کی سمجھ میں اب کچھ نہیں آتا۔''

اسی طرح حدیث نبویؐ میں بھی اس سے یہی معنی مراد لئے گئے ہیں:

اِنَّ رِجَالًا يَاْتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْراً. (ترمذی)

ترجمہ: ''لوگ تمہارے پاس دنیا کے مختلف حصوں سے دینی سمجھ بوجھ حاصل کرنے آیا کریں گے جب وہ آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ یہ میری وصیت ہے۔''

اصطلاحی معنی:

لیکن شریعت اسلامی کی اصطلاح میں یہ لفظ صرف دینی مسائل کی سمجھ بوجھ کے لئے مخصوص ہے جس کے ذریعے انسانی افعال کے بارے میں ان کے فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام ہونے کی حیثیت سے احکام الٰہی کی معرفت حاصل کی جاتی ہے۔ بالعموم فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے۔

اَلْفِقْهُ عِلْمٌ بِالْمَسَائِلِ الشَّرْعِيَةِ.

ترجمہ: ''فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ شرعی مسائل کو جانا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں جو تعریف علمائے فقہ نے کی ہے وہ زیادہ جامع ہے۔''

هُوَ الْعِلْمُ بِالْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَةِ مِنْ اَدِلَّتِهَا التَّفْصِيْلِيَةِ.

ترجمہ: ''وہ ان (فروعی) احکام شریعت کا علم ہے جو اس کے تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہے۔''

مختصر الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اس خاص فن کا نام ہے جس میں اسلامی شرع کے احکام اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کے جاننے والے کو فقیہ کہا جاتا ہے جس کی تعریف محققین نے یوں کی ہے۔

اَلْفَقِيْهُ اَلْعَالِمُ الَّذِیْ يُشَقِّقُ الْاَحْكَامَ وَ يُفَتِّشُ عَنْ حَقَائِقِهَا وَ يَفْتَحُ مَا اسْتَغْلَقَ مِنْهَا.

ترجمہ: ''فقیہ وہ عالم ہے جو تدبر و تفکر کے ذریعہ احکام کے حقائق کا پتہ چلائے اور مشکل و مغلق کو واضح کرے۔''

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ لفظ ہمیشہ مجتہد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے لیکن بعد میں فقیہ کے لئے مجتہد ہونا ضروری نہ سمجھا گیا۔ فقہ کے دوسرے ہم معنی الفاظ ''شرع'' اور ''قانون'' ہیں لیکن اسلامی قانون کے لئے ''فقہ'' کا لفظ علماء میں مقبول و مروج ہو چکا ہے۔

علم فقہ کی فضیلت:

حق تعالیٰ شانہٗ کا قرآن میں ارشاد ہے:

يُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا.

(البقرۃ:۲۶۹)

ترجمہ: ''(اللہ) جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔''

اکثر مفسرین نے مذکورہ بالا آیت میں لفظ حکمت کو فقہ کا مترادف قرار دیا ہے کیونکہ اس میں بھی لفظ فقہ کی طرح صحیح بصیرت اور صحیح قوت فیصلہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

حدیث نبویؐ میں حصول علم فقہ کو نعمت خداوندی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

Scanned with CamScanner

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے۔''

ایک اور جگہ فقیہ کی ستائش واضح طور پر ان الفاظ میں کی گئی ہے:

فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ. (ترمذی عن ابن عباس)

ترجمہ: ''ایک فقیہ ہزار عابدوں کی نسبت شیطان پر زیادہ بھاری ہوتا ہے۔''

فقیہ کو عابد پر ترجیح اس لئے دی گئی ہے کہ زاہد کے زہد سے صرف اس کی اپنی ہی ذات منتفع ہوتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں ایک فقیہ کی رہنمائی سے اپنے علاوہ ہزاروں دیگر افراد بھی فیض یاب ہوکر سعادت دارین حاصل کر سکتے ہیں۔ مزید برآں عبادت گزار کی عبادت چونکہ بالعموم بلابصیرت وفہم ہوتی ہے اس لئے شیطان بڑی آسانی سے اسے گمراہی کے گڑھے میں دھکیل سکتا ہے یا کم از کم شکوک وشبہات کے جال میں پھانس سکتا ہے اس کے برعکس فقیہ چونکہ حقیقت مسائل سے آگاہ ہوتا ہے اس لئے وہ اتنی جلدی سے شیطان کے بہکاوے میں نہیں آسکتا۔

فقہ کا موضوع:

پوری انسانی زندگی فقہ کا موضوع ہے لیکن سہولت کے لئے علمائے کرام نے علم فقہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ انسان کے تعلقات کا محور دو چیزیں ہیں،ایک انسان کا تعلق اپنے خالق اور مالک سے ہے اس تعلق کو عبادات کا نام دیا جاتا ہے۔ دوسرے اس کا تعلق اپنے جیسے انسانوں سے ہے اس کو معاملات کہا جاتا ہے۔

اس لئے فقہ کی دو شاخیں ہیں:

اس کی ایک شاخ عبادات سے متعلق ہے جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے متعلق دینی احکام کا تذکرہ ہے۔

دوسری کا تعلق معاملات سے ہے جیسے نکاح، طلاق، خرید و فروخت اور جرائم وغیرہ کی سزائیں۔

پس علم فقہ زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق دینی احکام معلوم کرنے کے ایک ذریعے کے طور پر سامنے آتا ہے۔

(الف) بنیادی مآخذ فقہ اسلامی
(قرآن، حدیث، اجماع و قیاس)

ماخذ سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات جہاں سے قوانین بذریعہ دلائل حاصل کئے جاتے ہیں، انہیں دلائل شرعیہ یا مصادر شرعیہ بھی کہا جاتا ہے۔ جس فن میں ان ذرائع یا مقامات سے بحث کی جاتی ہے اسے اصول فقہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ فقہاء نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

هُوَ عِلْمٌ بِقَوَاعِدِ يَتَوَصَّلُ اِلَى اِسْتِنْبَاطِ الْاَحْكَامِ الْفِقْهِيَّةِ عَنْ دَلَائِلِهَا.

ترجمہ: ''وہ ان قواعد کے جاننے کا علم ہے جس سے ہمیں بذریعہ دلائل استنباط احکام کا ملکہ حاصل ہوجاتا ہے۔''

ادلہ اربعہ:

فقہ اسلامی کے چار بنیادی ماخذ ہیں جنہیں ''ادلہ اربعہ'' کہا جاتا ہے۔ بعضوں نے ان چار بنیادی ماخذوں یعنی ''ادلہ اربعہ'' کو فقہ کے چار اصول قرار دیا ہے۔ فقہ اسلامی کے چار بنیادی ماخذ حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید (۲) سنت نبویؐ (۳) اجماع (۴) قیاس

ضمنی یا ثانوی ماخذ۔ فقہ اسلامی کے ضمنی یا ثانوی ماخذ حسب ذیل ہیں:

(۱) استحسان (۲) استصلاح یا مصالح مرسلہ (۳) استدلال
(۴) ماقبل کی شریعت (۵) تعامل (۶) عرف ورواج
(۷) مسلمہ شخصیات کی آراء (۸) ملکی قانون

مگر اصول فقہ کی کتابوں میں صرف پہلے چار کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ماخذ

Scanned with CamScanner

کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کر کے ان کی تعبیر و توجیہہ اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں۔

پہلے چاروں ارکان میں درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے فرق ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اصل ماخذ قرآن ہی ہے کیونکہ سنت قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے مشکل کی توضیح ہے۔ اندریں حالات تشریحی لحاظ سے قرآن و سنت دونوں ہم پلہ قرار نہیں دیئے جاسکتے ہیں۔ قرآن قطعی الثبوت ہے اور حدیث ظنی۔ پھر دونوں قوت و حکم کے اعتبار سے یکساں کس طرح ہو سکتے ہیں لیکن قرآن سے مرتبہ میں متوخر ہونے کے باوجود ایک جہت سے سنت بجائے خود مستقل مصدر قانون ہے کیونکہ اس میں کئی ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جن کے بارے میں قرآن یا تو خاموش ہے یا ان کے کسی ایک پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے اور یا ان کے بیان میں کسی قسم کا اشکال و خفا باقی رہ گیا ہے۔ رہے اجماع و قیاس تو ان دونوں کی ترتیب قرآن و سنت ہی کی مقررہ بنیادوں پر ہوتی ہے۔ اسلامی قانون کے ان بنیادی سرچشموں کا تذکرہ مختصراً حسب ذیل ہے۔

قانون اسلام کا ماخذ اوّل......قرآن مجید

کلام الٰہی:

اسلامی قانون کی سب سے بڑی دلیل اور بنیادی ماخذ قرآن کریم ہے جو خدا کا کلام ہے جیسا کہ وہ بہ بانگ دہل اعلان کرتا ہے:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (سجدہ:۲)

ترجمہ: "اس کتاب کی تنزیل بلاشبہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔"

اسے رسالت مآب ﷺ پر نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اس کی ہدایات کی روشنی میں لوگوں کے معاملات کا فیصلہ صادر فرما سکیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ.
(نساء:۱۰۵)

ترجمہ: "بیشک ہم نے کتاب حق کے ساتھ آپؐ کی طرف نازل کی ہے تاکہ وہ جو (راہ راست) اللہ نے آپ کو دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ دیں۔"

نزول قرآن:

قرآن مجید رسول ﷺ کی ولادت کے اکتالیسویں سال سے آپ پر بتدریج نازل ہونا شروع ہوا۔ اس نزول کی ابتداء ماہ رمضان کی سترہویں رات سے ہوئی جب کہ آپؐ غار حرا میں معتکف تھے اور ۱۰ھ میں آپ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔ نو ذوالحجہ کو حج اکبر کے دن سب سے آخری آیت یہ نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.

ترجمہ: "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔" (مائدہ:۳)

مفسرین کا بیان ہے کہ اس کے بعد امر و نہی کے متعلق آپؐ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آپ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔ اس بناء پر نزول قرآن کی ابتداء و انتہا کی کل مدت بائیس سال دو مہینے اور بائیس دن ہے۔

نزول کے دو دور:

نزول قرآن کا زمانہ دو الگ الگ حصوں میں منقسم ہے جو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ پہلا حصہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جس میں آپ کا قیام مکہ معظمہ میں تھا۔

یہ کل تیرہ سال پانچ مہینے اور تیرہ دن کا زمانہ ہے جس کی ابتداء سترہ رمضان ۴۱ نبوی سے ہوئی ہے اور یکم ربیع الاول ۵۴ نبوی تک وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس مدت میں قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہوا ہے اس کو مکی کہتے ہیں۔

دوسرا حصہ ہجرت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ کل نو سال نو مہینے اور نو دن کا زمانہ ہے جس کی ابتداء یکم ربیع الاول ۵۴ نبوی مطابق ۱۰ھ پر ختم ہو گیا۔ اس دور میں جو آیتیں اور سورتیں نازل ہوئیں، ان کو مدنی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کا مکی حصہ کل قرآن کا ۲/۳ اور مدنی حصہ اس کا ۱/۳ ہے۔ سورتوں کی مجموعی تعداد ایک سو چودہ ہے جن میں سے مکی سورتیں چھیاسی اور مدنی اٹھائیس ہیں۔ پہلی سورہ "الفاتحہ" ہے اور سب سے آخری "الناس" ہے۔

Scanned with CamScanner

قرآن۔ کلیات کی کتاب:

ہمیں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ قرآن صرف امثال وقصص ہی کی کتاب نہیں بلکہ وہ شخصی و اجتماعی زندگی کا ایک مکمل دستور العمل بھی ہے جس کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب نازل نہ ہوگی پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کتاب الٰہی میں زندگی سے تمام مسائل کے لئے جزئی تفصیلات مذکور نہیں ہیں اور حق یہ ہے کہ چونکہ ہر زمانہ میں انسانی عقل وشعور کی استعداد وصلاحیت یکساں نہیں ہوتی بلکہ اس میں عمل ارتقاء برابر جاری رہتا ہے۔ اس بناء پر حکمت خداوندی کا تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ اس آخری کتاب سماوی میں زندگی کے متعلق صرف اصول بیان کئے جائیں اور ان کی جزئیات سے تعرض نہ کیا جائے۔ پس جب قرآن میں جزئیات مذکور نہیں اور صرف اصول وکلیات کا تذکرہ بیان ہے تو فہم قرآن کے لئے ضروری ٹھہرا کہ اصول سے فروع اور کلیات سے جزئیات کے استخراج واستنباط کی صلاحیت واستعداد پیدا کی جائے۔ چنانچہ فقہاء نے قرآن مجید کے صرف اسی حصہ سے بحث کی ہے جس کا تعلق فقہی احکام سے ہے۔ محققین کے نزدیک یہ حصہ قریباً پانچ صد آیات پر مشتمل ہے۔ قرآن پاک میں ان آیات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ عبادات کے بارے میں آیات ۱۴۰ ہیں۔
۲۔ نکاح، طلاق اور وصیت کے بارے میں آیات ۷۰ ہیں۔
۳۔ خرید وفروخت، اجارہ، رہن شرکت اور تجارت کے بارے میں ۷۰ آیات ہیں۔
۴۔ حدود وتعزیرات کے بارے میں ۳۰ آیات
۵۔ قضا وشہادت (گواہی) کے بارے میں ۲۰ آیات
۶۔ متفرق احکام ۱۷۰ آیات (علم اصول فقہ از عبدالوہاب خلاف)

ایک فقیہ یا مجتہد کے لئے لازمی ہے کہ وہ ان آیات کے بارے میں علم رکھتا ہو کہ ان میں سے کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ، کون سی مجمل ہے، کون سی مفصل، کون سی خاص ہے کون سی عام، کون سی محکم ہے، کون سی متشابہ۔ علاوہ ازیں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ عمل میں لانے کی جو باتیں ہیں وہ کس درجہ کی ہیں۔ فرض، واجب، سنت، مستحب وغیرہ۔ اسی طرح جو نہ کرنے سے متعلق ہیں ان کی نوعیت کیا ہے حرام ومکروہ وغیرہ۔

فقہی احکام کے قرآنی اصول:

قرآن مجید کے اصول وکلیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فقہی احکام کو قانونی شکل دینے میں انسانی طبیعت ومزاج کے پیش نظر درج ذیل اصولوں کو اپنی بنیاد قرار دیا ہے۔

(ا) عدم حرج (ب) قلت تکلیف (ج) تدریج (د) نسخ

(ا) عدم حرج:

عربی زبان میں حرج کے معنی تنگی کے ہیں اور عدم حرج کے اصول سے مراد یہ ہے کہ شریعت کا بنیادی اصول تنگی کو دور کرنا ہے۔ اسی اصل کی بناء پر کئی رخصتیں مثلاً سفر کے دوران نماز میں قصر کی اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت، بوقت ضرورت حرام چیز کی اباحت اور پانی دستیاب نہ ہونے یا بیماری میں اضافہ کے خدشہ کے پیش نظر وضو کی بجائے تیمم کا مشروع ہونا وغیرہ اس کی چند ایک مثالیں ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں مثلاً

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ:۲۸۶)

ترجمہ: ''اللہ کسی جان پر اس کی برداشت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔''

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ:۱۵۸)

''اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (حج:۷۸)

ترجمہ: ''اللہ نے دین کے معاملہ میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔''

(ب) قلت تکلیف:

قلت تکلیف عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے جو شخص اوامر ونواہی کی حقیقت کے لئے قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا۔ اسے اس اصل کی صحت کا نہایت آسانی کے ساتھ یقین ہوجائے گا کیونکہ اول تو ان کی تعداد نہایت کم ہے۔ دوسرے تھوڑی سی مدت میں اس کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔ تیسرے ان پر نہایت آسانی سے عمل کیا جاسکتا ہے اور چوتھے ان کے بارے میں اس

Scanned with CamScanner

کثرت سے تفصیل نہیں پائی جاتی کہ جو لوگ صرف قرآن مجید پر عمل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے تنگیاں پیدا ہوں۔ درج ذیل آیت قرآنی میں اسی اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ (المائدہ:۲۸)

ترجمہ: "اللہ تم سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

تدریج:

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے وقت اہل عرب میں بہت سی مضر عادتیں راسخ ہو چکی تھی جن سے شرع اسلامی ان کو الگ رکھنا چاہتی تھی اس لئے اس نے اپنی حکمت کے اقتضاء سے آہستہ آہستہ ان کے لئے اپنے حکم کو ظاہر کیا اور رفتہ رفتہ اپنے دین کو کمال کے درجہ تک پہنچایا۔ مثال کے طور پر جب حضور ﷺ نے شراب اور جوئے کے متعلق جن کے اہل عرب شدت سے خوگر تھے۔ سوال کیا گیا تو آپ نے قرآن مجید کی زبان سے اس کا یہ جواب دیا **فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنٰفِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔**

ترجمہ: "ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔" (البقرۃ:۲۹۱)

یہ شراب اور جوئے کے متعلق پہلا حکم ہے جس میں صرف اظہار ناپسندیدگی کر کے چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اس کے بعد یہ حکم ہوا۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (نساء:۴۳)

ترجمہ: "جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد نماز کا وقت آتا تھا تو حضور ﷺ کے حکم سے ایک شخص اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور شخص نماز میں شامل نہ ہونے پائے۔ لیکن چونکہ ممانعت کا حکم قطعی نہ تھا اس لئے لوگوں نے شراب پینے کے اوقات بدل دیئے اور ایسے وقت میں شراب نہ پیتے تھے جب کہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں نشہ کی حالت میں نماز کا وقت نہ ہو جائے اس کے بعد تصریح کے ساتھ ممانعت کا قطعی حکم دے دیا گیا۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ. اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔

ترجمہ: "جوا، بت اور پانسے کے تیر تو بس گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں اس لئے تم ان سے بچو تاکہ تم فلاح حاصل کرو۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا اب تم باز آ جاؤ گے؟" (المائدۃ: ۹۰-۹۱)

یہ ان تدریجی احکام میں مضمر حکمت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ جو اس آیت کے اولین مخاطب ہیں اسے سنتے ہی پکار اٹھے۔ اِنْتَهَیْنَا رَبَّنَا "اے ہمارے رب ہم باز آ گئے۔" اگر شراب کے پینے کا حکم اول ہی دن سے نازل ہو جاتا تو عین ممکن ہے کہ لوگ یہ کہہ دیتے کہ ہم تو شراب نوشی ہرگز ترک نہ کریں گے۔

نسخ:

نسخ کے دو معنی مراد لئے جاتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ سابقہ حکم کو ختم کر دیا جائے جیسے اسلام نے ماقبل کی شریعت کو بالکل منسوخ کر دیا ہے۔ مفسرین حضرات سورۃ البقرۃ کی مندرجہ ذیل آیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ آیت میں سابق نبیوں کی شریعت کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔

ہم اپنے احکام میں جو کچھ منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کر دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کرتے ہیں۔

(۲) نسخ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ حالات و تقاضا کے لحاظ سے پہلے سے موجود حکم میں کسی قسم کی ترمیم کر دی جائے یعنی اگر وہ عام ہے تو اسے خاص بنا دیا جائے۔ مطلق ہے تو مقید کر دیا جائے۔

Scanned with CamScanner

قرآن کریم کے مذکورہ طریق کار سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ قوت نافذہ ارباب علم ونظر کے مشورے سے وقتی و معاشرتی مصالح کے پیش نظر بعض شرعی (فروعی) احکام میں ترمیم کر سکتی ہے۔ فقہاء نے قرآن کریم کے اس طریق کار سے استحسان، استصلاح، تبدیل احکام بہ تبدیل زمان وغیرہ قسم کے اصول اخذ کئے ہیں اور انہیں ماخذ قانون کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ ناسخ و منسوخ کے الفاظ عموماً نصوص قرآن اور حدیث کے ساتھ مخصوص ہیں۔ صحابہ و تابعین کے نزدیک [illegible] کی منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے زائد ہے۔ بعض اکابر محققین مثلاً قاضی ابن العربی مالکی اور جلال الدین سیوطی وغیرہ کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بیس اکیس ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے صرف پانچ آیات کو منسوخ تصور کیا ہے اور جدید رجحان کے مطابق قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

قانون اسلامی کا ماخذ دوم۔ حدیث و سنت

حدیث و سنت کا مفہوم:

حدیث کے لغوی معنی بات چیت اور گفتگو کرنے کے ہیں مگر اصطلاح میں اس لفظ کا اطلاق نبی کریم ﷺ کے ارشادات و فرمودات پر ہوتا ہے اسی طرح سنت کے لفظی معنی راستے اور طریقے کے ہیں لیکن عرف عام میں اس لفظ سے مراد حضور ﷺ کا وہ ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے جس پر آپ نے بار بار عمل کیا اور جس کے آپ عام طور پر پابند رہے۔

اگرچہ بظاہر دونوں الفاظ جداگانہ مفہوم رکھتے ہیں مگر محدثین اکثر انہیں مساوی و مترادف یا کم از کم قریب المعنی سمجھتے ہیں اور بلا تکلف ان کا اطلاق آپ کے اقوال و افعال دونوں پر کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دو کا مرکز محور یکساں طور پر آپ کے اقوال و افعال ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کے اقوال آپ کے اعمال کی ترجمانی کرتے تھے اور آپ کے اعمال سے اقوال کو تائید حاصل تھی۔

مختصر اور سیدھے سادے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے قول و فعل میں یکسانیت اور ہم آہنگی پائی جاتی تھی اور ان میں قطعاً کوئی تضاد نہ تھا۔

محدثین بعض اوقات ان دونوں لفظوں کے مفہوم میں وسعت پیدا کر کے "خبر" اور "اثر" کے الفاظ کو ان کے ہم معنی قرار دے لیتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی مراد اخبار الرسول اور آثار الرسول ہوتی ہے۔

حدیث یا سنت کی تقسیم:

بنیادی طور پر تمام ذخیرہ احادیث کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔
(ا) حدیث قولی (ب) فعلی (ج) حدیث تقریری۔ ان کی مختصر تشریح درج ذیل ہے۔

(ا) حدیث قولی:

شرعی احکام سے متعلق جو بات آپ نے کسی موقع پر ارشاد فرمائی، اسے حدیث قولی کہا جاتا ہے مثلاً آپ کا یہ فرمان اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ ترجمہ: "اعمال کا مدار و انحصار نیت پر ہے۔"

(ب) حدیث فعلی:

صحابہ کرامؓ نے عبادات یا دیگر معاملات سے متعلق آپ کے افعال روایت کئے ہیں۔ یہ سب حدیث فعلی کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں مثلاً نمازوں کی ادائیگی، حج، صیام کے بجالانے کا طریقہ وغیرہ۔

حدیث تقریری:

وہ فعل جو آپ کی موجودگی میں انجام دیا گیا اور آپ نے اسے دیکھ کر اظہار پسندیدگی فرمایا یا خاموشی اختیار کئے رکھی حدیث کی اصطلاح میں تقریر کہلاتا ہے۔ جس طرح حدیث کے مفہوم میں قول و فعل دونوں شامل ہیں اسی طرح آپ کا سکوت بھی مفہوم حدیث میں داخل سمجھا گیا ہے کیونکہ یہ تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کے سامنے کوئی شخص کسی ناجائز و ناروا فعل کا ارتکاب کر رہا ہو اور آپ دیکھتے ہوئے خاموش رہیں۔ حدیث تقریری کی مثال وہ روایت ہے جو حضرت خالد بن ولید کے بارے میں بیان کی گئی ہے کہ ایک بار وہ آپ کے سامنے گوہ کا گوشت کھا رہے تھے اور آپ خاموش تھے لیکن جب وہی گوشت خدمت نبویؐ میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے تناول فرمانے سے انکار کر دیا جب صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہ حرام تو نہیں مگر چونکہ میرے وطن عرب میں نہیں پائی جاتی اس لئے مجھے طبعاً اس سے کراہت ہے۔

Scanned with CamScanner

قرآن مجید میں اتباع رسول کا حکم:

قرآن مجید کی متعدد آیات میں رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کے اقوال و افعال پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً آیات ذیل

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ. (اعراف: ۱۵۸)

ترجمہ: ''پس تم اللہ پر اور اس کے امی نبی پر ایمان لاؤ۔''

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ.

ترجمہ: ''حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔''

مرقومہ بالا آیات میں اللہ کے ساتھ اس کے رسول پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایمان بالرسول کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ آپ کی رسالت و نبوت کا اقرار کر لیا جائے لیکن آپ کے اقوال و افعال سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے کیونکہ اگر یہی معنی مراد لئے جائیں تو پھر ایمان باللہ سے بھی یہ مفہوم اخذ کیا جائے گا کہ اللہ کی وحدت اور اس کی الوہیت کا اقرار تو کر لیا جائے مگر اس کے اوامر و نواہی کو درخور اعتبار نہ سمجھا جائے۔ حالانکہ ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اللہ کو واحد مطلق اور رسالت مآب ﷺ کو نبی برحق جان کر دونوں کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان کرنا چاہیے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ سنت کا تعلق قرآن مجید کے ساتھ تین طرح کا ہے۔

(ا) اول یہ کہ سنت قرآن کے ساتھ پورے طور پر موافق ہو اس صورت میں قرآن و سنت کا ایک حکم پر توارد ایسا ہی ہے جیسا کہ مختلف دلیلوں کا کسی ایک مدعا کے لئے جمع ہو جانا۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ سنت میں اس چیز کا بیان اور تفسیر و تفصیل ہو جو قرآن میں مجمل اور مختصر طور پر مذکور ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ قرآن مجید اس کے ایجاب یا تحریم سے خاموش رہا ہو اس کو سنت میں واجب یا حرام قرار دیا گیا ہو۔

سنت مذکورہ بالا تینوں اقسام سے خارج نہیں ہے۔ اسی بناء پر اس کو قرآن کے ساتھ کسی قسم

کا کوئی تعارض نہیں۔ پس جو سنت قرآن پر کسی طرح بھی زائد ہو رسول ﷺ کی طرف سے ایک مستقل شرعی حکم کا درجہ حاصل ہوگا۔ جس کی پیروی واجب اور اس سے روگردانی حرام متصور ہوگی کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ کی اطاعت صرف احکام قرآنی ہی میں ضروری قرار دی جائے اور جس حکم کے بارے میں قرآن خاموش ہے اس کے متعلق جاری کردہ حکم نبویؐ کی اطاعت لازمی قرار نہ دی جائے تو مخصوص اطاعت رسول باقی نہ رہے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (نساء: ۸۰)

ترجمہ: ''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

حدیث کی تشریعی حیثیت:

ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث دونوں تشریعی لحاظ سے یکساں اہمیت کے حامل نہیں۔ قرآن نقل متواتر کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے اس لئے وہ قطعی الثبوت ہے لیکن احادیث کا حال یہ نہیں ہے۔ بہت کم حدیثیں ایسی ہیں جن کو تواتر کا درجہ حاصل ہے پس یہ فرق محض نقل کی قوت و ضعف کی وجہ سے ہے ورنہ اگر کسی حدیث کی نسبت کسی ذریعہ سے بالکل قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ وہ بعینہٖ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے تو وجوب عمل کے اعتبار سے اس میں اور قرآن کی آیت میں کوئی فرق نہ ہوگا کیونکہ خود قرآن آپ کے متعلق شاہد ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. (نجم: ۳-۴)

ترجمہ: ''وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔'' اور اصل دین الٰہی کا مکمل نقشہ قرآن و حدیث کے باہمی امتزاج سے سامنے آ سکتا ہے۔

قرآن بطریق متن اور حدیث بہ طور تشریح ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ و تابعین عظام دونوں پر ہی دین کا مدار رکھتے ہیں۔ قرآن کو سمجھنے کی کوشش میں حدیث سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے تو قرآن مبہم اور اوامر و نواہی اور قصص کا ایک مجموعہ ہو کر رہ جائے گا اور اس کے مکمل و مستقل دستور اساسی ہونے کی حیثیت بڑی حد تک باطل ہو جائے گی۔ مثلاً اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ''نماز قائم کرو'' کے معنی و مصداق میں اگر حدیث سے مدد نہ لی جائے تو حکم کی تعمیل میں عجیب قسم کا انتشار نظر آئے گا کیونکہ ''صلوٰۃ'' کے لغوی معنی دعا کے ہیں۔ پس کوئی صاحب تو اس حکم کی تعمیل دعا

Scanned with CamScanner

سے کریں گے اور اس کے لئے بھی کوئی خاص شکل اور کوئی خاص وقت نہیں ہوگا۔ اسی طرح وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرو'' کے حکم کی تعمیل میں بھی اسی طرح ہڑبونگ نظر آئے گی کیونکہ رکوع کے لفظی معنی جھکنے کے ہیں۔ اب اگر رکوع کو اس کی حقیقت شرعیہ (جس کا ثبوت صرف حدیث وسنت سے ملتا ہے) سے الگ کرلیا جائے تو یہ معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ ایک صلوٰۃ و رکوع پر کیا موقوف ہے۔ زکوٰۃ، حج اور روزہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی اور پورے قرآن کو پڑھنے کے بعد بھی عبادات و معاملات کا کوئی مکمل جماعتی نقشہ مرتب نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ زبان دان اور عربی فصاحت بلاغت سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود بعض آیات کا مطلب نہ سمجھتے تھے اور رسالت مآب ﷺ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے مثلاً تیمم سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (مائدۃ:٦)

ترجمہ: ''اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو۔''

تو صحابہ کرامؓ کو واضح طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ تیمم صرف وضو کی ضرورت کے وقت کے لئے ہے یا غسل ضروری کے لئے بھی۔ چنانچہ ایک صحابی کو سفر میں غسل کی ضرورت پیش آ گئی اور وہاں پانی نہیں تھا۔ انہوں نے اجتہاداً اپنے تمام بدن کا تیمم کرلیا۔ جب حضور ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا جو تیمم وضو کا قائم مقام ہے وہی غسل کا بھی قائم مقام ہے اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت ان کا صحیح مفہوم متعین نہ فرما دیتے تو صحابہ کرامؓ میں سخت اختلاف پیدا ہوجاتا اور قطعی طور پر ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہوسکتا کیونکہ کوئی شخص بھی قرآن کو ایسا نہیں سمجھ سکتا جیسا کہ حضور ﷺ نے اس کو سمجھا ہے اس بناء پر حضرت مکحول الدمشقی نے فرمایا تھا۔

اَلْقُرآنُ اَحْوَجُ اِلَى السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ اِلَى الْقُرانِ.

ترجمہ: ''قرآن کو سنت کی زیادہ احتیاج ہے بہ نسبت اس کے کہ سنت کو قرآن کی ضرورت ہو۔''

نبویؐ احکام کے اقسام:

سنت نبویؐ میں جو احکام مذکور ہیں وہ تین قسموں سے خالی نہیں ہیں۔

۱۔ وہ احکام جو قرآن پاک میں موجود ہیں اور حدیث ان کی تائید کرتی ہے۔

۲۔ دوسری قسم کے وہ احکام ہیں جو اجمالاً قرآن پاک میں ذکر کئے گئے ہیں۔ حدیث ان کی توضیح وتشریح کرتی ہے اور ان کے اجمال کی تفصیل بیان کرتی ہے۔

۳۔ تیسری قسم کی وہ احادیث ہیں جن میں وہ احکام مذکور ہیں جن کے ذکر سے قرآن مجید خاموش ہے اس کے علاوہ کوئی چوتھی قسم کی حدیث ہے ہی نہیں لہٰذا یہ بات ثابت ہے کہ قرآن مجید کے معارض کوئی حدیث نہیں۔

حدیث مستقل قانون ہے:

الغرض حدیث نبویؐ بذات خود مستقل ماخذ قانون ہے۔ رسول اللہ ﷺ شارح قرآن بھی ہیں اور خدا کے مقرر کردہ شارع (LAGISLATOR) بھی۔ ان کا منصب یہ بھی تھا کہ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ. (لوگوں کو خدا کے نازل کردہ احکام کی تشریح کریں) اور یہ بھی کہ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِث. ''پاک چیزیں لوگوں کے لئے حلال کریں اور ناپاک چیزیں کو ان پر حرام کردیں۔''

اس لئے آپ ﷺ جس طرح قرآن کے قانون کی تشریح کرنے کے مجاز تھے اور آپ کی تشریح سند و حجت ہے اسی طرح آپ تشریع (قانون سازی) کے بھی مجاز تھے اور آپ کی تشریع سند و حجت تھی۔ ان دونوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے اس لئے وفات سے قبل آپؐ نے فرمایا تھا:

تَرَكْتُ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَ سُنَّتِيْ.

ترجمہ: ''میں تم میں دو چیزیں کتاب اللہ اور اپنی سنت چھوڑ کر جا رہا ہوں، انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔''

قانون اسلامی کا ماخذ سوم۔ اجماع

اجماع کی تعریف:

جمہور فقہاء کے نزدیک کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کے بعد اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع شمار ہوتا ہے جس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

Scanned with CamScanner

هُوَ اتِّفَاقُ اَهْلِ الْحَلِّ وَالْعَقْدِ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلَى الْاَمْرِ مِنَ الْاُمُوْرِ.

ترجمہ: ''رسول کریم ﷺ کی امت کے ارباب بست و کشاد کے کسی معاملہ میں اتفاق کر لینے کا نام اجماع ہے۔''

اجماع کی تائید میں دلائل:

اجماع کو دلیل شرعی کی حیثیت حاصل ہونے کے لئے متعدد آیات و احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا. (نساء: ۱۱۵)

ترجمہ: ''جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے دراں حالانکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔''

پھر فرمایا: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. (آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: ''تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ. (شوریٰ: ۳۸)

ترجمہ: ''وہ اپنے معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔''

ان سب آیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اجماع امت حجت ہے ورنہ اس کے اہتمام کا بار بار حکم نہ دیا جاتا۔ اب اسی سلسلہ میں دو احادیث پیش کی جاتی ہیں، ملاحظہ ہوں:

لَاتَجْتَمِعُ اُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ.

ترجمہ: ''میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔''

اور يَدُاللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ

ترجمہ: ''جماعت کے ساتھ اللہ کی تائید ہوتی ہے۔''

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:

مَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ.

''جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے۔''

عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے کہ کسی زمانہ کے تمام علمائے مجتہدین کا کسی غلط فیصلہ پر اس طرح جمع ہو جانا عادتاً اور عملاً ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی غلطی کا احساس نہ ہو۔ البتہ شیعہ حضرات کے ہاں صرف وہی اجماع معتبر ہے جو یا تو اہل بیت کی آراء سے حاصل ہوا ہو یا مجتہدین کے اس اجماع میں کوئی امام معصوم بھی شامل ہو۔ ان صورتوں کے سوا ان کے نزدیک اجماع خارج از بحث ہے۔

اجماع کی شرائط:

احناف کے نزدیک اجماع کا فیصلہ اسی وقت بطور سند تسلیم ہوگا جبکہ وہ مندرجہ ذیل شرائط کے مطابق ہو۔

(ا) مذہبی مسائل میں صرف اہل اجتہاد کا اجماع ہی معتبر تصور ہوگا۔ وہ علماء جو اصول فقہ سے نابلد ہوں ان کے اجماع کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

(ب) اجماع قرآن کی کسی صریح نص یا کسی صحیح حدیث پر مبنی ہونا چاہیے۔

(ج) اجماع میں طے ہونے والے مسائل کے خلاف کسی صحابی کا کوئی قول منقول نہ ہو۔

(د) کسی مجتہد نے اجماع منعقد ہونے سے پہلے اس کے خلاف کوئی رائے قائم نہ کی ہو۔

(ہ) جو مجتہدین اجماع کے اس فیصلے میں شریک تھے ان میں سے کسی نے اجماع کے بعد اپنی رائے تبدیل نہ کی ہو۔

اجماع کی اقسام:

اجماع کی چار قسمیں ہیں، ان کا مختصر سا تعارف حسب ذیل ہے:

(ا) اجماع قولی:

صحابہ کرامؓ کا کسی پیش آمدہ مسئلے پر اجماع کہ وہ بیک زبان ہو کر کسی رائے کے اظہار پر

Scanned with CamScanner

متفق ہوجائیں اسے اجماع قولی کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری اجماع کی صرف اسی ایک صورت کے قائل ہیں۔ امام مالک نے مزید سختی سے کام لیتے ہوئے اجماع کے دائرہ قبولیت کو صرف صحابہ مدینہ تک محدود کر دیا ہے۔ ان کی رائے میں مدینہ چونکہ دارالہجرت اور صحابہ کا مرکز رہا ہے اور وہاں کے باشندے رسول اللہ ﷺ کے حالات سے دوسروں کی نسبت زیادہ آگاہ تھے اس لئے ان خصوصیات کی بناء پر صرف مدینہ کے صحابہ کا اجماع ہی معتبر قرار دیا جانا چاہیے۔ پہلی قسم کا اجماع قولی نص قرآنی کا سا مرتبہ رکھتا ہے اس کا انکار کفر ہوگا۔

(ب) اجماع سکوتی:

اگر بعض صحابہ کرامؓ نے کسی مسئلہ پر اتفاق کا اظہار زبانی طور پر کر دیا اور ان کے اس فیصلے کا علم دوسرے صحابہؓ کو بھی ہوگیا مگر ان میں سے کسی کی جانب سے اس فیصلے کی تائید ہوئی نہ تردید۔ ایسا اجماع سکوتی کہلائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ سکوت اسی وقت قابل اعتبار ہوگا جب کہ اظہار رائے کی عام طور پر آزادی حاصل ہو ورنہ پابندی کی صورت میں سکوت کے دوسرے اسباب بھی ہوسکتے ہیں۔ اس بناء پر امام ابوحنیفہ کے اکثر شاگردوں نے اس قسم کے اجماع کو حجت قرار دیا ہے لیکن امام شافعی اسے حجت تسلیم نہیں کرتے۔ اس اجماع کی حیثیت حدیث متواتر جیسی ہوگی جس پر عمل کرنا واجب ہوگا مگر اس کا منکر کافر نہ کہلائے گا۔

(ج) تابعین کا اجماع:

اگر کسی مسئلے کے بارے میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا قول دستیاب نہ ہوسکے اور تابعین کسی مسئلے پر اجماع کر لیں تو اس کا مرتبہ حدیث مشہور کے مساوی ہوگا اور اس کا منکر گمراہ کہلائے گا۔

(د) سلف کے قول پر اجماع:

گر اُمت محمدیہ کے ائمہ مجتہدین سلف کے کسی قول پر اجماع منعقد کر لیں تو ایسا اجماع بمنزلہ خبر واحد تصور ہوگا لیکن اس کے منکر کو گمراہ نہ کہا جائے گا۔

مغالطہ:

عام طور پر یہ مغالطہ ہے کہ اجماع کے لئے چونکہ تمام اُمت کا اتفاق ضروری ہے جو عملاً محال ہے اس لئے اجماع کا وقوع پذیر ہونا ہی ممکن نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس مغالطہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "وہ اجماع جو لوگوں کے خیال میں ہے کہ اس میں ساری امت کا صراحۃً اتفاق پایا جائے اور کوئی بھی اس سے الگ نہ رہے تو یہ خیال محال ہے اور ایسا کبھی واقع نہیں ہوا ہے البتہ کثیر الوقوع اجماع کی صورت یہی رہی ہے کہ ملک کے مفتیوں میں سے اہل حل وعقد نے کسی مسئلہ پر اتفاق کر لیا۔ چنانچہ اجماع کا یہی مفہوم ان تمام مسائل میں پایا جاتا ہے جو فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں طے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو باہر جانے سے روک دیا تھا تاکہ انہیں جمع کر کے باہمی مشورہ سے بکثرت نئے فیصلے کو اجماع کا درجہ دے دیا جائے۔ الغرض مسئلہ اجماع نہ اتنا مشکل ہے جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اور نہ اتنا آسان ہے کہ نااہلوں پر مشتمل کمیٹی کے فیصلے کو اجماع کا درجہ دے دیا جائے۔"

قانون اسلامی کا چوتھا ماخذ۔ قیاس

قیاس کی تعریف اور اس کا مفہوم:

قیاس کے لغوی معنی اندازہ کرنے یا کسی چیز کو اس کی مثال پر جانچنے اور منطبق کرنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں علت اور سبب کو مدار بنا کر کسی سابقہ فیصلے کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنے کو قیاس کہا جاتا ہے۔ فقہا نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

اِلْحَاقُ اَمْرٍ بِاَمْرٍ فِی الْحُکْمِ الشَّرْعِی لِاتِّحَادٍ بَیْنَهُمَا فِی الْعِلَّةِ.

ترجمہ: "دو مسئلوں میں مشترک علت کی وجہ سے جو حکم ایک مسئلہ کا ہے وہی حکم دوسرے مسئلہ کے لئے قرار دینے کا نام قیاس ہے۔"

Scanned with CamScanner

مثال کے طور پر شراب نصِ قرآنی کی رُو سے حرام ہے اور اس کی حرمت کی علت نشہ بیان کی گئی ہے چونکہ جدید دور میں بکثرت استعمال ہونے والی ہیروئن میں بھی نشہ کی علت موجود ہے لہٰذا شراب پر قیاس کرتے ہوئے اس پر بھی حرمت کا حکم لگانا ممکن ہوگیا۔

ارکانِ قیاس:

قیاس کے ارکان چار ہیں:

(ا) اصل یعنی جس پر قیاس کیا جائے اس کا اصطلاحی نام مقیس علیہ ہے۔

(ب) فرع یعنی جس چیز کو قیاس کیا جائے جس کو اصطلاح میں مقیس کہتے ہیں۔

(ج) وصف یا سبب جو مقیس علیہ میں مشترک ہو اور قیاس کا باعث ہو یہ اصطلاح میں علت کہلاتا ہے۔

(د) فیصلہ جو قیاس کرنے کے بعد دیا جائے، اصطلاح میں حکم کہلاتا ہے۔

پس مندرجہ بالا مثال میں شراب اصل ہے۔ ہیروئن فرع ہے۔ نشہ علت مشترکہ ہے اور حرام ہونا حکم شرعی ہے۔

قیاس کی ضرورت و اہمیت:

جب فتوحات کے باعث مملکتِ اسلامی کا دائرہ وسیع ہوگیا اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا تو ایسے نئے نئے مسائل جنم لینے لگے جن کے متعلق نہ تو قرآن و سنت میں کوئی حکم موجود تھا اور نہ ان کے بارے میں امت کا اجماع تھا تو ان کا حل تلاش کرنے کے لئے فقہاء اپنی عقل اور رائے کو کام میں لانے پر مجبور ہوئے کیونکہ شریعت کے احکام مخصوص اغراض و مصالح پر مبنی ہیں اور یہی اغراض و مصالح ان احکام کی علت غائی ہیں۔ چنانچہ جب وہ کسی مسئلہ کے متعلق اس حکم کی علت غائی دریافت کر لیتے ہیں جو نص کی رو سے دیا گیا ہے تو ان کے لئے ممکن ہوجاتا ہے کہ اگر ایک مسئلہ کے حکم کی علت دوسرے مسئلہ میں بھی پائی جائے تو بوجہ اشتراکِ علت ایک حکم پر قیاس کرتے ہوئے دوسرے مسئلہ کے لئے بھی یہی حکم دیا جائے۔

مذاہب اسلامی کے باہمی اختلافات کا ایک سبب یہ قیاس بھی ہے۔ اس نے اپنے مخالفین و موافقین میں مدتوں ہنگامہ برپا رکھا۔ شیعہ امامیہ تو سرے سے اسے تسلیم ہی نہیں کرتے البتہ جمہور فقہاء اور شیعہ زیدیہ فقہاء کے نزدیک قیاس قابل قبول ہے۔ اسی طرح جمہور فقہاء کا بھی اس

میں اختلاف ہے کہ قیاس کس حد تک قابل اعتماد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ احناف اہل الرائے یا عراقی مکتبہ فکر نے تو اس میں بڑی وسعت رکھی ہے کہ قیاس کے معاملے میں دو چیزوں کی مماثلت ہی کافی ہے۔ علت مشترکہ کی بھی ضرورت نہیں لیکن دوسری طرف اہل حدیث یا حجازی مکتبہ فکر نے اس میں بڑی سختی اختیار کی مثلاً امام احمد بن حنبل حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ صرف اشد ضرورت کے وقت ہی استعمال کرنا چاہیے۔ غرض فریقین (مخالفین و موافقین قیاس) نے اپنے اپنے دعوے کے اثبات کے لئے ٹھوس دلائل پیش کئے ہیں جنہیں مختصراً ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مخالفین قیاس کے دلائل:

مخالفین قیاس کہتے ہیں کہ اس کی قطعاً کوئی حاجت نہیں کیونکہ قرآن پاک نے اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶:۸۹)

ترجمہ: ''ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے''۔ پھر فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ. (شوریٰ:۱۰)

ترجمہ: ''تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔''

۲۔ مخالفین یہ کہتے ہیں کہ قیاس ایک ظنی چیز ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ازروئے قرآن:

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا. (نجم:۲۸)

ترجمہ: ''گمان حق کی جگہ کچھ کام نہیں دے سکتا۔''

۳۔ مندرجہ بالا آیات کے علاوہ وہ اس حدیث نبوی کو بھی اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

أَعْظَمُهَا فِتْنَةً عَلَى أُمَّتِي قَوْمٌ يَقِيسُونَ الْأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ فَيُحِلُّونَ الْحَرَامَ وَيُحَرِّمُونَ الْحَلَالَ.

ترجمہ: ''میری امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ وہ لوگ ثابت ہوں گے۔

Scanned with CamScanner

جو مسائل کا فیصلہ اپنی رائے اور قیاس سے کریں گے پس وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیں گے۔"

۴۔ اقوال صحابہؓ قرآن و سنت سے استشہاد کرنے کے علاوہ وہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے ان اقوال کو بھی اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں جن سے قیاس کی مذمت مترشح ہوتی ہے۔ ان تمام عقلی ونقلی شواہد سے مخالفین قیاس نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قیاس موجب افتراق و انتشار ہے اور اس کی وجہ سے ہی مسالک و مذاہب کی مختلف راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔

موافقین قیاس کے دلائل:

قیاس کی کو بحیثیت ماخذ قانون اسلامی تسلیم کرنے والے جمہور فقہاء درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

۱۔ آیات قرآنی: ارشاد خداوندی ہے:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ. (۴۳:۲۹)

ترجمہ: "یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لئے دیتے ہیں مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔" پھر ایک دوسری جگہ یوں فرمایا:

فَاعْتَبِرُوْا يَا اُوْلِي الْاَبْصَار. (حشر:۲)

ترجمہ: "پس عبرت حاصل کرو اے دیدہ بینا رکھنے والو!"

مندرجہ بالا دو آیتوں سے ظاہر ہے کہ مثالوں کا سمجھنا اور واقعات سے عبرت حاصل کرنا اس وقت ممکن ہے کہ ایک چیز کے حسن و قبح کو دوسری چیزوں کے سامنے رکھ کر موازنہ کیا جائے جیسا کہ قیاس میں ہوتا ہے۔

۲۔ حدیث نبویؐ ہے کہ آپ نے صحابہ سے ایک بار خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَنَا اَقْضِيْ بَيْنَكُمْ فِيْمَا لَمْ يَنْزِلْ فِيْهِ وَحْيٌ.

ترجمہ: "جن معاملات کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوتی ان کا فیصلہ تمہارے درمیان میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔"

یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ہدایت فرمائی جب تم قرآن و سنت میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فتویٰ دو اور جب کوئی حکم قرآن و سنت میں نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن کے دو الگ الگ علاقوں میں قاضی بنا کر بھیجا تو آپ کے استفسار کے جواب میں دونوں حضرات نے عرض کیا تھا کہ جب ہم قرآن و سنت میں کوئی حکم نہ پائیں گے تو ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کریں گے اور جو فیصلہ حق کے زیادہ قریب ہوگا اسی پر عمل کریں گے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں کی رائے درست ہے۔

احتیاط:

حقیقت یہ ہے کہ جو احکام بذریعہ قیاس مستنبط ہوتے ہیں وہ بلحاظ مستند ہونے کے ایسے نہیں ہیں جیسے کہ وہ احکام جو قرآن یا سنت یا اجماع سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ ایک فقیہ کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی۔ اس لئے مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت ضروری نہیں کہ کسی خاص قاعدے کی پابندی محض اس بناء پر کی جائے کہ بعض فقہاء نے اس کو پسند کیا ہے۔ ان حالات میں ایک فقیہ کو اجازت ہوگی کہ وہ ذاتی رائے پر عمل کرے بشرطیکہ وہ ہوائے نفسانی پر مبنی نہ ہو بلکہ بے لاگ ہو کیونکہ صرف وہی قیاسی فیصلہ قابل قبول قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو اصول شرع کے مطابق ہو اور کسی حالت میں بھی قرآن و سنت کی روح کے منافی نہ ہو۔ بہر حال اس سے صرف ظن غالب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور خطا کا احتمال اس میں موجود رہتا ہے۔ صرف قیاس سے اونچی دلیل (قرآن، سنت، اجماع) نہ ہونے کی صورت میں ہی اس پر عمل ضروری قرار دیا جاسکتا ہے۔

قیاس کی اقسام:

قیاس کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں:

(ا) قیاس طرد (ب) قیاس معکوس

Scanned with CamScanner

(ا) قیاس طرد:

یہ قیاس کی وہ قسم ہے جس میں فرع اور اصل دونوں میں یکساں طور پر وہ علت پائی جائے جس کے سبب اصل کے حرام ہونے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً شراب آیت قرآنی کی رو سے حرام ہے اور ہیروئن نص قرآنی کی رو سے حرام نہیں لیکن چونکہ اس میں بھی علت نشہ موجود ہے اس لئے اس پر حرمت کا حکم لگا دیا جائے گا۔

قیاس معکوس:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز پر ایسا حکم لگایا جائے جو دوسری چیز کے حکم کے متناقض اور مخالف ہو اور وہ اس لئے کہ دونوں حکموں کی علتیں مختلف ہیں جیسے ہم کہیں کہ دودھ اس لئے حلال ہے کہ اس میں شراب کی طرح نشہ موجود نہیں ہے۔ جب صرف قیاس کا لفظ استعمال کیا جائے تو عام طور پر اس سے قیاس طرد ہی مراد ہوتا ہے اور قیاس کی اسی قسم میں ہی اس کے معنی ''اندازہ'' اور ''مساوات'' بھی پائے جاتے ہیں۔

صحت قیاس کی شرائط:

قیاس کے درست اور صحیح ہونے کے لئے مندرجہ ذیل چھ شرائط بیان کی گئی ہیں:

(ا) قیاس کسی نص (واضح حکم) کے مقابلہ میں نہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک عورت کا اپنے کسی محرم کی معیت میں فریضہ حج ادا کرنا جائز ہے۔ اسی بات پر قیاس کرتے ہوئے کہ محرم کے ساتھ چونکہ نکاح نہیں ہوسکتا اس لئے یہ اجازت دی گئی ہے لہٰذا معتبر عورتوں کی معیت میں بھی حج ادا کرنا جائز ہونا چاہیے کیونکہ عورتوں سے بھی عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ یہ قیاس درست نہ ہوگا کیونکہ یہ درج ذیل نص حدیث کے مقابلے میں ہے۔

''کسی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن رات سے زیادہ سفر کرے سوائے اس صورت کے اس کے ساتھ اس کا والد، شوہر یا والدہ کی طرف سے رشتہ داروں میں سے کوئی محرم ہو''

(ب) قیاس سے نص کے احکام میں سے کسی حکم میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ مثلاً نص قرآنی میں وضو کرنے سے پہلے نیت باندھنا شرط نہیں ہے بلکہ چند مذکورہ اعضاء دھونے کا حکم دیا گیا ہے مگر امام شافعی نے اسے تیمم پر قیاس کرتے ہوئے وضو سے پہلے بھی نیت کرنا شرط قرار دیا ہے۔ اس خیال سے کہ وضو اور تیمم میں علت مشترکہ پائی جاتی ہے اور وہ ہے طہارت حکمیہ لیکن یہ قیاس باطل ہوگا کیونکہ اس سے نص میں تبدیلی لازم آتی ہے۔

(ج) قیاس ایسا نہ ہو جس سے حکم علت سمجھ میں نہ آسکے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہ مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ نبیذ (کھجوروں یا چھوہاروں کو پانی میں بھگو کر ان کے نچوڑے ہوئے پانی) سے وضو کرنا جائز ہے۔ حدیث سے ثابت ہے حالانکہ اس کا رنگ، ذائقہ اور بو تینوں بنیادی اوصاف متغیر ہوجاتے ہیں اس لئے خلاف قیاس ہے لیکن حدیث کے اس حکم میں جواز کی جو علت ہے وہ مخفی ہے۔ علت کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ اب اس پر قیاس کرکے کھجوروں سے ملتی جلتی اشیاء کے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو جائز قرار دینا درست نہ ہوگا کیونکہ یہ قیاس ایسے حکم پر مبنی ہے جس کی علت وسبب ماورائے ادراک ہے اور فہم سے بالاتر ہے۔

(د) اصل (مقیس علیہ) کا حکم عام اور کسی خاص واقعہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔ مثلاً شریعت اسلامی میں گواہی کا نصاب دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہیں لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اکیلے خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کو دو مسردوں کی گواہی کے برابر تصور فرمایا۔ پس یہ استثناء خزیمہ ہی کے ساتھ مخصوص رہے گا اور اس حکم پر دوسرے احکام کو قیاس نہ کیا جاسکے گا۔

(ہ) فرع: (مقیس) کا حکم نص قرآن وسنت میں موجود نہ ہو مثلاً نص قرآنی میں سہواً قتل کرنے کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اب اس پر قیاس کرتے ہوئے ظہار اور قسم کے کفارہ ادا کرنے میں غلام کے مومن ہونے کی شرط عائد نہ کی جائے گی کیونکہ ان کے کفارہ میں کافر غلام کا آزاد کیا جانا نص قرآنی سے ثابت ہے۔

(و) قیاس میں علت کا دارومدار امر شرعی پر ہو نہ کہ امر لغوی پر۔ مثال کے طور پر لغت میں سارق (چور) کا لفظ اس شخص کے لئے وضع کیا گیا ہے جو پوشیدہ اور خفیہ طریقہ سے دوسرے کا مال ہتھیا لیتا ہے۔ سرقہ کے لئے شریعت میں خصوصی شرائط اور سزائیں مقرر ہیں اس لئے کفن چور کو سارق نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ قیاس لغوی ہے شرعی نہیں۔ کفن چور

Scanned with CamScanner

کے لئے لغت میں "نباش" کا الگ لفظ وضع کیا گیا ہے لہٰذا سارق اور نباش کی سزائیں الگ الگ ہوں گی۔

الغرض قیاس ایسی شرعی دلیل ہے جس نے فقہی مسائل میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے بہت آسانی پیدا کر دی ہے اور مجتہدین امت کا کام بہت آسان کردیا۔ اسی لئے امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ قیاس کے حجت شرعیہ ہونے کے قائل ہیں۔ قیاس میں جس امام کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

عصر حاضر میں اجتہاد کی ضرورت و اہمیت

اجتہاد کا مفہوم:

"اجتہاد کا لفظ جہد" سے ماخوذ ہے۔ اس کے لغوی معنی کسی کام میں امکانی کوشش اور پوری طاقت صرف کرنے کے ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں ہر اس ممکن تگ و دو اور مقدور بھر قوت استعمال کرنے کا نام اجتہاد ہے جو دلائل شرعیہ کے ذریعہ استنباط احکام کے لئے کی جائے۔ اس کے مقابلے میں "تقلید" کا لفظ مستعمل ہے کیونکہ اس میں کسی تحقیق وتنقید اور غور وفکر کے بغیر دوسرے کی رائے کی پیروی کی جاتی ہے اور بلاچون و چرا اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

شریعت اسلامی شریعت الٰہیہ ہے جو مشہور اور مقررہ اصولوں سے اخذ کی گئی ہے خواہ وہ اصول منقولہ ہوں جیسے کتاب اللہ اور سنت نبویہ یا عقلیہ ہوں مثلاً اجماع و قیاس وغیرہ۔ بس انہی دلائل شرعیہ سے استخراج احکام کا نام اجتہاد ہے اور اجتہاد ہی کے ذریعہ روزمرہ کے معاملات اور انسانی معاشرہ کے تقاضوں کو کماحقہ پورا کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتہاد شریعت اسلامیہ کا ایک لازمی عنصر شمار کیا جاتا ہے۔

تقلید:

تقلید یعنی دوسرے کی رائے کی پیروی کرنا اس شخص کے لئے درست نہیں جو خود اجتہاد پر قدرت رکھتا ہو بلکہ صرف اسی کے لئے روا ہے جو اجتہاد کرنے سے قاصر ہو مثلاً جاہل عوام یا وہ طلباء جن میں ہنوز اجتہاد کی صلاحیت پیدا نہ ہوئی ہو کیونکہ اجتماعی اور اقتصادی زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ افراد معاشرہ میں صنعت وحرفت، تجارت معیشت اور کسب معاش کے دیگر شعبوں

میں مشغول ہو کر انسانی ضروریات زندگی کو پورا کریں۔ اسی طرح اجتہاد کی صلاحیت پیدا کرنے کے مواقع صرف ان ہی چند فارغ البال اشخاص کو میسر آسکتے ہیں جو علم فقہ اور اس کے اصولوں میں بصیرت کاملہ اور مہارت تامہ کے مالک ہوں لیکن جو لوگ ان اوصاف سے بہرہ ور نہ ہوں ان کے لئے درج ذیل فرمان الٰہی کی رو سے آئمہ مجتہدین کی تقلید واجب ہوگی۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (نحل:۴۳)

ترجمہ: "سو اگر تم لوگوں کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔"

اجتہاد کی ضرورت و اہمیت

سورہ الرحمٰن میں ارشاد خداوندی ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَانٍ. (رحمٰن:۲۹)

ترجمہ: "وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگا رہتا ہے۔"

مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ان گمراہ قوموں کے عقیدہ کا رد مقصود ہے جن کے نزدیک خدائے بزرگ و برتر دنیا کو ایک بار معرض وجود میں لانے کے بعد اب معطل اور اس سے لاتعلق ہو چکا ہے حالانکہ اسلامی عقیدہ کے مطابق اس کارگاہ عالم میں اس قادر مطلق و خالق اکبر کی کارفرمائی کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے اور اس کی کن فیکون قوت کا ظہور ہر آن ہر لحہ کائنات کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت وتصرف میں ہوتا رہتا ہے مثلاً آگ اس لئے نہیں جلاتی اور پانی اس لئے اسے نہیں بجھاتا کہ آگ اور پانی میں جلانے اور بجھانے کی کوئی فطری صلاحیت موجود ہے اگر حقیقت یہی ہوتی تو پھر کیا وجہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاکم وقت نمرود نے آگ میں پھینکنے کا حکم صادر کیا تو وہ آپ کا بال تک بیکا نہ کرسکی بلکہ گل وگلزار میں تبدیل ہوگئی۔ بقول اقبال مرحوم

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جلانے اور بجھانے کے ہر ہر جزئی واقعہ سے متعلق مشیت الٰہی کا حکم یہی ہوتا ہے گویا اسلام کا خدا اپنی خلاقی اور فعالی تجلیات ہر لحظہ اور ہر آن دکھاتا رہتا ہے اور بے حد و بے حساب چیزیں نئی سے نئی وضع شکل اور اوصاف کے ساتھ

Scanned with CamScanner

معرض موجود میں لاتا رہتا ہے۔ اس کی دنیا کبھی ایک حال پر قائم نہیں رہتی بلکہ ہر گھڑی اس کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اس کا خالق ہر بار اسے نئی صورت سے ترتیب دیتا رہتا ہے جو پچھلی تمام صورتوں سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ تمام تر نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہمہ وقتی توجہ اور التفات کا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک آن کے لئے بھی اس پر غفلت اور بے التفاتی طاری ہو سکے، اقبال مرحوم اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکوں

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

مختصر الفاظ میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کبھی جامد و ساکن رہنے نہیں پایا بلکہ ہمیشہ متحرک رہ کر منازل ترقی طے کرتا رہتا ہے۔ اس انقلاب کے نتیجہ میں آئے دن نئے حالات اور مسائل جنم لیتے ہیں جن سے انسانی زندگی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور لوگوں کی بود و باش کے آداب و اطوار میں لامحالہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، ہر نئے دور کے ساتھ اس کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کا حل تلاش کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ معاشرہ جمود و تعطل کا شکار ہو جائے اور متحرک نہ رہے وہ زوال پذیر ہو کر آخر کار ایک دن صفحہ ہستی سے بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ عربی زبان کے درج ذیل مقولے میں اسی خدشہ کے پیش نظر یہ نصیحت کی گئی ہے۔

دُرْ مَعَ الدَّهْرِ كَيْفَ دَارَ۔

ترجمہ: ''تم بھی زمانے کے ساتھ اسی رخ پھر جاؤ جدھر وہ پھرے۔''

معاشرہ کی اسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے اپنی تعلیمات کو انسان کی انفرادی زندگی تک ہی محدود نہیں رکھا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ دین کو بندے اور خدا کے درمیان ایک نجی معاملہ قرار دیتے ہوئے صرف مسجد کی باتیں کرتا اور نماز، روزے کا حکم یا چند اخلاقی ہدایات دے کر خاموش ہو جاتا لیکن قرآن و سنت کا ایک ایک ورق گواہی دے رہا ہے کہ صورت حال یہ نہیں۔ اسلام کی مسند ارشاد صرف عبادت گاہوں اور زندگی کے انفرادی دائروں ہی میں نہیں بچھی ہوئی بلکہ وہ بازاروں، کاروباری اداروں، معاشی میدانوں، سیاست و حکومت کے ایوانوں غرض

تمدنی زندگی کے ایک ایک شعبے میں رہنمائی کے لئے اپنے احکام و ہدایات جاری کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کے بارے میں احکام یکبارگی نازل کر دیئے جاتے اس لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے جنہیں نئی شریعت اور نئے قوانین کے مجموعے عطا کئے گئے۔ ہر نئی شریعت اپنے سے پہلے کی شریعت سے مختلف اور اس کی ناسخ ہوا کرتی ہے اس اختلاف اور نسخ کا باعث صرف یہی ہوتا تھا کہ انسانی معاشرہ کے حالات امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء و شرائع کے نزول کا سلسلہ تو حضور ﷺ کی بعثت کے بعد منقطع ہو چکا ہے مگر حالات زمانہ میں تبدیلی کا عمل حسب سابق ابھی جاری و ساری ہے اب نئے پیش آنے والے مسائل کا حل کیونکر معلوم کیا جا سکے گا۔ اس کا مختصر اور سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے اب یہ فریضہ مجتہدین کے سپرد کر رکھا ہے جو آج تک اجتہاد کے ذریعہ نئے پیش آمدہ مسائل کے احکام کا استخراج کرتے چلے آتے ہیں اور آئندہ بھی تا قیامت اپنے اس فرض سے سبکدوش ہوتے رہیں گے۔ اجتہاد کا یہ عمل رسالت کے عہد مبارک سے جاری ہے۔ حضور ﷺ نے نہ صرف خود کئی مسائل میں اجتہاد سے کام لیا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی جن کے سوا کوئی دوسرا صحابی فتویٰ دینے کا مجاز تھا۔

دور جمود و انحطاط:

اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف فقہی مذاہب کے منضبط ہو جانے کے بعد پہلے کی نسبت اجتہاد کی گنجائش بہت کم رہ گئی تھی کیونکہ ہر قسم کے مسائل و مقدمات سابق مجتہدین کے سامنے پیش ہوئے۔ انہوں نے ان پر غور و خوض کیا۔ اپنی آراء کی تائید میں دلائل و براہین پیش کئے اور اس طرح اپنے مذاہب کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ بعد ازاں بہت کم فقہاء ایسے ہوئے جنہوں نے آزادانہ اجتہاد سے کام لیا۔ ان کی اکثریت مقلد بن گئی جس نے نہ صرف خود اس مسلک کی پیروی کی بلکہ اس کے مطابق فتویٰ دینا بھی شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دولت عباسیہ کے آخری دور میں اجتہاد کا یہ جوش و خروش روز بروز کم ہونے لگا حتیٰ کہ ساتویں صدی ہجری میں ہلاکو خان کے ہاتھوں سقوط بغداد کے بعد علمائے اہل سنت نے مذہب میں بے جا قطع و برید کے خوف سے بالاتفاق رائے اجتہاد موقوف کرنے اور صرف چار مذاہب کے اتباع کرنے کا

فیصلہ کر لیا۔ ادھر عربی ثقافت بھی آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے لگی اور اس کے تمام گوشوں پر جمود طاری ہوگیا۔ بعض اوقات جاہل مقلد ایسے غلط قسم کے مسائل کھڑے کرنے لگے جن کا فقہ سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ غرض تقلید کا رواج عام ہوگیا۔ اوہام پرستی کثرت سے پھیل گئی اور فقہی اجتہاد ختم ہوکر رہ گیا۔ اس کی جگہ بے بنیاد معتقدات جنم لینے لگے جو مسلمانوں کے انحطاط و زوال کے مظاہر بن کر عرصہ دراز تک باقی رہے۔

اس نازک صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام دشمن قوتوں بالخصوص مستشرقین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ شریعت اسلامی ایک جامد پسماندہ قانون ہے جو بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا اور جدید تمدن کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیتوں سے عاری ہے۔

بیداری کا آغاز:

آخر آٹھویں صدی ہجری میں اس تعطل وتنزل کے خلاف شدید ردعمل کے طور پر بے داری کی ایک لہر اٹھی جس کے سرخیل وہ اہل تحقیق علماء تھے جنہوں نے ہوا کے رخ پر چلنے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ اندھی تقلید کے شدید مخالف تھے اور مروجہ اوہام وخرافات اور بدعات کے خلاف ان کی آواز نہایت بلند اور قوی تھی۔ ان میں علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم پیش پیش تھے۔ آگے چل کر بارھویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نجدی، سید جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہ اور ان کے شاگرد سید رشید رضا لبنانی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں تھیں۔ برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے علماء اور شاگردوں نے بھی اس سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دیں جن کی مساعی نے کئی مفید تحریکوں کو جنم دیا اور اس طرح سلف صالحین کے مذہب کی نشاۃ ثانیہ کا ظہور ہوا۔

ان مجتہدین نے تقلید ترک کرنے اور کسی خاص مسلک کی پابندی نہ کرنے پر زور دیا اور مختلف مذاہب اسلامیہ کو ایک مرکز پر لانے کی ہرممکن تدبیر اختیار کی نیز فیصلہ کیا کہ اصول شرع اور ان کی حقیقی روح کی طرف رجوع کیا جائے اور ثقافتی ترقی کے میدان میں ان ہی کو چراغ راہ بنایا جائے اور اب جدید قانون سازی کے سلسلے میں عام بیداری پیدا ہوچکی ہے اگر اس کا رخ درست سمت کو پڑے گا تو ممکن ہے کہ بعض اسلامی ممالک مثلاً پاکستان، مصر، انڈونیشیا اور ملائشیا وغیرہ میں یہ بیداری برگ و بارلاکر رہے اور فقہ اسلامی کو اس کا کھویا ہوا مقام حاصل ہوجائے۔

مجتہدین کے اوصاف و مدارج:

اجتہاد نہ تو ہر شخص کے بس کا روگ ہے اور نہ ہی شریعت ہر کہ ومہ کو اس بات کی اجازت دیتی ہے۔ یہ کوئی اکتسابی چیز یا فن نہیں جسے محنت سے حاصل کر لیا جائے اس کا ملکہ وہبی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص خاص افراد کو عطا کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے رسالت و نبوت کوئی فن نہیں کہ جس کا جی چاہے محنت کر کے نبی بن جائے۔

مجتہد کے لئے ان مخصوص صلاحیتوں کا مالک ہونا ضروری ہے جو اسے اس قابل بنا دیتی ہیں کہ وہ استخراج احکام اور استدلال کے کام کو کماحقہ انجام دے سکے مثلاً وہ صائب الرائے ہو صاحب فراست ہو، انصاف پسند ہو، پاکیزہ اخلاق و اطوار سے آراستہ ہو، استنباط کے مختلف طریقوں سے پوری طرح واقف ہو۔ مزید برآں عربی زبان پر مکمل عبور رکھتا ہو، تفسیر قرآن اسباب نزول، راویوں کے حالات، جرح وتعدیل کے اصولوں اور ناسخ ومنسوخ کی حقیقت سے صحیح معنوں میں باخبر ہو اور آخر میں مقاصد شریعت کے فہم میں اسے ید طولیٰ حاصل ہو۔ مذکورہ بالا تمام اوصاف اس مجتہد مطلق کے لئے ضروری ہیں جس کا نصب العین تمام مسائل فقہ میں اجتہاد کرنا ہو لیکن دوسری قسم کے مجتہدین کے لئے یہ تمام شرائط ضروری نہیں ہیں۔ چنانچہ کسی ایک آدھ مسئلہ میں اجتہاد کرنے والے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ بخوبی خاص مسئلہ کے دلائل اور اس کے نتائج سے بخوبی آگاہ ہو۔

مجتہدین کے کئی مدارج ہیں جیسے (۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب (۳) مجتہد فی المسائل اور (۴) مجتہد مقید۔

جدید معاشرہ:

ہمارا آج کا معاشرہ بے شمار سیاسی اور معاشرتی مسائل سے دو چار ہے جنہیں صرف اس صورت میں حل کیا جاسکتا ہے جب کہ ہم اجتہاد سے کام لیں خصوصاً ایسے معاملات میں جن کے متعلق قرآن مجید یا سنت رسول ﷺ میں کوئی براہ راست اور واضح نص موجود نہیں ایسے مسائل کے ضمن میں ہم جدید معاشی مسائل مثلاً بلاسود اسلامی بینک کاری اور بیمہ کے مسائل، پھر زرعی نظام میں ذاتی ملکیت اور قومی ملکیت کی حدود اور اسلام کا نظام محاصل، پھر سیاسی نظام میں جمہوریت کی مختلف شکلوں میں اسلام کے مزاج کے مطابق سیاسی نظام کا انتخاب، عوامی نمائندوں

Scanned with CamScanner

اور سربراہ مملکت کے انتخاب کا طریقہ پھر جدید زندگی کے لئے سائنسی انکشافات کی روشنی میں بعض مسائل مثلاً انسانی اعضاء کی پیوندکاری، ٹیوب بے بی کا جواز۔۔۔ تمثیل کاری اور تصویر کشی کے سلگتے مسائل ہیں جن میں اجتہاد کی فوری ضرورت ہے۔

اجتہاد کا دور:

یہ دور اجتہاد کا دور ہے لیکن بدقسمتی سے "جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں" کے مصداق عالم اسلام کے نابغہ روزگار علماء ایک ایک کر کے اٹھ گئے اور اس وقت جو علماء نظر آتے ہیں ان میں شاید ہی کوئی عالم انفرادی طور پر درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو۔ جس میں اجتہاد کی تمام شرائط وصفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہوں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کل عالم اسلام میں فقہاء علماء کی ایک جماعت ایسی ضرور ہو کہ وہ امت مسلمہ کے لئے دور حاضر کے اجتہادی مسائل کا اپنی اجتماعی فکر و تفقہ فی الدین کے ذریعہ مناسب حل تلاش کرے جس کا منہاج وہی ہو جو اسلام کے صدر اول میں تھا اور جس میں شریعت کے تقاضوں سے ہم آہنگی ہو اور اس کی روح جاری و ساری ہو۔ جن کے فیصلوں پر امت مسلمہ کو اعتماد ہو۔ یہ کام سارے عالم اسلام کے ممتاز فقہاء و علماء کی جماعت ہی انجام دے سکتی ہے۔ آج کی ضرورت انفرادی اجتہاد کی بجائے اجتماعی اجتہاد کی ہے۔

چنانچہ جدید تقاضوں سے بخوبی عہدہ برآں ہونے اور اجتہاد کے میدان میں جامعیت پیدا کرنے کے لئے واحد حل یہ ہے کہ مسلم فقہاء کا ایک عالمی ادارہ قائم کیا جائے جس میں عالم اسلام کے نمایاں باصلاحیت محقق علماء اور فقہاء کو نمائندگی حاصل ہو۔

اسلامی فقہ کی تاریخ بڑی شاندار اور قابل فخر ہے لیکن مسائل صرف ماضی پر فخر کرنے سے حل نہیں ہوا کرتے۔ اس ماضی کی میراث کی روشنی میں جدید تقاضے پیش نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی تعمیر کے لئے جدوجہد کرنا ہوگی اور یہ کوشش علمی سطح پر مربوط، مستحکم اور اجتماعی ہونا ضروری ہے۔

الغرض اجتماعی اجتہاد ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم تہذیب جدید کے چیلنج کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اسلامی معاشرے میں اس وقت جو جمود پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ ہم خیر امت ہیں، امت وسط اور امت عدل ہیں۔ لوگوں کو ہدایت کا فریضہ ہمارے ذمہ ہے تاکہ ہدایت کے لئے ہم لوگوں پر گواہ بنیں اور خاتم الانبیاء رحمت عالم محمد ﷺ ہم پر گواہ بنیں کہ ہم نے بحیثیت امت مسلمہ اپنا فریضہ بطریق احسن پورا کیا ہے۔

(ب) معروف فقہی مسالک کا تعارف
(حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری)

تاریخ فقہ اسلامی میں فقہائے صحابہ اور فقہائے تابعین کے عظیم الشان کارنامے موجود ہیں۔ ان کے اقوال اور فیصلے آنے والی نسلوں کے لئے تاقیامت مشعل راہ ہیں۔ لیکن بعد میں تدوین فقہ کا ایک زریں دور آیا، جس میں ایسے مجتہدین کرام اور فقہائے عظام پیدا ہوئے جن کو مسلمانوں نے فقہی معاملات میں اپنا امام، مقتدا اور راہنما تسلیم کر لیا اور صدیوں کے بعد آج بھی پوری امت مسلمہ ان کی فقہی آراء کی پیروی کر رہی ہے۔ ان علماء اور ائمہ و فقہاء کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

-1	امام اعظم ابوحنیفہؒ	فقہ حنفی
-2	امام مالکؒ	فقہ مالکی
-3	امام شافعیؒ	فقہ شافعی
-4	امام احمد بن حنبلؒ	فقہ حنبلی
-5	امام جعفر صادقؒ	فقہ جعفری

اب ہم ان کے حالات زندگی اور فقہی خدمات کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ

نام و نسب:

آپ کا نام نعمان بن ثابت، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ آپ 80 ہجری میں عراق کے مشہور شہر کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد ثابت بن زوطی فارسی تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی زندگی کے 25 سال بنوامیہ کے عہد میں اور 18 سال بنوعباس کے عہد میں

Scanned with CamScanner

گزارے۔ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں وہ جوان تھے، ان کے سامنے ہی دعوت عباسی اٹھی اس کا مرکز ان کا اپنا شہر تھا۔ خلیفہ المنصور کے عہد سن 150 ہجری میں انہوں نے وفات پائی۔

تحصیل علم:

کوفہ جہاں آپ پیدا ہوئے، عراق کا مرکزی شہر تھا۔ جو مذہبی اور سیاسی سرگرمیوں کا گڑھ تھا۔ امام ابوحنیفہ نے شروع میں علم کلام حاصل کرنے پر توجہ دی اور علم مناظرہ میں کمال پیدا کیا۔ یہاں تک کہ کوئی بے دین، ملحد اور مذاہب باطلہ کا پیروکار مناظرہ میں آپ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا لیکن جلد ہی آپ کا دل مناظرہ، کلام اور منطقی علوم سے بیزار ہوگیا۔ پھر آپ علم حدیث، قرات اور ادب کی طرف متوجہ ہوگئے اور کوفہ شہر کے مشہور علماء سے یہ علوم حاصل کئے جن میں حمادؒ، عطا بن ابی رباحؒ، عمرو بن دینارؒ اور شعبیؒ جیسے بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔

اوصاف و کمالات:

امام ابوحنیفہؒ بے حد ذہین، طباع اور گہری فہم و ادراک کے مالک تھے۔ حد درجہ متقی، دیانت دار، عبادت گزار اور خداترس تھے۔ آپ کی امانت ضرب المثل تھی، وفات کے وقت 5 کروڑ درہم کی امانتیں آپ کے پاس جمع تھیں۔ (مراۃ الجنان: یافعی)

شبلی نعمانیؒ نے آپ کی ذہانت اور حاضر جوابی کے متعدد واقعات ذکر کئے ہیں کہ امام صاحب مشکل سے مشکل مسئلے کو چٹکی سے حل کر دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا جس میں اس کا اس وقت کوئی شریک نہ ہوگا۔ اگر وہ ایسے نہ کرے تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگی۔ اس شخص کے لئے قسم پوری کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ امام صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ اس شخص کے لئے مطاف خالی کر دیا جائے کہ وہ اکیلا ہی خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ بس اس کی قسم پوری ہوگئی۔ (سیرۃ النعمان)

جب خلیفہ المنصور عباسی نے بغداد شہر کی تعمیر شروع کی تو امام ابوحنیفہؒ کو تعمیراتی کام کا نگران مقرر کیا۔ آپ چار سال تک اس کام کے نگران اعلیٰ رہے۔

علم فقہ کے چار اماموں میں سے آپ واحد امام ہیں جنہیں تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے انس بن مالکؓ کو دیکھا اور عبداللہ بن اوفیؓ، سہل بن سعدؓ اور طفیل بن عامر بن

واثل بن عطاء کا زمانہ پایا تھا۔ بعد میں خلیفہ المنصور کو آپ سے کچھ خوف پیدا ہوگیا کیونکہ آپ علویوں کے طرف دار تھے اور محمد نفس زکیہؒ کے ساتھ آپ کی خط و کتابت تھی۔ لہٰذا المنصور نے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے انہیں سلطنت کے چیف جسٹس کے عہدے کی پیش کش کی۔ جب امام صاحب نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اسے بہانہ بنا کر ان کو قید کر دیا۔ چنانچہ المنصور کی قید ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ نماز جنازہ پڑھاتے وقت قاضی شہر نے کہا:

"اس دور کے سب سے بڑے فقیہ، محدثؒ، عابد اور زاہد فوت ہوگئے۔" انا للہ و انا الیہ راجعون۔

تلامذہ:

امام صاحب کے شاگرد ویسے تو کثیر تعداد میں تھے جن میں عبداللہ بن مبارکؒ عظیم محدث تھے۔ ان کے علاوہ سفیان بن عینیہؒ، وکیع بن الجراحؒ، عبدالرزاقؒ، یزید بن ہارونؒ اور حفص بن غیاثؒ بھی آپ کے شاگرد ہیں۔

لیکن جن شاگردوں کے ذریعہ آپ کی فقہ کو شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی وہ چار ہیں۔

1- زفر بن ہذیل — 2- حسن بن زیاد لولوی

3- ابو یوسف القاضی — 4- محمد بن الحسن شیبانی۔

آخری دونوں شاگردوں کو صاحبین کہتے ہیں۔ آخری شاگرد یعنی امام محمد کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں اور امام صاحب کے علمی کارناموں کو پھیلانے میں سب سے زیادہ حصہ ان کا ہے۔

فقہی خدمات

1- جامع المسانید:

امام اعظمؒ حدیث کی روایت میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس کی بڑی وجہ کوفہ میں جدید فرقوں کا ظہور اور وضعی احادیث کی کثرت تھی۔ "جامع المسانید" کے نام سے احادیث کا ایک بڑا مجموعہ آپ سے روایت ہے۔ اس سے اس بات کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو آپ کے معاندین نے پھیلائی ہے کہ ابوحنیفہؒ حدیث اور آثار صحابہؓ پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

2- افتاء:

انہوں نے فقہ (اسلامی قانون) کی طرف توجہ کی۔ عراق کے اصحاب الرائے کا مرکز اس وقت کوفہ تھا۔ وہ اسی سے وابستہ ہوگئے اور مشہور فقیہ ابراہیم نخعی متوفی 95ھ کے شاگرد امام حماد بن سلمہ کی شاگردی اختیار کی۔ آپ حماد کی وفات تک پورے 18 سال ان کی صحبت میں رہے۔ حماد کے علاوہ متعدد اصحاب علم سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی۔ اس دوران حرمین کے بھی سفر کیے اور وہاں کے چیدہ چیدہ علماء سے استفادہ کیا۔ 120ھ میں جب ان کے استاد حماد کا انتقال ہوا تو لوگوں نے ان کی مسند آپ کو سونپ دی۔ اس مسند پر 30 سال تک درس و تدریس اور افتاء کا وہ لافانی کام انہوں نے انجام دیا جو آج مذہب حنفی کی بنیاد ہے۔ اس تیس سال کی مدت میں انہوں نے بقول بعض 60 ہزار اور بقول بعض 83 ہزار قانونی مسائل کے جواب دیئے جو ان کی زندگی ہی میں الگ الگ عنوانات کے تحت مرتب کر دیئے گئے۔ (اسمی جلد1: ص96)

3- تدوین فقہ کا عظیم کارنامہ:

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی علمی بصیرت اور گہری نظر کی بناء پر یہ محسوس کر لیا تھا کہ اسلامی سلطنت کے وسیع کاروبار اور مسلم معاشرے میں پیش آنے والے نت نئے واقعات کے لئے سب سے بڑی ضرورت ایک بلند پایہ قانون کی ہے جو اس وقت کی ضروریات کا ساتھ دے سکے۔ اس لئے انہوں نے اپنی تمام تر توجہ تدوین فقہ پر مرکوز کر دی۔ چونکہ آپ کا کپڑے کی تجارت کا وسیع کاروبار تھا جس کی وجہ سے آپ فکر معاش سے آزاد تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنے آپ کو مسائل کے استنباط اور قرآن و حدیث سے دلائل کی تلاش کے لئے وقف کر دیا۔

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ:

"آثار اور فقہ فی الحدیث کا صحیح "مقیاس" پیدا کرنا آپ کا ایک لازوال علمی کارنامہ ہے۔" (دائرۃ المعارف اردو)

امام ابوحنیفہؒ نے اسلامی علوم و فنون کے ماہرین کی ایک مجلس قائم کی جو چالیس علماء پر مشتمل تھی۔ ان میں علم لغت، نحو، تفسیر، علم کلام، علم حدیث اور علم بلاغت کے ائمہ فن شامل تھے۔ اس مجلس نے مسلسل تیس برس تک کام کیا اور بارہ لاکھ نوے ہزار مسائل مدون کیے۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ اس سے اسلامی حکومت کے لئے قانون کی ایک بنیاد فراہم ہوگئی، جس پر اجتہاد و استنباط کی عمارت تعمیر کرنا آسان ہوگیا۔

علمی مقام:

ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "اگر علم ثریا تک بھی پہنچ جائے تو اہل فارس میں سے ایک شخص اس کو حاصل کرے گا۔" علماء نے اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہ کو ٹھہرایا ہے۔ آپ اپنی علمی و عملی کمالات کی بدولت امام اعظمؒ کہلاتے تھے۔ بڑے بڑے ائمہ، فقہاء اور علماء امت نے آپ کی علمی عظمت اور جلالت قدر کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق "فقہ میں امام موصوف کا پایہ اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا اس کی نظیر نہیں ہوسکا۔" اسی طرح ان کے ہم عصر فقہاء امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری نے ان کی علمی عظمت کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے۔

امام مالکؒ: "اگر امام ابوحنیفہؒ اپنے زور استدلال سے سنگ مرمر کے ستونوں کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں۔"

امام شافعیؒ: "لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں، میں نے ان سے بڑھ کر فقیہ نہیں دیکھا۔"

ابو یوسفؒ: "میں نے حدیث کے فقہی نکات جاننے والا ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔"

سفیان ثوری: "روئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ ابوحنیفہؒ تھے۔"

اجتہاد و فتویٰ کا طریقہ

امام ابوحنیفہؒ کسی مسئلے کا جواب قرآن مجید سے اخذ کرنے کی کوشش فرماتے۔ قرآن مجید سے جواب نہ ملتا تو پھر سنت رسول کی طرف رجوع کرتے اور اس بات پر نظر رکھتے کہ حضور ﷺ کا آخری عمل کیا تھا یا آخری رائے کیا تھی؟ اگر احادیث نبویہ سے فیصلہ نہ ہوسکتا تو پھر فقہاء صحابہ و تابعین کے اقوال اور فیصلے تلاش کرتے۔ کسی معاملے میں فقہاء کا اجماع ہوتا تو اسی کو اختیار کر لیتے اگر جواب نہ پاتے تو قیاس کی طرف آتے اور کبھی کبھار استحسان (قیاس خفی) سے کام لیتے۔

Scanned with CamScanner

خدمات اور فقہی خصوصیات

1- شرف اولیت:

امام ابوحنیفہؒ کی طبیعت ابتدا سے ہی مجتہدانہ اور مقننانہ تھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ کی ترتیب اور تفصیل کا کارنامہ سرانجام دیا۔ قیاس کے اصول وضع فرمائے اور اسلامی فقہ کی تدوین کی۔ 22 سال کے طویل عرصہ تک چالیس افراد کی مجلس علماء وفقہاء کے تعاون سے انہوں نے 83ہزار مسائل کے جوابات پر مشتمل فقہی مجموعہ (کتب ابی حنیفہ) تیار کروایا۔

2- شرف قبولیت:

امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو جو قبول عام حاصل ہوا اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ شیخ محمد طاہر ''مجمع البحار'' میں لکھتے ہیں:

''اگر مذہب حنفی میں اللہ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا قریباً نصف مسلمان اس فقہ کے مقلد نہ ہوتے۔''

مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے:

''فقہ کے دوسرے مذاہب حوضوں کے مثل ہیں جبکہ مذہب حنفی دریائے زخار کی مانند ہے جو عرش سے گر رہا ہے۔''

3- رنگ شورائیت:

اس فقہی مسلک کی تیسری خوبی یہ ہے کہ یہ شخصی رائے اور اجتہاد پر منحصر نہیں ہے بلکہ ایسے ماہرین اور محققین کے مشوروں سے مرتب و مدون ہوا ہے جن کا علم وفضل اور جن کی دانائی و پارسائی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ اس فقہی مسلک میں غلطی کے کم سے کم امکانات رہ گئے ہیں۔

ممتاز محدث:

وکیع بن الجراح کے الفاظ میں:

''امام ابوحنیفہؒ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے جب کہ ان کے ساتھ

ابو یوسفؒ اور محمدؒ جیسے قیاس و اجتہاد کے ماہر۔ یحییٰ بن زکریا اور حفص بن غیاث جیسے حدیث کے عالم اور زہد وتقویٰ میں داؤد بن نصیر طائی جیسے شریک کار تھے۔''

4- عقل وفکر:

فقہ حنفی کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانی عقل وفکر سے قریب تر ہے۔ اس میں جو مسائل بیان ہوئے ہیں ان پر انسان آسانی سے عمل کرسکتا ہے اور یہ دلائل انسانی عقل کو اپیل کرتے ہیں۔

5- کثرت مسائل:

امام صاحب کی چالیس افراد پر مشتمل ''مجلس تدوین فقہ'' نے باہمی مشورہ کے بعد 83ہزار مسائل پر مشتمل ''کتب ابی حنیفہ'' کے نام سے فقہی مجموعہ تیار کیا جس میں 38ہزار مسائل عبادات کے بارے میں اور 45ہزار مسائل معاملات کے بارے میں تھے۔

6- تقدیری مسائل کا پیشگی حل:

اس فقہ میں ایسے مسائل کو بھی طے کیا گیا جو پہلے پیش نہ آئے تھے لیکن ان کے پیش آنے کا عقلاً امکان تھا۔

نامور محدث قیس بن ربیع کے الفاظ میں:

''امام ابوحنیفہؒ ان مسائل کو جو ابھی وقوع پذیر نہ ہوئے تھے سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ ان سے پہلے کسی فقیہ نے یہ انداز تحقیق وتفتیش نہ اپنایا تھا۔''

علاوہ ازیں فقہ حنفی میں:

7- تغیر وتبدل کی گنجائش موجود ہے۔

8- اس فقہ میں سادگی کا عنصر دوسرے مذاہب سے زیادہ ہے جو عوام کو اپیل کرتا ہے۔

9- اس فقہ کے دور قبول کے معیار اتنے سادہ اور وسیع ہیں کہ کسی حدیث کو بلاوجہ رد نہیں کرنا پڑتا۔

Scanned with CamScanner

10- فقہ حنفی میں استحسان کو بھی ایک بلند مقام حاصل ہے۔

11- تعصب سے بالاتر: اس فقہی مذہب کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ فقہ تعصب سے نسبتاً دور ہے۔

12- وسعت اور پھیلاؤ: اس فقہ کی وسعت اور پھیلاؤ بہت زیادہ ہے۔ سرکاری سرپرستی حاصل رہی۔ سلطان نورالدین زنگی اورنگ زیب عالمگیرؒ اور سلطان محمود غزنوی جیسے حکمران حنفی تھے۔ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اس کے پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔

13- اسلامی حکومتوں کا قانون: امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو مشرق و مغرب کی حکومتوں نے اپنے لئے لائحہ عمل بنا لیا۔

یحییٰ بن آدم کا قول ہے کہ ''خلفاء، ائمہ، حکام سب ابوحنیفہؒ کے مدون کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔''

امام مالک بن انسؒ

نام و نسب:

آپ کا اسم گرامی مالک بن انس اور کنیت ابوعبداللہ تھی۔ آپ کے القاب امام دارالہجرت اور شیخ الکل ہیں۔ آپ مدینہ منورہ میں 93 ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین یمنی عرب تھے۔ آپ کی تربیت ایسے گھرانے میں ہوئی جو علم حدیث کا مرکز تھا۔ ان کے خاندان میں حدیث و سنت کا تذکرہ رہتا تھا۔ آپ کے دادا امام مالک بن ابی عامر تابعین میں سے بہت بڑے عالم تھے۔

حصول علم:

امام مالکؒ کے زمانے میں مدینہ کا شہر حدیث نبوی کا گہوارہ اور فتاویٰ کا وطن تھا۔ صف اول کے اہل علم صحابہ یہاں موجود تھے۔ صحابہ کے بعد ان کے شاگرد یہاں رہے، یہاں تک کہ امام مالک کا زمانہ آیا۔ امام مالک نے نو سو اساتذہ سے تحصیل علم کیا جن میں 300 تابعین اور 400 تبع تابعین میں سے تھے۔ اس طرح احادیث و فتاویٰ کا علمی ورثہ انہیں ملا۔ علم فقہ میں آپ کے استاد ربیع بن فرخ اور نافعؒ مولی عبداللہ بن عمر تھے۔ اس طرح آپ ایک عظیم محدث، نامور

فقیہ اور جلیل القدر مفتی کے طور پر مشہور ہوگئے حتیٰ کہ ان کا فتویٰ ضرب المثل بن گیا۔

لا یفتی و مالک فی المدینتہ

یعنی امام مالک کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا فتویٰ دینے کا مجاز نہیں۔

درس حدیث:

آپؒ نے سترہ سال کی عمر میں ہی درس حدیث دینا شروع کیا۔ آپ علم حدیث کا بے حد احترام کرتے۔ جب تدریس حدیث کے لئے بیٹھتے تو وضو کرتے، خوشبو لگاتے اور صاف ستھرا لباس پہنتے اور مسند درس پر باوقار رونق افروز ہوتے۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: میں حدیث رسول کی تعظیم بجا لانا چاہتا ہوں۔ آپ بڑے شوق، انہماک اور عجز و انکساری سے درس دیتے یہاں تک کہ پہلو بھی نہ بدلتے۔ ایک دفعہ حدیث پڑھا رہے تھے۔ اس دوران بچھو نے سولہ مرتبہ ڈسا۔ آپ کا رنگ زرد پڑ گیا مگر آپ نے درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا۔ استفسار پر فرمایا: میں نے حدیث رسول کی تعظیم کی بناء پر صبر سے کام لیا۔

آخر 86 سال کی عمر میں آپ نے 179 ہجری کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر مدینہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مرجع خلائق ہے۔ ایک شاعر نے اس موقعہ پر اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کیا ہے:

فخر الائمۃ مالک　　نعم الامام مالک
مولدہ نجم ہدی　　وفات فاز مالک

یعنی امام مالک امام کے لئے سرمایہ افتخار اور بہترین پیشوا ہیں۔ ان کی پیدائش ہدایت کا ستارہ ہے، ان کی تاریخ وفات ''مالک کامیاب ہوا۔''

خدمات حدیث:

امام مالکؒ بیک وقت محدث بھی تھے اور فقیہ بھی۔ محدثین میں آپ امام المحدثین مشہور تھے۔ آپ کی مشہور سند حدیث مالک عن نافع عن ابن عمر محدثین کے ہاں سونے کی کڑی سلسلۃ الذہب کہلاتی ہے۔ آپ کی جمع کردہ مجموعہ احادیث مؤطا امام مالک کے نام سے مشہور ہے۔ جو فن حدیث پر سب سے پہلی کتاب ہے۔ یہ کتاب ابواب فقہ کی ترتیب پر تالیف کی گئی ہے۔ امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ''کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر اس سے زیادہ صحیح کتاب

Scanned with CamScanner

کوئی اور نہیں۔" مؤطا کی تدوین حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت پر ہوئی۔ اس کتاب میں 1720 احادیث ہیں۔ امام مالکؒ نے چالیس سال کی محنت شاقہ سے اسے مرتب کیا۔ امام مالک کی پروقار مجلس درس میں تین عباسی خلفاء ہارون الرشید اور اس کے دو بیٹے امین اور مامون بحیثیت شاگرد حاضر ہوئے اور ان سے مؤطا پڑھی۔ ہارون کا خیال تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں مؤطا کو بطور قانون مملکت نافذ کر دیا جائے لیکن امام مالکؒ کی بے نفسی اور دوراندیشی سے ایسا نہ ہوا۔

حق گوئی اور ابتلاء:

امام مالکؒ نے آل علی کے ایک بزرگ محمد بن عبداللہ کی بیعت کا فتویٰ دیا جو بڑی جرات اور بہادری کی بات تھی۔ اس کی پاداش میں عباسی خلیفہ منصور نے گورنر مدینہ کے ذریعے ستر کوڑے لگوائے۔ مشکیں اس شدت سے کسیں کہ ہاتھ بازو سے علیحدہ ہوگیا۔ اونٹ پر اہانت و تشہیر کے لئے سوار کروایا لیکن امام مالکؒ بلند آواز سے اپنا تعارف کرواتے۔

"لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے۔ میں ابوعامر مالک بن انس ہوں۔ میرا مسلک یہ ہے کہ طلاق مکرہ وہ یا جبری طلاق کوئی چیز نہیں۔"

جب گورنر مدینہ تک بات پہنچی تو اس نے آپ کو اونٹ سے اتارنے کا حکم دیا۔

علمی مقام:

آپ کی علمی فضیلت اور مقام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جن اساتذہ سے آپ نے استفادہ کیا وہ بعد میں آپ کے تلامذہ میں شمار ہونے لگے۔ امام زہریؒ آپ کے استاد تھے۔ اس کے باوصف انہوں نے امام مالکؒ سے احادیث روایت کیں، آپ کی عظمت شان کے لئے یہی بات کافی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ و شافعیؒ نے بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ بقول امام شافعیؒ تابعین کے بعد امام مالکؒ بندوں کے لئے سب سے بڑی حجت ہیں۔" نیز امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ "امام مالکؒ فقہ و حدیث کے امام اور عقل و ادب میں کامل ہیں۔" امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

امام مالک متعدد کمالات میں منفرد تھے۔ اول طویل عمر و اعلیٰ سند، دوم روشن ذہن اور وسعت علم سوم ان کی روایات پر آئمہ کا اتفاق، چہارم تقویٰ، تدین اور اتباع سنت اور آخری فقہ و افتاء میں تقدیم۔"

اجتہاد اور فتویٰ کا طریقہ

"امام مالکؒ اپنے اجتہاد میں قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی پر اعتماد کرتے ہیں جس حدیث کی سند کو صحیح سمجھتے ہیں اسی سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں خواہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو۔ اگر قرآن و حدیث سے مسئلہ حل نہ ہو تو ان اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں جنہیں وہ مستند یا ثقہ سمجھتے ہیں۔ نص کی عدم موجودگی میں قیاس کے ذریعے اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی کبھار مصالح مرسلہ کے اصول کے ذریعے اجتہاد کرتے ہیں۔"

خدمات اور فقہ مالکی کی خصوصیات

1- اجتہاد پر انحصار کم کرنا:

اس فقہ میں اجتہاد کی نوبت کم ہی آتی ہے۔ اس کا زیادہ تر مدار کتاب و سنت اور آثار صحابہ و تابعین پر ہے۔

2- تقدیری مسائل کے بارے میں سکوت:

امام مالکؒ ایسے واقعات و معاملات کے بارے میں فتویٰ دینے سے احتراز فرماتے تھے جو پیش نہ آئے ہوں۔ آپ فرمایا کرتے تھے، "جو واقعہ پیش آئے اس کے بارے میں سوال کرو اور جو معاملہ پیش نہ آئے اس کے بارے میں کچھ نہ دریافت کرو۔"

3- فقہ مدینہ کی اہمیت:

امام مالکؒ سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں مدینہ میں ایک مجلس شوریٰ بن چکی تھی، جس میں تابعین کے جید علماء و فقہاء کے فیصلے موجود تھے۔ امام مالکؒ نے اپنی فقہ کی بنیاد اسی "فقہ مدینہ" پر رکھی۔

Scanned with CamScanner

4- فقہ مالکی پیروکار اہل الحدیث کہلائے:

اس فقہ کے پیروکار اہل الحدیث کہلائے جب کہ حنفی فقہ کے اہل الرائے کہلائے۔

5- کتاب وسنت اور اجماع وقیاس بھی اس فقہ میں موجود ہے۔

6- فقہ مالکی میں ترمیم واضافہ میں کمی:

مالکی فقہ میں آگے چل کر بہت کم ترمیم واضافہ اور اصلاح وتصحیح ہوئی۔

7- اس فقہ میں تصنیف وتالیف کا وہ چرچا نہیں رہا جو حنفی وشافعی میں رہا ہے۔

8- خواص میں مقبولیت:

امام مالکؒ کے شاگردوں اور مستفید ہونے والوں میں جس رتبے کے لوگ ہیں اس پائے کے محدث وفقیہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئے مثلاً امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ کے علاوہ امام محمدؒ اور امام احمد بن حنبلؒ۔ شائد اسی لئے مالکی فقہ کو "خواص کی فقہ" کا نام دیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ

ولادت وخاندان:

آپ کا نام محمد بن ادریس شافعی، کنیت ابوعبداللہ تھی اور لقب ناصر السنۃ تھا۔ آپ کا سن ولادت 150 ہجری ہے۔ اسی سال امام ابوحنیفہ کا انتقال ہوا تھا۔ آپ کا مقام ولادت صوبہ عسقلان کا گاؤں غزہ ہے۔ آپ نسبی لحاظ سے قریشی ہاشمی اور مطلبی ہیں۔ آپ کے والد ماجد ادریس مدینہ منورہ کے قریب ایک قصبہ "تبالہ" کے ساکن تھے۔ پھر مدینہ منورہ اور وہاں سے عسقلان میں جاکر رہائش پذیر ہوئے۔ آپ کے والد، آپ کی پیدائش سے قبل وفات پا چکے تھے۔ اس طرح آپ نے یتیمی میں آنکھ کھولی۔

حصول علم:

امام شافعیؒ کی والدہ نے ان کی ایسی عمدہ تربیت کی کہ بچپن میں ہی انہیں علم کا شوق پیدا

ہوگیا۔ ذکاوت وذہانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت تھی۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ والدہ نے دس برس کی عمر میں، حصول علم کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا وہاں تین سال میں فقہ اور حدیث کی تکمیل کی پھر مدینہ منورہ امام مالکؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور ان کی وفات تک برابر ان کے آستانہ علم سے وابستہ رہے۔ امام مالکؒ نے انہیں نصیحت فرمائی تھی:

''اے محمد بن ادریس! خدا سے ڈرتے رہنا، عنقریب تمہاری شان بڑی بلند ہوگی۔'' امام شافعیؒ نے تحصیل علم کے لئے یمن اور عراق کا بھی سفر کیا۔ عراق میں امام محمد بن حسن شیبانی سے عراقی فقہ سیکھی۔ بالآخر مصر میں اقامت گزیں ہوگئے اور یہیں 204 ہجری میں وفات پائی۔

دینی وفقہی خدمات:

امام شافعیؒ لغت، فقہ اور حدیث کے امام تھے۔ زبان دانی اور فصاحت وبلاغت سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ اخبار اور اشعار مین اس قدر کمال حاصل تھا کہ اصمعی جیسا ادیب، امام شافعیؒ کے متعلق کہتا ہے:

''اشعار کی تصحیح میں ایک قریشی نوجوان سے کرلیا کرتا ہوں جس کا نام محمد بن ادریس ہے۔''

تصنیفی خدمات:

امام شافعیؒ پہلے شخص تھے جنہوں نے اصول فقہ پر متعدد کتب لکھ کر، اس کے قواعد مرتب کئے۔ فقہ کے دائرہ کو محدود ومنضبط کیا اور فقہی مسالک کو قابل عمل بنایا۔ انہوں نے فقہ کے چاروں مصادر سے مسائل کا استنباط کیا۔ آپ نے چھوٹی بڑی 113 کتب تصنیف کیں جن میں ''الرسالۃ'' اور کتاب الام زیادہ مشہور ہیں۔ امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں اصول فقہ پر کھل کر بحث کی ہے۔ قرآن، حدیث، خبرواحد، اجماع اور اجتہاد کے موضوع پر مفصل کلام کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے کتاب الام میں فقہی مسائل اور احکام جمع کردیے ہیں۔ یہ مناظرانہ انداز میں لکھی گئی ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

ابتلاء وآزمائش:

امام شافعیؒ کو بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی طرح حق گوئی پر ابتلاء وآزمائش سے گزرنا

Scanned with CamScanner

پڑا۔ آپ یمن میں مقیم تھے کہ عامل یمن نے خلیفہ ہارون الرشید کو امام شافعیؒ کی شکایت کی کہ وہ آل علیؓ کی خلافت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے امام شافعیؒ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ امام شافعیؒ نے یہ دور ابتلاء ہمت وصبر سے برداشت کیا اور سلطان جابر کے سامنے بھی کلمہ حق کہنے سے باز نہ آئے۔

اساتذہ:

امام شافعیؒ نے اپنے زمانہ کے بہترین اور معروف، فاضل اساتذہ سے استفادہ کیا۔ امام رازیؒ کے مطابق آپ کے اساتذہ میں جو اصحاب فقہ وفتویٰ تھے، صرف ان کی تعداد 19 ہے۔ آپ کے معروف اساتذہ میں امام مالک، امام محمد بن حسن، سفیان بن عیینہ اور مسلم بن خالد زنجی ہیں۔ امام شافعیؒ، اپنے فقہ کے استاد محمد بن حسن شیبانی کے بڑے مداح ہیں، فرماتے ہیں:

"جس شخص کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن ہیں۔"

تلامذہ:

امام شافعیؒ کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے ان میں کئی مجتہد اور اصحاب مذاہب ہیں جن میں امام احمد بن حنبل، داؤد ظاہری اور ابن جریر طبری زیادہ مشہور ہیں۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے ایک وقت میں حدیث وفقہ کی تحصیل کرنے والوں کی سات سو سواریاں کھڑی دیکھی ہیں۔

علمی مقام:

امام شافعیؒ کا دینی علوم میں بڑا بلند مقام ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں انہیں فتویٰ دینے کی اجازت مل گئی تھی۔ انہوں نے اپنے زمانے کی مروجہ حنفی اور مالکی فقہ پر عبور حاصل کیا۔ ان پر ناقدانہ نظر سے محاکمہ کیا اور اپنا جداگانہ فقہی مسلک اپنایا جسے مصر میں عروج حاصل ہوا۔ امام شافعی کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ خداوند کریم ہر صدی کے آغاز میں اس امت کے لئے ایسا شخص مبعوث کردے گا جو دین اسلام کو قائم کرنے

والا ہوگا۔ اس طرح کے پہلے شخص حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور دوسرے شافعی ہیں۔"

امام مسلمؒ کے نزدیک "امام شافعیؒ کا شمار ان فقہائے عظام میں ہے جو لائق اتباع ہیں۔"

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ "کوئی ایسا محدث نہیں جس کی گردن پر امام شافعیؒ کا احسان نہ ہو۔"

اجتہاد اور فتویٰ کا طریقہ

وہ مسائل اخذ کرنے کے لئے پہلے قرآن مجید پر نظر ڈالتے ہیں پھر حدیث پر، پھر اجماع صحابہ پر، ازاں بعد خبر واحد پر۔ جب دو احادیث باہم ٹکراتی ہوں تو وہ صحابی کی رائے لیتے ہیں جو پہلے ایمان لایا ہو یعنی سابق الایمان ہو۔

خدمات اور فقہ کی خصوصیات

فقہ شافعی کی مندرجہ ذیل اہم خصوصیات ہیں:

1- حنفی اور مالکی کے بین بین:

یہ مسلک حنفی و مالکی کے بین بین ہے کیونکہ امام شافعیؒ کو خاص طور پر امام مالکؒ اور محمد بن الحسن دونوں کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔

2- ادبی محاسن:

قرآن مجید و حدیث کے بعد امام شافعیؒ اپنی فقہ میں لغت وادب کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ ان کی فقہی تصانیف، ایجاز واختصار اور فصاحت و بلاغت کا لافانی شاہکار ہیں۔ ان کی تحریر اس زمانے کے بلیغ ترین انشاء پردازوں سے کم درجہ نہیں رکھتی۔

3- اختلافی مسائل میں دو اقوال:

تقریباً ہر اختلافی مسئلہ میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں یعنی قدیم اور جدید۔ مصر آنے سے پہلے کے شافعی مذہب کو مذہب قدیم اور مصر آنے کے عہد والے مسلک کو مذہب جدید کہا جاتا ہے۔ مصر میں امام شافعیؒ نے اپنے بہت سے اقوال سے رجوع کرکے جدید رائے قائم کی تھی۔

Scanned with CamScanner

4- اہل مکہ کا اجتماعی عمل:

آپ کی فقہ میں اہل مکہ کے تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جس طرح امام مالکؒ کی فقہ میں اہل مدینہ کے عمل کو لائق توجہ سمجھا گیا ہے۔

5- استحسان اور مصالحہ مرسلہ کی نفی:

اس مسلک میں استحسان اور مصالح مرسلہ کی نفی کی گئی ہے۔ گو انہوں نے فقہ کے چاروں مصادر سے مسائل کا استنباط کیا لیکن حنفی استحسان اور مالکی مصالحہ مرسلہ کو یکسر ترک کر دیا۔

6- احادیث پر خصوصی توجہ:

احادیث سے استنباط کرتے وقت امام شافعیؒ قوانین روایت کا خاص احترام کرتے ہیں اور وہ حدیث رسول کو منشائے ربانی کا نام دیتے ہیں۔ کسی روایت کے راوی ثقہ ہوں تو اسے بہرصورت قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

7- اجماع صحابہ:

اگر قرآن و حدیث کی نص موجود نہ ہو تو صحابہ کے اجماع پر عمل فرماتے ہیں۔

8- قیاس ماخذ فقہ:

وہ قیاس کو بھی ماخذ علم جانتے ہیں۔ اگرچہ ان کی زیادہ توجہ کتاب و سنت کے نصوص پر رہی۔

9- اکثر شافعی حضرات اشعری ہیں۔

10- بعض بڑے بڑے ائمہ تصوف بھی شافعی گزرے ہیں۔

11- مصر میں سلطنت ایوبی میں یہ مسلک حکومت کا سرکاری مذہب رہا ہے۔

12- باطل فرقوں بالخصوص معتزلہ کا رد سب سے زیادہ شوافع نے کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ

نام و نسب:

آپ کا نام احمد بن محمد بن حنبل، کنیت ابوعبداللہ اور لقب امام اہل السنۃ ہے۔ ربیع الاول 164 ہجری میں ولادت ہوئی۔ آپ کے والدین خالص عربی تھے۔ ان کا نسب نبی اکرم ﷺ تک چلا جاتا ہے۔ بچپن ہی سے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور والدہ نے پرورش کی۔

تحصیل علم:

آپ نے بغداد میں نشوونما پائی۔ اس وقت بغداد مرکز خلافت اور علوم و معارف کا گڑھ تھا۔ بہت جلد انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ جب چودہ سال کے ہوئے تو فن کتابت اور حفظ حدیث میں مشغول ہوگئے۔ آپ نے صرف روایت حدیث پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تفقہ فی الدین کی طرف توجہ دی۔ آپ نے بغداد کے تمام شیوخ حدیث سے اکتساب علم کیا۔ بعدازاں بصرہ اور حجاز کا سفر کیا۔ آپ نے امام شافعیؒ کی شاگردی حجاز میں اختیار کی۔ امام شافعیؒ کا امام احمدؒ کا حدیثی اور فقہی ذہن بنانے میں خصوصی دخل تھا۔

تعلیم و تدریس:

امام احمد بن حنبل نے چالیس سال سے قبل تدریس حدیث اور افتاء سے اجتناب کیا۔ 204 ہجری میں تعلیم و تدریس کا باقاعدہ آغاز کیا۔ مسند درس پر بیٹھنے سے قبل آپ کے علم و عمل، تقویٰ و طہارت کی شہرت عالم اسلام میں ہو چکی تھی۔ لہٰذا طالب علم اور استفتاء کے لئے کثیر لوگ آپ کے پاس آنے لگے۔ آپ کے حلقہ درس میں بیک وقت پانچ پانچ ہزار طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا جو طلبہ آپ سے صرف حدیث لکھتے، ان کی تعداد پانچ صد تھی۔

کارنامے:

امام احمدؒ کے عظیم کارناموں میں سے دو امتیازی شان رکھتے ہیں۔

اوّل یہ کہ آپ نے قرآن و سنت کی خالص اتباع کا مسلک بڑی شدت سے پیش کیا۔

Scanned with CamScanner

دوسرے یہ کہ آپ نے حق گوئی کے لئے جابر سلاطین کی مطلق پروا نہیں کی۔ عباسی دور میں معتزلہ نے ''خلق قرآن'' کا فتنہ اٹھایا اور اہل سنت کی جانب سے امام احمد بن حنبلؒ سینہ سپر ہوئے اور چار عباسی خلفاء کے خلاف صبر و استقامت سے حق کی جنگ لڑی۔ خلیفہ معتصم، مامون اور الواثق کے سامنے ڈٹے رہے۔ جیل، کوڑے، فاقہ کشی اور قید تنہائی۔ ہر قسم کا تشدد برداشت کیا اور صبر و ثبات کا پہاڑ بنے رہے۔ خلق قرآن کے مسئلہ میں آپ نے قرآن و سنت سے تمسک کا معیار پیش کیا جو دین حق کی بنیاد ہے۔

اساتذہ:

آپ نے تقریباً ایک سو اساتذہ سے استفادہ کیا جن میں نمایاں ترین امام ابو یوسفؒ اور حافظ ہشیم ہیں۔

وفات:

امام احمدؒ نے 240 ہجری میں بغداد میں وفات پائی۔ پانچ لاکھ لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی۔ اس کثرت تعداد سے متاثر ہوکر 20 ہزار غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

خدمات:

امام احمد بن حنبلؒ زندگی بھر سنت اور صحابہ کے تبع رہے۔ ان کا علم و عمل، سیرت و کردار، اخلاق و اطوار صحابہ کے رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ ''مسند امام احمدؒ'' آپ کی ممتاز تصنیفی خدمت ہے۔ یہ احادیث کا مجموعہ ہے جس کی جمع و ترتیب میں انہوں نے بڑی محنت کی۔ امام شمس الدین الجزری لکھتے ہیں کہ:

> ''امام احمدؒ نے مسند کی جمع و تدوین کا کام 180 ہجری میں شروع کیا، اسے الگ الگ اوراق میں لکھا، پھر اسے جدا جدا اجزاء میں تقسیم کیا پھر قبل اس کے یہ آرزو پوری ہو، پیام اجل آ پہنچا۔ مسند امام احمدؒ میں کل تیس ہزار احادیث تھیں۔ امام احمدؒ کے بیٹے عبداللہ نے اس میں دس ہزار کا اضافہ کیا، اس طرح اس میں کل 40 ہزار احادیث ہیں۔''

حنبلی فقہ:

ابتدا کی ایک صدی تک حنبلی مذہب عراق تک محدود رہا۔ پھر یہ مصر و شام تک پہنچا۔ لیکن فقہی مسلک کے لحاظ سے اس کی اشاعت بہت کم رہی۔ موجودہ دور میں اس کا طوطی نجد و حجاز میں بولتا ہے۔ موجودہ سعودی حکومت کا یہ سرکاری فقہی مسلک ہے۔

اجتہاد اور فتویٰ کا طریقہ کار

قرآن و سنت کے نصوص کے بعد صحابہؓ کے فتاویٰ اور اقوال ماخذ شریعت ہیں البتہ اگر ان میں اختلاف پایا جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ کونسا قرآن و سنت کے نصوص سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اپنی رائے پر عمل کرنے کی بجائے ضعیف حدیث پر عمل کر لینا زیادہ بہتر ہے۔ ان کے نزدیک کوئی شخص قیاس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ البتہ ان پر اجتہاد و قیاس کی بجائے حدیث کا غلبہ ہے۔

فقہی خصوصیات

اثری فقہ:

حنبلی فقہ پر حدیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ کا رنگ غالب ہے، اس لئے ان کی فقہ ''اثری فقہ'' کہلائی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ستر ہزار مسائل کا جواب ''اخبرنا و حدثنا'' کے الفاظ سے دیا ہے۔

درایت سے زیادہ روایت پر انحصار:

اس فقہ میں اجتہاد و قیاس کی نوبت شاذ و نادر ہی آتی ہے۔ درائت سے زیادہ اس کا مدار روایت پر ہے۔

خواص کی فقہ:

حنبلی مسلک اگرچہ عوام میں مقبول نہیں ہوسکا لیکن امام احمد بن حنبلؒ کے شاگردوں میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤد جیسے اکابر محدث و فقہہ شامل ہیں جو ان کے فقہی مسلک کے شارح اور ترجمان بنے۔

Scanned with CamScanner

شرعی حیلوں سے احتراز:

اس فقہ میں شرعی احکام کے بارے میں شرعی حیلوں کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں۔ اگرچہ رسم و رواج میں احمد بن حنبل تحمل اور کشادہ دلی کے قائل ہیں۔ لیکن مذہبی فرائض میں سخت پابندی کی تلقین فرماتے ہیں۔ بدعتیوں کے پیچھے نماز پڑھنا ناپسند فرماتے ہیں۔

صحابہ کی آراء کا احترام:

حنبلی فقہ میں صحابہؓ کے فتویٰ اور اجماع کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحابہؓ میں اختلاف رائے کی صورت میں ان کے مدارج کی فضیلت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ امیر معاویہؓ کے حکومتی فیصلوں کا احترام کرتے ہیں لیکن ذاتی آراء کو مسترد کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؒ

ولادت و خاندان:

آپ کا نام جعفر، کنیت ابوعبداللہ و ابواسمٰعیل اور القاب صادق اور صابر ہیں۔ آپ کی ولادت صحیح تر روایت کے مطابق 17 ربیع الاول 80 ہجری کو مدینہ میں ہوئی۔ آپ کے والد، امام محمد باقر بن علی زین العابدینؒ بن حسینؓ بن علی المرتضیٰؓ اور والدہ ام فروہ فاطمہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اس طرح امام جعفر صادق کا نسب اسلام کی دو انتہائی جلیل القدر ہستیوں سے جاملتا ہے۔ آپ کے نانا قاسم بن محمد کا شمار مدینہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کے علم کو اخلاف تک پہنچایا۔ اس طرح آپ کا خانوادہ علم و فضل کا گہوارہ تھا۔

امام جعفر صادق چودہ (14) سال اپنے دادا امام زین العابدینؒ اور چونتیس (34) سال اپنے والد امام محمد الباقر اور ستائیس (27) سال اپنے نانا حضرت قاسم کے زیر تربیت رہے اور ان کے علوم و فنون سے سیراب ہوئے۔

امام جعفر صادقؒ کی ولادت کے وقت مدینہ منورہ علم و عرفان کا مرکز تھا۔ عالم اسلام کے طالب علم کے لئے مدینہ ہی کا رخ کرتے تھے۔ امام جعفر صادقؒ نے اس علمی ماحول میں آنکھ کھولی اور ان علوم و فنون سے خوب استفادہ کیا۔

امام جعفر صادقؒ جب سن رشد کو پہنچے تو ریاست و حکومت کی طلب سے بے نیاز تھے اس لئے زندگی بھر سیاست سے دور رہے۔ انہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں علم دین کی نشر و اشاعت اور نیکی و تقویٰ کے پھیلانے میں صرف کر دیں۔ جس کے نتیجہ میں ایسے بلند علمی مرتبہ پر فائز ہوئے کہ بلاد اسلامیہ کے تشنگان علم آپ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ آپ علم و عمل، صبر و شکر، تسلیم و رضا، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے نمونہ تھے۔ آپ کے علم و عرفان سے خلق کثیر نے استفادہ کیا۔ مدینہ منورہ میں 68 سال کی عمر میں (148ھ) وفات پائی۔

لقب صادق کی وجہ:

مشہور مورخ ابن خلکان کے مطابق:

لُقِبَ بِالصَّادِقِ لِصِدْقِهٖ فِیْ مَقَالَتِهٖ یعنی

"حق گوئی اور راست بازی کی وجہ سے انہیں صادق کہا جاتا ہے۔" ایک دوسری روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے ان کی پیدائش کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ "وہ کلمہ حق اور پیکر صداق ہوں گے۔"

علمی مقام و مرتبہ:

ہر دور کے علماء نے حضرت امام جعفر صادقؒ کی پاکیزہ اور بلند شخصیت کے متعلق اچھی اور بلند رائے کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی عظمت کے متعلق یہ قول مشہور ہے کہ "لَا یُسْئَلُ عَنْهُ مِثْلُهٗ" یعنی آپ ایسی قابل اعتماد اور ثقہ شخصیت ہیں کہ جس کی نسبت کسی استفسار اور تحقیق کی ضرورت نہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں:

"اِتَّفَقُوْا عَلٰی اِمَامَتِهٖ وَ جَلَالَتِهٖ وَسِیَادَتِهٖ" یعنی علماء آپ کی امامت، جلالت، شان اور سیادت پر متفق ہیں۔

ابن حجر کے نزدیک تمام بلاد اسلامیہ میں ان کے علم و حکمت کا شہرہ تھا۔

الشہرستانی کی رائے میں آپ علم دین کا سرچشمہ، حکمت کا سمندر اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ وہ دنیا سے نفور، حب دنیا اور شہرت سے بے تعلق تھے۔

عمر بن ابی المقدام فرماتے ہیں کہ "جب میری نظر جعفر صادق پر پڑتی تو یہی نظر آتا ہے کہ وہ شجر نبوت کا ثمر شریں ہیں۔"

آپ کئی ایک علوم و فنون میں کامل تھے۔ چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

Scanned with CamScanner

علم حدیث:

علم حدیث اور روایت حدیث خاندان نبویؐ کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ سے ہی بکثرت احادیث مروی ہیں، امام صاحب کا خود اپنا قول ہے کہ ابان نے تیس ہزار احادیث ان سے نقل کی ہیں۔ نجاشی نے لکھا ہے کہ میں نے کوفے کی مسجد میں نو سو شیوخ کو حضرت امام جعفرؓ سے روایت کرتے ہوئے سنا ہے، آئمہ حدیث و سنن کی ایک جماعت نے ان سے احادیث روایت کی جن میں امام مسلم، امام مالک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارقطنی قابل ذکر ہیں۔ مذہب شیعہ میں الکافی، التہذیب، الاستبصار اور من لا یحضرہ الفقیہ، الفقیہ، بنیادی کتب ہیں ان سب کے جامعین نے امام جعفر صادقؒ سے احادیث روایت کی ہیں۔

علم کلام:

علم الکلام میں بھی امام جعفر صادقؒ کا مقام روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مشہور کیمیا دان جابر بن حیان آپ ہی کا شاگرد تھا جس کے لئے تعلیم کا علیحدہ وقت مقرر تھا۔

امام موصوف کا دور مسلمانوں میں علم فلسفہ کے آغاز کا دور تھا اور اس عہد میں عقلی و فرقی فتنے ابھر رہے تھے جس سے علم کلام کی اہمیت بڑھ گئی اور امام صاحب کو باطل فرقوں سے بے شمار مناظرے پیش آئے اور ہمیشہ مخالفین کو شکست فاش دی۔ ایک دفعہ قدریوں کے ساتھ مناظرہ ہوا اور مناظرے کی بنیاد قدریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ''بندہ مختار کل ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم اور قضاء وقدر کو بندوں کے امور میں کوئی دخل نہیں۔''

مناظرہ کے آغاز میں امام صاحب نے حریف قدری امام کو سورہ فاتحہ پڑھنے کو کہا اور جب قدری نے کہا کہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔'' تو آپ نے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ اور مجھے جواب دو کہ جب خدا تمہارے اعتقاد کے مطابق تمہارے معاملے میں دخل دینے کا مختار نہیں تو پھر تم اس کی مدد کیوں مانگتے ہو۔'' اس پر قدری خاموش ہوگیا اور مناظرہ ختم ہوگیا۔

علم فقہ:

امام جعفر صادقؒ کا علم فقہ میں بڑا بلند مقام ہے۔ وہ مجتہد کے درجے پر فائز تھے۔ انہوں

نے اجتہاد اور استنباط مسائل کے قواعد مرتب اور قلم بند کئے۔ وہ اختلاف فقہ سے خوب واقف تھے لیکن کسب علم اور اخذ مسائل میں متعصب نہیں تھے۔ فقہ جعفریہ انہی کی طرف منسوب ہے اسے ہی امامیہ مذہب کہا جاتا ہے کیونکہ فقہ جعفریہ میں مسئلہ امامت کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ پھر چونکہ یہ فرقہ بارہ اماموں کے برحق ہونے کا قائل ہے اس لئے اسے اثنا عشریہ بھی کہتے ہیں۔ آپ ان بارہ اماموں میں سے چھٹے نمبر پر ہیں، آخری امام مہدی کو غائب مانتے ہیں۔

الغرض مختلف علوم میں امام جعفر صادقؒ کی تالیفات کی تعداد پانچ بتائی جاتی ہے۔

فقہ جعفریہ کی خصوصیات:

فقہ جعفریہ، امامیہ، اثنا عشریہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

1- فقہ جعفریہ کے پیروکار حضرت علیؓ کو خلیفہ بلافصل مانتے ہیں۔ وہ خلافت کو صرف اہل بیت کا حق سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک امامت خدا کی طرف سے نبوت کی طرح وحی ہے۔ ان کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے۔ بارھواں امام قیامت کے قریب آئے گا۔ امام معصوم کے اقوال پیغمبر کے اقوال کی طرح دلیل شرعی ہیں۔

2- ان کے نزدیک اسلامی قانون کے ماخذ قرآن، حدیث اور اجماع ہیں۔ ان کے ہاں احادیث وہی قابل قبول ہیں جو اہل بیت سے مروی ہوں۔ اجماع ان کے نزدیک امام معصوم کے قول پر اتفاق کا نام ہے ایسا اجماع باطل ہے جس میں امام معصوم شامل نہ ہو۔

3- فقہ جعفریہ، امامیہ شیعہ کے تمام فرقوں میں سب سے بڑا ہے۔ ایران کا سرکاری مذہب ہے اس کے پیروکار تقریباً اکثر ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ شام اور لبنان میں انہیں متوالی کہا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

مطالعہ مسائل فقہ

کتاب الصلوۃ

نماز کے احکام و مسائل

نماز کے معنی و مفہوم:

نماز کے لئے عربی کا لفظ صلوٰۃ ہے۔ لغت میں صلوٰۃ کے معنی "رخ کرنا، دعا کرنا، قریب ہونا، اور پیچھے چلنا، ہے۔ شرعی اصطلاح میں صلوٰۃ کے معنی اللہ کی طرف متوجہ ہونے، اللہ سے دعا کرنے اور اس کے قریب ہونے کے ہیں۔ صلوٰۃ مخصوص اعمال و افعال کا نام ہے۔ جن سے اللہ کے حضور اپنی عاجزی اور زاری کا اظہار کرنا کا مقصود ہوتا ہے قرآن مجید نے ارکان نماز کی مختصر الفاظ میں تعلیم دی ہے۔ اس کے ادا کرنے کا تفصیلی طریقہ نبی اکرمؐ کی سنت سے معلوم ہوا ہے۔ قرآنِ پاک میں فرمایا ہے۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ (الاعراف: 29)

ترجمہ:

"اور ہر نماز میں اپنا رخ ٹھیک خدا کی طرف رکھو اور مخلصانہ اطاعت کے ساتھ اس کو پکارو

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ. (العلق:19)

"اور سجدہ کرو اور (خدا سے) قریب ہو جاؤ۔"

حدیث میں رسول کریمؐ کا ارشاد ہے۔ کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ اللہ کے حضور سجدے میں ہوتا ہے۔ (مسلم)

خدا سے قریب ہونے اس کی طرف متوجہ ہونے اور دعا کرنے کا بہترین، صحیح اور مقبول طریقہ وہی ہے جو آنحضرتؐ نے اپنی زبان سے بتایا ہے۔ اور زندگی بھر اپنے عمل سے اپنے صحابہؓ کو سکھایا ہے۔ آپؐ کی نماز کا یہ طریقہ حدیث کی مستند اور صحیح کتابوں میں محفوظ ہے۔ اور پھر مسلمانوں نے اس طریقے کو ہر زمانے میں اپنا کر تمام شکوک و شبہات سے محفوظ کر دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

نماز کی فضیلت و اہمیت:

تمام اسلامی عبادات میں نماز اہم ترین عبادت ہے۔ دوسری عبادتیں خاص خاص لوگوں پر مخصوص اوقات میں فرض ہوتی ہیں۔ مثلاً روزہ سال میں صرف ایک مہینے کے لئے فرض ہوتا ہے۔ زکوٰۃ مالدار لوگوں پر فرض ہے۔ حج صاحبِ استطاعت لوگوں پر زندگی بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ لیکن نماز کے لئے صرف ایمان لانا ہی شرط ہے۔ ایمان لانے کے بعد ہر عاقل و بالغ، مرد و عورت، امیر و غریب تندرست و بیمار اور مقیم و مسافر سب پر یکساں فرض ہے۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی جب کہ دشمن سے ہر لمحہ جان کا خطرہ ہوتا ہے اس وقت بھی نماز نہ صرف فرض ہے۔ بلکہ جماعت سے پڑھنے کی بھی تاکید ہے۔ اور اس کا طریقہ بھی قرآن نے خود تعلیم دیا ہے۔ (سورۃ النساء: آیت 102)

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ (طٰہٰ: 14)

''بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔''

نماز ایک جامع عبادت:

نماز پورے دین کی عملی بنیاد ہے۔ اس میں خضوع و خشوع بھی ہے۔ طہارت و پاکیزگی بھی ہے۔ وقت کی پابندی اور اطاعت امیر بھی ہے۔ اس میں اسلام کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بے شمار فائدے بھی ہیں۔ قرآن پاک میں سب عبادتوں سے زیادہ نماز کے قائم کرنے پر اتنا زور دیا گیا ہے۔ کہ گویا سارے دین کا دارومدار اسی پر ہے۔۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اُن آیات سے پوری طرح ہو جاتا ہے۔ جس میں نماز چھوڑنے والوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مدثر آیت 38 میں ارشاد ہے۔

''ہر شخص اپنے اعمال کی جزا میں پھنسا ہوا ہے۔ سوائے دائیں طرف والوں کے جو جنت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور مجرموں کے بارے میں پوچھ رہے ہوں گے۔ کہ تمہیں کس چیز نے جہنم میں ڈالا وہ جواب دیں گے۔ کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''جس دن افراتفری مچی ہوگی اور یہ لوگ سجدہ کرنے کیلئے بلائے جائیں گے۔ تو یہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ اور صورتوں پر ذلت چھائی ہوگی انہیں دنیا میں سجدہ کرنے کے لئے بلایا جاتا تھا۔ تو وہ سجدہ نہیں کرتے تھے۔ (القلم: ۴۲:۴۳)

اہمیت نماز از روئے احادیث:

نبی اکرمؐ نے بھی نماز کی فضیلت و اہمیت کا ذکر متعدد احادیث میں فرمایا ہے۔ اور نماز کو ترک کرنے پر بدترین سزاؤں کا ذکر کیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے۔

''مومن اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔'' (مسلم)

''جو شخص پابندی کے ساتھ اچھی طرح نماز پڑھے گا۔ قیامت کے دن یہ نماز اس کے لئے نور اور ایمان کی دلیل ہوگی اور نجات کا ذریعہ ہوگی اور جو شخص توجہ اور پابندی کے ساتھ نماز ادا نہ کرے گا۔ تو یہ نماز اس کے لئے نور اور ایمان کی دلیل نہیں ہوگی۔ اور نہ وہ اسے خدا کے عذاب سے بچانے والی ہوگی۔ اور ایسا شخص قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (مسند احمد، بیہقی)

''حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے۔ کہ ایک دن نبی اکرمؐ سردی کے دنوں میں جب پت جھڑ ہو رہا تھا باہر تشریف لائے۔ اور آپؐ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر ہلائیں۔ تو کھڑ کھڑ پتے نیچے گرنے لگے۔ پھر آپؐ نے فرمایا۔ اے ابوذر! جب کوئی مسلمان یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ تو اس کے گناہ بھی اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (مسند احمد)

''ایک بار نبی اکرمؐ نے صحابہؓ سے پوچھا اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو۔ جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہ سکتا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ نہیں اس کے جسم پر تو ذرا بھی میل کچیل نہ رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہی حال پانچ وقت کی نمازوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

''حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ زندگی کے آخری لمحات میں نبی اکرمؐ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ نماز، نماز۔ (الادب المفرد)

Scanned with CamScanner

خود نبی اکرمؐ کو نماز سے اس قدر گہرا لگاؤ تھا کہ ہر معمولی بات پر آپؐ مسجد کا رخ کرتے مثلاً تیز ہوا چلتی اور آپؐ مسجد میں نماز ادا فرماتے۔ سیاہ بادل گھر کر آتے اور ان میں تیز گرج و چمک پیدا ہوتی تو آپؐ نوافل ادا فرماتے چاند اور سورج کو گرہن لگتا تو آپؐ نوافل ادا فرماتے آپؐ کی زبان مبارک سے اکثر یہ الفاظ ادا ہوتے۔ ”کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“ آپؐ نوافل اس کثرت سے ادا فرماتے کہ مبارک قدموں پر ورم آ جاتا۔ اپنے صحابہؓ کو مختلف مہمات پر بھیجتے تو انہیں یہ تاکید کرتے کہ کسی بستی کے قریب جاؤ تو انتظار کرو۔ اگر وہاں سے آذان کی آواز آئے تو اس بستی پر ہرگز حملہ نہ کرنا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ اپنی حکومت کے عہدیداروں کو تحریری طور پر یہ ہدایت دیتے تھے۔ ”میرے نزدیک تمہارے تمام مسائل میں سب سے اہم مسئلہ نماز ہے جس نے اپنی نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے پورے دین کو محفوظ کر لیا۔ اور جس نے اپنی نماز کو ضائع کر دیا۔ وہ اپنے باقی دین کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔ (مشکوٰۃ باب المواقیت)

الغرض نماز ایمان کی لازمی علامت دین کا ستون، مسلمان کی آنکھ کی ٹھنڈک اور اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑنے والی عبادت ہے۔ نماز موجود ہے۔ تو پورا دین موجود ہے۔ اگر نماز ضائع ہو گئی تو دین کی موجودگی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

نماز قائم کرنے کے آداب و شرائط:

قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا ذکر آیا ہے۔ تو اس کے لئے اقامت اور محافظت کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (البقرۃ: ۴۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ

چنانچہ نماز کا صرف ادا کرنا نہیں۔ بلکہ اس کی اقامت اور محافظت کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے۔ یعنی صرف ظاہری حالت کا درست ہونا مراد نہیں۔ بلکہ ان باطنی صفات کا ہونا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ جو انسان کے دل، دماغ، احساسات اور جذبات سے متعلق ہیں۔

آدابِ صلوٰۃ:

(۱) پاکیزگی وطہارت:

نماز ادا کرنے کے لئے جسم اور لباس کا پاک صاف ہونا ضروری ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا (المائدہ:۹)

ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سر کا مسح کر لو، اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لو۔ اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو خوب اچھی طرح غسل کرو۔

سورۃ المدثر میں ارشاد ہے

وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ (المداثر:۹)

”اور اپنے لباس کو اچھی طرح پاک کر لو۔

(2) پابندی وقت:

”نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء:۱۰۳)

بے شک نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

”بہترین بندے وہ ہیں جو سورج کی دھوپ اور چاند تاروں کی گردش کو دیکھتے رہتے ہیں کہ نماز کا وقت فوت نہ ہونے پائے۔ (مستدرک حاکم)

یعنی اللہ کے بندے ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ نماز صحیح وقت پر ادا کریں اور کوئی نماز ضائع نہ ہونے پائے۔

پابندی کے ساتھ نماز کی ادائیگی:

نماز کی ادائیگی میں سستی نہیں ہونی چاہیے۔ ہمیشہ اور بلاناغہ نماز کا اہتمام کرنا چاہیے۔

Scanned with CamScanner

قرآن پاک میں ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ o الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ ۔ (المعارج: ۲۲،۲۳)

''مگر نماز پڑھنے والے جو التزام کے ساتھ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں۔''

(3) صفوں کا درست کرنا:

صفوں کو برابر اور سیدھا رکھنا اقامت نماز کا حصہ ہے۔ صحابی رسولؐ حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ ہماری صفوں کو برابر رکھنے کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ذریعے آپؐ تیروں کو سیدھا کریں گے۔ یہاں تک کہ جب آپؐ نے یہ محسوس کرلیا کہ ہم اس کی اہمیت کو سمجھ چکے ہیں تو ایک دن آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپؐ اللہ اکبر کہنے والے تھے کہ آپؐ کی نظر ایک آدمی پر پڑی جس کا سینہ صف سے آگے نکلا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا خدا کے بندو اپنی صفیں سیدھی اور برابر رکھا کرو۔ ورنہ خدا تمہارے رخ ایک دوسرے کے خلاف کر دے گا۔ (مسلم)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔ نمازوں میں صفوں کو سیدھا اور برابر رکھا کرو۔ اس لئے کہ صفوں کو درست رکھنا نماز قائم کرنے کا ایک حصہ ہے۔ (بخاری)

اس کے ساتھ ساتھ صف باندھنے میں اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اہل علم اور دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ امام سے قریب کھڑے ہوں۔ اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ اہل تقویٰ اور علماء مسجد میں اول وقت میں پہنچ کر امام کے نزدیک جگہ حاصل کریں۔

حضرت ابو مسعودؓ بیان کرتے ہیں۔

''کہ حضور ہمیں نماز میں برابر کرنے کے لئے ہمارے شانوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے برابر ہو جاؤ۔ آگے پیچھے نہ رہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں تمہارے دل ایک دوسرے سے پھر جائیں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو لوگ دانشمند ہیں وہ میرے قریب تر ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ جو درجے میں ان کے قریب ہوں اور پھر وہ لوگ جو سوجھ بوجھ میں ان سے قریب ہوں۔'' (مسلم)

نماز اس طرح ادا کی جائے کہ تمام ارکان نماز کا حق ادا ہو جائے۔ مثلاً قیام رکوع، سجود سب میں اطمینان کی کیفیت جھلکتی ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ مسجد کے ایک کونے میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اس نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد وہ حضورؐ کے پاس آیا اور سلام کیا تو آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔

''پھر جا کر نماز پڑھو تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی۔'' وہ آدمی گیا اور اس نے **پھر نماز پڑھی۔** پھر آپؐ کے پاس آیا اور سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور پھر فرمایا۔

''جاؤ پھر نماز پڑھو تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی۔'' اس آدمی نے تیسری دفعہ **یا اس کے بعد** عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں۔ آپؐ نے **فرمایا۔**

''جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو۔ تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی **طرف رخ کرو** پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرو اور قرآن کا جو حصہ آسانی سے پڑھ سکتے ہو **پڑھو۔ پھر قرأت** کے بعد رکوع کرو یہاں تک کہ تم رکوع میں پورے سکون و اطمینان سے ہو جاؤ۔ **پھر رکوع** سے اٹھ کر بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو۔ یہاں تک کہ پورے **اطمینان اور سکون** سے سجدہ کرلو۔ پھر اٹھ کر بالکل اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر اپنی پوری نماز اسی **اطمینان اور سکون** کے ساتھ ادا کرو۔ (بخاری و مسلم)

نبی اکرمؐ کا اس ہدایت سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ نماز کو جلدی جلدی **سے پڑھ کر اٹھ** کھڑے ہونا نماز کا حق ادا نہ کرنا ہے۔ آنحضورؐ کی نظر میں وہ نماز نماز **ہی نہیں۔ جو پورے** اطمینان و سکون کے ساتھ ادا نہ کی گئی ہو۔ حضرت عائشہؓ رسولؐ کی نماز کی **کیفیت اس طرح** بیان کرتی ہیں۔

''حضورؐ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے تھے قرأت کا آغاز۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** سے کرتے تھے۔ اور جب آپ رکوع فرماتے تھے تو آپ اپنے سر کو **نہ تو اوپر اٹھائے** رہتے تھے اور نہ نیچے کی طرف جھکائے رکھتے۔ بلکہ درمیانی حالت میں **(کمر کی بالکل سیدھ)** میں رکھتے۔ اور جب رکوع سے اٹھتے تو سجدے میں اس وقت تک نہ جاتے۔ **جب تک سیدھے** نہ کھڑے ہو جاتے اور جب سجدے سے سر مبارک اٹھاتے تو جب تک **بالکل سیدھے نہ بیٹھ** جاتے۔ دوسرا سجدہ نہ فرماتے۔ اور ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے۔ اور **التحیات پڑھتے وقت** اپنا بایاں پاؤں نیچے دبا لیتے تھے۔ اور دایاں پاؤں کھڑا کر لیتے تھے۔ اور کتے کی **طرح بیٹھنے سے** منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدے میں) اپنی کلائیاں زمین پر بچھائے رکھے۔ **جس طرح درندے** اپنی کلائیاں زمین پر بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ اور پھر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر **نماز ختم فرماتے تھے۔**

(مسلم)

Scanned with CamScanner

(4) باجماعت نماز کا اہتمام:

فرض نمازیں باجماعت پڑھنا چاہیے۔ سوائے اس کے جنگ کا خوف ہو یا مرض لاحق ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ. (البقرۃ:۴۳)

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (النساء:۱۰۲)

''اور (اے نبیؐ) جب آپؐ مسلمانوں کے درمیان ہوں پس انہیں نماز پڑھانے لگیں۔''

اس آیت میں میدان جنگ میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ یعنی اس قدر خوف کے موقع پر بھی الگ الگ نماز پڑھنے کی بجائے جماعت کی صورت میں نماز پڑھنا قرآنی ہدایت کے عین مطابق ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے۔

''جو شخص نماز باجماعت کے لئے موذن کی پکار سنے اور اس پکار پر دوڑنے کے لئے اس کے پاس کوئی عذر بھی نہ ہو (اور پھر بھی وہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے نہ پہنچے اور اکیلا نماز پڑھے) تو اس کی وہ نماز خدا کے ہاں مقبول نہ ہوگی۔ کچھ لوگوں نے پوچھا عذر سے کیا مراد ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ جان و مال کا خوف ہو یا مرض ہو'' (ابوداؤد)

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا ''جو شخص چالیس روز تک برابر ہر نماز اس طرح جماعت کے ساتھ ادا کرے کہ تکبیر اولیٰ میں شریک رہے۔ تو اس کے لئے دو براءتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ ایک دوزخ کی آگ سے براءت دوسرے نفاق سے براءت۔ (ترمذی)

(5) قرآن مجید کی تلاوت:

ترتیل اور غور و فکر سے:

قرآن کریم کی تلاوت اس طرح ہونی چاہیے کہ اس کے الفاظ کو پوری توجہ حاضر دماغی اور ذوق و شوق کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ ہر آیت پر غور و فکر کیا جائے اور اس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھا جائے خود قرآن مجید میں ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا. (المزمل:۴)

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے۔''

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (ص:۲۹)

''یہ کتاب جو ہم نے آپؐ پر نازل کی ہے۔ بابرکت ہے۔ تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں۔ اور اصحاب عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

نبی اکرمؐ کی تلاوت کا انداز یہ ہوتا تھا کہ ہر حرف کو واضح کر کے ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے۔

(6) ذوق و شوق اور اللہ کی طرف توجہ:

ایک مسلمان کے نماز پڑھنے کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ اپنے پورے جذبات و خیالات اور دل و دماغ کی یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ اور ہر نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں دل کے شوق کے ساتھ متوجہ رہے۔

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. (الاعراف:۲۹)

''اور ہر نماز کے لئے اپنا رخ ٹھیک رکھو اور اسی کو پکارو اپنی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ. (الجمعۃ:۹)

''اے مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو سارے کاروبار چھوڑ کر خدا کے ذکر کی طرف بھاگو۔''

(7) عاجزی اور فروتنی:

نماز میں بندہ اپنے خدا کے حضور اس طرح پیش ہو کہ خدا کا جلال اور اس کی عظمت اس کے دل پر نقش ہو۔ ظاہری حالت میں عجز و نیاز اور ادب اس کے ہر عضو سے ظاہر ہو رہا ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (البقرۃ:۲۳۸)

''اپنی نمازوں کی نگہداشت کرو، خصوصاً درمیانی نماز کی، اور خدا کے حضور ادب اور فروتنی کا پیکر بن کر کھڑے ہو۔''

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِى الصَّلٰوةِ (الحج: ۳۵)

"اور اے نبیؐ) بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو عاجزی اور فروتنی کی روش اختیار کرتے ہیں جن کا یہ حال ہے کہ خدا کا ذکر سنتے ہیں تو ان کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ آنے والی مصیبتوں کو ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ. (الاعراف: ۲۰۵)

"اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کیجئے۔ دل ہی دل میں گڑگڑاتے ہوئے۔ اور اس سے ڈرتے ہوئے اور آواز میں اور غافلوں میں سے مت ہوجا۔"

(8) خشوع وخضوع:

خشوع وخضوع سے خالی نماز درحقیقت نماز ہی نہیں۔ خشوع وخضوع سے مراد یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے۔ آدمی کا دل اور دماغ تمام احساسات وجذبات پوری طرح خدا کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔ اللہ کی عظمت اور کبریائیت اس پر چھائی ہوئی ہو۔ تمام خیالات وجذبات کا رخ خدا کی طرف ہو۔ خوف خداوندی سے دل لرز رہا ہو۔ ظاہری حالت بھی سکون اور پستی کی ہو۔ قرآن نے فرمایا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون: ۲،۱)

"فلاح یاب ہوگئے وہ مومن لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔"

(9) یادِ خداوندی:

اللہ کو یاد کرنے کا بہترین طریقہ نماز ہے۔ خدا کی یاد سے کوئی نماز خالی نہیں ہوسکتی البتہ منافق کی نماز یادِ خداوندی سے خالی ہوتی ہے۔ نماز قائم کرنے کی اصل وجہ خدا کا ذکر ہے۔

اللہ کے بندے لاپرواہی اور بے توجہی سے صرف زبان کی نوک سے تسبیح کے الفاظ ادا نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے سجدے اور رکوع شعور اور ذکر خدا سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اسی کی طرف قرآن نے توجہ دلائی ہے۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ.

"ہماری آیات پر تو وہی لوگ درحقیقت ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان آیات کے ذریعے یاد دہانی کروائی جاتی ہے۔ تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اور اپنے رب کی تعریف اور پاکی بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ تکبر وغرور نہیں کرتے۔

(10) دکھلاوے سے پرہیز:

خلوص نماز کا جوہر خاص ہے۔ دکھلاوے سے نماز ضائع ہو جاتی ہے۔ نمائش اور ریا نماز کی اصل روح کے خلاف ہیں۔ نماز میں اگر ریا کاری شامل ہو جائے۔ تو نہ صرف نماز ضائع ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایسا نمازی بھی ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (الماعون: ۴)

"پس تباہی اور ہلاکت ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے غافل ہو جاتے ہیں اور ریا کاری کرتے ہیں۔" حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔"

نماز کی جامع شرط:

مندرجہ ذیل آیت میں نماز کی جامع اور ہمہ جہت شرط کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ. (الانعام: ۹۴)

"بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے والوں میں ہوں۔"

اس آیت میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔

پہلی چیز نماز، دوسری قربانی، تیسری زندگی اور چوتھی چیز موت ہے۔ قربانی اور نماز مومن کی زندگی کا حاصل ہیں وہ نہ صرف نماز میں بلکہ اپنی پوری زندگی میں اللہ کا وفادار اور غلام ہوتا ہے۔ اور قربانی مومن کی زندگی کا معراج ہے۔ اس کا جان و مال سب راہِ خدا کے لئے وقف ہے۔

جو نماز اس کیفیت کے ساتھ پڑھی جائے کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ کہ میری زندگی اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے ہی ہے تو یہ نماز مومن کو تمام برائی اور

Scanned with CamScanner

بے حیائی کے کاموں سے روک دیتی ہے۔ برے کاموں سے اس کے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیکی اور بھلائی اختیار کرنے میں وہ سراپا شوق بن جاتا ہے۔ اور زندگی کے ہر موڑ پر اس کے سامنے صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کا مقصد رہتا ہے۔

فرض نمازوں کے علاوہ کچھ دوسری نمازیں بھی ہیں۔ جو انسان کو اللہ کے قریب کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ان میں نماز تہجد، نماز وتر، نوافل اور دیگر اذکار شامل ہیں۔ جو آدمی ان نمازوں کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ وہی دراصل تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوتا ہے۔

نماز کب فرض ہوئی:

نبوت کی ابتداء ہی سے حضورؐ کعبہ شریف کے صحن میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ فرض نماز نہیں ہوتی تھی۔ پانچ وقت کی نماز شب معراج میں فرض ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی ملاقات کا شرف عطا کیا۔ تو اسی موقع پر پانچ وقت نماز کا تحفہ بھی عطا کیا گیا۔ بعد میں حضرت جبرائیل نے آنحضورؐ کو نماز کا طریقہ بھی سکھایا اور نماز کے اوقات بھی بتائے۔ رسول اکرمؐ سے نماز کا پڑھنا اس قدر تواتر سے ثابت ہے۔ کہ اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا اسلام کی حدود سے نکل کر کفر کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔

اوقات نماز کا بیان

قرآن اور سنت کی رو سے ہر مسلمان پر پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

(1) فجر (2) ظہر (3) عصر (4) مغرب (5) عشاء

قرآن مجید نے اشارتاً اوقات نماز کا ذکر کیا ہے۔ ان کی پوری وضاحت ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم ہوتی ہے۔

قرآن نے فرمایا ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا. (بنی اسرائیل:۷۸)

''اور نماز قائم کیجئے زوال آفتاب کے اوقات میں'' رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کی پابندی کیجئے بے شک فجر کا قرآن مشہود ہوتا ہے۔ دو دلوک شمس بڑا جامع لفظ ہے۔ جس کا مطلب ہے سورج کا ڈھلنا اور زوال پذیر ہونا۔ سورج کا ڈھلاؤ چوبیس گھنٹے میں چار مرتبہ واقع ہوتا ہے اور انہی اوقات میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کا وقت ہوتا ہے اور فجر کی نماز کے متعلق ''قُرْآنَ الْفَجْرِ'' فجر سے اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ چار اوقات جس کو ''دلوک شمس'' سے ظاہر کیا گیا ہے یہ ہیں

(1) جب دوپہر کے بعد سورج مغرب کی طرف مائل ہوتا ہے یہ نماز ظہر کا وقت ہے۔

(2) جب سورج کی حرارت اور روشنی کم ہو جاتی ہے اور اس پر زردی چھانے لگتی ہے۔ یہ عصر کا وقت ہے۔

(3) جب سورج افق کے نیچے چھپ جاتا ہے۔ یہ مغرب کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔

(4) جب مغرب کی سرخی بھی غائب ہو جاتی ہے تو یہ عشاء کا وقت ہے۔

قرآن پاک میں دوسری آیات بڑی وضاحت سے بھی ان نماز ہائے پنجگانہ کا تذکرہ کرتی ہیں۔ ارشاد ہے۔

Scanned with CamScanner

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ. (ہود:۱۱۴)

''اور نماز قائم کیجئے دن کے دونوں کناروں پر اور کچھ رات کے گزرنے پر۔''

اس آیت میں واضح طور پر تین نمازوں کا تذکرہ ہے۔ دن کے دونوں کناروں پر فجر اور مغرب اور کچھ رات گزرنے پر سے عشاء کی نماز مراد ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (طٰہٰ:۱۳۵)

''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے۔ سورج نکلنے سے پہلے اور اُس کے غروب ہونے سے پہلے رات کی کچھ گھڑیوں میں پھر تسبیح کیجئے اور دن کے کناروں پر۔''

سورج نکلنے سے پہلے فجر کا وقت ہے۔ اور غروب سے پہلے نماز عصر کا وقت ہے۔ رات کی کچھ گھڑیوں میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں اور صبح اور سورج کا ڈھلنا اور مغرب دن کے کنارے ہیں۔

سورۃ الروم میں یوں ارشاد فرمایا۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ (الروم:۱۷:۱۸)

''پس تسبیح کرو اللہ کی جب کہ تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو، آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے حمد ہے (اور تسبیح کرو اس کی) تیسرے پہر اور جب تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔''

تسبیح سے یہاں مراد نماز ہی ہے۔ اور مزید قرینہ خود اوقات کی تعیین ہے۔ ورنہ صرف پاکیزگی بیان کرنے کے لئے اوقات کا مقرر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اوقات نماز کو پوری وضاحت سے بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کو رسول اکرمؐ کے پاس بھیجا اور انہوں نے حضورؐ کو ہر نماز کے ابتدائی اوقات اور آخری اوقات کی تعلیم دی۔ رسول اکرمؐ نے اپنی ایک حدیث میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

''جبریلؑ نے دو مرتبہ مجھے بیت اللہ کے قریب نماز پڑھائی۔ پہلے دن ظہر کی نماز ایسے وقت میں پڑھائی جب کہ سورج ابھی ڈھلا ہی تھا۔ اور سایہ ایک جوتے کے تسمے سے زیادہ لمبا نہ تھا۔۔۔۔۔ پھر عصر کی نماز ایسے وقت پڑھائی۔ جب ہر چیز کا سایہ اس کے اپنے قد کے برابر تھا۔۔۔۔۔ پھر مغرب کی نماز ٹھیک اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔۔۔۔۔ پھر عشاء کی نماز شفق غائب ہوتے ہی پڑھائی۔۔۔۔۔ اور فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار

پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ دوسرے دن جبرائیلؑ نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر تھا۔۔۔۔۔ اور عصر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے قد سے دوگنا تھا۔۔۔۔۔ اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے۔۔۔۔۔ اور عشاء کی نماز ایک تہائی رات گزر جانے پر پڑھائی۔۔۔۔۔ اور فجر کی نماز اچھی طرح روشنی پھیل جانے پر پڑھائی۔۔۔۔۔ پھر جبرائیل نے پلٹ کر مجھ سے کہا:

''اے محمدؐ! یہی اوقات انبیاء کے نماز پڑھنے کے ہیں۔ اور نمازوں کے صحیح اوقات ان دونوں کے درمیان ہیں۔'' (ابوداؤد ترمذی بروایت ابن عباس)

وقتِ فجر:

چنانچہ مندرجہ بالا حدیث کی رو سے نماز فجر کا وقت پو پھٹنے سے شروع ہو کر سورج کے طلوع ہونے تک ہے۔

وقتِ ظہر:

ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہو کر اس وقت تک رہتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔ لیکن اس سے اصلی سائے کو منہا کرنا ضروری ہے۔ مثلاً ایک لکڑی لیجئے جس کی لمبائی ایک فٹ ہے۔ عین دوپہر کے وقت اس کا اصلی سایہ چار انچ تھا۔ جب اس لکڑی کا سایہ دو فٹ چار انچ ہو جائے۔ تو ظہر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نمازِ ظہر اس وقت کے اندر پڑھ لی جائے۔ جب ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہو جائے گرمیوں میں ظہر کی نماز کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہے۔ لیکن جمعہ کی نماز اول وقت میں ہی پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

نمازِ عصر کا وقت:

جہاں نماز ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے۔ وہیں سے عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور سورج کے ڈوبنے تک باقی رہتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ سورج کے زرد ہونے سے پہلے پہلے نمازِ عصر ادا کر لی جائے۔ جب سورج زرد ہو جائے تو نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر کبھی اتفاقاً یا مجبوراً دیر ہو جائے تو سورج کے زرد ہو جانے پر بھی نماز ادا کر لینی چاہئے۔ نماز قضا کرنے سے نماز ادا کرنا بہتر ہے۔

Scanned with CamScanner

نمازِ مغرب کا وقت:

سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب تک شفق کی سرخی غائب نہ ہو باقی رہتا ہے۔

لیکن مغرب کی نماز ابتدائی وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

نمازِ عشاء کا وقت:

جب شفق کی سرخی افق سے غائب ہو جائے۔ تو عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اور صبح صادق تک باقی رہتا ہے۔ شفق کی سرخی سورج غروب ہونے کے سوا گھنٹہ بعد ختم ہو جاتی ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نمازِ عشاء سورج غروب ہونے کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد پڑھی جائے۔

واجب نمازیں:

پانچ فرض نمازوں کے علاوہ تین نمازیں ایسی ہیں جو وجوب کا درجہ رکھتی ہیں۔

(1) نمازِ وتر:

یہ نماز عشاء کی نماز کے فوراً بعد پڑھ لینی چاہئے لیکن جو لوگ پابندی کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھتے ہوں۔ ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ نماز تہجد کے بعد وتر ادا کریں۔ اور اگر خدشہ ہو کہ رات کے پچھلے پہر آنکھ نہیں کھلے گی۔ تو وتر عشاء کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔

(2) نمازِ عیدالفطر اور نمازِ عیدالاضحیٰ:

یہ دونوں نمازیں بھی واجب ہیں اور ان دونوں کا وقت سورج کے پوری طرح نکل آنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یعنی جب سورج کی روشنی تیز ہو جائے اور سورج کے ڈھلنے تک باقی رہتا ہے۔ لیکن عید کی نماز جلد از جلد پڑھنا مستحب ہے۔

ان کے علاوہ جس نماز کی نذر مانی جائے۔ وہ بھی واجب ہے۔ نفل نماز اگر شروع کر بیٹھیں تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اگر کوئی نماز کسی وجہ سے ٹوٹ جائے۔ تو قضا لازم ہے۔

قطب شمالی، قطب جنوبی اور ان کے قریب والے علاقوں میں نمازوں کے اوقات:

عام طور پر دنیا کے جن ملکوں میں چوبیس گھنٹوں کے اندر سورج طلوع و غروب ہوتا ہے۔ ان مقامات پر نمازوں کے اوقات وہی ہیں۔ جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ چاہے دن اور رات چھوٹے ہوں یا بڑے۔ البتہ قطب شمالی، قطب جنوبی کے قریب والے مقامات ایسے ہیں۔ جہاں ظہر اور عصر یا مغرب و عشاء اس قدر قریب ہوتے ہیں کہ ان کے درمیان فصل کرنا ممکن نہیں ہوتا فقہاء نے ایسے مقامات کے لئے جمع بین الصلوتین کو جائز قرار دیا ہے۔ یعنی ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔ اور مغرب و عشاء کو اکٹھا پڑھ لیا جائے۔

قطب شمالی اور قطب جنوبی پر چونکہ چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے۔ تو ان مقامات پر گھڑیوں کے حساب سے نماز کے اوقات مقرر کئے جائیں گے۔ اوقات مقرر کرنے کے لئے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کے اوقات کو معیار بنایا جائے گا۔ یعنی جس وقت مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں نماز ظہر کا وقت ہوگا۔ تو قطبین پر بھی نماز ظہر کا وقت وہی ہوگا۔ اور اسی طرح دوسری نمازوں یعنی فجر، عصر، مغرب اور عشاء کے اوقات کا تعین کیا جائے گا۔

نماز کی رکعتیں:

نماز فجر:

فرضوں سے پہلے دو رکعت سنت موکدہ ہیں اور سنتوں کے بعد پھر دو رکعت نمازِ فرض ہیں احادیث میں ان دو رکعت سنت کی بڑی تاکید وارد ہوئی ہے۔ حضورؐ ان سنتوں کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:

''فجر کی سنتیں ترک نہ کرنا چاہے تمہیں گھوڑے کچل ڈالیں۔'' (ابوداؤد و مسند احمد)

ایک اور حدیث آپؐ کا ارشاد ہے:

''فجر کی سنتیں میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔'' (مسلم، ترمذی، نسائی)

ام المومنین حضرت حفصہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ فجر کی سنتیں میرے حجرے میں ادا فرماتے تھے۔ اور یہ بڑی ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ عام طور پر آپؐ ان سنتوں میں سورۃ الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔ (ترمذی، مسند احمد)

Scanned with CamScanner

سنت مؤکدہ:

سنت مؤکدہ وہ نماز ہے۔ جس کی رسول اکرمؐ نے بڑی تاکید فرمائی۔ اور ہمیشہ اس کی پابندی کی۔ اگر کوئی شخص ان کو قصداً چھوڑ دے۔ تو وہ گنہگار ہوگا۔

سنت غیر مؤکدہ:

اس نماز کا دوسرا نام نمازِ نفل بھی ہے۔ اس کے پڑھنے کا بہت ثواب ہے۔ لیکن اگر کسی سے یہ سنت چھوٹ جائے تو وہ گنہگار نہیں۔

نمازِ ظہر کی رکعتیں:

چار رکعت سنت مؤکدہ پھر چار رکعت نماز فرض پھر دو رکعت سنت مؤکدہ۔

نمازِ جمعہ کی رکعتیں:

چار رکعت سنت مؤکدہ پھر دو رکعت فرض جماعت کے ساتھ۔ اور آخر میں چار رکعت سنتِ مؤکدہ۔ یہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔ صاحبین دو رکعت فرض کے بعد چھ رکعتیں سنت بیان کرتے ہیں۔ پہلے چار رکعتیں ایک سلام سے۔ پھر دو رکعتیں ایک سلام سے۔ احادیث دونوں مسلکوں کی تائید کرتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ نماز جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھو۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں ادا فرماتے تھے۔ فقہاء نے ان دونوں حدیثوں کو اس طرح اکٹھا کیا ہے کہ دو رکعت نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت نماز سنت پڑھی جائے۔

نمازِ عصر کی رکعتیں:

چار رکعت سنت غیر مؤکدہ پھر چار رکعت فرض

نماز مغرب کی رکعتیں:

تین رکعت نماز فرض پھر دو رکعت سنت مؤکدہ پھر دو رکعت نماز نفل

نماز عشاء کی رکعتیں:

چار رکعت سنت غیر مؤکدہ پھر چار رکعت نماز فرض پھر دو رکعت سنت مؤکدہ پھر تین رکعت وتر اور آخر میں دو رکعت نفل آخری دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔

حضورؐ کا فرمان ہے

"جس شخص کے لئے رات میں اٹھنا مشکل ہو اسے چاہئے کہ وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھ لیا کرے۔ اگر تہجد پڑھنے کا موقع مل گیا تو بہتر ورنہ یہی دو رکعتیں اس کے لئے تہجد قرار پائیں گی" (مشکوٰۃ)

مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق پانچ وقت کی نمازوں میں بارہ سنت مؤکدہ ہیں اور ان سب کی تاکید احادیث میں آئی ہے۔ کسی عذر اور مجبوری کے بغیر ان کو چھوڑنا باعث گناہ ہے۔

آنحضورؐ نے ان کی فضیلت ایک حدیث میں یوں بیان فرمائی ہے۔

"جو مسلمان فرضوں کے علاوہ ہر روز بارہ رکعتیں اللہ کے لئے پڑھ لیا کرے۔ اس کے لئے اللہ جنت میں گھر تعمیر فرمائے گا" (مسلم)

اوقات مکروہہ

ان اوقات کی تین قسمیں ہیں

(1) وہ وقت جن میں ہر نماز ممنوع ہے۔

(2) وہ اوقات جن میں ہر نماز مکروہ ہے۔

(3) وہ اوقات جن میں نفل نماز مکروہ ہے۔

ممنوعہ اوقات:

(1) عین سورج نکلنے کا وقت یہاں تک کہ اس کی روشنی خوب پھیل جائے۔

(2) ٹھیک دوپہر کا وقت یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔

Scanned with CamScanner

(3) جب سورج کی روشنی ماند پڑ جائے اور اس پر نظر ٹکنے لگے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ ان اوقات میں نماز فرض واجب، سنت مؤکدہ، نفل، سجدہ شکر، سجدہ تلاوت سب ممنوع ہیں

اگر نماز شروع کر رکھی ہے۔ اور مندرجہ بالا اوقات آ جائیں تو نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں ان تینوں اوقات میں نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

اسی طرح اگر نماز عصر میں کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے۔ اور سورج کی روشنی سرخی مائل ہو جائے تو پھر بھی نماز عصر پڑھ لینی چاہئے۔ قضا نہیں کرنی چاہئے۔

وہ اوقات جن میں ہر نماز مکروہ ہے:

مندرجہ ذیل اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(1) جب پیشاب یا پاخانہ کی شدید ضرورت ہو یا ہوا خارج ہونے کا شدید تقاضا ہو۔

(2) جب سخت بھوک لگی ہو اور کھانا سامنے ہو اور حالت یہ ہو کہ کھانے سے پہلے نماز پڑھی جائے تو نماز میں دل نہ لگے اس حالت میں اگر نماز پڑھ لی جائے تو نماز تو ہو جائے گی لیکن نماز پڑھنا مکروہ ہوگا۔

وہ اوقات جن میں نماز نفل پڑھنا مکروہ ہے:

اس کی کئی صورتیں ہیں

(1) جب امام خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہو جائے چاہے وہ جمعہ کا خطبہ ہو یا عیدین یا نکاح یا حج کا خطبہ ہو۔

(2) نماز فجر کے بعد جب سورج نکل آئے۔ یہاں تک کہ روشنی اچھی طرح پھیل جائے۔

(3) عصر کی نماز کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو جائے

(4) فجر کی سنتوں کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

(5) جب فرض نماز کی ادائیگی کے لئے تکبیر کہی جا رہی ہو

(6) عیدین کی نماز سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

(7) عید کی نماز کے بعد عیدگاہ میں نفل نماز مکروہ ہے۔

(8) مغرب کے وقت مغرب کی نماز سے پہلے نفل مکروہ ہے۔

(9) میدان عرفات میں عصر اور ظہر کی نماز کے درمیان اور ان کے بعد نوافل مکروہ ہیں۔

(10) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان اور ان کے بعد نفل مکروہ ہیں

(11) آدھی رات گزر جانے کے بعد نماز عشاء کا پڑھنا مکروہ ہے۔

(12) مغرب کی نماز میں اتنی تاخیر کرنا کہ ستارے اچھی طرح نکل آئیں اس وقت نماز مغرب ادا کرنا مکروہ ہے۔

اذان اور اقامت کے احکام

معنی ومفہوم:

لغت میں اذان کے معنی ''اعلان کرنا'' ''اطلاع دینا'' اور ''خبردار کرنا'' ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں باجماعت نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص الفاظ اونچی آواز میں پکارنا اور اطلاع دینا اذان کہلاتا ہے۔

اذان کی ابتدا:

اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمان مسجد میں خود بخود جمع ہو جاتے تھے اور نماز باجماعت ادا کرلیا کرتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ اور کثرت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ انہیں جماعت کی ادائیگی کے لئے اطلاع دی جائے رسول اکرمؐ نے 1 ہجری میں مسلمانوں کو اذان کا طریقہ بتایا۔

اقامت کے لغوی معنی ''کھڑا کرنا'' ہیں۔ نماز کی جماعت سے پہلے اذان کے الفاظ دوہرانا اور جماعت کھڑے ہونے کا اعلان کرنا اقامت کہلاتا ہے۔

اسی لئے قد قامت الصلوۃ کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اذان کی اہمیت:

اذان کی عظمت وفضیلت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے۔ چند احادیث یہ ہیں۔

''اذان کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اور اس کو جو بھی سنتے ہیں۔ وہ سب قیامت کے دن اذان دینے والے کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ جو شخص جنگل میں اپنی بکریاں چراتا ہو۔

Scanned with CamScanner

اوراذان کا وقت آ جائے۔تو وہ بلند آواز سے اذان کہے۔ کیونکہ جہاں تک اس کی آواز جائے گی۔ قیامت کے دن وہ تمام چیزیں اس کے لئے گواہ ہوں گی۔(بخاری)

''اذان کے وقت شیطان پر خوف اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

''جو آدمی سات سال تک برابر اذان دیتا رہے اور وہ صرف آخرت کا طلبگار ہو۔ تو اس کے لئے دوزخ سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

اذان اور اقامت کا طریقہ:

اذان دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ موذن پاک صاف ہوکر اونچی جگہ پر قبلے کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو۔ اور شہادت کی انگلیاں اپنے کانوں میں دے کر بلند آواز سے یہ کلمات کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ

''اللہ سب سے بڑا ہے۔'' (چار مرتبہ)

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (دومرتبہ)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (دومرتبہ)

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ (دائیں طرف منہ پھیرتے ہوئے دومرتبہ)

آؤ نماز کی طرف

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ (بائیں طرف منہ پھیرتے ہوئے دومرتبہ)

آؤ کامیابی کی طرف

اَللّٰهُ اَكْبَرُ (دومرتبہ)

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ایک مرتبہ)

فجر کی اذان میں دومرتبہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کرے۔

اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

''نماز نیند سے بہتر ہے۔''

موذن کو چاہئے کہ اذان کا ہر کلمہ کہنے کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہے تاکہ سننے والے وہی کلمہ اپنے طور پر دہرا سکیں۔ اقامت کا بھی بالکل یہی طریقہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اقامت کے کلمات پست آواز سے کہے جاتے ہیں۔ اور اقامت صف میں کھڑے ہوکر کہی جاتی ہے۔ اور حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ میں دائیں بائیں منہ بھی نہیں پھیرا جاتا۔

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد دومرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اذان کا جواب اور دعائیں:

(1) اذان سننے والے کے لئے ضروری ہے کہ موذن سے سنے ہوئے الفاظ دہرائے البتہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے۔

یعنی اللہ کے سوا گناہ سے بچنے کی طاقت اور خدا کی فرمانبرداری کی قوت دینے والا کوئی نہیں رسول اکرمؐ نے اذان کے کلمات کے جواب میں وہی الفاظ دہرانے والے کے لئے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ (مسلم)

(2) اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے جواب میں صدقت وبررت کہنا چاہئے۔یعنی تو نے سچ کہا اور بھلائی کی بات کی۔

(3) اذان سننے کے بعد درود شریف پڑھنا چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ ''جب تم میں سے کوئی موذن کی آواز سنے تو جو الفاظ موذن سے سنے وہ خود بھی دہرائے۔ اور پھر مجھ پر درود بھیجے کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ خدا اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرے یہ جنت کا ایک خاص مقام ہے۔ جو خدا کے کسی خاص بندے کے لئے مخصوص ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا جو میرے لئے وسیلے کی دعا کرے گا۔ اس کیلئے میری شفاعت واجب ہے(مسلم)

(4) درود شریف پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ۔ (بخاری)

''اے اللہ! اے اس دعوت کامل اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والی نماز کے مالک! محمد کو وسیلہ عطا فرما فضیلت عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔
''جس شخص نے اذان سننے کے بعد یہ دعا مانگی وہ میری شفاعت کا حقدار ہوگا۔'' (بخاری)

اس دعا میں ''دعوت تامہ'' سے مراد توحید کی یہ پکار ہے۔ اور وسیلہ سے مراد جنت کا وہ مقام ہے جو حضورؐ کو حاصل ہوگا۔ اسی طرح فضیلت بھی قرب الٰہی کا خاص مقام ہے۔ اور مقام محمود سے مراد مقبولیت خداوندی کا وہ مقام ہے۔ جس کا اللہ نے حضورؐ سے وعدہ کیا ہے۔

(5) اقامت کا جواب دینا بھی مستحب ہے۔ جب قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کے الفاظ کہے جائیں۔ تو سننے والے کو اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا یعنی خدا اس کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔

(6) اگر کئی اذانیں سنائی دیں۔ تو صرف ایک کا جواب دینا کافی ہے۔

(7) جمعے کے خطبے کی اذان کا جواب دینا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مؤذن کے آداب:

(1) اذان مرد کو دینی چاہئے۔ اگر کوئی عورت دے دے تو دوبارہ اذان دینا ہوگا۔

(2) مؤذن پرہیز گار، نیک اور شریعت کے مسائل سے واقف ہونا چاہئے۔ اگر بلند آواز ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

(3) مدہوش، دیوانے، ناسمجھ بچے کی اذان مکروہ ہے۔

(4) اذان اونچی جگہ پر قبلہ کی طرف رخ کر کے دینا چاہئے۔ اگر یہ جگہ مسجد سے الگ ہو تو بہتر ہے۔ البتہ جمعے کے خطبے کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی ہے۔

(5) بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے۔

(6) اذان کہتے ہوئے اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں کانوں کے سوراخوں میں دینا مستحب ہے۔ کیونکہ اس سے آواز بلند کرنے میں مدد ملتی ہے۔

(7) اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر اور اقامت روانی سے ادا کرنا چاہئے۔

(8) حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاح کہتے ہوئے دائیں بائیں منہ پھیرنا سنت ہے۔ البتہ سینے اور پاؤں کا رخ قبلے کی طرف رہنا چاہئے

اذان اور اقامت کے مسائل

مسئلہ ۱: فرض نمازوں کے لئے اذان سنتِ مؤکدہ ہے۔ اسی وقت کی نماز کے لئے بھی اور قضا نماز کے لئے بھی۔ مقیم نماز پڑھنے والوں کے لئے اور مسافر کے لئے بھی۔ البتہ سفر کی صورت میں جب کہ جماعت میں شرکت کرنے والے سب لوگ اکٹھے ہوں تو اذان صرف مستحب ہے۔

مسئلہ ۲: نماز کا وقت آنے سے پہلے اذان نہیں دی جا سکتی۔ اگر دی جائے تو دوبارہ اذان کہنا ہوگا۔

مسئلہ ۳: اذان عربی زبان میں دی جانی چاہے۔ عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں اذان صحیح نہیں اسی طرح اذان کے الفاظ بھی وہی ہوں جس کی تعلیم حضورؐ نے دی ہے۔ اگر عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں یا مسنون الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ میں اذان دی جائے تو وہ اذان نہیں ہوگی۔

مسئلہ ۴: اذان دینے والا عاقل، بالغ اور ہوشمند مرد ہونا چاہئے۔ دیوانے، مست آدمی، ناسمجھ بچے اور عورت کا اذان دینا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ لوگ اذان دے دیں تو دوبارہ اذان کہنا ہوگا۔

مسئلہ ۵: نماز جنازہ، نماز عید اور نفل و واجب نمازوں کے لئیاذان کہنا مسنون نہیں۔

مسئلہ ۶: آذان کہتے ہوئے سلام کا جواب دینا اور باتیں کرنا درست نہیں۔ اگر مؤذن اذان کے دوران باتیں شوع کر دے۔ تو اذان دوبارہ کہنی ہوگی۔

مسئلہ ۷: جس مسجد میں نماز با جماعت کا انتظام موجود ہو۔ اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز باجماعت ہو چکی ہو تو دوبارہ اذان و اقامت سے جماعت کرانا مکروہ ہے، لیکن اگر مسجد میں باقاعدہ جماعت کا انتظام نہ ہو تو وہاں اذان و اقامت سے جماعت کرانا افضل ہے۔

مسئلہ ۸: جمعہ کی پہلی اذان سننے کے بعد ذاتی کاموں میں مصروف رہنا حرام ہے۔ پہلی اذان سنتے ہی مسجد کا رخ کرنا واجب ہے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ۹: جب اذان ہورہی ہو۔ تو سننے والے کو چاہیئے کہ اذان کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اگر چل رہا ہو۔ تو کھڑے ہو جانا مستحب ہے۔ اذان سننے کے دوران سلام کا جواب بھی نہ دیا جائے۔ قرآن پڑھ رہا ہو تو رک جائے۔

مسئلہ۱۰: جو شخص اذان دے۔ اقامت بھی وہی کہے ہاں اگر اذان دینے والا موجود نہ ہو تو دوسرا شخص قامت کہہ سکتا ہے۔

مسئلہ۱۱: اذان دینے والا اسی مسجد میں نماز ادا کرے جس میں اس نے آذان کہی۔ ایک ہی نماز کے لئے دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے۔

مسئلہ۱۲: جب بچہ پیدا ہو۔ تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان مین اقامت کہنا مستحب ہے۔

مسئلہ۱۳: ایک نماز کے لئے اگر کئی مؤذن اذان دیں تو یہ جائز ہے۔

اذان کا جواب نہ دینا:

ویسے تو اذان کا جواب دینا واجب ہے۔ البتہ سات حالتوں میں جواب نہیں دینا چاہیئے۔

(1) جب نماز پڑھ رہا ہو۔

(2) جمعہ یا کسی اور چیز کا خطبہ سن رہا ہو۔

(3) حیض ونفاس کی حالت میں۔

(4) دین کا علم پڑھنے پڑھانے کی حالت میں۔

(5) بیوی سے ہم بستری کی حالت میں۔

(6) کھانا کھانے کی حالت مین۔

(7) پیشاب یا پاخانہ کے دوران۔

وجوب نماز کی شرطیں:

پانچ شرطیں اگر موجود ہوں۔ تو نماز واجب ہوگی۔ اگر ان مین سے کوئی ایک نہ پائی جائے۔ تو نماز واجب نہیں ہوگی۔

(1) نماز مسلمان پر واجب ہے کافر پر نہیں۔

(2) بالغ لڑکے یا لڑکی پر نماز واجب ہے نابالغ پر نہیں۔

(3) عقلمند اور ہوشمند آدمی پر نماز واجب ہے۔ دیوانے بے ہوش اور مدہوش پر نماز فرض نہیں۔

(4) نماز وقت آ جانے پر فرض ہوتی ہے۔ اگر نماز کے لئے وقت نہیں ملسکا تو اس وقت کی نماز واجب نہ ہوگی۔ وقت سے مراد یہ ہے کہ اتنا وقت ہو کہ آدمی طہارت حاصل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکے۔

فرائض نماز

مندرجہ ذیل چودہ باتیں ایسی ہیں۔ کہ اگر ان میں سے ایک بھی رہ جائے تو نماز منعقد نہیں ہوسکتی۔ ان میں سے پہلی سات شرائط نماز کہلاتی ہیں۔ اور دوسری سات ارکان کہلاتی ہیں۔

شرائط نماز:

نماز کی یہ شرائط نماز سے پہلے موجود ہونی چاہئیں اگر ایک شرط بھی رہ جائے، تو نماز منعقد نہیں ہوگی۔

(1) بدن پاک ہو:

بدن پر حقیقی پلیدی ہو تو اس کا دور کرنا ضروری ہے۔ اگر وضو کی ضرورت ہو تو وضو کیا جائے۔ اگر غسل کی ضرورت ہو تو غسل کر لیا جائے۔ پلیدی حقیقی ہو یا حکمی دونوں کا پاک کرنا ضروری ہے۔ حقیقی پلیدی وہ ہے۔ جو ظاہری طور پر نظر آ رہی ہو۔ اور حکمی پلیدی وہ ہے جس کو شریعت نے پلیدی شمار کیا ہو۔ اگر چہ وہ ظاہر میں نظر نہ آئے۔

(2) لباس کی پاکیزگی:

نماز پڑھتے ہوئے جو کپڑے بدن پر ہوں۔ ان کا پاک ہونا ضروری ہو۔ مثلاً قمیص، پاجامہ، عمامہ، ٹوپی، کوٹ، چادر، کمبل، موزے، دستانے وغیرہ۔

(3) جگہ کا پاک ہونا:

نمازی کے قدموں، گھٹنوں، ہاتھوں اور سجدے کی جگہ پاک ہونی چاہئے۔ چاہے یہ خالی زمین ہو۔ چاہے فرش، چٹائی یا مصلی ہو، اگر نمازی کے ارد گرد کی جگہ گندگی اور تعفن سے پُر ہو تو اس جگہ نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

(4) ستر کا چھپانا:

مرد اور عورت کے جسم کے جن حصوں کو شریعت نے ستر قرار دیا ہے ان کا چھپانا فرض ہے۔ مرد کے لئے ناف سے گھٹنے تک ستر کی حد ہے۔ عورت کے لئے ہاتھ پاؤں اور چہرے کے علاوہ پورا جسم ستر ہے، عورت کے لئے ٹخنوں کا چھپانا بھی ضروری ہے۔

(5) وقت کا ہونا:

ہر نماز کے لئے جو وقت مقرر ہے اسی وقت کے اندر نماز پڑھی جائے گی۔ وقت سے پہلے اگر کوئی نماز پڑھی جائے تو باطل ہوگی۔ اور وقت کے بعد اگر نماز پڑھی جائے گی۔ تو وہ نماز ادا نہ ہوگی بلکہ قضا شمار ہوگی۔

(6) قبلہ رخ ہونا:

نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے، مجبوری یا معذوری کے بغیر کسی اور جانب منہ کر کے نماز پڑھنا نماز کو ضائع کرنا ہوگا۔

(7) نیت کرنا:

جو نماز بھی ادا کی جائے۔ اس کا ارادہ کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی قضا نماز پڑھ رہا ہو۔ تو اس نماز اور دن کا تعین کرنا ضروری ہے۔ نفل اور سنت کے لئے دن اور وقت کا تعین ضروری نہیں۔

یہی نیت کافی ہے۔ کہ میں سنت یا نفل پڑھتا ہوں امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے امام کی اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے یاد رہے کہ نیت دل کا فعل ہے زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔ اگر الفاظ دہرا دے تو اچھا ہے۔

نماز کے ارکان

ارکان نماز وہ ہیں۔ جو نماز کے اندر فرض ہیں۔ ان کی تعداد بھی سات ہے۔

(1) تکبیر تحریمہ:

نماز شروع کرتے ہوئے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" "اَللّٰہُ اَعْلٰی" یا ایسے الفاظ کہنا جن سے اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اظہار ہو کہنا ضروری ہے۔ اسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ کے بعد بات چیت کرنا۔ کھانا پینا اور چلنا پھرنا سب حرام ہو جاتا ہے۔

(2) قیام کرنا:

قیام سے مراد ہے سیدھا کھڑا ہونا۔ کھڑے ہونے کی مقدار اس قدر ہے۔ جس میں قرآن کی اس قدر تلاوت ہو سکے جو فرض ہے۔ قیام صرف فرض اور واجب نمازوں میں ہے۔ نفل نمازوں میں قیام فرض نہیں۔

(3) قرائت:

قراءت کی کم از کم مقدار امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک آیت کا پڑھنا ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک قراءت کی کم از کم مقدار تین چھوٹی آیات ہیں ایک آیت کے لئے ضروری ہے۔ کہ دو لفظوں سے مرکب ہو۔ جیسے اَللّٰہُ الصَّمَدُ اگر آیت ایک ہی لفظ پر مشتمل ہو جیسے ص، ق، ن تو اس کے پڑھنے سے فرض ادا نہ ہوگا۔ فرض نمازوں کی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ رکعتیں چاہے پہلی ہوں یا آخری یا درمیانی۔ وتر، سنت اور نفل کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔

(4) رکوع کرنا:

ہر رکعت میں رکوع کرنا فرض ہے۔ رکوع یہ ہے کہ آدمی اس قدر جھک جائے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

(5) سجدہ کرنا:

ہر رکعت میں دو سجدے کرنا فرض ہے۔

(6) آخر قعدہ:

نماز کی آخری رکعت میں اتنی دیر بیٹھنا فرض ہے۔ جتنی دیر میں التَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ سے عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تک پڑھا جا سکے۔

(7) اختیاری فعل سے نماز کو ختم کرنا:

جب نماز کے سارے ارکان ادا ہو جائیں۔ تو کوئی ایسا فعل کیا جائے جو نماز میں سے نہ

Scanned with CamScanner

ہو۔ اور جس سے نماز ختم ہو جائے ۔ یہ آخری رکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض ہے۔ صاحبین کے نزدیک ارکان نماز ادا کرنے کے بعد نماز خودبخود ختم ہو جاتی ہے اپنے کسی فعل سے اس کو ختم کرنا ضروری نہیں۔

یہ واضح رہے کہ یہ تمام ارکان ہر نماز میں فرض ہیں۔ نماز چاہے فرض ہو یا سنت ہو یا واجب ہو یا نفل، البتہ قیام صرف فرض او رواجب نمازوں میں فرض ہے۔ سنت او رنفل نمازوں میں نہیں۔

واجبات نماز

واجبات نماز سے ہماری مراد وہ باتیں ہیں۔ جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ ان باتوں میں سے اگر کوئی چیز بھول کر نماز میں چھوٹ جائے تو سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے، اور نماز درست ہو جاتی ہے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات جان بوجھ کر چھوڑی دی جائے یا سجدہ سہو ادا نہ کیا جائے، تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اسے لوٹانا لازم ہو جاتا ہے واجبات نماز چودہ ہیں۔

(1) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اور سنت اور نفل نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا۔

(2) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرنا

(3) سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور سنت، نفل اور واجب نمازوں کی تمام رکعتوں میں قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھنا پوری سورت پڑھے یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھے۔

(4) قرآن کی سورت سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر قرآن کی سورت پہلے اور فاتحہ بعد میں پڑھیں تو واجب ادا نہ ہوگا۔

(5) قراءت، رکوع، سجود اور رکعتوں میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا

(6) قومہ یعنی رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا

(7) جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا۔

(8) تبدیلِ ارکان یعنی نماز کے تمام ارکان کو یعنی رکوع، سجود کو پورے اطمینان اور سکون سے ادا کرنا۔

(9) تین اور چار رکعت والی نمازوں میں دو رکعت کے بعد التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھنا

(10) دونوں قعدوں میں ایک بار التحیات پڑھنا

(11) جن نمازوں میں اونچی آواز سے قراءت کی جاتی ہے۔ امام کا ان میں اونچی آواز سے اور باقی نمازوں میں آہستہ آواز سے قراءت کرنا اونچی قراءت والی نمازیں مغرب، عشاء، پہلی دو رکعتیں جمعہ اور عیدین، تراویح اور رمضان کے مہینے میں وتر ہیں ان کو جہری نمازیں کہا جاتا ہے اور آہستہ آواز والی نمازیں ظہر، عصر اور مغرب عشاء کی آخری دو رکعتیں ہیں۔ ان کو سرّی نمازیں کہا جاتا ہے۔

(12) السلام علیکم کہہ کر نماز ختم کرنا۔

(13) وتروں میں دعائے قنوت پڑھنا اور دعائے قنوت کے لئے تکبیر کہنا۔

(14) عید کی نماز میں زائد تکبیریں کہنا۔

نماز کی سنتیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کا اہتمام فرمایا لیکن ان کی اتنی تاکید نہیں فرمائی جتنی فرائض اور واجبات کی تاکید فرمائی، اسی لئے ان کو نماز کی سنتیں کہا جاتا ہے ان باتوں کے چھوٹ جانے سے نہ تو نماز ٹوٹتی ہے نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ لیکن ان کے ادا کرنے سے نماز کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔ نماز کی سنتیں اکیس ۲۱ ہیں۔

(1) تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا مرد کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھائیں اور عورتیں کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں، مردوں کے لئے عذر کی حالت میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانا بھی جائز ہے۔

(2) تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے دونوں ہتھیلیوں اور انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف کرنا، اور انگلیوں کو کھلا رکھنا۔

(3) تکبیر تحریمہ کے بعد مردوں کے لئے ناف کے اوپر اور عورتوں کے لئے سینے کے اوپر ہاتھ باندھنا۔ ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے۔ کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں، اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں کلائی کو پکڑنا چاہیے۔ درمیان والی تینوں انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی پر بچھا کر رکھنا چاہیے ۔ البتہ عورتوں کے

Scanned with CamScanner

لئے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑنا سنت طریقہ نہیں ہے۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے۔ امام شافعی اور اہل حدیث کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کے لئے سینے پر ہاتھ باندھنا ہی سنت ہے۔

(4) تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے سر کو نہ جھکانا

(5) تکبیر تحریمہ اور ایک رکن سے دوسرے رکن تک جانے کی تمام تکبیرات بلند آواز سے کہنا۔(یہ صرف امام کے لئے ہے)

(6) سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ پڑھنا۔

(7) حدیث سے ذیل کی دعا پڑھنا بھی ثابت ہے

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ مِنَ الْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ.

"اے اللہ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کر دے جتنی دوری تو نے مشرق اور مغرب میں کر رکھی ہے۔ اے اللہ! تو مجھے گناہوں سے ایسے پاک و صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا دھل کر میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے۔ اے اللہ ! میرے گناہوں کو دھو ڈال پانی سے برف سے اور اولوں سے"

اور امام ابو یوسف کے نزدیک ذیل کی دعا پڑھنا مستحب ہے۔

(2) اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذَالِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

"میں نے اپنا رخ پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ کر لیا ہے اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت اللہ کے لیے ہے۔ جو سارے جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں اطاعت گزاروں میں اس کا سب سے پہلا اطاعت گزار ہوں"

(علم الفقہ جلد۲)

(7) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا

(8) سورہ فاتحہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنا۔

(9) فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا۔

(10) آمین کہنا امام اور اکیلے نماز پڑھنے والوں کے لئے مسنون ہے۔ اسی طرح جن نمازوں میں امام بلند آواز سے قرائت کر رہا ہو۔ جب سورۂ فاتحہ ختم کرے تو سارے مقتدی آمین کہیں۔

(11) احناف کے نزدیک ثناء، تعوذ، بسم اللہ اور آمین آہستہ کہنا سنت ہے۔ امام مالک کا ایک قول یہی ہے احادیث نبوی سے بلند آواز سے کہنا اور آہستہ دونوں ثابت ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

(12) جن نمازوں میں جس قدر قرآن پڑھنا آنحضورؐ سے منقول ہے۔ اسی کے موافق پڑھنا۔

(13) رکوع اور سجود میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنا۔

(14) رکوع کی حالت میں سر اور کمر کو برابر رکھنا اور ہاتھوں کی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑنا۔

(15) قومے میں امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے اور مقتدی رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہے۔ اور اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں کہے۔

(16) سجدے میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک اور پھر پیشانی زمین پر رکھنا۔

(17) جلسے اور قعدے کے دوران بایاں پاؤں بچھا کر رکھنا اور دایاں پاؤں اس طرح کھڑا رکھنا کہ ان کی انگلیوں کے سرے قبلے کی طرف ہوں اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا۔

(18) التحیات میں الا اللہ کہتے ہوئے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا۔

(19) آخری قعدہ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا۔

(20) درود شریف کے بعد کوئی مسنون دعا پڑھنا۔

(21) پہلے دائیں جانب پھر بائیں جانب سلام پھیرنا۔

مستحبات نماز:

پانچ باتیں نماز میں مستحب ہیں اگر ان کو ادا کرے تو نماز کے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کو چھوڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(1) تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے مرد چادر سے ہاتھ باہر نکال لے۔ لیکن عورت دوپٹے یا چادر کے

Scanned with CamScanner

اندر ہی سے ہاتھ اٹھا لے۔

(2) قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھے۔ رکوع میں دونوں پیروں پر اور قعدے میں اپنے گھٹنوں پر اور سلام پھیرتے وقت کندھوں پر نظر رکھے۔

(3) اکیلا نماز پڑھنے والا رکوع سجود میں تین بار سے زیادہ تسبیح پڑھے۔

(4) کھانسی کو امکانی حد تک روک کر رکھے۔

(5) اگر جمائی آئے۔ تو منہ کو بند رکھنے کی کوشش کرے منہ کھل جانے کی صورت میں قیام کے دوران سیدھے ہاتھ سے منہ کو چھپائے، اور قیام کے علاوہ باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کی پشت سے منہ کو چھپائے۔

مفسدات نماز:

مفسدات وہ چیزیں ہیں۔ جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اس کا دوبارہ پڑھنا لازم ہو جاتا ہے۔ یہ کل پندرہ چیزیں ہیں۔

(1) نماز کے دوران گفتگو کرنا، گفتگو تھوڑی ہو یا زیادہ ہر حالت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(i) کسی آدمی سے خود گفتگو کی جائے یا اس کی بات کا جواب دیا جائے۔ گفتگو عربی زبان میں ہو یا مادری زبان میں قرآن مجید کے الفاظ میں ہو یا اپنے الفاظ میں ہر صورت میں نماز ٹوٹ جائے گی۔ اس کی مثال یہ ہے یحییٰ نام کے آدمی سے قرآن مجید کے الفاظ میں یوں کہا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ یا مریم نامی عورت سے کہا يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ یا کسی جانے والے سے پوچھا: فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ (تم کہاں جا رہے ہو) کوئی رنج و غم کی خبر سن کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا کسی کی چھینک سن کر يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہہ دیا تعجب کی بات سن کر سُبْحَانَ اللّٰهِ کہہ دیا۔ خوشی کی خبر سن کر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہہ دیا۔ پاس سے گزرنے والے کو سلام کیا یا سلام کا جواب دیا۔ نماز کے دوران کسی کی دعا سن کر آمین کہہ دیا۔ اللہ کا نام سن کر جَلَّ جَلَالُهٗ کہہ دیا۔ آنحضورؐ کا نام سن کر درود شریف پڑھ لیا۔ بچے کو گرتے دیکھا تو بسم اللہ کہہ دیا۔

یہ سب صورتیں مفسدات نماز ہیں۔ گفتگو کا ہر طریقہ نماز توڑ دینے کا باعث ہوتا ہے۔

(ii) اسی طرح کسی جانور سے نماز میں کچھ کہہ دینا۔ مثلاً بلی یا مرغی کو ڈانٹنے یا بھگانے کے لئے کچھ کہہ دیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(iii) خود اپنے ساتھ ہمکلامی کرتے ہوئے کچھ الفاظ بول دے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ ایسی صورت میں زبان سے اگر ایسے الفاظ نکلیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ ہاں اگر ایسا لفظ کسی کا تکیہ کلام ہو، اور وہ لفظ قرآن مجید میں بھی موجود ہو تو پھر بھی نماز ٹوٹ جائے گی۔ مثلاً یا اللہ کا لفظ اگر کسی کا تکیہ کلام ہو تو اس کے بولنے سے بھی نماز ٹوٹ جائے گی۔

(iv) نماز کے اندر دعا اور ذکر چاہے عربی زبان میں ہو یا مادری زبان میں نماز فاسد ہونے کا سبب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ایسی چیز کی دعا کرے جو انسانوں سے مانگی جا سکتی ہے تو اس سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ البتہ ایسی دعاؤں یا ذکر سے نماز نہیں ٹوٹتی جو قرآن و حدیث میں وارد ہوں۔

(v) نماز کے اندر کسی غلط قرآن پڑھنے والے کو لقمہ دے دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر امام قرآن مجید غلط پڑھے تو مقتدی کا اس کو لقمہ دینا جائز ہے مقتدی اگر قرآن میں دیکھ کر لقمہ دے یا دوسرے شخص سے سن کر امام کو لقمہ دے اور امام لقمہ لے لے تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(2) فرض نماز کے دوران قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا نماز کے فاسد ہونے کا سبب ہے۔

(3) نماز کی کوئی شرط یا نماز کا کوئی رکن چھوٹ جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ مثلاً وضو ٹوٹ جائے۔ یا حیض کا خون آ جائے۔ یا کپڑے پلید ہو جائیں، کسی عذر اور مجبوری کے بغیر قبلے سے منہ پھر جائے دیوانگی اور بے ہوشی کا دورہ پڑ جائے، یا ستر کھل جائے اور اتنی دیر کھلا رہے جتنی دیر میں رکوع یا سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسی تمام حالتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(4) اگر نماز کے فرائض میں سے کوئی فرض ارادتاً یا بھولے سے چھوٹ جائے۔ مثلاً سجدہ یا رکوع چھوٹ جائے تو بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(5) واجبات نماز میں سے کوئی واجب جان بوجھ کر چھوڑ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(6) اگر کوئی واجب بھولے سے چھوٹ جائے، اور پھر سجدہ سہو بھی نہ کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

(7) بغیر عذر یا مجبوری کے نماز کے دوران کھانسنا نماز ٹوٹ جانے کا سبب ہے۔ البتہ اگر بے اختیار کھانسی آ جائے یا حلق صاف کرنے کے لئے کھانسے یا مقتدی اس لیے کھانسے کہ امام اپنی غلطی سمجھ لے۔ یا اس لئے کھانسے کہ لوگ سمجھ لیں کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو ان سب صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

(8) درد، تکلیف، غم، شدید مصیبت کی وجہ سے نماز کے اندر رونا دھونا یا کوئی درد انگیز آواز نکالنا مفسدِ نماز ہے، لیکن اگر بے اختیاری میں کوئی آواز نکل جائے یا کوئی شخص جہنم کے عذاب کو یاد کر کے یا خوف خدا سے ڈر کر یا عذاب قبر کا تصور کر کے یا قرآن کی تلاوت سے متاثر ہو کر رونے لگ جائے یا آہ نکل جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

(9) نماز کے دوران جان بوجھ کر یا بھولے سے کوئی چیز کھا پی لے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اگر دانتوں میں کوئی معمولی سا ریزہ یا غذا کا ٹکڑا جو چنے کے دانے سے کم ہو نگل جائے تو اس سے نماز نہ ٹوٹے گی۔ مگر جان بوجھ کر ایسا کرنا بھی غلط ہے۔

(10) نماز کی حالت میں چند قدم آگے پیچھے چلنا نماز ٹوٹ جانے کا سبب ہے۔

(11) نماز کے اندر عمل کثیر کرنا مفسدِ نماز ہے۔ عمل کثیر یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ مثلاً دونوں ہاتھوں سے کپڑے درست کرنا یا نماز کے دوران کسی خاتون کا بچے کو دودھ پلانا یا بالوں کی چوٹی بنانا وغیرہ۔

(12) نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے کوئی ایسی بڑی غلطی کی۔ جس سے معنی بدل گئے یا تکبیر کہتے ہوئے ''اللہ'' کے الف کو کھینچ کر پڑھ لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''اللہ'' کے الف کو کھینچنے سے معنی یہ ہو جاتے ہیں۔ کیا اللہ بہت بڑا ہے؟

(13) نماز کے دوران بالغ آدمی قہقہہ مار کر یا آواز سے ہنسے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

(14) نماز کے دوران کوئی خط یا پوسٹر یا دیوار پر لکھے ہوئے الفاظ زبان سے پڑھ دے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر دل میں مطلب سمجھ لے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(15) نماز میں اگر کوئی عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے، اور اتنی دیر کھڑی رہے۔ جتنی دیر میں رکوع یا سجدہ کیا جاتا ہے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ البتہ اگر کوئی عورت مرد کے برابر کھڑی ہو لیکن درمیان میں پردہ حائل ہو یا کم سن لڑکی کھڑی ہو جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔

مکروہاتِ نماز:

مکروہ وہ چیزیں ہیں، جن سے نماز ٹوٹتی تو نہیں لیکن یہ ناپسندیدہ چیزیں ہیں، جن سے بچنا ضروری ہے، اور یہ چیزیں نماز کے ثواب کو کم کر دیتی ہیں۔ یہ کل اٹھائیس ہیں۔

(1) کپڑوں کا معروف طریقے کے خلاف پہننا۔ مثلاً چادر کندھے پر ڈالی اور اس کے دونوں پلو کھلے چھوڑ دیے۔ یا قمیض اور کوٹ آستینوں میں ہاتھ ڈالے بغیر کندھے پر ڈال لیا وغیرہ۔

(2) گرد و غبار سے بچانے کے لئے ہاتھوں کو جھاڑنا یا کپڑوں کو سمیٹنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر سجدے کی جگہ پر کنکریوں کو ایک بار سیدھا کرے یا منہ سے پھونک مار کر جگہ صاف کرے تو جائز ہے۔

(3) داڑھی یا سر کے بالوں یا اپنے لباس سے کھیلنا یا کلائی پر انگلیاں بجانا، بلا ضرورت بدن کو کھجانا۔

(4) ایسا لباس پہن کر نماز پڑھنا۔ جس کو پہن کر آدمی کسی مجلس یا سوسائٹی میں جانا پسند نہ کرے مثلاً تنکوں کی گھٹیا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا حالانکہ ایسی ٹوپی کسی محفل میں پہن کر جانا انسان گوارا نہیں کرتا۔

(5) بے پرواہی یا سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا بہتر یہی ہے کہ آدمی پورے لباس کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جائے۔

(6) پیشاب، پاخانے یا ریح کے دباؤ کی حالت میں نماز پڑھنا۔

(7) انگلیاں چٹخانا یا ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈالنا۔

(8) نماز کی حالت میں کمر یا کولہے پر ہاتھ رکھنا۔

(9) بغیر کسی شدید ضرورت کے دائیں بائیں دیکھنا۔

(10) مردوں کا سجدے کی حالت میں کلائیوں کو کہنیوں تک زمین سے لگا لینا۔ خواتین کا کہنیوں کو زمین پر بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے۔

(11) ایسے آدمی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا جس کا منہ نمازی کی طرف ہو۔

(12) امام کا محراب کے بالکل اندر کھڑے ہونا۔ اگر قدم محراب سے باہر ہوں تو مکروہ نہیں ہے۔

(13) جان بوجھ کر جمائی لینا اور قدرت کے باوجود جمائی نہ روکنا۔

Scanned with CamScanner

(14) جن کپڑوں پر جاندار کی تصویر بنی ہو۔ یا ایسے مصلے پر نماز پڑھنا۔ جس میں سجدہ کی جگہ جاندار کی تصویر ہو۔

(15) صف میں جگہ ہونے کے باوجود صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔

(16) ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینا۔

(17) آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا۔ اگر نماز میں جی لگانے کے لئے آنکھیں بند کرے تو ایسا کرنا افضل ہے۔

(18) صرف ناک یا صرف پیشانی پر سجدہ کرنا۔ یا ٹوپی اور عمامے کے پیچ پر سجدہ کرنا۔

(19) بغیر عذر کے آلتی پالتی مار کر بیٹھنا یا دونوں ہاتھ اور کولہے زمین پر رکھ کر گھٹنے کھڑے کر کے سینے اور پیٹ سے لگا کر بیٹھنا۔

(20) بلا ضرورت امام کا اونچے مقام پر کھڑے ہونا۔ البتہ اگر کچھ مقتدی بھی ساتھ ہوں تو مضائقہ نہیں۔

(21) قراءت پوری کیے بغیر جھک جانا اور جھکنے کی حالت میں قراءت پوری کرنا۔

(22) نماز کی سنتوں میں سے کسی سنت کا ترک کرنا۔

(23) سجدے کی حالت میں دونوں پیر زمین سے اٹھالینا۔

(24) آیتوں، سورتوں، تسبیحوں کا انگلیوں پر شمار کرنا۔

(25) حالت نماز میں انگڑائی لینا یا سستی اتارنا۔

(26) منہ میں کوئی چیز دبا کر نماز پڑھنا۔ منہ میں دبائی ہوئی چیز اگر قراءت میں رکاوٹ بنے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(27) فرض نمازوں میں قرآن پاک کی ترتیب کے برخلاف قراءت کرنا، مثلاً پہلی رکعت میں سورہ والناس اور دوسری رکعت میں سورہ الفلق پڑھی جائے۔ اسی طرح درمیان میں کوئی تین آیت والی سورہ چھوڑ کر آس پاس کی سورۃ پڑھ لی جائے۔ مثلاً پہلی رکعت میں سورۃ تبت اور دوسری رکعت میں سورۃ الفلق پڑھی جائے۔ اسی طرح یہ بھی مکروہ ہے کہ پہلی رکعت میں ایک سورت کی چھ آیتیں پڑھ لی جائیں پھر دو آیتیں چھوڑ کر باقی آیتیں دوسری رکعت میں پڑھ لی جائیں یہ بھی مکروہ ہے کہ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے زیادہ لمبی قراءت کی جائے۔ نماز میں کوئی خاص سورت مقرر کر کے وہی سورت پڑھنا کہ اس کے بغیر دوسری سورت نہ پڑھے مکروہ ہے۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ یہ تمام صورتیں فرض نمازوں میں مکروہ ہیں۔ نوافل اور تراویح میں یہ صورتیں مکروہ نہیں ہیں۔

جن صورتوں میں نماز توڑنا جائز ہے:

(1) اگر کسی مسافر نے گاڑی میں سامان رکھا ہے، اور اس کی فیملی بھی اس پر سوار ہے اور گاڑی روانہ ہو رہی ہے تو اس صورت میں نماز توڑ کر گاڑی میں بیٹھ جانا درست ہے۔

(2) سانپ بچھو، بھڑ یا کوئی موذی جانور کپڑوں میں گھس جائے تو نماز توڑ کر ایسے موذی جانور کو مار دینا درست ہے۔

(3) اگر کسی پالتو جانور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو مثلاً بلی مرغی یا کبوتر کو پکڑنا چاہتی ہے تو نماز توڑ کر اس کو بھگانا درست ہے۔

(4) نماز مکمل کرنے میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو۔ مثلاً چولہے پر ہانڈی کے جل جانے کا خوف ہے۔ یا مسجد میں کوئی سامان ایسی جگہ رکھا ہے، جہاں چوری ہونے کا اندیشہ ہے، یا گھر میں کوئی کتا، بلی یا بندر گھس آیا ہے، اور یقین ہے کہ کوئی نقصان کر دے گا۔

ایسی تمام صورتیں جن میں یہ پورا پورا خوف ہو کہ کافی نقصان ہو جائے گا تو نماز کو توڑ کر اپنے آپ کو نقصان سے بچانا درست ہے۔

(5) نماز کے دوران پیشاب، پاخانے کا دباؤ محسوس ہو تو نماز توڑ کر اپنی حالت کو درست کیا جائے اور پھر نماز پڑھی جائے۔

(6) اگر کوئی آدمی کنویں، ندی یا آگ میں گرنے والا ہے، اور اس کے ڈوبنے یا مر جانے کا خوف ہے تو ایسی حالت میں نماز توڑ کر انسانی جان کو بچانا فرض ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ نابینا یا معذور آدمی گر کر زخمی ہو گیا یا مر گیا تو گناہ نماز پڑھنے والے کے سر ہوگا۔

(7) نماز پڑھنے کی حالت میں نادان بچہ چھت کے کنارے پر پہنچ گیا۔ یا نا سمجھ بچے نے چھری، چاقو، بلیڈ ہاتھ میں اٹھا لیا اور یہ خوف ہے، کہ وہ اپنے آپ کو یا کسی دوسرے بچے کو زخمی کر دے گا، یا کسی گاڑی کی آمد سے معصوم بچے کے نیچے آ جانے کا خطرہ ہو یا کسی آدمی پر کوئی درندہ حملہ آور ہو گیا ہے یا کوئی معصوم بچہ آگ کی لپیٹ میں آ گیا ہو تو ایسی تمام صورتوں میں نماز توڑ دینا فرض ہے اور آفت میں پھنسے ہوئے آدمی کو تباہی سے بچانا لازم ہے۔ اگر نہیں توڑے گا تو سخت گناہ گار ہوگا۔

(8) نمازی کا ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی نمازی کو مدد کے لئے پکاریں تو نماز کو توڑ دینا واجب ہے۔ ہاں اگر نمازی کو پتہ ہو کہ وہ بلا ضرورت پکار رہے ہیں یا ان کے قریب کوئی

Scanned with CamScanner

دوسرا آدمی موجود ہے تو پھر فرض نماز توڑنا جائز نہیں۔ نفل یا سنت نماز پڑھنے کی صورت میں نماز توڑ کر ان کی بات کا جواب دینا واجب ہے۔

طریقہ ادائے نماز:

جب نمازی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اس کے دل میں یہ تصور پوری گہرائی کے ساتھ جما ہوا ہو کہ وہ خدا کے حضور حاضر ہے، اور دماغ میں یہ خیال پختہ کرے کہ اس وقت خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ اپنے دل کو فاسد خیالات سے پاک کرنے کے لئے پورے ادارک کے ساتھ یہ دعا پڑھے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

(القرآن)

”میں نے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں یقیناً میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی، اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو ساری مخلوق کا رب ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں مجھے اسی کا حکم ہوا ہے، اور میں اطاعت گزاروں میں سب سے پہلے اطاعت گزار ہوں“

پھر کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرے، اور دل میں ارادہ کرے، کہ اتنی رکعتیں فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں، نیت دل کے ارادے کا نام ہے۔ زبان سے ارادے کا ظاہر کرنا ضروری نہیں، لیکن اگر اظہار کر دے تو بہتر ہے۔ مثلاً اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ کہ ظہر کی چار رکعت فرض نماز پڑھتا ہوں۔ سنت یا نفل نماز ہو۔ تو یہ کہنا چاہیے کہ ظہر کی دو رکعت سنت یا دو رکعت نفل پڑھتا ہوں، نیت کے لئے کسی لمبی چوڑی عبارت کا زبان سے بولنا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تو اس سے نماز میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً لمبی چوڑی عبارت بولتا رہے اور ادھر قیام یا رکوع فوت ہو جائے لہٰذا نیت کے لئے مختصر الفاظ کے بولنے پر ہی اکتفا کیا جائے۔

امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے امام کی اقتداء کی نیت کرنا ضروری ہے۔

تکبیر تحریمہ:

کھڑے ہوتے ہوئے اپنے جسم کو طبعی حالت پر چھوڑ دیں، پیروں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھیں، سجدے کی جگہ پر نظر رکھیں کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہتھیلیاں قبلے کی طرف رکھیں انگلیاں کھلی چھوڑ دیں، اور ”اللہ اکبر“ کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لیں۔ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھیں اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑ لیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے کے اوپر ہاتھ باندھیں، حنفیہ کا مسلک یہی ہے۔ اہل حدیث کا مسلک یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں ہاتھ سینے پر باندھیں۔ اسی طرح ان کے مسلک میں تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ صرف کندھوں تک اٹھائے جائیں۔

ہاتھ باندھنے کے ساتھ ہی ثناء پڑھے۔

ثناء:

ثناء کے الفاظ یہ ہیں۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُكَ

”تو پاک اور برتر ہے۔ اے اللہ! اور تو ہی تعریف کے لائق ہے۔ برکت اور بلندی والا ہے تیرا نام اور تیری شان بہت اونچی ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں“

احادیث میں ثناء کے لئے یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا كَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ

”اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درحیان اتنی دوری کر دے۔ جتنی دوری مشرق اوز مغرب میں ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی اور برف اور اولوں سے دھو دے“

ثناء کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں۔

Scanned with CamScanner

سورۂ فاتحہ اور قرآن کی قراءت:

اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ اگر آپ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں تو خاموش رہیں اور امام کی قراءت سنیں۔ امام جب سورۂ فاتحہ ختم کرے۔ تو مقتدی آہستہ سے آمین کہے۔

اہل حدیثؒ اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔ اسی طرح اہل حدیث کے نزدیک امام کے پیچھے آہستہ آہستہ آواز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیئے۔

آمین کہنے کے بعد قران کی کوئی سورت یا کچھ آیات کم از کم تین چھوٹی آیات پڑھنا ضروری ہے۔

رکوع کرنا:

قرآن کی قرات کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں جانا چاہیے۔ رکوع میں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں کو کھلی انگلیوں سے پکڑ لینا چاہیے۔ جھکنے کی حالت اس طرح ہو کہ سر، کمر اور پیٹھ برابر رہیں۔

رکوع کی تسبیح:

رکوع کی حالت میں کم از کم تین بار ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم'' پڑھیں۔ تسبیح تین بار سے زائد بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کی تعداد طاق ہونی چاہیے۔ اہل حدیث اس تسبیح کی بجائے یہ دعا پڑھتے ہیں۔

سُبْحٰنَکَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِکَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ

''پاک و برتر ہے تو اللہ۔ ہمارے رب حمد و تعریف کا مستحق ہے۔ اے اللہ میری مغفرت فرما دے''

یہ بات یاد رہے کہ اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں زیادہ تعداد میں تسبیح پڑھنا مناسب ہے لیکن امام کو چاہیے کہ وہ مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے۔ زیادہ تعداد میں تسبیح نہ پڑھے۔

قومہ کرنا:

رکوع سے اٹھتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو کر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ پڑھیں اور ہاتھ لٹکتے

ہوئے چھوڑ دیجئے۔ پھر رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھیں۔ اگر آپ مقتدی ہیں تو صرف رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھیں۔ اگر آپ امام ہیں تو صرف سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ پڑھیں اور اگر آپ اکیلے نماز پڑھ رہے ہیں تو دونوں پڑھیں۔

سجدہ کرنا:

قومے کے بعد سجدے میں جائیے اور سجدے میں جاتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہیے۔ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھیں پھر دونوں ہاتھ، پھر ناک پھر پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں زمین پر اس طرح رہیں کہ انگلیاں ملی ہوئی، اور انکا رخ قبلے کی طرف اور چہرہ ان کے درمیان اور انگوٹھے کان کے مقابل رہیں۔ سجدہ کی حالت میں کہنیوں اور کلائی کو زمین سے اوپر اٹھائے ہوئے رکھنا چاہیئے کہنیاں پسلیوں سے جدا اور پیٹ رانوں سے الگ رہے۔ پیٹ زمین سے اتنا اونچا ہو کہ بکری کا چھوٹا بچا درمیان میں سے نکل سکے۔ دونوں پیر زمین پر رکھے ہوں اور ان کی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف ہو۔

سجدے میں کم از کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھیں۔ احادیثؒ میں اس تسبیح کی جگہ کچھ دوسری دعائیں بھی منقول ہیں۔ مثلاً۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَ جِلَّهٗ وَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ

''اے اللہ! میرے سارے گناہ چھوٹے، بڑے پہلے کے بعد کے کھلے چھپے بخش دے۔''

جلسہ:

سجدے سے اٹھتے ہوئے پہلے پیشانی پھر ہاتھ اٹھا کر ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے بیٹھ جائیں۔ دایاں پیر کھڑا رکھیں اور بایاں پیر بچھا کر گھٹنوں کے سہارے بیٹھ جائیں۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح رکھیں کہ انگلیاں گھٹنوں پر ٹکی ہوئی ہوں۔ جلسے کی حالت کے لئے احادیث میں کچھ دعائیں وارد ہوئی ہیں۔ اہلحدیث کے نزدیک ان دعاؤں کے پڑھنے کی تاکید ہے۔ مثلاً یہ دعا

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ

(ابوداؤد)

''اے اللہ! میری بخشش فرما، مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت دے، مجھے عافیت فرما اور مجھے روزی عطا کر''

Scanned with CamScanner

پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کیجئے۔ دوسرا سجدہ پہلے سجدے کی طرح ہے۔ پھر تکبیر کہہ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جایئے۔ دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ہے یعنی بسم اللہ ،سورۂ فاتحہ اور قراءت ۔

جلسہ استراحت:

اہلحدیث کے مطابق پہلی اور تیسری رکعت میں دونوں سجدوں کے بعد بیٹھ جانا چاہیے۔ سجدہ سے یکدم اٹھ کر کھڑا ہونا اہلحدیث کے نزدیک صحیح نہیں لیکن حنفیوں کے نزدیک جلسہ استراحت نہیں ہے۔

قعدہ کی صحیح کیفیت:

پہلی رکعت کی طرح رکوع ،قومہ ،سجدہ جلسہ کرنے کے بعد قعدہ کریں اور اس کا طریقہ وہی ہے جو جلسے میں بیٹھنے کا ہے۔

تشہد:

قعدے میں اطمینان سے بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہیے۔ تشہد کے الفاظ یہ ہیں۔

اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

”ساری تعریفیں، ساری عبادتیں اور ساری پاکیزہ باتیں اللہ کے لئے ہیں ، سلام ہو آپؐ پر اے نبیؐ! اور اس کی رحمت اور برکتیں ہوں آپؐ پر اور سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے سارے ہی نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں“

تشہد میں لا الہ کے الفاظ پر انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ کیجئے۔ اور الا اللہ کہتے وقت کلمہ کی انگلی گرا دیجئے۔ پھر سلام پھیرنے تک انگلیاں اسی طرح رکھیں۔

چار رکعت والی نماز میں عبدہ ورسولہ کے بعد کھڑے ہو جایئے اور پہلی رکعت کی طرح بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ پڑھیے۔ سنت اور نفل نماز میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن کی کچھ آیات پڑھنا چاہیے اور فرض نماز میں تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھیے اور رکوع میں چلے جایئے۔

چوتھی رکعت میں دونوں سجدے کرنے کے بعد پھر ”التحیات“ پڑھیے۔

درود شریف پڑھنا:

چوتھی رکعت کے قعدے میں عبدہ ورسولہٗ کے بعد حضورؐ پر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ جسکے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ“ مَّجِیْدٌ“ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ“ مَّجِیْدٌ“.

”اے اللہ! سلام ورحمت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی ابرھیمؑ پر اور آل ابراھیمؑ پر بلاشبہ تو اپنی ذات میں خوبیوں والا اور شان والا ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر بلاشبہ تو اپنی ذات میں بڑی خوبیوں والا اور بڑی شان والا ہے“

درود شریف کے بعد کی دعائیں:

درود شریف پڑھنے کے بعد مختلف دعائیں پڑھنی چاہئیں، افضل یہ ہے کہ صرف مسنون دعائیں پڑھی جائیں، حدیث نبوی میں اس دعا کا ذکر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ.

”اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بڑا ہی ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔ پس تو مجھے خصوصی بخشش سے بخش دے اور میرے حال پر رحم فرما بے شک تو بہت ہی بخشنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے“

Scanned with CamScanner

دوسری حدیث میں یہ دعا بھی آئی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، عذاب جہنم سے اور عذاب قبر سے اور مسیح دجال کے فتنے سے اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے، اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ سے اور جان لیوا قرض سے۔"

دونوں دعائیں پڑھ لیجئے یا ان میں سے کوئی ایک دعا پڑھ لیجئے۔

سلام پھیرنا:

نماز ختم کرنے کے لئے پہلے دائیں طرف منہ کرتے ہوئے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ پھر بائیں جانب منہ پھیرتے ہوئے یہی الفاظ کہے اور سلام کے لئے نیت تمام نمازیوں اور فرشتوں کے لئے رکھے۔ نماز سے فراغت کے بعد نبی اکرمؐ سے بہت سی دعاؤں اور اذکار کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے کچھ دعائیں یہ ہیں۔

(1) آنحضورؐ نے حضرت معاذؓ کو ان کلمات کے ترک نہ کرنے کی وصیت فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ

(ریاض الصالحین)

"اے اللہ! تو ہماری مدد فرما، اپنی یاد اور اپنے شکر کے لئے اور اپنی اچھی بندگی کے لئے۔"

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

(بخاری، مسلم)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تنہا وہی معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اقتدار اس کے لئے ہے اور حمد و شکر کا مستحق وہی ہے۔ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اے اللہ! تو جو عطا فرمائے اسے کوئی روکنے والا نہیں،

اور تو جو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں، اور کسی عظمت والے کی عظمت تیرے مقابلے میں کام نہیں آسکتی۔"

خواتین کی نماز کا طریقہ:

عام طور پر خواتین کے لئے بھی نماز کی ادائیگی کا طریقہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوا ہے صرف چھ باتوں میں تھوڑا سا فرق ستر اور پردے کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے۔

1- تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانا:

خواتین کو تکبیر تحریمہ کے لئے صرف شانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہئے اور چادر اور دوپٹے کے اندر ہی ہاتھ اٹھانا چاہیے۔ باہر نکالنے کی ضرورت نہیں۔

2- ہاتھ باندھنا:

خواتین کو سینے پر ہاتھ باندھنا چاہیے اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھنی چاہیے۔

3- خواتین کو رکوع میں اتنا جھکنا چاہیے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں اور گھٹنوں کو ملی ہوئی انگلیوں سے پکڑنا چاہیے۔

4- سجدے میں خواتین کو پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے ملا کر رکھنا چاہیے کہنیوں کو اور کلائیوں کو زمین پر ٹکا لینا چاہیے اور پاؤں کو کھڑا رکھنے کی بجائے نیچے گرا لینا چاہیے۔

5- قعدہ اور جلسے کی حالت میں دونوں پاؤں دائیں جانب نکال لینا چاہیے اور دائیں ران بائیں ران اور دائیں پنڈلی بائیں پنڈلی پر رکھ لینا چاہیے۔

6- قرآن کی قراءت آہستہ آہستہ آواز میں کرنی چاہیے اونچی آواز سے قراءت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

نماز وتر

پڑھنے کا طریقہ:

نماز وتر وہ نماز ہے جو نماز عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس کی رکعتیں طاق ہوتی ہیں۔ اسی لئے اس کو وتر کہتے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے اس نماز کی بے حد تاکید کی ہے۔ اس لئے امام ابو

Scanned with CamScanner

حنفیہ کے نزدیک یہ نماز واجب ہے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف اور اہلحدیث کے نزدیک یہ نماز سنت ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

''جو شخص وتر نہ پڑھے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں''

(ابوداؤد حاکم)

حنفیوں کے نزدیک وتر کی نماز تین رکعت ہے۔ لیکن امام شافعی اور اہلحدیث صرف ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔ احادیث سے تین، پانچ سات اور نو رکعت بھی ثابت ہے۔

وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے فرض نمازوں کی طرح دو رکعت پڑھے۔ تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کی کوئی سورت یا چند آیات پڑھنے کے بعد تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے جیسے تکبیر تحریمہ میں اٹھائے جاتے ہیں اور پھر آہستہ سے دعائے قنوت پڑھے۔ اہلحدیث کے نزدیک ''اللہ اکبر'' کہنے کے بعد ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائیں اور دعائے قنوت پڑھیں۔

دعائے قنوت:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَ نَسْتَغْفِرُکَ وَنُوْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَ نَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ'' ط

''اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد کے طالب اور تجھ ہی سے مغفرت کے خواستگار ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری اچھی تعریفیں کرتے ہیں اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں تیری ناشکری نہیں کرتے اور جو تیری ناشکری اور نافرمانی کرے اس کو چھوڑ دیتے ہیں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیری ہی نماز پڑھتے اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لپکتے ہیں اور تیرا حکم بجا لانے کے لئے مستعد رہتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ تیرا عذاب کافروں کو مل کر رہے گا''

اسکے ساتھ ساتھ اگر مندرجہ ذیل دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَاقَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

''اے اللہ! تو مجھے ہدایت سے نواز کر ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما، اور مجھے عافیت بخش کر عافیت یافتہ لوگوں میں شامل فرما، اور میری سرپرستی فرما کر ان لوگوں میں شامل فرما جن کی تو نے سرپرستی فرمائی اور مجھے ان چیزوں میں برکت عطا فرما جو تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں، اور مجھے اس شر سے بچا جس کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے کیونکہ تو ہی فیصلہ فرمانے والا اور تجھ پر کسی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا وہ ہرگز ذلیل نہیں ہوسکتا جس کی تو سرپرستی فرمائے، اور وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا جس کو تو اپنا دشمن قرار دے لے تو بڑی ہی برکت والا ہے۔ اے ہمارے رب اور بہت ہی بلند و برتر اور درود و سلام ہو پیارے نبیؐ پر اور ان کی آل اولاد پر''

دعائے قنوت کا متبادل:

اگر دعائے قنوت یاد نہ ہو تو یہ دعا پڑھے اور دعائے قنوت جلد از جلد یاد کرنے کی کوشش کرے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اگر یہ بھی یاد نہ ہو تو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ تین مرتبہ پڑھے۔ وتر کے بعد یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ

''پاک و برتر ہے بادشاہ حقیقی''

اور اس کے آخر میں یہ الفاظ کہے۔

رَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ

(ابوداؤد، نسائی)

نماز وتر میں قرآن پاک کا کوئی حصہ یا کوئی سورت پڑھنا درست ہے لیکن نبی اکرمؐ سے حضرت ابی ابن کعبؓ ذکر کرتے ہیں کہ آپؐ مندرجہ ذیل سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

پہلی رکعت میں سورۂ الاعلیٰ دوسری رکعت میں سورۂ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص۔

Scanned with CamScanner

قنوت نازلہ

رسول کریمؐ نے دشمنان اسلام کی مخالفت سے نجات پانے ان کا زور توڑنے اور ان کی تباہی کے لئے ایک مہینے تک عشاء کی نماز میں دعا کرتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی ہے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضورؐ نے مسلمان قیدیوں کی نجات اور اہل کفر کی تباہی کے لئے متواتر ایک مہینے تک عشاء کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپؐ نے یہ دعا نہیں پڑھی، تو میں نے حضورؐ سے نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی۔ آپؐ نے فرمایا ابو ہریرہؓ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مسلمان قیدی رہا ہو کر آ گئے ہیں۔

(ابو داؤد)

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جب مسیلمہ کذاب سے جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ تو حضرت ابو بکرؓ نے بھی قنوت نازلہ پڑھی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ سے بھی قنوت نازلہ پڑھنے کی روایات ملتی ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں پر جب کبھی سخت حالات آن پڑیں، دشمن کی ہلاکت خیزیوں کا طوفان امڈ آئے، اور وہ ملت اسلامیہ کو تباہ کرنے کے لئے مظالم اور جنگ مسلط کر دیں، تو اللہ سے ان کی ہلاکت کے لئے قنوت نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔

قنوت نازلہ کے احکام و مسائل:

مسئلہ 1- تمام جہری نمازوں میں اور خاص طور پر فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مسئلہ 2- حدیث میں صرف نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے کا ذکر ہے اور علماء احناف اسی کو ترجیح دیتے ہیں البتہ علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ تمام جہری نمازوں میں پڑھنا جائز ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام تمام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے اکثر علماء اسی کے قائل ہیں اور امام احمد کی رائے بھی یہی ہے۔"

(قنوت نازلہ اور اس کے متعلقہ مسائل از مفتی محمد عنایت اللہ)

مسئلہ 3- اگر قنوت نازلہ امام اور مقتدی دونوں کو یاد ہو تو دونوں آہستہ آہستہ پڑھیں اور اگر مقتدی کو یاد نہ ہو تو امام بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی ہر فقرے پر آمین کہتے جائیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ قنوت نازلہ اونچی آواز میں پڑھتے تھے۔ (بخاری)

مسئلہ 4- نماز وتر کی آخری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام اور مقتدی ہاتھ باندھ لیں دعا کی صورت میں ہاتھ اٹھا کر یا ہاتھ چھوڑ کر پڑھنا بھی حدیث کی رو سے ثابت ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہاتھ باندھ کر پڑھنا مسنون ہے۔ امام قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آواز میں آمین کہتے جائیں۔

مسئلہ 5- اکیلا نماز پڑھنے والا اور خواتین بھی قنوت نازلہ پڑھ سکتی ہیں، قنوت نازلہ یہ ہے۔

دعائے قنوت نازلہ:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ، وَقِنَا شَرَّمَا قَضَيْتَ، اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ، وَانْصُرْنَا عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ، اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاءَكَ۔ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ، وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔

"اے اللہ! تو ہمیں ہدایت سے نواز کر ان لوگوں میں شامل فرما جن کو تو نے ہدایت بخشی ہے، اور ہمیں عافیت بخش کر ان لوگوں میں شامل فرما جن کو تو نے عافیت بخشی ہے اور ہماری سرپرستی فرما کر ان لوگوں میں شامل فرما جن کی تو نے سرپرستی فرمائی ہے، اور ہمیں جو کچھ عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں اس شر سے محفوظ رکھ جس کا تو نے فیصلہ فرما لیا ہے۔ کیونکہ فیصلہ تو ہی فرماتا ہے اور تجھ پر کسی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا، وہ ہرگز ذلیل و خوار نہیں ہو سکتا جس کی تو سرپرستی فرمائے، اور وہ کبھی عزت نہیں پا سکتا، جس کو تو اپنا دشمن قرار دے لے تو بڑا ہی برکت والا

ہے اے ہمارے رب اور بہت ہی بلند و برتر، ہم تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے حضور توبہ کرتے ہیں اور اللہ کی رحمت ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

اے اللہ! ہماری مغفرت فرما۔ مومن مردوں اور مومن عورتوں اور مسلم مردوں اور مسلم عورتوں کی مغفرت فرما ان کے دلوں کو باہم جوڑ دے، ان کے باہمی تعلقات کو درست فرما دے، اور ہماری مدد فرما اپنے دشمنوں اور اہل اسلام کے دشمنوں کے مقابلے میں۔ اے اللہ! تو ان کافروں پر لعنت فرما جو تیری راہ سے روکتے ہیں، جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں، جو تیرے دوستوں سے لڑتے ہیں، اے اللہ! تو ان میں باہم پھوٹ ڈال دے اور اُن کے قدم ڈگمگا دے اور ان پر اپنا عذاب نازل فرما جسے تو مجرموں سے نہیں ٹالتا۔

نفل نمازوں کے احکام ومسائل:

نماز پنجگانہ کے بعد حضورؐ جو نوافل پڑھتے تھے۔ ان کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ مختلف اوقات میں نبی اکرمؐ اور بھی نوافل پڑھتے تھے، اور ان نوافل کی فضیلت بھی آپؐ نے بیان فرمائی ہے۔ اصل میں نوافل قرب خداوندی کا ذریعہ ہیں۔ سوائے اوقات مکروہا کے نوافل ہر وقت ادا کئے جا سکتے ہیں۔ حضور خصوصی طور پر جن نوافل کا اہتمام فرماتے تھے۔ ذیل میں ہم ان کا ذکر کرتے ہیں۔

نماز تہجد:

آنحضورؐ اس نماز کا نہایت اہتمام فرماتے تھے، اور اپنے صحابہؓ کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا.

(بنی اسرائیل 79)

''اور شب کے کچھ حصے میں پس تہجد پڑھا کیجئے یہ آپ کے لئے خدا کا مزید فضل ہے قریب ہے کہ خدا آپ کو (دونوں عالم میں) پسندیدہ مرتبے پر فائز فرمائے گا۔''

دوسرے مقام پر اہل جنت کے متعلق ارشاد ہے۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ

''وہ اس سے پہلے (دنیا کی زندگی میں) احسان کی روش پر تھے۔ وہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے اور سحر کے اوقات میں استغفار کیا کرتے تھے''

سورۂ مزمل میں رات کے اٹھنے پر اس طرح ترغیب دی ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا.

(المزمل 6)

''بلاشبہ شب کا اٹھنا، نفس کو خوب ہی روندنے والا ہے اور نہایت ہی درست ہے اس وقت کا ذکر''

سورہ الفرقان میں خدا کے محبوب بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا

(الفرقان 64)

''اور خدا کے (محبوب بندے) وہ ہیں جو اپنے پروردگار کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں''

تہجد کی فضیلت از روئے احادیث:

احادیث نبویہ میں بھی تہجد کی فضیلت کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام کا بیان ہے کہ میں نے مدینے میں رسولؐ کی زبان سے جو پہلے الفاظ سنے وہ یہ تھے (لوگو! سلام پھیلاؤ لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ رشتوں کو جوڑے رکھو، اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تم رات میں نمازیں پڑھو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گئے۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا۔

''فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی تہجد کی نماز ہے''

(مسلم)

Scanned with CamScanner

ایک اور حدیث میں یوں فرمایا۔

"رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ آسمانوں سے دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کوئی پکارنے والا جو مجھے پکارے، تو میں اس کی پکار سنوں، مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں، مجھ سے گناہوں کی بخشش چاہے تو میں اسے دوں"

(صحیح بخاری)

نماز تہجد کا وقت:

نماز تہجد کا مسنون وقت آدھی رات کے بعد کا وقت ہے۔ آنحضورؐ کا معمول یہ تھا کہ آدھی رات کے بعد یا کبھی اس سے کچھ دیر پہلے نیند سے بیدار ہو جاتے اور سورۃ آل عمران کی کچھ آیتیں تلاوت کرتے، پھر وضو کر کے نماز تہجد شروع کر دیتے۔

نماز تہجد کی رکعتیں:

نبی اکرمؐ کا معمول یہ تھا کہ آپؐ دو دو رکعت کر کے آٹھ رکعت نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ضروری نہیں کہ صرف آٹھ ہی پڑھی جائیں جس قدر کوئی آسانی سے پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔ یہ بڑی فضیلت کی بات ہے۔

نمازِ تراویح

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے مرد جماعت کے ساتھ اور خواتین اکیلے نماز تراویح پڑھ سکتی ہیں۔ نماز تراویح بیس رکعتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح کا انتظام فرمایا تھا۔ بعد کے دور میں بھی حرمین شریفین میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھی جاتی رہی ہے، اور آج کل بھی مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھی جاتی ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک نماز تراویح آٹھ رکعت مسنون ہے۔ ان کے ہاں حضورؐ نے رات کی نماز آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی ہے، اور رمضان المبارک میں بھی آپ رات کو آٹھ رکعت ہی پڑھا کرتے تھے۔

تراویح پڑھنے کا طریقہ:

تراویح پڑھنے کا طریقہ دوسری سنت اور نوافل نمازوں کی طرح ہے نیت باندھ کر دو رکعت ادا کیجئے۔ ہر چار رکعت کے بعد اتنی ہی دیر بیٹھ کر ذکر اور تسبیح کیجئے۔ ان چار رکعت کو ترویحہ کہتے ہیں جس کی جمع تراویح ہے۔

تراویح کا وقت:

نماز تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق تک رہتا ہے۔

فضیلت تراویح:

احادیث میں نماز تراویح کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

"جس نے ایمان اور محض آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے وہ سارے گناہ بخش دے گا جو اس سے پہلے اس سے سرزد ہو چکے ہیں"

(بخاری و مسلم)

چاشت کی نماز:

جب سورج اچھی طرح نکل آئے اور خوب روشنی پھیل جائے تو سورج کے زوال تک نماز چاشت پڑھنا مستحب ہے۔ چار رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہیں، اور چار سے زائد بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ آنحضورؐ سے چار رکعت اور چار سے زیادہ بھی منقول ہیں۔

تَحِيَّةُ الْمَسْجِد:

مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت تحیتہ المسجد پڑھنا مسنون ہے۔ یہ مسجد کے احترام کی نماز ہے کہ آدمی مسجد میں داخل ہوتے ہی اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے نہ بیٹھے"

تحیتہ المسجد دو رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں اور دو سے زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

تحیۃ الوضوء:

وضو کا پانی خشک ہونے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"جو شخص اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پورے خلوص سے پڑھ لے
اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے"

(صحیح مسلم)

غسل کے بعد دو رکعتیں پڑھنا بھی سنت ہے۔

سفر کے نوافل:

گھر سے نکلتے ہوئے دو رکعت نماز پڑھنا اور سفر سے واپس آتے ہوئے گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو رکعت مسجد میں نماز پڑھنا مسنون ہے۔ حضورؐ کا یہ معمول تھا کہ سفر سے واپس آ کر گھر میں تشریف لانے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)
سفر کے دوران اگر کسی جگہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو دو رکعت نماز ادا کر کے ہی قیام کرنا چاہئے۔
(شامی)

صلوۃ اوابین:

یہ نماز مغرب کے بعد پڑھنا مستحب ہے۔ آنحضورؐ سے اس کے پڑھنے کی ترغیب آئی ہے اور آپؐ نے اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ یہ نماز دو دو رکعت کر کے چھ رکعت پڑھنا چاہیے۔

صلوۃ التسبیح:

صلوۃ التسبیح مستحب ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضورؐ نے اس کی چار رکعتیں پڑھیں۔ چنانچہ چاروں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھی جائیں۔

پڑھنے کا طریقہ:

چار رکعت صلوۃ التسبیح کی نیت کر کے ہاتھ باندھ لے اور سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کے بعد پندرہ مرتبہ تسبیح پڑھے۔ تسبیح یہ ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

"پاک و برتر ہے اللہ اور ساری حمد و تعریف اسی کے لئے ہے اور اس کے
سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے"

پھر تعوذ اور تسمیہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھئے اور اقراءت یعنی قرآن مجید کی کچھ آیات پڑھئے اور اس کے بعد دس بار تسبیح پڑھئے۔ پھر رکوع کیجئے اور رکوع کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ تسبیح پڑھئے پھر قومے میں دس بار تسبیح پڑھئے اسی طرح سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلٰی کے بعد دس بار تسبیح پڑھئے پھر سجدے سے اٹھ کر دس بار تسبیح پڑھئے۔ دوسرے سجدے میں بھی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلٰی کے بعد دس بار تسبیح پڑھئے، پھر دوسری تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی اسی طرح تسبیح پڑھئے۔ یعنی ہر رکعت میں پچھتر بار تسبیح اور پوری نماز میں تین سو مرتبہ تسبیح پڑھنی ہوگی۔ تعداد گننے کے لئے انگلیوں کے دبانے سے مدد لے۔ اگر کبھی تسبیح بھول جائیں تو سجدے میں پوری کر لیجئے اور اگر سجدے کی تسبیح بھول جائے تو جلسہ میں پوری نہ کریں بلکہ دوسرے سجدے میں پوری کریں۔

صلوۃ توبہ:

کسی گناہ پر نادم ہو کر اللہ کے حضور معافی مانگنے کے لئے دو نفل پڑھنا مستحب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"کسی بھی مسلمان سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ پاک صاف
ہو کر دو رکعت نماز پڑھے پھر خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہے تو اللہ
اس کے گناہ معاف فرما دیگا۔"

پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ۔

"اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی ان سے کوئی فحش کام سرزد ہو جاتا
ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ
انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں
کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو، اور وہ دیدہ و
دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔"

Scanned with CamScanner

کسوف اور خسوف کی نماز:

کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے [illegible]۔ سورج گرہن اور چاند گرہن [illegible] وقت دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ کسوف کے وقت [illegible]عت سے نماز پڑھنا سنت ہے، اور خسوف کے وقت اکیلے نماز پڑھنا مسنون ہے۔ یہ نماز [illegible] کعت ہے، لیکن لوگوں کو جمع کرنے کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہونی چاہیے۔ [illegible] [illegible]نے کے لئے دوسرے ذرائع مثلاً اعلان وغیرہ اختیار کرنا چاہیے۔ سورج گرہن کی نماز میں امام لمبی لمبی سورتیں تلاوت کرے، اور اسی طرح رکوع اور سجدہ بھی طویل ہونا چاہیے۔ نماز کے بعد امام دعا کرائے اور مقتدی آمین کہتے جائیں۔ اگر اسی دوران کسی فرض نماز کا وقت ہو جائے تو دعا چھوڑ کر فرض نماز ادا کرنی چاہیے۔ اگر سورج گرہن ایسے اوقات میں ہو جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے تو پھر نماز نہ پڑھی جائے بلکہ صرف ذکر اور تسبیح میں مشغول رہا جائے۔ اگر ان ممنوعہ اوقات کے بعد سورج گرہن باقی رہے تو نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ نماز کسوف میں اونچی آواز سے قراءت کرنا مسنون ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

> "سورج اور چاند اللہ کی دو نشانیاں ہیں۔ کسی کے مرنے یا پیدا ہونے سے ان میں گرہن نہیں لگتا جب تم دیکھو کہ ان میں گرہن لگ گیا ہے تو خدا کو پکارو اس سے دعائیں کرو، اور نماز پڑھو۔ یہاں تک کہ سورج اور چاند صاف ہو جائے۔"

(بخاری و مسلم)

کسوف خسوف کے علاوہ ہر آفت و مصیبت رنج و الم، خوف و خطرہ کے اوقات میں دو دو رکعت نوافل پڑھنا مسنون ہے۔ مثلاً طوفان آ جائے سخت بارش ہو، زلزلہ آ جائے۔ وبائی امراض پھیل جائیں فساد اور تباہی آن پڑے دشمن کا خوف و ہراس ہو۔ تو ایسے مواقع پر دو رکعت نوافل اکیلے پڑھنا مسنون ہے۔

صلوۃ حاجت:

انسان ضروریات کا بندہ ہے جو بھی انسان کو ضرورت اور حاجت درپیش ہو۔ مثلاً امتحان میں کامیابی مطلوب ہو یا کسی کے ہاں ملازمت مطلوب ہو، یا کوئی ایسی ضرورت درپیش ہو، جس کا

تعلق خدا یا کسی دوسرے انسان سے ہو تو مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز حاجت پڑھی جائے۔ اللہ کی حمد و ثناء اور درود پاک کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، سبحان اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ ، اَلْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رَضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

(ترمذی، ابن ماجہ)

> "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور بہت ہی کرم فرمانے والا ہے، پاک و برتر ہے خدا عرش عظیم کا مالک، شکر و تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (اے اللہ!) میں تجھ سے ان چیزوں کی بھیک مانگتا ہوں، جو تیری رحمت کو لازم کرتی ہیں اور تیری بخشش و مغفرت کا سبب بنتی ہیں، میں ہر بھلائی میں حصہ کا طالب اور ہر گناہ سے بخشش کا خواستگار ہوں اور کوئی دکھ اور غم دور کئے بغیر نہ چھوڑ، اور میری کوئی حاجت جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو تو پوری کئے بغیر نہ رہنے دے، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے!"

اس دعا کے بعد اپنی ضرورت و حاجت اللہ کے سامنے رکھی جائے۔ حاجت روائی کے لئے یہ نماز مجرب ہے۔ نبی اکرمؐ کے پاس ایک نابینا نے اپنی آنکھوں کی بینائی کے لئے دعا کرنے کی درخواست کی تو آپؐ نے ان کو اس دعا کی تلقین کی، اور ان کو یہ نماز سکھائی۔

(علم الفقہ)

صلوۃِ استخارہ:

معنی و مفہوم:

استخارے کا مفہوم ہے بھلائی چاہنا۔ کسی مسلمان پر جب کوئی ایسا وقت آئے کہ کسی بات کے کرنے یا نہ کرنے میں دماغ پریشانی میں مبتلا ہو، اور یہ معلوم نہ ہو، کہ میرے لئے بھلائی کس چیز میں ہے۔ مثلاً سفر پر روانہ ہوتے وقت، کوئی نیا کاروبار شروع کرتے وقت، کسی سے کوئی

معاملہ یا معاہدہ کرتے وقت، کسی مکان، دکان، زمین جائیداد خریدتے وقت انسان گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو تو، دو رکعت نماز نفل ادا کر کے استخارے کی دعا پڑھنا مسنون ہے۔ پھر دل کا میلان اور طبیعت کا رجحان جس طرح محسوس ہو۔ اسے اختیار کرنے میں کامیابی ہوگی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"استخارہ کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوگا اور مشورہ کرنے والا کبھی پشیمان نہیں ہوگا اور کفایت سے کام لینے والا کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔"

(طبرانی)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"خدا سے استخارہ کرنا اولاد آدم کی سعادت ہے اور قضائے الٰہی پر راضی ہو جانا بھی اولاد آدم کی سعادت ہے، اور اولاد آدم کی بدبختی یہ ہے کہ وہ خدا سے استخارہ نہ کرے اور خدا کی قضا پر خوش نہ ہو"

(طبرانی)

استخارے کا طریقہ:

نماز استخارہ عام نفل نمازوں کی طرح دو رکعت پڑھنی چاہیے۔ پہلے اللہ کی حمد و ثناء پھر نبی کریمؐ پر درود شریف پڑھا جائے۔ پھر دعائے استخارہ پڑھ کر نماز سے فارغ ہو اور قبلہ رو ہو کر سو جائے بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ نماز استخارہ پڑھی جائے اور پھر جس طرف دل مائل ہو وہی پہلو اختیار کیا جائے، اور اسے قضائے الٰہی سمجھا جائے۔

اگر نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو مثلاً جلدی ہو، یا کوئی خاتون حیض و نفاس کی حالت میں ہو تو صرف دعا پڑھنے پر ہی اکتفا کیا جائے۔

دعائے استخارہ:

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ استخارے کی تعلیم اس طرح دیتے تھے۔ جس طرح ہمیں قرآن پاک پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے، اور آپؐ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی کسی اہم معاملے میں فکرمند ہو تو دو رکعت نفل پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ. فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ.

اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعِیْشَتِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ. وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعِیْشَتِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ.

"اے اللہ! میں تجھ سے تیرے علم کی بنیاد پر خیر کا طلبگار ہوں، اور تیری قدرت کے ذریعے تجھ سے تیرے زبردست فضل و کرم کا سوال کرتا ہوں اس لئے کہ تو قدرت والا ہے اور مجھے ذرا قدرت نہیں تو علم والا ہے اور مجھے علم نہیں، اور تو غیب کی ساری باتوں کو خوب جانتا ہے۔"

"اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہے، میرے دین و دنیا کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے تو میرے لیے اسے مقدر فرما، اور میرے لئے اس کو آسان کر اور میرے لئے اس کو مبارک بنا دے اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے، میرے دین و دنیا کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے، تو اس کام کو مجھ سے دور رکھ، اور مجھے اس سے بچائے رکھ، اور میرے لئے خیر اور بھلائی مقدر فرما جہاں کہیں بھی ہو، اور پھر مجھے اس پر راضی اور یکسو فرما دے۔"

مسجد کے احکام و مسائل

ہجرت مدینہ کے فوراً بعد نبی اکرمؐ نے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر شروع کر دی۔ دو یتیم انصاری بچوں سہل اور سہیل کی کچھ زمین آپؐ کی رہائش گاہ کے قریب بیکار پڑی ہوئی تھی۔ آپؐ نے ان سے یہ زمین خرید لی اور تعمیر کا کام نہایت جوش و خروش سے شروع کر دیا۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ خود رسول اللہؐ بھی مزدوروں کے بھیس میں شریک رہے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ان مبارک ہاتھوں کی تعمیر کردہ یہ عمارت چند دنوں میں کھڑی ہوگئی۔ یہ مسجد سادگی اور عقیدت مندی کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔

مسجد مسلمانوں کی دینی سرگرمیوں کا بڑا محور ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ملی شعور اور ان کے اتحاد کا اعلیٰ ذریعہ ہوتی ہے۔ صرف اسلامی امت کے لئے ہی نہیں بلکہ پہلی امتوں کے لئے بھی اللہ نے مسجد کو دینی مرکز قرار دیا تھا۔ سورہ یونس میں ارشاد ہے۔

"اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے کچھ عمارتیں مہیا کرو اور ان عمارتوں کو قبلہ بنا لو اور نماز قائم کرو"

(یونس 87)

Scanned with CamScanner

مسجد کی فضیلت و اہمیت

آنحضورؐ نے مساجد تعمیر کرنے اور ان کو آباد رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

"جس نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مسجد تعمیر کی، اُس کے لیے اللہ جنت میں ایک گھر بنائے گا۔" (ترمذی، بخاری)

اس حدیث کی رو سے مسجد تعمیر کرنا بہت بڑی عبادت ہے لیکن مسجد کی حقیقی آبادی اور رونق تو یہ ہے کہ اس میں اللہ کی عبادت کی جائے۔ نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے اور اس میں ذکر الٰہی کی محفلیں قائم کی جائیں۔

اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو پھر مسجد عام عمارتوں کی طرح ایک عمارت ہی تو ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

"وہ شخص عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوگا، جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو۔" (بخاری)

نماز باجماعت کی اہمیت:

رسول اکرمؐ کا مسجد سے شغف و محبت اور مسجد میں نماز ادا کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ آپؐ مرض الموت میں مبتلا ہیں، طبیعتِ مبارک پر کمزوری اور نقاہت کا شدید غلبہ ہے، لیکن اسی حالت میں دو آدمیوں کے کندھوں کا سہارا لے کر مسجد تشریف لاتے ہیں اور باجماعت نماز ادا فرماتے ہیں۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"اللہ کے نزدیک ان بستیوں میں سب سے زیادہ محبوب جگہ ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ ان بستیوں کے بازار ہیں۔"

مسجد کے ساتھ محبت اور شغف اور مسجد کی خدمت مسلمانوں کا دینی شعار ہے اور جو لوگ یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ وہی لوگ اسلامی معاشرے میں قدر اور عزت کے لائق ہیں۔ اس بارے میں آنحضورؐ کا ارشاد ہے۔

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو مسجد سے شغف ہے اور وہ اس کی دیکھ بھال میں لگا رہتا ہے تو گواہ رہو کہ وہ صاحب ایمان ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ

(التوبہ)

"یعنی خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد رکھتے ہیں جو خدا اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں"

(ترمذی ابن ماجہ)

ایک اور مقام پر اللہ کا ارشاد ہے۔

"اور اس آدمی سے زیادہ ظالم کون ہے۔ جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے منع کرتا ہے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرتا ہے۔" (البقرہ)

آداب مسجد:

1. مسجد میں داخل ہوتے ہوئے پہلے دائیں پاؤں کو اندر رکھنا چاہیے پھر درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

"اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"

(صحیح مسلم)

2. مسجد میں داخل ہونے کے فوراً بعد دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے۔ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے۔

"جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے نہ بیٹھے۔"

(بخاری ومسلم)

3. مسجد میں سکون، عاجزی اور وقار کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔ شور وغل، ہنسی مذاق، دنیوی معاملات پر گفتگو، خرید و فروخت اور تمام دنیاوی باتیں ممنوع ہیں۔

رسول کریمؐ کا ارشاد ہے۔

"ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مسجد میں خالص دنیا کی باتیں کریں گے۔ تم ایسے لوگوں کی بات چیت میں شریک نہ ہونا۔ اللہ ایسے لوگوں کی نماز قبول نہیں کرتا"

Scanned with CamScanner

مسجد کی عظمت و احترام کا یہ بھی تقاضا ہے کہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جانا چاہیے۔ لوگوں کے کندھوں کے اوپر سے کود پھاند کر یا لوگوں کو ہٹا کر آگے جانا یا مسجد میں دوڑنا وغیرہ غلط ہے۔ امام کے ساتھ رکوع ملے یا نہ ملے لیکن نہایت سنجیدگی اور وقار سے دبے پاؤں مسجد میں چلنا بہت ضروری ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

"تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ مسجد میں سکون اختیار کرو"

4- بدبودار چیز مسجد میں لے کر جانا۔ یا بدبو دار چیز کھا کر مسجد میں جانا ممنوع ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"لہسن اور پیاز کھا کر کوئی ہماری مسجد میں نہ آئے۔ اس لئے کہ جس چیز سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔" (بخاری و مسلم)

5- مسجد میں چھوٹے بچوں کو نہیں لے جانا چاہیے۔ جنہیں پیشاب، یا پاخانے کا بالکل شعور نہ ہو۔ اسی طرح کم عقل یا دیوانے لوگوں کو مسجد میں نہیں آنے دینا چاہیے جو پاکی، پلیدی کا ادراک نہ رکھتے ہوں۔

6- مسجد کو گزرگاہ نہیں بنانا چاہیے۔ نہ ہی مسجد سے غفلت کے ساتھ گزر جانا چاہیے۔ کیونکہ یہ مسجد کی بے حرمتی کے مترادف ہے۔

7- گمشدہ چیزوں کے لئے اعلان کرانا آداب مسجد کے منافی ہے۔ آنحضورؐ ایسے اعلانات سے ناراض ہوتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔

لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ ضَالَّتَكَ

"خدا کرے تیری گمشدہ چیز واپس نہ ملے" (بخاری)

8- مسجد سے دلی لگاؤ اور شغف رکھنا مسلمان کا شعار ہے۔ مسلمان کے دل میں ہر وقت مسجد کا دھیان رہنا چاہیے اور ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کے انتظار میں بے قرار رہنا چاہیے حضور کا رشاد ہے۔

"صبح و شام مسجدوں کی طرف جانے والے کے لئے اللہ صبح و شام مہمانی کا سامان کرتا ہے" (بخاری و مسلم)

نیز آپؐ نے فرمایا۔

"جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتا ہے تو اس کے مسجد پہنچنے پر اللہ ایسا خوش ہوتا ہے جیسے کسی مسافر کی سفر سے واپسی پر گھر والے اس سے مل کر خوش ہوتے ہیں" (ابن خزیمہ)

آپؐ کا ارشاد ہے۔

"صبح کے اندھیرے میں جو لوگ مسجد کو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے ساتھ پوری روشنی ہوگی" (طبرانی)

9- مسجد کو پاک و صاف رکھنا اور مسجد میں خوشبو وغیرہ کا اہتمام کرنا مسجد کا حق ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

"مسجد میں صفائی کا انتظام کرنا، مسجد کو پاک صاف رکھنا، مسجد سے کوڑا کرکٹ باہر پھینکنا، مسجد میں خوشبو کا اہتمام کرنا خصوصاً جمعہ کے دن مسجد میں خوشبو کا اہتمام کرنا یہ تمام کام جنت میں لے جانے والے ہیں۔"

(ابن ماجہ، طبرانی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک عورت نبی اکرمؐ کی مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی اچانک اس کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے اس کی موت کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اسے دفن کر دیا اور حضور کو کوئی اطلاع نہ دی۔ اس کو نہ پا کر آپؐ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ وہ عورت مرگئی ہے اور ہم نے اس کو معمولی واقعہ سمجھتے ہوئے اسے دفن کر دیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ کی، پھر آپؐ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اس کے لئے دعا مغفرت فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

"اس خاتون کا سب سے اچھا عمل یہ تھا کہ وہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

10- مسجد میں کلی کرنا، وضو کے بعد مسجد میں ہاتھ جھاڑ کر چھینٹے پھینکنا استعمال شدہ پانی کے قطرے مسجد میں گرانا۔ بدن یا لباس پر لگی ہوئی مٹی کو مسجد کی دیوار یا ستون یا پردے اور چٹائی وغیرہ سے پونچھنا۔ مسجد کے صحن میں وضو کرنا مسجد کی بے ادبی ہے اور سخت مکروہ ہے۔

11- جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں بغیر مجبوری اور بلا ضرورت مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔

Scanned with CamScanner

12- مسجد میں سونا، بیکار بیٹھ کر وقت گزارنا مکروہ ہے البتہ اعتکاف بیٹھنے والوں کا مسجد میں سونا یا لیٹنا جائز ہے۔

13- مسجد میں ایسا لباس پہن کر نہیں جانا چاہیے جس میں ستر کھلا ہوا ہو پورا لباس پہن کر ادب سے جانا چاہیے۔

14- مسجد کا دروازہ بند نہیں کرنا چاہیے البتہ جہاں چوری کا خوف ہو یا مسجد کے سامان اٹھائے جانے کا اندیشہ ہو وہاں دروازہ بند کیا جا سکتا ہے۔ عام حالات میں مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

15- مسجد میں اذان اور جماعت کا باقاعدہ انتظام قائم کرنا چاہیے۔ اذان اور امامت کے لئے ان لوگوں کا انتظام کرنا چاہیے۔ جو نیکی اور اخلاق کے لحاظ سے دوسرے لوگوں سے افضل ہوں اور یہ فریضہ صرف اللہ کی رضاجوئی کے لئے انجام دینے والے ہوں۔

حضورؐ نے حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو ان کے قبیلے کا امام بنایا تو انہیں وصیت فرمائی۔

"تم ان کے امام ہو کمزوروں کا خیال رکھنا اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اذان دینے کا معاوضہ نہ لے"

(ابوداؤد ترمذی)

16- مسجدوں کو آباد رکھا جائے۔ ان میں خدا کی عبادت کی جائے، اور تلاوت قرآن، نوافل اور ذکر خداوندی کا اہتمام کیا جائے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ

(النور:36)

"ان عمارتوں میں جن کی نسبت خدا کا یہ حکم ہے کہ ان کو اونچا اٹھایا جائے اور ان میں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے"

آنحضورؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

"اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت میں لگا ہوا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔"

(جامع ترمذی)

یہ بات واضح رہے کہ مسجدوں کے آباد کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے خوب رنگ و روغن سے آراستہ کیا جائے اور نقش و نگار سے سجایا جائے مسجد کی آبادی کا مطلب ان میں خدا کی

عبادت کے ساتھ سعادت حاصل کرنا اور ذکر تلاوت میں مصروف رہنا ہی ہے حضرت ابن عباسؓ لوگوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی مسجدوں کی سجاوٹ و آرائش اسی طرح کرنے لگو گے۔ جس طرح یہود نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کی آرائش کرتے ہیں (لیکن ان میں اللہ کی عبادت نہیں کرتے)

17- مسجد سے نکلتے ہوئے۔ پہلے بایاں پاؤں باہر رکھنا چاہیے اور یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل و کرم کا طلبگار ہوں۔

(ابوداؤد)

18- مسجد کی چھت پر پیشاب پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے اگر کوئی اپنے گھر میں مسجد بنائے تو مسجد کے احکام صرف اسی حصے پر نافذ ہونگے، جو نماز کے لئے مخصوص کیا گیا ہے نماز عید یا نماز جنازہ کے لئے مخصوص مقامات مسجد کے حکم میں داخل نہیں۔

19- مسجد میں بیٹھ کر کوئی پیشہ ور اپنا کام نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی شخص مسجد کی حفاظت کے لئے مقرر ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ مسجد کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنی مزدوری کا کام کرے۔ مثلاً کپڑوں کی سلائی کا کام کرے یا کوئی کاتب کتابت کا کام کرے۔

جماعت کے احکام و مسائل

جماعت کی فضیلت و اہمیت:

قرآن و سنت سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ قرآن پاک میں یہ ہدایت ہے۔

وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ.

(البقرہ:43)

"اور تم رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس سے نماز با جماعت ادا کرنے کی تاکید واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے۔

نماز باجماعت کی ادائیگی کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کے میدان میں بھی باجماعت نماز ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ بلکہ جماعت کا طریقہ کار بھی بتایا گیا ہے۔

Scanned with CamScanner

وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَکَ وَ لۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡا حِذۡرَهُمۡ وَاَسۡلِحَتَهُمۡ

(النساء:102)

"اور (اے نبیؐ!) جب آپؐ مسلمانوں کے درمیان ہوں اور (حالت جنگ) میں انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہوں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو اور اسلحہ لئے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ ادا کرے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آکر آپؐ کے ساتھ نماز پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنے اسلحہ لئے رہے۔"

جماعت کی تاکید وفضیلت اور برکت سے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کچھ بیان فرمایا ہے، اس کی اہمیت اور برکتوں کا تذکرہ کر کے آپؐ نے اس کی ترغیب بھی دی ہے اور اس کے ترک کرنے پر لرزہ خیز وعیدیں بھی سنائی ہیں۔

احادیث میں جماعت کی تاکید:

رسول پاکؐ نے ارشاد فرمایا۔

"منافقوں پر کوئی نماز فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ بھاری نہیں ہے اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں نمازوں کا ثواب کیا ہے تو وہ ان نمازوں کے لئے ہر حال میں حاضر ہوتے۔ چاہے انہیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا۔"

پھر آپؐ نے فرمایا۔

"میرا جی چاہتا ہے کہ کسی مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لئے اقامت کہے اور کسی کو حکم دوں کہ وہ میری جگہ امامت کرے اور میں خود آگ کے شعلے لے کر ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں اور ان لوگوں کو جلا دوں جو اذان سننے کے بعد بھی گھروں سے نہیں نکلتے۔"

(بخاری ومسلم)

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"نماز با جماعت پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے"

(بخاری ومسلم)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

"جو شخص چالیس دن تک ہر نماز پابندی سے جماعت کے ساتھ اس طرح ادا کرے کہ اسکی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو تو اس کے لئے دو برأتوں کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے ایک تو جہنم کی آگ سے برأت اور دوسرے منافقت سے برأت (یعنی نہ تو اسے جہنم کا عذاب ہوگا اور نہ ہی وہ کبھی منافقت میں مبتلا ہوگا۔) (جامع ترمذی)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا۔

"ان لوگوں کو یہ خوش خبری سنا دو جو اندھیری راتوں میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو کامل روشنی نصیب ہوگی۔" (ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے۔ کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

"جو شخص آذان سننے کے بعد جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے نہ آئے اور اس کو کوئی عذر بھی نہ ہو تو اسکی وہ نماز قبول نہیں جو اس نے اکیلے پڑھی ہے صحابہؓ نے پوچھا عذر سے کیا مراد ہے نبی اکرمؐ نے فرمایا خوف ہو یا بیماری۔" (ابوداود)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ مرض الموت میں رسول اکرمؐ نے ایک دن ارشاد فرمایا۔ ابو بکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضورؐ سے کہا کہ ابوبکرؓ بہت ہی نرم دل آدمی ہیں آپؐ کی جگہ پر کھڑے ہونگے تو اپنے آپ کو نہ سنبھال سکیں گے۔ کچھ بحث کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے کہا گیا کہ وہ نماز پڑھائیں چنانچہ وہ نماز پڑھانے کے لئے آگئے بڑھے۔ اسی دوران آنحضورؐ کو کچھ افاقہ محسوس ہوا۔ تو آپؐ دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں چلے۔ حضورؐ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹتے ہوئے جارہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ لیکن آنحضورؐ نے منع فرمایا اور انہیں سے نماز پڑھوائی۔ (صحیح بخاری)

Scanned with CamScanner

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اتنی سخت مرض کے باوجود حضورؐ نے مسجد میں نماز پڑھنے کو ترجیح دی۔

جماعت کا حکم:

1- نماز چاہے کہیں ادا کی جائے۔ مثلاً گھر یا جنگل صحرا وغیرہ میں تو پانچ فرض نمازوں کے لئے جماعت واجب ہے۔ گھر میں نماز کے لئے جماعت کرانا جائز تو ہے لیکن مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے۔

2- عید اور جمعہ کی نماز جماعت کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی۔

3- نماز تراویح با جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

4- سورج گرہن کی نماز با جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

5- ماہ رمضان میں وتر کی نماز با جماعت مستحب ہے۔

6- چاند گرہن میں با جماعت نماز مکروہ تحریمی ہے۔

7- عام نوافل نمازیں بھی جماعت کے ساتھ مکروہ ہیں۔

اگر اذان و اقامت کے بغیر کچھ آدمی نفل نماز با جماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

وجوب جماعت کی شرطیں:

وجوب جماعت کی چار شرائط ہیں۔

1- مردوں کے لئے جماعت واجب ہے۔ خواتین کا جماعت سے نماز ادا کرنا واجب نہیں۔

2- بالغ مردوں پر جماعت واجب ہے۔ بچوں پر واجب نہیں۔

3- دیوانہ، بے ہوش اور مدہوش آدمی پر جماعت واجب نہیں۔

4- جن عذروں میں جماعت ترک کرنے کی اجازت ہے جن کا ذکر ہم آگے کر رہے ہیں ان کی موجودگی میں جماعت واجب نہیں۔

جماعت چھوڑنے کے عذر:

چار قسم کے عذر ایسے ہیں جن کے ہوتے ہوئے جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے۔ افضل یہی ہے کہ ان عذروں کے باوجود نماز باجماعت ادا کی جائے۔

1- نمازی مسجد تک جا نہ سکتا ہو۔ مثلاً چلنے پھرنے کی طاقت نہ ہو۔ ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو یا لنگڑا، نابینا، پاؤں کٹا ہوا ہو۔

2- مسجد جانے میں سخت تکلیف ہوتی ہو۔ یا بیمار پڑنے کا خطرہ ہو۔ مثال کے طور پر اندھیرے کی وجہ سے راستہ دکھائی نہ دیتا ہو، رات کا وقت ہو اور سخت آندھی چل رہی ہو، طوفانی بارش ہو رہی ہو، اتنا اندھیرا ہو کہ راستہ دکھائی نہ دے۔ مسجد کا راستہ کیچڑ سے پر ہو۔ ریل یا بس کے چلے جانے کا قوی امکان ہو، دوسری سواری کے انتظار میں سخت نقصان کا اندیشہ ہو کسی مریض کی دیکھ بھال میں مصروف ہوا اور یہ پتہ ہو کہ اس کی غیر حاضری میں مریض کو شدید تکلیف ہوگی۔

3- جان و مال کے سخت خطرے کی صورت میں جماعت چھوڑنے کی اجازت ہے۔ مثلاً مسجد جانے میں کوئی درندہ یا سانپ وغیرہ حائل ہو، دشمن گھات میں ہو، گھر میں چوری یا ڈاکے کا خطرہ ہو یا راستے میں چور ڈاکو موجود ہوں۔

4- کوئی انسانی ضرورت ایسی درپیش ہو جسے پورا کئے بغیر نماز میں دلی اطمینان حاصل نہ ہو سکے مثلاً سخت بھوک لگی ہو اور کھانا سامنے آچکا ہو یا پیشاب پاخانے کی شدید ضرورت ہو۔

صفیں درست کرنے کے مسائل:

1- صفوں کا سیدھا اور برابر رکھنا نماز باجماعت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ حضور اکرمؐ کا فرمان ہے۔

”نماز میں اپنی صفیں سیدھی اور برابر رکھا کرو کیونکہ صفوں کو سیدھا اور برابر رکھنا نماز پڑھنے کا جزو ہے۔“

(بخاری و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں۔

”کہ حضورؐ ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے تھے۔ کہ گویا آپؐ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کریں گے۔“

یہاں تک کہ آپ کو خیال ہوا کہ ہم آپ کی یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہیں پھر ایک دن آپؐ باہر تشریف لائے۔ اور نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تکبیر کہنا ہی چاہتے تھے کہ ایک شخص پر آپؐ کی نظر پڑی۔ اس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔

Scanned with CamScanner

"اللہ کے بندو اپنی صفوں کو سیدھا اور برابر کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے بدلے میں اللہ تمہارے منہ ایک دوسرے سے پھیر دے۔"

2- اگلی صفوں کو پہلے درست کرنا چاہیے۔

3- امام کے قریب علم و بصیرت اور فہم و فراست رکھنے والے لوگ کھڑے ہوں پھر جو لوگ ان سے عقل میں قریب تر ہوں پھر جو دانش میں ان سے قریب ہوں۔

4- پہلی صفیں مردوں کی ہونی چاہئیں پھر بچوں کی پھر خواتین کی۔

5- نمازی امام کے پیچھے اس طرح کھڑے ہوں کہ امام بالکل درمیان میں ہو۔

6- ایک مقتدی ہونے کی صورت میں امام کے دائیں طرف تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا چاہیے۔امام کے بائیں جانب یا پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

7- مقتدی اگر زیادہ ہوں تو امام کا آگے کھڑا ہونا واجب ہے۔ اگر مقتدی دائیں بائیں جانب کھڑے ہوں یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی)

8- ابتداء میں اگر صرف ایک مقتدی تھا بعد میں دوسرے مقتدی بھی شامل ہو گئے تو انہیں چاہیے کہ برابر کھڑے ہونے والے مقتدی کو پیچھے کھینچ لیں یا امام آگے کھڑا ہو جائے تا کہ مقتدی پیچھے صف بنا لیں۔

9- بعد میں آنے والا مقتدی پیچھے اکیلا نہ کھڑا ہو بلکہ اگلی صف میں سے کسی کو اپنے ساتھ ملا لے۔

10- اگلی صف میں جگہ ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص پچھلی صف میں کھڑا ہو جائے تو یہ مکروہ ہے۔

خواتین کی جماعت کے مسائل:

مسئلہ 1- صرف خواتین کی جماعت جس میں کوئی مرد نہ ہو مکروہ ہے۔ حضرت ورقہ بنت نوفلؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولؐ ان کے گھر تشریف لاتے تھے حضورؐ نے ان کے لئے ایک مؤذن بھی مقرر فرمایا تھا جو ان کی نماز کے لئے اذان دیا کرتا تھا اور وہ اپنے گھر والوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ (ابوداؤد)

مسئلہ 2- مرد صرف خواتین کی امامت کرا سکتا ہے بشرطیکہ مقتدیوں میں کوئی ایک مرد موجود ہو یا اس کی کوئی محرم عورت موجود ہو۔ مثلاً ماں، بہن، بیوی، بیٹی اگر ایسا نہ ہو تو صرف خواتین کی امامت کرانا مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ 3- اگر مقتدی صرف ایک خاتون ہو تو اسے امام کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ برابر میں کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔

سترہ کے مسائل:

سترہ اس آڑ کو کہتے ہیں جو نماز پڑھنے والے کو چاہے وہ امام ہو یا اکیلا اپنے سامنے رکھنا چاہیے تا کہ اس کی نماز میں خلل واقع نہ ہو۔

1- اگر یہ اندیشہ ہو کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے لوگ گزریں گے تو مستحب یہ ہے کہ کوئی لکڑی وغیرہ جو ایک انگلی کے برابر موٹی اور ایک گز کے برابر اونچی ہو۔ اپنے سامنے کھڑی کرنی چاہیے۔

2- نمازی کے سامنے سے گزرنا گناہ ہے۔ البتہ اگر سترہ موجود ہو تو کوئی گناہ نہیں۔

3- امام کے سامنے اگر سترہ موجود ہو تو سارے مقتدیوں کے لئے یہی کافی ہے۔

جماعت کے احکام و مسائل:

مسئلہ 1- قریب کی مسجد میں جماعت ہو چکنے کی صورت میں دوسری مسجد میں جماعت حاصل کرنے کی کوشش مستحب ہے۔ اگر گھر والوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھنا چاہے تو یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ 2- امام اور مقتدیوں کا مقام ایک ہونا جماعت کے لئے ضروری ہے۔ چاہے حقیقتاً ایسا ہو۔ مثلاً ایک مسجد میں یا ایک چار دیواری میں یا حکماً ایسا ہو مثلاً امام مسجد میں ہو اور مقتدی سڑک پر ہوں لیکن درمیان میں صفیں مسلسل ہوں۔

مسئلہ 3- امام مسجد کے اندر ہو اور مقتدی مسجد کی چھت پر یا اپنے گھر کی چھت پر ہوں۔ لیکن درمیان میں دو صفوں کی جگہ خالی نہ ہو تو جماعت درست ہوگی۔

مسئلہ 4- کوئی آدمی نماز پڑھ چکا ہو پھر دیکھے کہ جماعت ہو رہی ہے تو سوائے فجر، عصر اور مغرب کی نماز کے اسے جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے فجر اور عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور مغرب میں اس لئے شامل نہیں ہو سکتا کہ نوافل تین رکعت نہیں ہوتے۔

مسئلہ 5- اگر نماز با جماعت ہونے لگے اور وہی نماز کوئی شخص اکیلا پڑھ رہا ہو تو اسے جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔ البتہ فجر کی نماز میں دوسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یا فجر کے

Scanned with CamScanner

علاوہ دوسری نمازوں میں تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد اکیلے ہی نماز پوری کر لینی چاہیے۔ نماز پوری کرنے کے بعد اگر جماعت کا کچھ حصہ مل جائے تو شامل ہو جانا چاہیے۔

مسئلہ 6۔اگر کوئی شخص نماز ظہر یا نماز جمعہ کی چار رکعت سنت شروع کر چکا ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو دو سنت پڑھ کر ہی سلام پھیر دے بعد میں سنتوں کو پورا کرے۔

مسئلہ 7۔فرضوں کی جماعت کھڑی ہو جانے پر سنتیں نہیں پڑھنی چاہئیں فجر کی سنتوں میں اگر ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو یہ سنتیں پڑھ لینی چاہئیں ورنہ نہیں۔

مسئلہ 8۔فرضوں کی جماعت کھڑی ہو جانے کی صورت میں نفل نماز کو مختصر کر دینا چاہیے، اور دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دینا چاہیے۔

مسئلہ 9۔اگر فرض با جماعت ہو رہے ہوں تو اس وقت سنتیں مسجد سے علیحدہ جگہ میں پڑھی جائیں اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے اور سنتیں بعد میں پڑھ لینی چاہئیں۔ جماعت کے قائم ہونے کے بعد سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ 10۔اگر مسجد میں جماعت ملنے کی امید نہ ہو تو بھی نماز مسجد میں پڑھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کے برابر ثواب دینے والا ہے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد پاک ہے۔

> ''جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا۔ پھر وہ مسجد میں گیا وہاں پہنچا تو دیکھا جماعت ہو چکی ہے تو خدا اس بندے کو بھی ان لوگوں کی طرح جماعت کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور جماعت سے نماز ادا کی اور اس سے ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ ہو گی''

(ابوداؤد نسائی)

مسئلہ 11۔جماعت میں اگر امام کے ساتھ رکوع میں مل جائے تو پوری رکعت مل جاتی ہے۔ رکوع نہ مل سکے تو وہ رکعت ضائع ہوتی ہے۔

مسئلہ 12۔جمعہ کی نماز کے سوا دوسری نمازوں میں اگر ایک بھی مقتدی مل جائے تو نماز با جماعت درست ہو جاتی ہے۔ جمعہ کے لئے امام کے علاوہ دو مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے۔

دوسری جماعت کا حکم:

مسجد میں اگر جماعت ہو جائے اور کچھ لوگ بعد میں دوسری جماعت کرانا چاہیں تو یہ دوسری جماعت بھی جائز ہے۔

اگر کوئی مسجد عام راستے پر واقع ہے۔جس میں نہ کوئی امام اور نہ کوئی موذن مقرر ہے تو ایسی مسجد میں دوسری جماعت کرنا جائز ہے۔اگر پہلی جماعت اذان اور اقامت کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہو تو بھی دوسری جماعت جائز ہے۔

اگر مسجد میں جماعت سے نماز ان لوگوں نے پڑھی ہو جو اہل محلہ نہ ہوں، نہ مسجد کے معاملات سے انکا کوئی تعلق ہے، تو اس صورت میں بھی جماعت ثانیہ بالکل جائز ہے۔

اگر پہلی جماعت ایک جگہ پڑھی گئی ہو اور دوسری جماعت اس جگہ سے ہٹ کر پڑھی جائے تو جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کسی مسجد میں پابندی کے ساتھ دوسری جماعت کا اہتمام نہ کیا جائے۔

اگر مندرجہ بالا حالات و شرائط موجود نہ ہوں اور دوسری جماعت کے لئے مقام بھی نہ بدلا جائے، اور اسی جگہ جماعت قائم کی جائے۔ جہاں پہلی جماعت قائم کی گئی تھی تو یہ دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہوگی۔

امامت کے احکام و مسائل

امام کون ہونا چاہیے:

امامت بڑی اہم ذمہ داری اور اعلیٰ دینی منصب ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ پیغمبر کی جانشینی کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا امام ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہیے جو مجموعی طور پر تمام نمازیوں سے افضل ہو۔ جس میں امامت کے ساتھ ساتھ دینی قیادت کے اوصاف بھی موجود ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ نے، جب آپؐ مرض کی وجہ سے امامت کرانے سے معذور تھے حضرت ابو بکرؓ کو اپنا نائب منتخب کیا۔ جو اس وقت تمام صحابہ میں بلند ترین مقام رکھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے تین بار عذر پیش کیا کہ میرے والد نہایت نرم دل ہیں وہ رسول اکرمؐ کے بغیر اپنے آپ کو سنبھال نہ سکیں گے لیکن رسول اکرمؐ نے یہ عذر قبول نہ کیا اور بالآخر حضرت ابو بکرؓ کو صحابہؓ کی امامت کرانی پڑی۔

دراصل امامت اللہ کی بارگاہ میں مسلمانوں کی نمائندگی کا منصب ہے اور اس پر اسی آدمی کو فائز ہونا چاہیے جس کی شخصیت تمام لوگوں سے افضل ہو۔

رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد اس بارے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

"مسلمانوں کا امام وہ شخص بنے جو ان میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کرائے جو سنتؐ اور شریعت کا زیادہ جاننے والا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو اگر اس میں بھی سب یکساں ہوں تو پھر وہ جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔"

(صحیح مسلم بحوالہ ابی مسعودؓ)

سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والا وہی ہے جو قرآن کا حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کی تلاوت اچھی طرح کر سکتا ہو جسے قرآن سے محبت ہو، اور جو قرآن کی دعوت اور فکر کو اپنانے والا ہو دوسرے نمبر پر اس شخص کو امام بنایا جائے جو دین کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہو اور ہجرت میں مقدم وہ شخص ہو سکتا ہے یا ہجرت میں مقدم ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو شخص دین کے لئے ایثار و قربانی کرنے میں پیش پیش رہتا ہو۔ ان تینوں کے بعد امامت کے لائق وہ ہے جو عمر میں بڑا ہو یعنی جو لوگوں کے نزدیک قابل احترام آدمی ہو۔

امامت کے مسائل:

مسئلہ 1- عورت مردوں کی امامت نہیں کروا سکتی۔ ارشاد نبوی ہے۔

"کوئی خاتون کسی مرد کی امامت نہ کرائے"

(ابن ماجہ بروایت حضرت جابرؓ)

مسئلہ 2- خاتون امامت کرائے تو وہ مقتدیوں کے درمیان میں کھڑی ہو۔ چاہے مقتدی ایک ہو یا ایک سے زائد۔

مسئلہ 3- امام کو چاہیے کہ وہ مقتدیوں کی کمزوریوں کا خیال کرتے ہوئے مختصر قرأت کرے لمبی لمبی سورتیں پڑھنا یا طویل رکوع اور سجدے کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے۔

"جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تو اسے چاہیے مختصر نماز پڑھائے اس لئے کہ مقتدیوں میں مریض بھی ہوتے ہیں کمزور اور بوڑھے بھی، البتہ جب کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی چاہے لمبی قرأت کرے۔"

(بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ آنحضورؐ کو معلوم ہوا کہ حضرت معاذؓ عشاء کی نماز میں لمبی سورتیں پڑھتے ہیں آپؐ ان پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا۔

"معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔" اور ان کو ہدایت فرمائی کہ سورۃ والشمس، واللیل والضحیٰ سبح اسم جیسی چھوٹی سورتیں پڑھا کرو۔ (بخاری و مسلم)

اپنے بارے میں رسول اکرمؐ یہ فرمایا کرتے تھے۔

"میں نماز پڑھانا شروع کرتا ہوں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھاؤں پھر میرے کان میں کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بچے کے رونے سے ماں کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔" (بخاری)

مسئلہ 4- اگر مقتدیوں کی تعداد زیادہ ہو تو ان تک تکبیر کی آواز پہنچانے کے لئے مکبر مقرر کرنا جائز ہے، جو مقتدیوں تک امام کی تکبیر پہنچائے اور مقتدی نماز کے ارکان ادا کریں۔

مسئلہ 5- بدکردار، بدعتی اور فاسق شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اگر ایسے لوگوں کے علاوہ کوئی اور امام نہ ملے تو پھر ان کی امامت جائز ہے۔

مسئلہ 6- ایسے بیمار شخص کو امام بنانا مکروہ ہے۔ جس کی بیماری سے لوگ نفرت کرتے ہوں۔ مثلاً کوڑھی یا برص کا مریض۔ اسی طرح کوئی خوبصورت شخص جس کی ابھی داڑھی نہ آئی ہو کا امام بنانا مکروہ ہے۔

مسئلہ 7- جس شخص کی امامت پر لوگ راضی نہ ہوں اس کا امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ 8- جس مسجد میں کوئی امام مقرر ہو۔ تو امامت کرانے کا مستحق وہی ہے اگر کسی گھر میں نماز پڑھی جا رہی ہو تو امامت کا مستحق گھر کا مالک ہے اگر یہ دونوں آدمی از خود کسی دوسرے کو امامت سونپ دیں تو پھر وہ آدمی امامت کرا سکتا ہے۔

مسئلہ 9- اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہو جائے۔ چاہے نماز کے دوران معلوم ہو جائے یا نماز کے بعد معلوم ہو تو تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ نماز کے بعد معلوم ہونے کی صورت میں امام کو بتا دینا چاہیے تاکہ مقتدی دوبارہ نماز ادا کر سکیں۔

مسئلہ 10- امام کو چاہیے کو صفیں درست کرائے اور صفوں کے درمیان خلا نہ رہنے دے۔

مسئلہ 11- صرف خواتین کی امامت مرد کرا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی ایک مرد اس جماعت میں شریک ہو یا امام کی کوئی محرم عورت اس میں شریک ہو۔

مسئلہ 12- اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو اور اسکے پیچھے کوئی مقتدی آ کر کھڑا ہو جائے تو پھر اسے بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ شخص سورۂ فاتحہ یا اس کے بعد کوئی سورت پڑھ چکا ہے تو دوبارہ ان کی بلند آواز سے تلاوت کرنی چاہیے۔ کیونکہ جہری نمازوں میں امام کے لئے اونچی آواز میں قراءت کرنا لازمی ہے لیکن سوۂ فاتحہ دوبارہ پڑھنے سے اسے سجدہ سہو کرنا لازم ہوگا۔

مسئلہ 13- امام چاہے کسی بھی فقہی مسلک سے تعلق رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اس کے اپنے مسلک کے مطابق اگر اس کی نماز درست ہو جائے تو سارے مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی۔

امامت بذریعہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر:

اگر کسی شخص کی آواز ٹیپ ریکارڈر میں ریکارڈ کر کے یا گراموفون کے ذریعہ آواز محفوظ کر کے اس کی امامت میں نماز ادا کی جائے تو یہ نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر ریڈیو پر کوئی شخص امامت کرا رہا ہے تو اس کی اقتداء میں بھی نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح امامت کی اصل روح ختم ہو جاتی ہے اس قسم کے مشینی آلات امام کی شخصیت کا بدل نہیں ہو سکتے لہٰذا مشینی امامت اسلام کی روح کے بالکل خلاف ہے۔

(رسائل و مسائل مولانا مودودی)

مقتدی کے احکام و مسائل:

مسئلہ 1- مقتدی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کی نیت کرے۔ اس نیت کے بغیر مقتدی کی نماز منعقد نہیں ہوسکتی۔ یاد رہے کہ نیت دماغ کا فعل ہے زبان سے الفاظ دوہرانا ضروری نہیں۔

مسئلہ 2- مقتدی کا امام کے پیچھے یا اگر ایک مقتدی ہو تو امام کے برابر کھڑا ہونا ضروری ہے اگر مقتدی امام کے آگے نکل جائے یعنی اس کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہو جائے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

مسئلہ 3- امام کی اتباع مقتدی کے لئے واجب ہے یہ پابندی فرض اور واجب نمازوں میں ہے سنت نمازوں میں نہیں۔ اگر امام شافعی کا مسلک رکھتا ہو اور رکوع میں جاتے اور اٹھتے ہوئے

رفع یدین کرتا ہو تو حنفی مسلک کے مقتدی کے لئے امام کی اتباع واجب نہیں، اسی طرح شافعی مسلک کا امام فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی کے لئے قنوت پڑھنا ضروری نہیں لیکن وتر کی نماز میں اگر امام رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی کو بھی رکوع کے بعد دعا پڑھنا لازم ہوگا۔ کیونکہ وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ 4- اگر پہلی صف میں جگہ موجود ہے تو دوسری صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح صف میں اکیلے کھڑے ہونا بھی مکروہ ہے۔ اگر ایسی صورت پیش آئے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ اگلی صف سے کسی مقتدی کو اپنی طرف کھینچ لے۔ لیکن سختی نہ کرے اگر کوئی مقتدی اس کے ساتھ آنے کے لئے تیار نہ ہو تو مجبوراً تنہا کھڑا ہو جائے۔ حضرت وا بصہؓ بن معبد کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھتے دیکھا تو آپؐ نے اُسے حکم دیا کہ وہ نماز دوہرائے۔ (ترمذی ابوداؤد)

مسئلہ 5- مقتدی کا نماز کے تمام ارکان میں امام کے ساتھ شریک رہنا ضروری ہے کوئی ایک رکن بھی اگر امام کے ساتھ ترک ہو جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ مثلاً امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا اور مقتدی نے بعد میں رکوع کیا یا رکوع نہیں کیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ البتہ اس قدر سہولت موجود ہے کہ امام سے کچھ دیر بعد رکوع میں جائے یا کچھ پہلے چلا جائے اور پھر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے تو نماز درست ہوگی۔

مقتدی کی اقسام:

مقتدی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(الف) مدرک (ب) مسبوق (ج) لاحق

مدرک:

وہ مقتدی ہے جو شروع سے آخر تک امام کے ساتھ نماز میں شریک رہے۔

مسبوق:

وہ مقتدی ہے جو ایک رکعت یا ایک سے زائد رکعتیں مکمل ہو جانے کے بعد نماز میں شریک ہو۔

Scanned with CamScanner

لاحق:

یہ وہ مقتدی ہے جو شروع میں امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا، لیکن وضو ٹوٹ جانے یا نیند آ جانے کی وجہ سے اس کی ایک دو رکعتیں ضائع ہوگئیں۔ یا غیر معمولی بھیڑ کی وجہ سے اس کے رکوع وسجود ادا نہ ہو سکے۔ یہ مقتدی لاحق کہلائے گا۔

مسبوق مقتدی کے مسائل:

مسبوق کو چاہیے کہ وہ جو رکعتیں امام کے ساتھ مل سکیں انہیں ادا کرے جب امام نماز پوری کر چکے تو یہ سلام نہ پھیرے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں اکیلے نماز پڑھنے والے کی طرح ادا کرے۔ یعنی قراءت والی رکعتیں پڑھے پھر بغیر قراءت والی رکعتیں پڑھے۔ اور جو رکعتیں امام کے ساتھ مل گئیں ان کے حساب سے قعدہ میں بیٹھے مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ظہر کی نماز میں شریک ہوا ہے اور امام کے ساتھ صرف ایک رکعت پڑھی ہے تو رہ جانے والی رکعتوں کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ پہلی رکعت میں فاتحہ کے ساتھ قرآن کی سورت پڑھے گا، پھر پہلا قعدہ کرے گا۔ کیونکہ یہ پوری نماز کے حساب سے دوسری رکعت بنتی ہے پھر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ قرآن ملا کر پڑھے گا لیکن قعدہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کی تیسری رکعت ہے پھر تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ اور آخری قعدہ بیٹھ کر سلام پھیر دے۔

لاحق کے مسائل:

لاحق مقتدی کو امام کے ساتھ رہ جانے والی رکعتیں پہلے پڑھنا ہونگی۔ ان رکعتوں میں وہ نماز اس طرح ادا کرے گا کہ قراءت نہ کرے گا۔ بلکہ وہ خاموش کھڑا رہے گا اگر اس پر سجدہ سہو واجب ہو تو وہ بھی نہیں کرے گا جب یہ چھوٹی ہوئی رکعتیں مکمل کر چکے تو جماعت میں شریک ہو جائے اور باقی نماز امام کے ساتھ پوری کرے۔ اگر اس دوران امام نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ مقتدی اپنی نماز علیحدہ پوری کرے مثال کے طور پر ایک شخص جماعت میں شریک ہوا لیکن ایک رکعت کے بعد اس کا وضو ٹوٹ گیا، اب اس نے خاموشی سے جا کر وضو کیا تو اس دوران امام نے ایک رکعت نماز ادا کر لی تو لاحق کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے وہ چھوٹی ہوئی رکعت ادا کرے۔ جس طرح مقتدی ادا کرتا ہے یعنی قراءت وغیرہ نہ کرے۔ پھر اگر اسی عرصے میں امام جماعت سے فارغ ہوگیا تو یہ اپنی باقی رکعتیں علیحدہ ادا کرے گا۔

قراءت کے احکام ومسائل

مسئلہ 1- قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا نماز میں واجب ہے۔ صحیح تلفظ سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہر لفظ صحیح طریقے سے ادا ہوا، اور ہر ایک حرف واضح طور پر ادا کیا جائے۔ قرآن مجید کی قراءت میں لا پرواہی برتنا یا ارادتاً غلط پڑھنا گناہ ہے۔ اگر کوشش کے باوجود کوئی لفظ ٹھیک طریقے سے ادا نہیں ہوتا تو یہ مجبوری ہے۔

مسئلہ 2- فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں سوۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی کچھ مقدار پڑھنا واجب ہے۔ یعنی کوئی سورت یا بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں۔ سنت، نفل یا وتروں میں ہر رکعت میں قرآن مجید کی کچھ مقدار پڑھنا واجب ہے۔ البتہ فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت نہ ملانی چاہیے۔

مسئلہ 3- فرض، واجب، سنت اور نفل نمازوں میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ 4- قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھنے سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر سورۂ فاتحہ بعد میں پڑھی تو واجب کی ادائیگی نہ ہوگی۔ مغرب، عشاء، فجر، جمعہ اور عیدین میں اونچی آواز سے قراءت کرنا واجب ہے۔ یہ نمازیں جہری کہلاتی ہیں۔

مسئلہ 5- وتر کی نماز میں بھی امام کو بلند آواز میں قراءت کرنا واجب ہے۔ ان تمام نمازوں میں آہستہ قراءت کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ اگر ارادتاً قراءت آہستہ کی تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔

مسئلہ 6- ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت آہستہ کرنا واجب ہے۔ یہ دونوں نمازیں سری کہلاتی ہیں۔ وتر کی نماز میں منفرد کے لئے بھی آہستہ قراءت کرنا واجب ہے۔

مسئلہ 7- فجر، مغرب، عشاء کی نمازوں میں اکیلے آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ بلند آواز سے قراءت کرے۔

مسئلہ 8- اگر فجر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قضا پڑھی جائیں تو بھی امام بلند آواز سے قراءت کرے۔

مسئلہ 9- پہلی رکعت میں پڑھی جانے والی سورت یا آیت دوسری رکعت میں بھی پڑھنا جائز ہے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ 10-نماز میں زبان سے قراءت کرنا لازمی ہے اگر صرف دل میں خیال کرے تو قراءت نہ ہوگی ، اور نماز باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ 11-رکوع میں جانے سے پہلے قراءت ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر قراءت کا کچھ حصہ رکوع میں پورا کیا تو مکروہ تحریمی ہوگا۔

مسئلہ 12-فرض نمازوں میں سورتوں کی قراءت اسی ترتیب سے کرنی چاہیے۔ جس ترتیب سے قرآن مجید کے اندر موجود ہیں۔ اگر ترتیب کا خیال قصداً چھوڑ دیا تو مکروہ تحریمی ہے۔ اگر بھولے سے چھوڑ دیا تو مکروہ نہیں ہے البتہ نوافل میں قرآنی ترتیب کے بغیر بھی پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ 13-قراءت کرتے ہوئے درمیان میں سے دو آیتیں چھوڑ کر آگے سے کچھ آیات پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح درمیان میں سے چھوٹی سورت چھوڑ کر اگلی سورت پڑھنا مکروہ ہے۔ مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ الماعون اور دوسری رکعت میں سورۂ الکافرون پڑھے تو یہ مکروہ ہوگا۔ البتہ نوافل میں اس طرح کرنا کوئی مکروہ نہیں۔

مسئلہ 14-فرض نمازوں میں اس طرح قراءت کرنا کہ درمیان میں ایک یا دو سورتیں چھوڑ دی جائیں مکروہ ہے۔ لیکن نوافل میں مکروہ نہیں۔

مسئلہ 15-اگر کسی نمازی کو قرآن کی کوئی آیت یاد نہ ہو تو قرأت کی بجائے سبحان اللہ اور الحمد اللہ پڑھ لے اور قرآن کی آیات یاد کرنے کی کوشش کرے ۔ اگر کوشش نہیں کی تو گناہ گار ہوگا۔

نماز میں مسنون قراءت:

مسئلہ 1-ہر نمازی کے لئے یہ اجازت ہے کہ وہ قرآن کی جو سورت پڑھے نماز ادا ہو جائے گی۔ لیکن گھر میں قیام کے دوران قران کی ایک خاص مقدار پڑھنا مسنون ہے۔

فجر اور ظہر کی نمازوں میں سورہ الحدید سے سورۂ البروج تک کی سورتیں پڑھنا سنت ہے ان سورتوں کو طوال مفصل کہا جاتا ہے۔

عصر اور عشاء کی نمازوں میں سورۂ والطارق سے لے کر سورۂ بَیِّنَـہ تک کوئی سورت پڑھنا مسنون ہے۔ یہ سورتیں اوساط مفصل کہلاتی ہیں۔

اسی طرح نماز مغرب میں سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک کی سورتوں میں سے پڑھنا سنت ہے۔ یہ سورتیں قصار مفصل کہلاتی ہیں۔

مسئلہ 2-نماز میں پڑھنے کے لئے کوئی خاص سورت مقرر کر لینا درست نہیں۔ البتہ رسول اللہ جو سورتیں نماز کے اندر پڑھا کرتے تھے۔ وہی سورتیں پڑھنا مسنون ہے۔

آنحضورؐ کا معمول یہ تھا کہ فجر کی سنتوں میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔نماز وتر میں حضورؐ پہلی رکعت میں سورۂ الاعلیٰ دوسری رکعت میں الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ کے دن حضورؐ فجر کی نماز میں سورۂ آلٓمٓ سجدہ اور سورہ الدھر پڑھا کرتے تھے۔

جمعہ کی نماز میں حضورؐ کا معمول تھا کہ سورۂ الاعلیٰ اور سورۂ الغاشیہ تلاوت فرماتے تھے یا سورۂ جمعہ اور سورۂ المنافقون پڑھا کرتے تھے۔

مسئلہ 4-فرض نمازوں کی پہلی رکعت میں قراءت لمبی ہونی چاہیے کیونکہ آنحضورؐ کا معمول یہی تھا کہ پہلی رکعت میں ذرا لمبی قراءت فرماتے تھے اور دوسری رکعت میں تھوڑی قراءت فرماتے تھے۔

مسئلہ 5-صبح کی نماز میں باقی نمازوں کی نسبت لمبی قراءت کرنا سنت نبوی ہے۔ کیونکہ یہ وقت فرشتوں کی حاضری اور انسان کے دل و دماغ کے سکون کا ہوتا ہے۔

سجدہ تلاوت:

• قرآن مجید میں چودہ سجدہ تلاوت ہیں۔ نماز میں امام سے سجدے والی آیت سنے یا خود پڑھے یا سنے۔ ان تمام حالتوں میں سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

امام کے پیچھے قراءت کرنا:

مقتدی کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرے ۔ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ امام کے پیچھے بلند آواز سے قرآن کی قراءت کی جائے۔ لہٰذا بلند آواز سے قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

ایک مرتبہ حضورؐ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے صحابہ سے پوچھا۔

”کیا تم میں سے کوئی میرے پیچھے قراءت کر رہا تھا۔ ایک صحابی نے کہا جی ہاں میں قراءت کر رہا تھا آپؐ نے فرمایا میں پوچھتا ہوں کہ آخر تم لوگ مجھ سے قرآن پڑھنے میں کیوں جھگڑتے ہو“

Scanned with CamScanner

البتہ آہستہ آہستہ آواز سے امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے قراءت کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت کا درجہ رکھتی ہے۔" (مؤطا امام محمد)

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا:

جب امام بلند آواز میں قراءت کر رہا ہو۔ یعنی تمام جہری نمازوں میں تو مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن جب امام آہستہ آہستہ قراءت کر رہا ہو۔ مثلاً ظہر وعصر کی نمازوں میں تو امام محمد کے نزدیک مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے۔ البتہ امام شافعی، امام احمد اور اہلحدیث کے مسلک میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

سجدہ سہو کے احکام و مسائل

مفہوم:

سہو کے لغوی معنی "بھول جانے" کے ہیں۔ اگر نماز میں کوئی کمی یا زیادتی بھول چوک سے ہو جائے تو اسکی تلافی سجدۂ سہو سے ہوتی ہے۔ نماز کے آخری قعدے میں دو سجدے کرنے سے نماز میں واقع ہونے والے خلل کو درست کیا جا سکتا ہے۔ سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

طریقہ:

سجدۂ سہو ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخری قعدے میں جب عبدہ ورسولہ تک پہنچے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلا جائے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدے سے اٹھے اور پھر اسی طرح دوسرا سجدہ کرے پھر اس دوسرے سجدے سے اٹھ کر التحیات دوبارہ پڑھے اور اپنی نماز کو مکمل کرے۔

سجدہ سہو کا وجوب:

1- نماز کے واجبات میں سے اگر کوئی واجب بھول کر ادا کرنے سے رہ جائے تو اسکے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ یا اس کے ساتھ سورت ملانا بھول جائے۔

2- نماز کے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے یا کسی فرض کو پہلے ادا کر دے۔ مثلاً رکوع کرنے سے پہلے سجدے میں چلا جائے یا آخری قعدے میں بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے اور کچھ دیر کے بعد قعدہ میں بیٹھ جائے۔

3- کسی فرض کو دوبارہ ادا کر دے۔ مثلاً دو رکوع کر دے۔

4- کسی واجب کی شکل بدل دے۔ مثلاً ظہر اور عصر میں اونچی آواز سے قراءت کرے۔ یا عشاء اور فجر میں آہستہ قراءت کرے۔

5- کسی واجب کے ادا کرنے میں بھولے سے یا کسی اور خیال کی وجہ سے تاخیر کر دے۔ مثلاً سورۂ فاتحہ ختم کرنے کے بعد خاموش کھڑا رہے، اور کچھ دیر کے بعد پھر قرأت شروع کرے۔ تو ان تمام صورتوں میں سجدۂ سہو کرنا لازم ہوگا۔ یہ بات یاد رہے کہ تاخیر سے مراد یہ ہے کہ اتنا وقفہ ہو جائے جس میں ایک سجدہ یا ایک رکوع ادا کیا جا سکتا ہے۔

سجدہ سہو کے مسائل:

مسئلہ 1- نماز کے فرائض میں سے اگر کوئی فرض ارادتاً چھوٹ جائے۔ یا بھولے سے رہ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اس نماز کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے اسی طرح اگر نماز کا کوئی واجب قصداً چھوڑ دے تو بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

مسئلہ 2- نماز کے تمام واجبات یا دو ایک واجبات چھوٹ جانے کی صورت میں ایک ہی سجدہ سہو ادا کرنا کافی ہے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ سجدہ سہو ادا کرنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ 3- نماز کی دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے یا قراءت کے بعد التحیات پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا۔ ہاں اگر پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے التحیات پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ 4- قومہ یا جلسہ رہ جائے تو سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ 5- اگر کوئی شخص پہلا قعدہ بھول جائے اور اٹھ کر کھڑا ہو جائے تو سجدہ سہو ادا کرے۔

Scanned with CamScanner

لیکن اگر پوری طرح کھڑا نہ ہوا ہو، اور سجدے کی حالت سے زیادہ قریب ہو تو اس صورت میں اسے بیٹھ جانا چاہیے، اور سجدہ سہو کرنا بھی ضروری نہیں۔

مسئلہ 6- چار رکعت والی نماز میں اگر کوئی شخص آخری قعدہ بھول جائے پھر اسے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آ جائے تو قعدہ بیٹھ کر نماز مکمل کرے اور سجدہ سہو کرے اگر اس نے قعدہ اخیرہ نہیں کیا بلکہ پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب واپس قعدہ میں نہ بیٹھے اور اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا دے تو اس کی چار یا چھ رکعتیں نماز نفل ہو جائے گی اور فرض نماز دوبارہ ادا کرے گا۔ یہی صورت اگر مغرب کی نماز میں پیش آ جائے تو پھر اسے چوتھی رکعت میں قعدہ بیٹھ کر نماز پوری کر لینی چاہیے۔ یہ چار رکعتیں نماز نفل ہو جائیں گی۔

مسئلہ 7- دعائے قنوت، التحیات، نماز عید کی زائد تکبیریں یا سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

مسئلہ 8- امام اگر مغرب، عشاء یا فجر کی نماز میں بھولے سے قراءت آہستہ پڑھے یا ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت بلند آواز سے پڑھے تو سجدہ سہو کرنا لازم ہے۔

مسئلہ 9- اگر مقتدی سے کوئی واجب چھوٹ جائے یا فرض کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں۔ اگر امام سے کوئی واجب وغیرہ چھوٹ جائے تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے سجدہ سہو ضروری ہے۔

مسئلہ 10- اگر کوئی شخص سورۂ فاتحہ سے پہلے کوئی سورت پڑھ لے یا سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملانا بھول جائے تو سجدہ سہو کرنا لازم ہوگا۔

مسئلہ 11- فرض نماز کی کسی ایک رکعت میں یا پہلی دو رکعتوں میں سورہ نہ پڑھے اور باقی رکعتوں میں سورہ ملا لے تو سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سنت یا نفل نماز کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا بھول جائے تو سجدہ سہو کرنا لازم ہے۔

مسئلہ 12- چار رکعت والی فرض نماز میں اگر کوئی شخص اتنی دیر بیٹھ جائے۔ جتنی دیر میں التحیات پڑھی جا سکتی ہے پھر اسے شبہ پڑ جائے کہ شاید یہ پہلا قعدہ ہے، اور پھر وہ پانچویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ اس صورت میں اگر اسے سجدہ کرنے سے پہلے یاد آ جائے تو قعدہ بیٹھ کر نماز پوری کرے اور اسے سجدہ سہو بھی کرنا لازم ہوگا۔ اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے اور سجدہ سہو کے ساتھ اس کی نماز مکمل ہو گئی۔

چار رکعت اس کی فرض نماز اور دو رکعت نفل نماز قرار پائے گی۔

مسئلہ 13- اگر چار رکعت فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں امام یا منفرد سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول جائے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ یہی صورت اگر سنت اور نفل نمازوں میں پیش آئے تو سجدہ سہو ضروری ہوگا۔ کیونکہ سنت اور نفل نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ واجب ہے اور فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں۔

مسئلہ 14- اگر کوئی شخص ایک رکعت میں دو بار سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ یا دو رکوع کرے یا تین اور چار سجدے کرے تو سجدہ سہو کرنا لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قعدہ اولی میں التحیات کے بعد درود شریف شروع کر دے اور اللھم صلِ علی محمد کے الفاظ پڑھ لے یا اتنی ہی دیر خاموش بیٹھا رہے۔ تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔

مسئلہ 15- جب کوئی مسبوق اپنی باقی نماز پوری کرنے میں کسی کوتاہی کا مرتکب ہو تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ 16- اگر نمازی کو شک پڑ گیا کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعتیں تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ اسے یہ شک پہلی بار ہوا ہے تو اسے نماز دوبارہ پڑھنی چاہیے۔ اگر اسے شک عام طور پر پڑتا ہی رہتا ہے تو جس طرف زیادہ گمان ہو اسی کے مطابق عمل کرے اگر گمان کے دونوں پلڑے برابر ہوں تو کم رکعتوں کا اعتبار کرے مثلاً یہ شک پڑ جائے کہ تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار تو تین ہی رکعتوں کا اعتبار کیا جائے گا اور مزید ایک رکعت پڑھ کر نماز پوری کرے اور سجدہ سہو ہر صورت میں اسے ادا کرنا لازم ہوگا۔

مسئلہ 17- ظہر کی اور عصر کی نماز میں یہ شک ہو گیا کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں یا چار اور دوسری رکعت پر سلام پھیر دیا پھر اسے یاد آیا کہ دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں تو مزید دو رکعتیں پڑھ کر نماز پوری پڑھے اور سجدہ سہو ادا کرے۔

مسئلہ 18- نماز کے مستحبات یا سنتیں چھوٹ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔

مثلاً کوئی شخص رکوع اور سجدے میں تسبیح نہ پڑھے یا التحیات میں درود شریف اور اس کے بعد کی دعا بھول جائے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ 19- اگر کسی شخص پر سجدۂ سہو واجب ہو گیا اور سجدہ سہو نہ کیا اور سلام پھیر دیا۔ پھر اسے یاد آیا کہ سجدہ سہو کرنا لازم تھا اب اگر اس نے قبلے کی طرف سے رخ نہیں پھیرا ہے نہ کسی سے

Scanned with CamScanner

بات چیت کی ہے تو اسے فوراً سجدۂ سہو ادا کر لینا چاہیے۔ البتہ اگر اس نے قبلے سے رخ پھیر دیا ہے۔ یا بات چیت کر لی ہے تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔ دوبارہ ادا کرے۔

مسئلہ 20- اگر کسی نے بھولے سے ایک ہی سجدہ کیا اور آخری قعدہ کی التحیات پڑھنے سے پہلے اسے یاد آ گیا تو سجدہ ادا کرے اور سجدہ سہو کر لے۔ اگر اس صورت میں اخری التحیات پڑھ لینے کے بعد سجدہ یاد آ گیا تو سجدہ ادا کر لے۔ التحیات دوبارہ پڑھے اور سجدۂ سہو ادا کر کے نماز مکمل کرے۔

مسئلہ 21- مسافر سفر کے دوران جبکہ اس پر نماز قصر کرنا لازم ہوتا ہے دو رکعت کی بجائے بھولے سے چار رکعت پڑھ لے اور اس نے دوسری رکعت پر قعدہ اولی بھی کیا تھا تو آخری قعدے کے بعد سجدہ سہو کرتے سے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی اس کی پہلی دو رکعتیں فرض اور دوسری رکعتیں نفل سمجھی جائیں گی۔

قضا نماز کے احکام و مسائل

جب کوئی نماز وقت مقررہ پر ادا نہ کی جائے اور وقت گزرنے کے بعد اسے پڑھا جائے تو اسے قضا نماز پڑھنا کہتے ہیں اور جو نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے اسے ادا کرنا کہتے ہیں۔

وہ نمازیں جن کی قضا پڑھنا ضروری ہے:

1- پانچوں فرض نمازوں اور وتر کی قضا لازم ہے۔
2- جن نمازوں کی نذر مانی جائے۔ ان کی قضا بھی واجب ہے۔
3- نماز نفل شروع کرنے کے بعد اگر کسی وجہ سے توڑ دی جائے تو اس کی قضا واجب ہے۔
4- سنت یا نفل نمازوں کی قضا نہیں ہے۔
5- نماز فجر کی سنتیں اگر رہ جائیں تو زوال سے پہلے قضا پڑھی جا سکتی ہے۔ زوال کے بعد صرف فرضوں کی قضا پڑھی جا سکتی ہے۔ سنتوں کی نہیں اگر فجر کے فرض وقت پر ادا کر دیئے لیکن سنتیں رہ گئیں تو سورج نکلنے کے بعد زوال تک ان کی قضا پڑھی جا سکتی ہے۔
6- اگر ظہر کی چار سنتیں رہ جائیں تو ظہر کے فرض ادا کرنے کے بعد ان کو پڑھا جا سکتا ہے۔
7- معذوری اور مجبوری کے بغیر نماز قضا کر دینا بڑا گناہ ہے۔ غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے اگر ایسا ہو جائے تو توبہ کرنی چاہیے اور احتیاط کرنے کا اللہ سے وعدہ کرنا چاہیے۔

اگر کسی مجبوری اور صحیح عذر کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو جس قدر جلد ممکن ہو قضا پڑھ لینی چاہیے۔ بلا وجہ ٹال مٹول اور تاخیر گناہ ہے۔

مسائل و احکام:

مسئلہ 1- اگر بہت سے لوگوں کی نماز قضا ہو جائے۔ مثلاً کوئی حادثہ پیش آ جائے یا سفر کے دوران بہت سارے لوگوں کی نماز قضا ہو جائے تو یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔ سری نماز کی قراءت آہستہ اور جہری نماز کی قراءت بلند آواز میں کرنی چاہیے۔

مسئلہ 2- اگر اکیلے آدمی کی نماز رہ گئی تو اسے چاہیے کہ وہ گھر میں خاموشی سے قضا پڑھ لے۔ اگر مسجد میں پڑھنا چاہے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ 3- قضا نماز پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں البتہ مکروہ اور ممنوع اوقات میں قضا نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ 4- اگر کسی شخص کی کئی نمازیں قضا ہوگئیں تو ساری نمازیں ایک ہی وقت میں پڑھنا جائز ہے۔ یہ ضروری نہیں کے عصر کی نماز عصر کے وقت ہی قضا پڑھی جائے یا عشاء کی نماز عشاء کے وقت ہی میں قضا پڑھی جائے۔

مسئلہ 5- اگر کوئی شخص ایک عرصے تک نماز پڑھنے سے قاصر رہا اور اس نے کئی مہینے یا کئی سال تک نماز ادا نہیں کی۔ پھر اسے ہوش آیا تو اس پر ان ساری نمازوں کی قضا واجب ہے۔ کسی صورت نمازوں کی معافی نہیں ہو سکتی۔

ان تمام قضا شدہ نمازوں کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس وقت کی نماز کا نام لے کر نیت کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ میں اپنی قضا شدہ نمازوں میں سے فجر کی سب سے پہلی نماز پڑھتا ہوں اور دوسری نماز پڑھتا ہوں اور اسی طرح تمام نمازوں کا نام لے کر ادا کرے۔

مسئلہ 6- سفر کی حالت میں جو نمازیں قضا ہو جائیں تو وہ قصر پڑھی جائیں گی اور جو نمازیں اقامت کی حالت میں قضا ہوئیں انہیں اگر سفر کے دوران ادا کیا جائے تو پوری پڑھی جائیں گی۔

مسئلہ 7- وتر کی نماز قضا ہونے کی صورت میں جبکہ وتر کے علاوہ اور کوئی قضا اس کے ذمہ نہیں ہے تو فجر کی نماز ادا کرنے سے پہلے وتر کی نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر فجر کی نماز پہلے پڑھ لی اور وتر کی قضا بعد میں کی تو نماز فجر دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ 8- اگر کوئی مریض مرض کی حالت میں نماز ادا کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی نمازیں قضا ہو گئیں تو اسے چاہیے کہ وارثوں کو وصیت کرے کہ اس کے تہائی مال میں سے فرض نمازوں کا فدیہ ادا کریں۔

مسئلہ 9- اگر کسی مریض میں اتنی سکت بھی نہ ہو کہ وہ اشاروں سے نماز پڑھ سکتے۔ یا غشی اور جنون کے دورے اتنی دیر تک باقی رہیں کہ چھ نمازیں یا اس سے زائد قضا ہو جائیں تو ان کی قضا لازم نہیں۔ اگر چھ سے کم نمازیں قضا ہو جائیں تو پھر ان کی قضا لازم ہوگی۔

مسئلہ 10- نماز جمعہ کی قضا نہیں ہے۔ اگر کسی کی نماز جمعہ رہ جائے تو پھر اسے چار رکعت ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ 11- اگر کوئی شخص عید کی نماز امام کی اقتداء میں پڑھ رہا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اس کی نماز باطل ہوگئی تو اب وہ قضا نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ نماز عید کی قضا نہیں ہے اسی طرح وہ اکیلا بھی اس کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نماز عید کے لئے جماعت شرط ہے۔ البتہ اہلحدیث کا مسلک یہ ہے۔ کہ نماز عید اکیلے میں پڑھی جا سکتی ہے۔ ان کے نزدیک نماز عید رہ جانے کی صورت میں اس کی قضا لازم ہے۔

مسئلہ 12- عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز اگر کسی مجبوری یا عذر کی وجہ سے پہلے دن نہ پڑھی جا سکے تو دوسرے دن قضا پڑھی جا سکتی ہے اور عیدالاضحیٰ کی نماز تیرہ ذی الحجہ تک پڑھی جا سکتی ہے۔

جن لوگوں کی بے شمار نمازیں قضا ہو گئی ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کا شعور بخش دیا تو سب سے پہلے انہیں اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کی فکر کرنی چاہیے اور ان کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے بعد سنتیں اور نوافل پڑھنے کی بجائے اپنی چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا کریں کیونکہ فرض کسی صورت معاف نہیں ہو سکتے۔ اور ایسا کرنا بالکل غلط ہے کہ سنتوں اور نوافل کا تو اہتمام کیا جائے لیکن قضا شدہ فرض نمازوں سے غفلت برتی جائے۔

صاحب ترتیب کی قضا نماز کا حکم:

اگر کسی آدمی کی کوئی نماز زندگی میں قضا نہ ہوئی ہو یا زندگی میں پہلی بار کچھ نمازیں قضا ہو گئی ہوں یا اگر اس کی نماز قضا ہوگئی ہو تو ان سب کی قضا پڑھ چکا ہو یا زیادہ سے زیادہ اس کی صرف پانچ نمازیں قضا ہوئی ہوں تو فقہا کی اصطلاح میں اس شخص کو "صاحب ترتیب" کہتے ہیں۔

صاحب ترتیب کے لئے قضا نماز پڑھنے میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

1- جب تک چھوٹی ہوئی نمازوں کو ادا نہ کرے وہ اگلے وقت کی نماز ادا نہیں کر سکتا مثلاً اگر کسی کی ظہر، عصر، مغرب، عشاء رہ گئی ہے تو پہلے یہ قضا شدہ نمازیں پڑھے گا۔ پھر فجر کی نماز ادا کرے گا۔ اگر اس نے اس ترتیب کو چھوڑ دیا تو اس کی اگلی نماز درست نہیں ہوگی۔ البتہ اگر اسے قضا نمازوں کا ادا کرنا یاد نہ رہا، اور اس نے وقت پر واجب ہونے والی نماز پڑھ لی تو پھر اس کا لوٹانا ضروری نہیں۔

2- قضا شدہ نمازوں میں بھی ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ یعنی پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پڑھنا لازم ہے۔ اگر اس نے ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا مثلاً عصر ظہر سے پہلے پڑھ لی تو پھر اسے عصر کی نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

3- جو شخص صاحب ترتیب نہ ہو یعنی جس کی پانچ نمازوں سے زیادہ نمازیں قضا ہو چکی ہوں تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ جب بھی موقع ملے قضا نمازیں پڑھ لے۔ اسے کس قسم کی ترتیب کے لحاظ رکھنے کی پابندی نہیں ہے۔

معذور اور بیمار کی نماز کے احکام و مسائل

مسئلہ 1- کتنا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو نماز وقت پر ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر ارکان نماز ادا کرنے کی سکت نہ ہو تو اشارے سے بھی نماز ادا کر لینی چاہیے۔ وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید اس حد تک ہے کہ دردزہ میں مبتلا خاتون نماز کے وقت آجانے پر نماز ادا کرنے کی پابند ہے۔ اسے جس طرح بن پڑے کھڑے یا بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لے۔ نماز قضا کرنا گناہ ہے۔

مسئلہ 2- کھڑے ہونے کی طاقت ہوتے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں، پوری نماز میں کھڑا ہونا ممکن نہ ہو تو جس قدر ارکان نماز کھڑے ہو کر ادا کر سکتا ہے کرے اور باقی نماز بیٹھ کر مکمل کرے۔

مسئلہ 3- اگر کسی میں کھڑے ہونے کی طاقت بالکل نہیں ہے۔ یا کھڑے ہونے میں بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ یا کھڑا ہو سکتا ہے لیکن رکوع اور سجود نہیں کر سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ 4- بیٹھنے کی کیفیت وہی مسنون ہے۔ جیسے التحیات پڑھتے ہوئے بیٹھنے کی کیفیت ہوتی ہے۔ اگر اس طرح بیٹھنا ممکن نہ ہو تو جس طرح آسانی ہو اسی طرح بیٹھ جائیں۔

مسئلہ 5- رکوع و سجود ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اشارہ سر سے کرنا چاہیے۔ رکوع میں سر کو تھوڑا اور سجدے کے لئے سر کو زیادہ جھکائے۔ صرف آنکھ یا ابرو کا اشارہ کافی نہیں۔

مسئلہ 6- اگر زمین تک ماتھا لے جانا ممکن نہ ہو تو اشارہ کافی ہے تکیے یا لکڑی کی تختی کو ماتھے تک لے جا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ 7- اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں مرض کے زیادہ ہونے یا زخم کے کھل جانے کا خطرہ ہو یا غیر معمولی تکلیف ہوتی ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنا چاہیے۔ لیٹنے کی صحیح صورت یہ ہے کہ آدمی قبلے کی طرف رخ کرے ٹانگیں اور پیر قبلے کی طرف کرے سر کے نیچے تکیہ یا کوئی چیز رکھ کر سر اونچا کرے اور اشاروں سے رکوع و سجود کرے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلو کے بل لیٹ کر سر کو شمال کی طرف کرے اور منہ قبلے کی طرف کر کے نماز ادا کرے اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو جس طرح ممکن ہو اسی طرح نماز ادا کرے۔

مسئلہ 8- اگر اشارے سے نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو اس وقت نماز موقوف رکھے جب تک صحت یاب نہ ہو جائے۔ اگر ایسی کیفیت پانچ نمازوں سے زیادہ دیر تک قائم رہے تو ان نمازوں کی قضاء واجب نہیں بلکہ یہ نمازیں معاف ہو جاتی ہیں۔

مریض پر اگر غشی کی کیفیت طاری ہو جائے یا تندرست آدمی پر بے ہوشی کا دورہ پڑ جائے اور یہ کیفیت پانچ نمازوں سے زائد وقت تک رہے پھر بھی یہ نمازیں معاف ہونگی اور ان کی قضا واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ 9- کسی آدمی پر نماز کے دوران اگر مرض کا حملہ ہو جائے۔ جس کی وجہ سے کھڑا ہونا ممکن نہ رہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہوگا۔ بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے، اور رکوع سجود اشاروں سے کرے۔

مسئلہ 10- ریل گاڑی، بحری جہاز ہوائی جہاز یا چلتی ہوئی کشتی میں اگر گرنے کا خطرہ ہو یا چکر آنے اور متلی ہونے کا ڈر ہو تو بیٹھ کر نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اس حالت میں بھی یہ خیال رہے کہ جس قدر کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس قدر کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ 11- اگر کسی آدمی کی کچھ نمازیں تندرستی کی حالت میں قضا ہو گئیں اور بعد میں وہ بیمار پڑ

گیا تو اسے صحت یاب ہونے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے اور قضا شدہ نمازیں بیماری کی حالت میں ہی ادا کر لینی چاہئیں۔

مسئلہ 12- بیمار آدمی کا بستر اگر پلید ہو اور بستر بدلنا ممکن نہ ہو یا بدلنے میں بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہو تو پلید بستر پر ہی نماز ادا کر لینا درست ہے۔

مسافر کی نماز کے احکام و مسائل

سفر میں شریعت نے چار رکعتی فرض نماز کو مختصر کرنے کی سہولت دی ہے یعنی مسافر پر صرف دو رکعت نماز پڑھنا فرض ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ

(النساء-101)

"اور جب تم لوگ زمین میں سفر کے لئے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر تم نماز میں قصر کرو"

نبی اکرم کا ارشاد یہ ہے۔

"یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس کا صدقہ قبول کرلو"

(بخاری و مسلم)

نماز قصر کے احکام:

حنفیہ کے نزدیک ایک مسافر کے لئے قصر نماز پڑھنا واجب ہے۔ اگر پوری نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ (در مختار)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں۔

"میں رسول اللہؐ، ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ سفر میں رہا ہوں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان لوگوں نے دو رکعت فرض سے زیادہ نماز پڑھی ہو" (بخاری و مسلم)

صرف چار رکعتی فرض نماز میں ہی قصر کا حکم ہے دو رکعتی اور تین رکعتی نمازوں میں قصر نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

سفر میں سنت اور نفل کا حکم:

فجر کی سنتیں اس قدر اہم ہیں کہ سفر میں بھی انہیں ترک نہیں کرنا چاہیے۔ مغرب کے بعد کی دو سنتیں بھی پڑھ لینی چاہئیں باقی تمام سنتوں میں مسافر کو اختیار ہے چاہے تو پڑھ لے اور اگر چاہے تو صرف فرض نماز پڑھ لے، اور سنتوں کو چھوڑ دے البتہ وتر کی تین رکعتوں میں قصر نہیں ہے۔ سفر میں بھی تین رکعتیں پڑھنی واجب ہے۔

کتنی مسافت پر قصر کرنے کا حکم ہے:

علماء نے قصر کے لئے سفر کی مسافت تین دن مقرر کی ہے۔ جو اندازاً چھتیس میل بنتی ہے۔ اگر روزانہ صبح سے زوال تک کوئی شخص اوسط رفتار سے سفر کرے تو تین دن میں چھتیس میل ہی سفر کر سکے گا اگر کوئی شخص تیز رفتار سواری کے ذریعہ چند منٹوں یا چند گھنٹوں میں یہ فاصلہ طے کر سکتا ہے تو بھی چھتیس میل کے سفر کے لئے قصر واجب ہے۔ یہ مسلک احناف کا ہے۔ کچھ فقہانے سفر کی مقدار نو میل اور کچھ نے اڑتالیس میل مقرر کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضورؐ سے اس بارے میں کچھ منقول نہیں ہے، اور اسے عرف عام پر چھوڑ دیا ہے۔ ہر شخص خود بآسانی جان سکتا ہے کہ وہ کب سفر میں ہے اور کب سفر میں نہیں ہے۔

نماز قصر شروع کرنے کا مقام:

مسافر جب اپنے شہر یا گاؤں کی آبادی سے نکل کھڑا ہو تو قصر کرنا شروع کر دے اگر ریل کا راسٹیشن یا بس کا اڈا یا ہوائی اڈا آبادی کے اندر ہو تو ان مقامات پر قصر نہ کرے۔ اگر یہ مقامات شہر کی آبادی سے باہر ہوں تو قصر کرنا لازم ہے۔

قصر نماز کی مدت:

مسافر اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہاں اسے پوری نماز پڑھنا ہوگی اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پھر اسے قصر کرنا ضروری ہوگا۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ تو نہیں لیکن حالات کی مجبوری کیوجہ سے اسے کئی مہینے تک بھی وہاں قیام کرنا پڑ جائے تو نماز قصر ہی پڑھتا رہے گا۔

نماز قصر کے متفرق مسائل:

مسئلہ 1- سفر کی حالت میں اگر کوئی شخص بھول کر چار رکعت نماز پڑھ لے تو آخر میں سجدۂ سہو ادا کرنا ہوگا۔ اس صورت میں اس کی دو رکعت نماز فرض اور دو رکعت نماز نفل ہوگی لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اس نے قعدہ اولیٰ کیا تھا۔ اگر دوسری رکعت پر التحیات کے لئے نہیں بیٹھا تھا تو یہ چاروں رکعتیں نماز نفل ہونگی۔ اور قصر نماز دوبارہ پڑھے گا۔

مسئلہ 2- سفر میں کی جگہوں پر ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ لیکن کسی مقام پر پندرہ دن، ٹھہرنے کا ارادہ نہیں ہے تو نماز قصر ہی پڑھنی ہوگی۔

مسئلہ 3- اگر کوئی خاتون اپنے میکے سے منتقل ہو کر سسرال میں مستقل طور رہنے لگے تو وہاں سے میکے آنے پر اسے قصر کرنا ہوگا۔ اگر سسرال میں مستقل قیام کا ارادہ نہیں ہے تو پھر اس کا میکہ ہی اس کا اصلی وطن ہے۔ اور وہاں اسے پوری نماز پڑھنا ہوگی۔

مسئلہ 4- اگر کوئی سفر کرنے والا شخص کسی دوسرے شخص کے ساتھ سفر کر رہا ہو، اور دوسرے شخص کا تابع یا پابند ہو مثلاً ملازم اپنے آقا کے ساتھ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ یا خاتون اپنے شوہر کے ساتھ سفر کر رہے ہوں تو تابع کی نیت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ اصل اعتبار متبوع کا ہوگا۔ لہذا جب تک آقا، باپ یا شوہر پندہ دن کے قیام کا ارادہ نہ کرے تو یہ تابع مقیم تصور نہیں کئے جائیں گے۔

مسئلہ 5- مسافر مقیم لوگوں کی امات کرا سکتا ہے۔ لیکن اسے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد یہ اعلان کرنا ہوگا کہ ہم تو مسافر ہیں مقیم لوگوں کو اپنی باقی دو رکعتیں مکمل کرنی چاہیں۔

مسئلہ 6- اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے نماز نہ پڑھ رہا ہو تو وہ نماز قصر نہیں کرے گا۔ بلکہ امام کی اتباع میں پوری چار رکعت نماز ادا کرے گا۔

مسئلہ 7- نماز کے دوران اگر کسی نے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی جبکہ شروع کرنے سے پہلے اس کی کوئی نیت نہ تھی تو اب وہ پوری نماز پڑھے گا۔

مسئلہ 8- سفر کے دوران قضا ہونے والی نمازیں گھر پہنچنے پر قصر پڑھی جائیں گی اور گھر میں قضا ہونے والی نمازیں سفر کے دوران ادا کرنا چاہیں تو پوری پڑھی جائیں گی۔

Scanned with CamScanner

سفر میں جمع بین الصلوٰتین:

دو وقت کی نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھنا حج کے دوران مسنون ہے۔ چنانچہ نو ذی الحجہ کو وادی عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز اکھٹے پڑھی جاتی ہے ان دو نمازوں کے لئے اذان ایک ہی بار کہی جاتی ہے، لیکن اقامت ہر نماز کے لئے الگ الگ ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو حاجی مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکھٹے پڑھی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص راستے ہی میں نماز مغرب ادا کرے تو یہ نماز درست نہیں مزدلفہ پہنچ کر اسے دوبارہ نماز پڑھنا ہوگا۔

حج کے علاوہ دوسرے سفروں میں دو نمازوں کو اکھٹے پڑھنا احناف کے نزدیک جائز نہیں۔ البتہ صورتاً دو نمازوں کو اکھٹا کر سکتا ہے۔ صورتاً جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک نماز کو موخر کر کے آخری وقت میں پڑھا جائے اور دوسری نماز اول وقت میں پڑھ لیا جائے تو ظاہری طور پر یہ معلوم ہو گا کہ دونوں نمازیں اکٹھی پڑھی گئیں۔ لیکن درحقیقت یہ دونوں نمازیں اپنے اپنے اوقات میں ادا کی گئیں۔

اہلحدیث اور دوسرے فقہی اماموں کے نزدیک حقیقی طور پر دو نمازوں کو اکھٹا پڑھنا جائز ہے اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

1- دوسری نماز کو پہلی نماز کے وقت میں پڑھ لیا جائے۔ مثلاً عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیا جائے اس کو جمع تقدیم کہا جاتا ہے۔

2- پہلی نماز کو دوسری نماز کیوقت میں پڑھ لیا جائے مثلاً مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں پڑھا جائے اسے جمع تاخیر کہتے ہیں۔ اہلحدیث اور دوسرے آئمہ کا مسلک یہ ہے کہ جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں جائز ہیں۔ مسافر کو جس طرح کی سہولت ملے اسی پر عمل کرے۔

احادیث صحیحہ سے یہ ساری صورتیں ثابت ہیں حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں۔

"حضور کو اگر سفر اختیار کرتے وقت گھر ہی پر سورج ڈھل جاتا تو آپؐ پہلے ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھ لیتے پھر سوار ہوتے اور اگر گھر پر سورج نہ ڈھلتا تو آپؐ چل پڑتے اور جب عصر کا وقت آجاتا تو اتر کر ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھتے۔ اسی طرح جب روانہ ہونے سے پہلے گھر پر ہی سورج غروب ہو جاتا تو آپؐ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھ کر روانہ ہوتے اور گھر پر سورج غروب نہ ہوتا تو آپؐ روانہ ہو جاتے اور جب عشاء کا وقت ہوتا تو پھر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے"

(مسند احمدؒ)

حضرت معاذ بن جبلؓ غزوۂ تبوک کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"رسول اللہؐ غزوۂ تبوک میں اگر سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز کو مؤخر کرتے اور عصر کے ساتھ ملا کر پڑھتے اور جب سورج ڈھلنے کے بعد کوچ فرماتے تو ظہر ہی کے وقت میں ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھ لیتے اور پھر روانہ ہوتے اور جب سورج غروب ہونے سے پہلے روانہ ہوتے تو مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے عشاء کی نماز کو مغرب کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھ لیتے" (ترمذی)

نماز جمعہ کے احکام و مسائل

جمعہ کے دن کی فضیلت و اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے یوم الجمعہ میں کئی ممتاز اور اعلیٰ خوبیاں جمع فرمائی ہیں اور اس کو جمعہ کا نام ہی اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ بہت سے فضائل کا جامع ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع منعقد ہوتا ہے اور مسلمان ایک بڑی جماعت بنا کر اس دن کی نماز ادا کرتے ہیں اسلام سے پہلے عربوں کے ہاں اس کا نام یوم عروبہ تھا۔

یہودیوں کے ہاں ہفتے کا دن عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ تو عیسائیوں کے ہاں اتوار کا دن عبادت کا دن مقرر کر لیا گیا۔ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اتوار کو حضرت مسیحؑ آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے پھر رومی حکومت نے ایک سرکاری حکم کے ذریعے اتوار کو عام تعطیل کا دن مقرر کر دیا۔

نبی اکرمؐ نے یہ دنوں دن چھوڑ کر جمعہ کو اجتماعی عبادت کا دن مقرر کیا۔ آپؐ نے مسلمانوں کے لئے یہ عید کا دن مقرر فرمایا۔ آپ گا ارشاد ہے۔

"مسلمانو! یہ وہ دن ہے جس کو خدا نے تمہارے لئے عید کا دن قرار دیا ہے لہٰذا تم اس دن غسل کرو اور جس کو خوشبو میسر ہو تو کیا حرج ہے اگر وہ اس کو استعمال کرے اور مسواک ضرور کیا کرو"

(مؤطا، ابن ماجہ)

Scanned with CamScanner

ایک اور حدیث میں آپؐ نے یوں ارشاد فرمایا۔

''جمعہ کا دن سارے دنوں میں افضل اور ممتاز ہے۔ خدا کے نزدیک اس کا مرتبہ تمام دنوں سے زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ اس کا مرتبہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر سے بھی زیادہ ہے اس دن میں پانچ خصوصیات ہیں جو دوسرے دنوں میں نہیں ہیں۔

1- اسی دن خدا نے آدم کو پیدا کیا۔

2- اسی دن خدا نے آدم کو زمین پر (اپنا خلیفہ بنا کر) اتارا

3- اسی دن ان کی وفات ہوئی۔

4- اسی دن میں ایک ایسی مقبول گھڑی ہے کہ بندہ اس گھڑی میں اپنے خدا سے جو حلال اور پاکیزہ چیز مانگتا ہے وہ اسے ضرور عطا کر دی جاتی ہے۔

5- اسی دن قیامت آئے گی اور خدا کے مقرب فرشتے، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور دریا کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو جمعہ کے دن سے ڈرتی اور لرزتی نہ ہو۔''

(ابن ماجہ)

نیز آپ کا ارشاد ہے۔

''دنیا میں ہماری آمد کا زمانہ سب کے بعد ہے، لیکن قیامت کے دن ہم سب سے آگے جنت میں جانے والے ہیں ان یہود و نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب ہدایت دی گئی تھی اور ہمیں بعد میں دی گئی اور ان سب پر جمعہ کی تعلیم فرض کی گئی تھی لیکن ان لوگوں نے اس میں اختلاف کیا اور خدا نے ہمیں اس پر قائم رہنے کی توفیق بخشی لہذا یہ سب ہم سے پیچھے ہیں، یہود کل کے دن کی تعظیم کرتے ہیں اور نصاریٰ پرسوں کے دن کی تعظیم کرتے ہیں۔''

(بخاری و مسلم)

نبی اکرمؐ فرماتے تھے۔

''جمعہ کی رات سفید رات ہے اور جمعہ کا دن روشن دن ہے۔''

نماز جمعہ کی فرضیت:

نماز جمعہ ہجرت سے پہلے مسلمانوں پر فرض کی گئی تھی لیکن مشرکین مکہ کے جبر و تشدد کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جا سکا، لیکن حضورؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو تحریری حکم نامہ لکھا تھا۔

فَاِذَا مَالَ النَّهَارُ عَنْ شَطْرِهٖ عِنْدَ الزَّوَالِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَتَقَرَّبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِرَكْعَتَيْنِ

(دار قطنی)

''جب جمعہ کے روز سورج نصف النہار سے ڈھل جائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر خدا کے حضور تقرب حاصل کرو''

یہ حکم نامہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ملا تو آپؐ نے مدینہ میں بارہ افراد کے ساتھ مل کر پہلا جمعہ ادا کیا۔

اس حکم نامے کے ملنے سے پہلے ہی انصار نے آپس میں مشورہ کر کے اجتماعی عبادت کے لئے اسی دن کا انتخاب کر لیا تھا، اور انصار کے سردار اسعد بن زرارہ نے بیاضہ کے علاقے میں چالیس افراد کے ساتھ پہلا جمعہ ادا کیا۔

حضورؐ ہجرت کے بعد جب مدینے پہنچے تو آپؐ نے قبا کے مقام پر چار دن قیام فرمایا پھر پانچویں دن آپؐ مدینہ شہر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں بنی سالم بن عوف کی آبادی میں اتر کر پہلا جمعہ ادا فرمایا۔

نماز جمعہ کا حکم:

نماز جمعہ فرض عین ہے۔ قرآن و حدیث اور اجماع امت سے اس کی فرضیت ثابت ہے، اور جو شخص سستی اور لاپرواہی سے نماز جمعہ چھوڑ دے وہ گنہگار ہے اور جو اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

(الجمعہ:9)

Scanned with CamScanner

"مومنو! جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو ذکر اللہ کے لئے دوڑ چلا کرو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھ سے کام لو۔"

یہاں اللہ کے ذکر سے مراد جمعہ کا خطبہ اور نماز ہے اور اس کے لئے دوڑنے کا مطلب توجہ اور اہتمام کے ساتھ مسجد میں جلد از جلد پہنچنے کی کوشش ہے اور اس تاکید کی وجہ دراصل یہ ہے کہ نماز جمعہ جماعت کے بغیر نہیں پڑھی جا سکتی، نہ ہی وقت گزر جانے کے بعد اس کی قضا ہو سکتی ہے۔ ان چند لمحوں میں اللہ کے حضور قیام اور رکوع و سجدہ کا بے شمار اور لازوال فائدہ ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس پر جمعہ لازم ہے۔ پھر جو شخص کسی کھیل تماشے یا کاروباری مصروفیت کی خاطر اس سے بے پرواہی برتے تو خدا اس سے بے نیازی برتے گا اور وہ پاک بے نیاز ہے۔" (دار قطنی)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا۔

"میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر جاؤں اور خود ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو نماز جمعہ میں آنے کی بجائے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔" (صحیح مسلم)

نیز آپؐ نے جمعہ کی فضیلت اس طرح بیان فرمائی۔

"جو شخص جمعہ کے دن نہایا دھویا اور اپنی طاقت بھر اس نے پاکیزگی اور نظافت کا پورا پورا اہتمام کیا پھر اس نے تیل لگایا اور خوشبو لگائی اور دوپہر ڈھلتے ہی اول وقت میں مسجد میں جا پہنچا اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے نہیں ہٹایا تھا (اس نے صفوں کو چیرتے ہوئے اور آدمیوں کو پھلانگتے ہوئے درمیان میں بیٹھنے کی غلطی نہیں کی) اور نماز سنت وغیرہ ادا کی اور جو بھی خدا نے اس کے حصے میں لکھ دی تھی پھر جب خطبہ دینے والا منبر پر آیا تو وہ خاموش رہا ایسے شخص سے وہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک اس سے سرزد ہوئے تھے۔" (بخاری)

آنحضورؐ نے ایک اور حدیث میں یہ بیان فرمایا۔

"جو کوئی جمعے کے دن اچھی طرح غسل کرے اور سویرے ہی پیدل چل کر مسجد میں پہنچ جائے سوار ہو کر نہ جائے پھر سکون کے ساتھ خطبہ سنے اور خطبے کے دوران کوئی لغو کام نہ کرے تو ایسے شخص کو ہر قدم کے بدلے میں ایک سال کی عبادت کا اجر و ثواب ملے گا اور ایک سال کے روزں کا اور ایک سال کی نمازوں کا" (ترمذی)

نماز جمعہ کی شرائط:

جمعہ کے واجب ہونے اور صحیح ہونے کے لئے علماء نے کچھ شرائط مقرر کی ہیں اگر یہ شرطیں موجود نہ ہونگی تو نماز جمعہ واجب نہ ہوگی۔ یہ شرائط دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی شرائط کو شرائط وجوب کہا جاتا ہے ان شرائط کا نماز میں پایا جانا ضروری ہے۔ دوسری قسم کی شرائط کو شرائط صحت کہا جاتا ہے ان شرائط کا نماز سے باہر پایا جانا ضروری ہے۔

وجوب جمعہ کی شرائط:

یہ کل پانچ شرطیں ہیں جن کے موجود ہونے سے نماز جمعہ واجب ہو جاتی ہے۔

شرط 1- نماز جمعہ مرد پر فرض ہے عورت پر نہیں۔

شرط 2- آزاد آدمی پر جمعہ فرض ہے غلام پر نہیں۔

شرط 3- عاقل و بالغ مرد پر جمعہ فرض ہے مجنون اور بے ہوش پر نہیں۔

شرط 4- نماز جمعہ مقیم پر واجب ہے۔ مسافر پر نہیں۔

شرط 5- نماز جمعہ تندرست اور صحیح آدمی پر واجب ہے معذور اور بیمار پر نہیں۔

بیمار سے مراد یہ ہے کہ جو جامع مسجد تک پہنچنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ معمولی بیمار آدمی کو جو چلنے پھرنے کی سکت رکھتا ہو۔ شریعت بیمار تصور نہیں کرتی۔ معذور کی بھی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ معذور ہے جس کی ذات کے اندر کوئی عذر پایا جائے۔ مثلاً نابینا، اپاہج اور بہت ہی بوڑھا آدمی جو ضعف کی وجہ سے مسجد تک نہ جا سکتا ہو۔

دوسری قسم کا معذور وہ ہے۔ جسے خارج سے کوئی عذر لاحق ہو۔ مثلاً سخت بارش ہو رہی ہو۔ راستے میں کوئی درندہ یا موذی جانور ہو، سخت قسم کی آندھی چل رہی ہو۔ جس کی وجہ سے آدمی باہر نہ جا سکتا ہو۔ کوئی دشمن گھات میں ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

Scanned with CamScanner

شرائط کے نہ ہونے پر نماز جمعہ کا حکم:

نماز جمعہ اسی شخص پر واجب ہوتی ہے جس میں مندرجہ بالا پانچوں شرائط پائی جائیں۔ اگر کسی شخص میں ان میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے یا ایک سے زیادہ شرطیں نہ پائی جائیں، ایسا شخص اگر نماز جمعہ پڑھ لے تو اس کی نماز جمعہ درست ہو جائے گی۔ اسے دوبارہ نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی خاتون مسجد میں نماز جمعہ ادا کرے۔ تو پھر اسے نماز ظہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

نماز جمعہ کی شرائط صحت:

یہ بھی کل پانچ شرائط ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ شرطیں موجود ہیں تو نماز جمعہ درست ہوگی اور ان کی عدم موجودگی میں نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔ بلکہ نماز ظہر پڑھنا ضروری ہوگا۔

شرط 1- نماز جمعہ مصر جامع میں ہوگی۔

شرط 2- ظہر کے وقت میں ہوگی۔

شرط 3- نماز جمعہ خطبے کے ساتھ ہوگی۔

شرط 4- نماز جمعہ جماعت ساتھ منعقد ہوگی۔

شرط 5- نماز جمعہ کی ادیگی کے لئے تمام لوگوں کے لئے اذان عام ہونا چاہیے ان شرائط کے ساتھ ساتھ اسلامی حکومت کی موجودگی کی صورت میں حکمران خود یا اس کا مقرر کردہ نائب جمعہ منعقد کرنے کا انتظام کرے۔

ان شرائط کی مزید وضاحت:

1- نماز جمعہ مصر جامع میں ہوسکتی ہے۔ دیہات، عارضی قیام گاہوں یا جنگل و بیابان میں نماز جمعہ درست نہیں ہوگی۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔

"جمعہ اور عیدین کی نماز مصر جامع کے سوا کسی دوسری جگہ درست نہیں۔"

(مصنف عبدالرزاق)

حنفی علماء کے نزدیک مصر جامع کوئی بڑا شہر یا بڑی بستی ہے۔ جس کے باشندوں کی تعداد

اتنی کثیر ہو کہ اگر وہ سب شہر کی بڑی مسجد میں جمع ہونا چاہیں تو اس میں نہ سما سکیں کئی علماء نے مصر جامع کی وضاحت میں دوسری تعریفیں بھی کی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1- مصر جامع وہ ہے جس کی آبادی دس ہزار ہو۔

2- جہاں ہر پیشے کا آدمی موجود ہو۔

3- حاکم وقت جس شہر کو مصر جامع قرار دے اور جمعہ قائم کرنے کا حکم دے۔

4- جہاں سڑکیں، بازار اور محلے ہوں اور لوگوں کے مقدمات کے فیصلے ہوتے ہوں اور کوئی ایسا عالم موجود ہو جو عوام کے مسائل از روئے شریعت حل کر سکتا ہو۔

ان تعریفوں سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ نماز جمعہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی شرکت ہو اور اس سعادت سے کوئی محروم نہ رہے دوسرے یہ کہ مصر جامع کوئی ایسی مرکزی آبادی ہونی چاہیے۔ جہاں مسلمانوں کا بڑا اجتماع منعقد ہو سکے اور الگ الگ بستیوں میں منتشر طور پر لوگ نماز جمعہ ادا نہ کریں۔

اسی طرح فقہا نے توابع مصر میں بھی نماز جمعہ کی اجازت دی ہے۔ توابع مصر سے مراد بڑے شہر کے گردو پیش کے دیہات ہیں جن کا فاصلہ شہر سے چار سے پانچ یا آٹھ نو میل تک قرار دیا گیا ہے۔

بعض فقہا نے توابع مصر کی تعریف یوں کی ہے۔

کہ یہ شہر کے اردگرد کا وہ علاقہ ہے۔ جہاں سے شہر کی ضروریات وابستہ ہوں۔ مثلاً چارہ، سبزیاں دودھ اور اسی قسم کی دوسری ضروریات بیچنے کے لئے شہر لائی جاتی ہوں۔

کچھ علماء نے توابع مصر میں رہنے والوں کے لئے شہر میں حاضر ہو کر جمعہ ادا کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔

ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ مَكَانٍ مِنْ تَوَابِعِ الْمِصْرِ فَحُكْمُهٗ حُكْمُ اَهْلِ الْمِصْرِ فِيْ وُجُوْبِ الْجُمُعَةِ عليه بِاَنْ يَّاْتِيَ الْمِصْرَ فَلْيُصَلِّهَا فِيْهِ.

"اور جو شخص توابع میں مصر میں سے کسی جگہ ہو۔ اس کے لئے خود اہل مصر کی طرح جمعہ واجب ہے اُسے مصر میں حاضر ہو کر نماز ادا کرنی چاہیے۔"

دیہات میں نماز جمعہ کا حکم:

چھوٹے چھوٹے دیہات یا گاؤں میں منتشر طور پر نماز جمعہ ادا کرنا درست نہیں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کسی بڑے دیہات یا گاؤں کو اپنا مرکزی مقام قرار دے کر نماز جمعہ ادا کریں۔
مضافات شہر سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں جہاں سے لوگ نماز جمعہ میں شریک ہو کر رات سے پہلے پہلے اپنے گھروں تک پہنچ سکیں اس بارے میں رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے۔

"جمعہ اس پر فرض ہے جو رات تک اپنے بال بچوں تک پہنچ سکتا ہو"

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں۔

"لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں اور مدینہ کے مضافات سے نماز جمعہ کے لئے آیا کرتے تھے۔ گرد سے اٹے ہوئے اور پسینہ بہہ رہا ہوتا، ایک مرتبہ حضورؐ میرے ہاں تشریف رکھتے تھے کہ ان لوگوں میں سے ایک آدمی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کیا بہتر ہوتا کہ تم آج کے دن غسل کر لیتے۔" (بخاری)

اہلحدیث علماء کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے کسی شہر، یا بڑی بستی کی پابندی نہیں ہے۔ جس چھوٹی یا بڑی آبادی میں چند لوگ موجود ہوں وہاں نماز جمعہ پڑھنا فرض ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ کیا بحرین میں جمعہ پڑھا جائے یا نہیں۔
حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا۔

"تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ ادا کرو"

(ابن خزیمہ)

ابن حزم محلی فرماتے ہیں۔

"گاؤں میں نماز جمعہ صحیح ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرمؐ جب مدینے میں تشریف لائے تو اس وقت مدینہ چھوٹی چھوٹی بستیوں کی شکل میں الگ الگ بسا ہوا تھا۔ حضورؐ نے بنی مالک بن نجار کی بستی میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس بستی میں نماز جمعہ ادا کی یہ بستی نہ تو کوئی بڑا گاؤں تھا نہ شہر تھا۔"

(عون المعبود شرح ابی داؤد)

2۔ وقت ظہر کا ہونا:

جمعہ صرف ظہر کے وقت میں پڑھنا درست ہے۔ ظہر کا وقت نکل جانے کی صورت میں نماز جمعہ نہیں پڑھی جا سکتی۔ نماز جمعہ کے پڑھنے کے دوران اگر ظہر کا وقت نکل جائے تو نماز جمعہ فاسد ہو جاتی ہے۔ اسی لئے نماز جمعہ کی کوئی قضا نہیں۔

3۔ جمعہ کا خطبہ:

نماز جمعہ کے منعقد ہونے کے لئے خطبہ کا ہونا ضروری ہے اگر وقت سے پہلے خطبہ پڑھ لیا جائے یا نماز جمعہ کے بعد خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔

4۔ نماز جمعہ کی جماعت:

نماز جمعہ کی ابتداء سے نماز جمعہ کے آخر تک کم از کم تین آدمیوں کا موجود ہونا لازمی ہے اور یہ تین آدمی ایسے ہونے چاہیں جو امامت کرانے کے قابل ہوں۔ نابالغ بچے اور خواتین ہوں تو نماز جمعہ نہیں ہوگی۔

5۔ نماز جمعہ کے لئے اذن عام:

نماز جمعہ کی ادائیگی کا مقام ایسا ہونا چاہیے جہاں کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو بلکہ ہر ایک کو نماز جمعہ میں شرکت کی اجازت ہو۔ کسی ایسی جگہ پر نماز جمعہ درست نہ ہوگی جہاں عوام الناس کو آنے کی اجازت نہ ہو۔ مثلاً کسی ایسی بڑی کوٹھی میں جہاں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو۔

6۔ مسلمان حکمران کی شرط:

فقہا نے نماز جمعہ کے لئے مسلمان حکمران کی شرط رکھی ہے یعنی وہ خود یا اس کا کوئی نائب نماز جمعہ کا انتظام کرے یہ شرط اس وجہ سے ہے کہ مسلمان حکمران کا یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ نماز جمعہ کا انتظام کرے اور عظیم الشان اجتماع کی نگرانی وہ خود یا اس کا نمائندہ کرے۔ تاکہ امن و امان قائم رہے۔ جہاں مسلمان حکمران نہیں ہے اور اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے وہاں بھی مسلمانوں سے نماز جمعہ ساقط نہیں ہو جاتی۔ وہاں مسلمانوں کے سرکردہ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آپس میں مل جل کر نماز جمعہ کا خود اہتمام کریں۔

Scanned with CamScanner

وَاَمَّا فِیْ بِلَادٍ عَلَیْهَا وُلَاۃُ کُفَّارٍ فَیَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِیْنَ اِقَامَةُ الْجُمَعِ وَالْاَعْیَادِ وَیَصِیْرُ الْقَاضِیُ قَاضِیًا بِتَرَاضِی الْمُسْلِمِیْنَ وَیَجِبُ عَلَیْهِمْ طَلَبُ وَالٍ مُسْلِمٍ۔ (شامی)

"رہے وہ ممالک جہاں کافر حکمران مسلط ہیں تو ان میں مسلمانوں کے لئے درست ہے کہ وہ جمعہ اور عیدین کا بطور خود اہتمام کریں اور وہاں مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے جو قاضی بنا لیا جائے وہ انکا قاضی ہوگا اور ان پر مسلم حکمران کی طلب اور اس کے لئے جد و جہد واجب ہے۔"

ہندوستان میں جب انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا تو یہ مسئلہ مسلمانوں کے درمیان اٹھا۔ کہ ہندوستان میں نماز جمعہ منعقد کی جائے یا نہیں۔ کچھ علماء کا خیال تھا کہ اب یہاں نماز جمعہ نہیں پڑھنی چاہیے لیکن اس وقت کے ایک جلیل القدر عالم مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے دوٹوک انداز میں یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں پر جمعہ واجب (تفہیمات)

جمعہ کی سنتیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کی آٹھ سنتیں مؤکدہ ہیں۔ چار رکعت فرضوں سے پہلے اور چار رکعت فرضوں کے بعد۔

صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کی سنتیں دس ہیں چار رکعتیں فرضوں سے پہلے اور چار رکعت فرضوں کے بعد ایک سلام سے اور پھر دو رکعت ایک سلام سے۔

جمعہ کے آداب:

1- جمعہ کی نماز کے لئے خصوصی تیاری ضروری ہے۔ مثلاً بال اور ناخن کٹوانا، اچھے سے اچھا لباس پہننا طہارت و نظافت کا اہتمام کرنا، خوشبو لگانا اور جمعہ کی پہلی اذان کے ساتھ مسجد میں پہنچنا مسنون ہے۔

"جو شخص جمعہ کے دن نہائے۔ اچھے کپڑے پہنے اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے اور جمعہ کی نماز کے لئے آئے اور لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے نہ پھلانگے پھر کچھ نماز پڑھے جو خدا نے اُس کے مقدر میں لکھ دی ہے اور امام کے آنے سے نماز ختم ہونے تک خاموش رہے تو اس کے سارے عمل

سے ان سارے گناہوں کی تلافی ہو جائے گی جو پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک اس سے سرزد ہوئے تھے۔" (ابوداؤد)

2- کسی کوتاہی یا غلطی کی وجہ سے جمعہ کی جماعت نہ مل سکے تو پھر ظہر کی چار رکعت ہی پڑھنا ہوگی۔ اسی طرح وہ معذور آدمی جو نماز جمعہ میں شامل نہ ہوسکتا وہ بھی چار رکعت نماز ظہر ادا کرے۔

3- نماز جمعہ پڑھانے کا مستحق وہی ہے۔ جس نے خطبہ دیا، لیکن اگر کوئی دوسرا شخص نماز جمعہ پڑھا دے تو نماز درست ہو جائیگی لیکن یہ ضروری ہے کہ نماز وہی شخص پڑھائے جس نے خطبہ سنا ہو اگر امام نے نماز جمعہ کا خطبہ نہیں سنا تو اس کی امامت میں نماز جمعہ جائز نہ ہوگی۔ (درمختار)

4- بہتر یہی ہے کہ سب لوگ ایک ہی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔ البتہ اگر کسی بڑے شہر میں مختلف جگہوں پر نماز جمعہ ادا کی جائے تو جائز ہے۔

5- جس شہر یا بستی میں نماز جمعہ منعقد ہوتی ہو تو نماز جمعہ سے پہلے وہاں ظہر کی نماز پڑھنا حرام ہے۔ معذور اور بیمار آدمی کو نماز جمعہ ہو جانے کے بعد نماز ظہر پڑھنی چاہیے۔ اگر پہلے پڑھ لیں تو مکروہ ہے۔

6- جن معذور یا بیمار لوگوں پر نماز جمعہ واجب نہیں وہ نماز ظہر جماعت سے ادا نہیں کر سکتے۔ اگر جماعت سے ادا کریں تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا۔

7- خطبے کے مقابلے میں نماز جمعہ لمبی پڑھنی چاہیے۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے

"نماز جمعہ کا طویل ہونا اور خطبہ مختصر ہونا اس بات کی علامت ہے کہ خطیب دین کی گہرائی سمجھ اور بصیرت رکھتا ہے۔ لہٰذا تم نماز طویل پڑھو اور خطبہ مختصر دو۔" (درمختار)

لمبی نماز سے یہ مراد نہیں کہ جمعہ کی نماز اکتا دینے والی ہو بلکہ ایسی ہونی چاہیے جس میں معذور، بیمار اور کمزور نمازیوں کا خیال رکھا گیا ہو۔

8- اگر کوئی آدمی آخری قعدہ میں جمعہ کی جماعت میں شامل ہو یا سجدہ سہو کے بعد تشہد میں شریک ہو تو اس کی نماز جمعہ درست ہوگی امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ دو رکعت نماز جمعہ پوری کرے۔

9- جمعرات کے دن سے ہی نماز جمعہ کا اہتمام شروع کر دینا چاہیے۔ حضورؐ جمعہ کی تیاری جمعرات ہی سے شروع کر دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

Scanned with CamScanner

10- ذکر و تسبیح، تلاوت، دعا استغفار صدقہ و خیرات، مریضوں کی عیادت جنازے میں شرکت اور دوسرے نیک کاموں کا ثواب جمعہ کے دن زیادہ ملتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

'' پانچ نیکیاں ایسی ہیں کہ جو شخص انکو ایک دن میں کرے اللہ اس کو اہل جنت میں لکھ دیتا ہے۔ بیمار کی عیادت کرنا، جنازے میں شریک ہونا، روزہ رکھنا، نماز جمعہ پڑھنا، غلام کو آزاد کرنا''

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

''جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ بندہ اس گھڑی میں جو دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے''

(بخاری)

اس مقبول گھڑی کے بارے میں علماء کے کئی قول ہیں۔

(الف) جب امام خطبے کے لئے منبر پر آتا ہے اس وقت سے نماز ختم ہونے تک کا وقت قبولیت کا وقت ہے۔

(ب) جمعہ کے دن جب سورج غروب ہونے لگے تو آخری لمحات قبولیت کا وقت ہیں مناسب یہ ہے کہ دونوں وقت میں دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

11- مستحب یہ ہے کہ نماز جمعہ کے لئے مسجد میں پہنچنے کی بہت پہلے کوشش کرنی چاہیے۔ آنحضورؐ کا فرمان ہے۔

'' جو شخص جمعہ کے دن نہایت اہتمام کے ساتھ اس طرح نہایا جس طرح پاکی حاصل کرنے کے لئے نہایا جاتا ہے پھر اول وقت میں مسجد میں جا پہنچا تو اس نے گویا ایک اونٹ کی قربانی کی۔ جب خطیب خطبہ دینے کے لئے نکل آتا ہے تو فرشتے مسجد کا دروازہ چھوڑ دیتے ہیں اور اپنا رجسٹر بند کر کے خطبہ سننے اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آ جاتے ہیں۔''

(بخاری و مسلم)

12- حضورؐ کا معمول تھا کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ '' آلٓمٓ السجدہ '' اور سورۂ الدھر اور جمعہ کی نماز میں آپؐ سورۂ الجمعہ اور سورۂ المنافقون یا سورۂ الاعلیٰ اور الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔

13- جمعہ کی نماز کے لئے آنے والے کو چاہیے کہ جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائے۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر اگلی صفوں میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس طرح لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور ان کی عبادت اور یکسوئی میں خلل پڑتا ہے۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے۔

'' جو شخص پہلی صف کو چھوڑ کر دوسری صف میں اس لئے کھڑا ہوا کہ اس کے مسلمان بھائی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کو پہلی صف والوں سے دوگنا اجر و ثواب عطا کرتے ہیں''

(طبرانی)

14- یہ بھی مستحب ہے کہ جمعہ کے دن نبی اکرمؐ پر بکثرت درود و سلام بھیجا جائے آپؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

''تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کی وفات ہوئی اور اس دن قیامت آئیگی لہذا اس دن تم مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود و سلام میرے حضور پیش ہوتا ہے۔''

صحابہ نے کہا۔ یا رسول اللہ!

آپ کا جسم تو بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔

فرمایا

''خدا نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاءؑ کے جسم کو کھائے''

خطبے کے احکام و مسائل

مسئلہ 1- جمعہ میں دو خطبے ہوتے ہیں پہلے خطبے میں خطیب کو چاہیے کہ وہ دینی احکام و مسائل لوگوں کے سامنے بیان کرے اور احکام دینیہ پر عمل کرنے کی دعوت دے دوسرے خطبے میں قرآن مجید کی کچھ آیتیں رسولؐ پر درود اور رسول اللہ کے صحابہؓ اور عام مسلمان کے لئے دعا کرنی چاہیے۔

مسئلہ 2- اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ خطبہ عربی میں دیا جانا چاہیے یا مقامی

Scanned with CamScanner

زبان میں کچھ علماء کا خیال ہے کہ خطبہ عربی میں ہی ہونا چاہیے اور دوسرے علماء یہ کہتے ہیں کہ خطبہ عربی کے علاوہ مقامی زبان میں بھی دیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خطبے کا جو بنیادی مقصد ہے۔یعنی دینی مسائل تذکیر و تفہیم، وعظ و ارشاد یہ مقصد تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب خطبہ اس زبان میں دیا جائے جسے سامعین اچھی طرح سمجھتے ہوں لیکن خطبے کا دوسرا حصہ جس میں درود و سلام صحابہ اور مسلمانوں کے لئے دعا ہونی چاہیے۔ وہ لازماً عربی زبان میں ہو۔ جہاں مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع ہو تو اس میں عربی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ نہیں ہونا چاہیے۔

(تفہیمات جلد:2)

اہلحدیث کے نزدیک عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ دینا نہ صرف جائز بلکہ قابل ترجیح ہے۔مولانا عبدالسلام بستوی فرماتے ہیں۔

"خطبہ کے معنی ہیں حاضرین کو خطاب کر کے وعظ و نصیحت کرنا اور نصیحت اسی وقت مفید ہو سکتی ہے جب سننے والوں کی زبان میں کی جائے لہذا خطبہ سننے والوں کی زبان میں دینا چاہیے اگر سننے والے عربی زبان ہوں تو عربی زبان میں اگر کسی دوسری زبان والے ہوں تو اسی زبان میں خطبہ دیا جائے صرف عربی زبان میں ہی خطبہ دینا فرض نہیں ہے۔ بلکہ عربی عبارت پڑھ پڑھ کر لوگوں کی زبان میں بھی ترجمہ کر کے سمجھا دینا چاہیے۔"

(اسلامی تعلیم حصہ:4)

مسئلہ 3- خطیب کو چاہیے کہ موقع و محل کے مناسب مؤثر خطبہ تیار کرے۔جس میں ملک و قوم کے حالات لوگوں کے مسائل سے متعلق قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہدایات دے۔ نیز مسلمانوں کے دینی اور منصبی فرائض یاد دلائے اور ان کے دلوں میں دین کی تڑپ پیدا کرے۔

مسئلہ 4- یہ بھی جائز ہے کہ خطیب کتاب سے دیکھ کر کوئی تیار شدہ خطبہ پڑھ دے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ نبی اکرمؐ کا ارشاد کردہ کوئی خطبہ پڑھ کر سنا دیا جائے لیکن اصل خطبہ وہی ہے جو بامقصد حالات کے مطابق اور مسلمانوں کو پیش آمدہ حالات و واقعات اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا حل بیان کرے۔

مسئلہ 5- خطبہ دینے کے لئے خطیب کو منبر پر تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جانا چاہیے پھر کھڑے ہو

کر خطبہ شروع کرنا چاہیے۔خطبے میں پرجوش، باوقار اور مؤثر انداز اختیار کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ 6- نماز جمعہ کے مقابلے میں خطبہ زیادہ لمبا نہ ہونا چاہیے۔حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے۔

"نماز کا طول اور خطبے کا اختصار خطیب کی سمجھ بوجھ اور دینی بصیرت کی علامت ہے لہذا تم نماز طویل پڑھو اور خطبہ مختصر دو"

مسئلہ 7- سامعین پر واجب ہے کہ وہ توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنیں۔

مسئلہ 8- خطیب کے قریب بیٹھنا اور اسکی طرف رخ کرنا مستحب ہے ارشاد نبوی ہے۔

"خطبے میں حاضر رہو اور امام سے قریب رہو"

(مشکوۃ)

خطبہ دینے والا جب منبر پر بیٹھ جائے تو پھر نماز پڑھنا، کھانا پینا، سلام کرنا، باتیں کرنا سلام کا جواب دینا یا ذکر و تسبیح میں مشغول ہونا سب ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔

یہاں تک کہ کسی کو نیک بات کی تلقین کرنا بھی ممنوع ہے۔

حضور اکرمؐ ارشاد ہے۔

"جو شخص اس وقت گفتگو کرتا ہے جب خطیب خطبہ دے رہا ہو تو اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں اور جو شخص دوران خطبہ دوسرے آدمی سے یہ کہے چپ رہو اس کا جمعہ نہیں ہے۔"

(مسند احمد طبرانی)

مسئلہ 9- اگر کسی شخص پر قضا نماز واجب ہو، اور وہ صاحب ترتیب بھی ہو تو خطبے کے دوران قضا نماز پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

مسئلہ 10- جب نبیؐ کا اسم گرامی خطبے میں آئے تو آہستہ سے درود پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ 11- خطبے کے دوسرے حصے میں حضور اکرمؐ کے اصحابؓ، ازواج مطہرات آل نبوی خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہ و عباس کے لئے دعا کرنا بھی مستحب ہے۔ عادل حکمران کے لئے دعا کرنا جائز ہے۔لیکن خلاف واقعہ اور مبالغہ آمیز تعریف سے گریز کرنا چاہیے۔

مسئلہ 12- آجکل رمضان المبارک کے آخری جمعے میں رمضان شریف کے الوداع ہونے اور فراق رمضان کے مضامین بیان کرنا بہت مقبول ہے شریعت میں اس بات کی کوئی اصل موجود نہیں نہ ہی صحابہ کرامؓ سے ایسی کوئی چیز منقول ہے۔ فقہ کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔لہذا مستقل طور پر ایسے مضامین پڑھنا نامناسب ہے۔ البتہ کبھی کبھار الوداع رمضان کا ذکر کر دینا جائز ہے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ 13- خطبے اور جمعہ کی جماعت کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہونا چاہیے خطبے کے فوراً بعد اقامت شروع کر دینی چاہیے۔

خطبہ اور جماعت کے درمیان کوئی دنیاوی کام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر یہ وقفہ لمبا ہو جائے مثلاً خطیب کھانا شروع کر دے یا کسی کاروباری معاملے میں الجھ جائے تو خطبہ دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔ البتہ اگر کوئی دینی ضرورت درپیش ہو۔ مثلاً کسی کو شریعت کا کوئی مسئلہ بتانا پڑے یا وضو کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو یہ وقفہ کوئی مکروہ نہیں، نہ دوبارہ خطبہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔

نماز اور خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

نمازوں اور جمعے کے خطبے میں لوگوں تک آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے۔ اس بارے میں مولانا محمد شفیع کی کتاب (آلات جدیدہ کے شرعی احکام) واضح طور پر اس کے جائز ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

مولانا مودودی اس بارے میں فرماتے ہیں۔

"نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو میں نہ صرف جائز سمجھتا ہوں بلکہ احسن خیال کرتا ہوں۔ میرا وجدان تو یہ گواہی دیتا ہے کہ اگر حضور اکرمؐ کے عہد میں یہ آلہ موجود ہوتا۔ تو آپؐ یقیناً اس کو نماز، اذان اور خطبے میں استعمال فرماتے جس طرح آپؐ نے غزوۂ خندق میں خندق کھودنے کا ایرانی طریقہ بلا تامل اختیار فرمایا تھا۔" (تفہیمات جلد:3)

جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کی ممانعت:

جمعہ کی پہلی اذان سنتے ہی تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خطبہ سننے اور نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں پہنچ جائیں دنیاوی کاروبار اور خرید و فروخت اذان کے بعد ممنوع ہو جاتے ہیں قرآن مجید واضح طور پر ہدایت دیتا ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعه:9)

"اے ایمان والو! جب نماز کے لئے جمعہ کے دن اذان ہو تو دوڑ پڑو اللہ کے ذکر کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔"

"ذکر اللہ" سے مراد یہاں خطبہ یا خطبہ اور نماز دونوں ہیں اور "نودی" میں جس اذان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ جمعہ کی دوسری اذان ہے جب امام خطبہ دینے کے لئے منبر پر بیٹھ جاتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ عہد نبوی میں صرف ایک اذان دی جاتی تھی جب خطیب منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

جب مدینے کی آبادی زیادہ ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے ایک اور اذان رائج فرمائی۔ جو مدینے میں ان کے مکان پر دی جاتی تھی۔ (بخاری ابوداؤد بروایت سائب بن یزیدؓ)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بیان کے مطابق "نُوْدِيَ" سے مراد وہ اذان ہے جو نزول قرآن کے وقت دی جاتی تھی بعد میں حضرت عثمانؓ کے عہد میں دوسری اذان رائج کی گئی اور اس پر اجماع صحابہ ہوگیا۔ لہذا خرید و فروخت کے ممنوع ہونے میں اس پہلی اذان کا حکم عہد نبی کی دوسری اذان کے حکم کے مطابق ہے اگرچہ دوسری اذان میں یہ حکم قطعی اور منصوص ہے۔ جبکہ پہلی اذان میں یہ حکم ظنی اور غیر منصوص ہے۔

خطبے کا مسنون طریقہ:

خطبے کا مسنون طریقہ یہ ہے۔ خطیب صفائی اور طہارت کے ساتھ منبر پر سامعین کی طرف رخ کر کے بیٹھے اور اس کے سامنے موذن اذان دے خطیب پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ بلند آواز سے پڑھے پھر خطبہ شروع کرے اللہ کی حمد و ثناء اور توحید رسالت کی شہادت کے بعد مختصر انداز میں نہایت وقار اور جوش سے وعظ و تذکیر کرے پھر تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ جائے دوبارہ کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ شروع کرے جس میں حمد و ثناء اور شہادت کا اعادہ کرتے ہوئے قرآن پاک کی کچھ آیات درود و سلام آپؐ کی آل، اصحاب خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہؓ و عباس کے لئے دعا کرے پھر عام مسلمانوں کے لئے دعا کرے اور اس طرح خطبہ ختم کر کے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔

عیدین کے احکام و مسائل

عید کی ابتداء:

رسول پاکؐ جب ہجرت کر کے مدینے میں پہنچے تو آپؐ کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ مدینے والوں نے سال میں دو دن مقرر کر رکھے ہیں جن میں وہ کھیلیں منعقد کرتے ہیں اور تفریح

Scanned with CamScanner

کرتے اور خوشیاں مناتے ہیں۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں۔ تو لوگوں نے عرض کی۔ یہ ہمارے لئے کھیل کود اور خوشیاں منانے کے دن ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"خدا نے ان دونوں کے بدلے میں ان سے زیادہ بہتر دو دن مقرر فرمائے ہیں ایک عیدالفطر کا دن دوسرے عیدالاضحیٰ کا دن"

عیدالفطر:

یہ عید اس خوشی اور مسرت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان میں اپنے بندوں کے لئے روزہ، تراویح تلاوت قرآن صدقہ فطر اور خیرات کی جو عبادتیں مقرر فرمائیں۔ اللہ کے بندے ان کو اچھی طرح ادا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

عیدالاضحیٰ:

مہینہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو یہ عید منائی جاتی ہے۔ جو دراصل حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی عظیم قربانی کی یادگار ہے حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کا اشارہ پا کر اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو چھری کے نیچے رکھ دیا اور حضرت اسماعیلؑ بھی حکم خداوندی معلوم کر کے بخوشی اس قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ مسلمان اس عظیم الشان یادگار کو منا کر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس جو بھی قیمتی اور عزیز ترین مال و متاع ہے وہ اسے خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ظاہری طور پر جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت مسلمان کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان کی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

عیدالفطر کے مسنون کام:

بارہ کام ایسے ہیں جو رسول اللہؐ سے منقول ہیں۔

1- اپنی آرائش و زیبائش کا اہتمام کرنا۔
2- نماز عید کے لئے فجر کے بعد غسل کرنا۔
3- مسواک کرنا۔
4- اچھے سے اچھا لباس زیب تن کرنا چاہے وہ نیا ہو یا دھلا ہوا ہو۔

5- بدن پر خوشبو لگانا۔
6- عید کے دن صبح کو بہت جلدی اٹھنا۔
7- بہت سویرے عید گاہ میں پہنچ جانا۔
8- نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دینا۔
9- نماز عید سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا۔
10- عید کی نماز کے لئے عید گاہ جانا سنت مؤکدہ ہے۔ حضور اکرمؐ ہمیشہ عید کی نماز عیدگاہ ہی میں پڑھا کرتے تھے۔
11- عید گاہ کے لئے ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا۔
12- عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے آہستہ آواز میں تکبیر پڑھنا تکبیر کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ
وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

عیدالاضحیٰ کے مسنون کام:

صرف دو باتوں کے علاوہ باقی سب کام وہی ہیں جو عیدالفطر کے دن کئے جاتے ہیں۔

1- عید گاہ جانے سے پہلے عیدالاضحیٰ کے دن کچھ نہ کھانا مسنون ہے۔ حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ عیدالفطر کے دن نبی اکرمؐ عیدگاہ جانے سے پہلے ضرور کچھ کھا پی لیتے تھے۔ اور عیدالاضحیٰ کے دن آپؐ عیدگاہ سے واپس آ کر ہی کچھ کھاتے تھے۔
2- عیدالفطر میں تکبیر آہستہ آواز میں پڑھی جاتی ہے جبکہ عیدالاضحیٰ کے دن تکبیر بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے۔

نمازِ عید کے مسائل:

نماز عید پڑھنا واجب ہے اور یہ نماز دو رکعت ہے۔

جمعہ کی نماز کے لئے وہی شرائط ہیں وہی شرائط نماز عید کے لئے بھی ہیں فرق صرف یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ فرض ہے جبکہ عید کا خطبہ سنت ہے۔

Scanned with CamScanner

نمازِ عید کی نیت:

نیت کرتے ہوئے ذہن میں یہ بات دوہرائے کہ میں دو رکعت واجب نماز عید کی نیت کرتا ہوں، جسمیں چھ واجب زائد تکبیریں بھی ہیں، ساتھ ہی یہ بھی دھیان میں رکھے کہ عید الفطر پر فطر نماز اور عیدالاضحیٰ پر عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھ رہا ہوں۔

نمازِ عید کی کیفیت:

جس طرح فرض نمازوں کی نیت کرتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہی جاتی ہے پھر ہاتھ باندھ کر ثناء پڑی جاتی ہے نماز عید میں بھی وہی کچھ کرنا ہوگا۔ البتہ پہلی رکعت میں تین مرتبہ تکبیر تحریمہ کی طرح کان کی لو تک ہاتھ اٹھائے اور تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ نیچے گرا دے۔ ہر تکبیر کے درمیان وقفہ اتنا ہونا چاہیے۔ جس میں تین بار سبحان اللہ کہا جا سکے۔

تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لینا چاہیے پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور قرآن کی کوئی سورت پڑھے۔ رکوع وسجود کے بعد دوسری رکعت کے لئے اٹھ جائے۔

دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کی کوئی سورت پڑھنے کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین تکبیریں کہہ کر ہاتھ لٹکائے پھر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد رکوع میں جائے اور نماز پوری کرے۔

عیدین کا وقت:

نماز عیدین کا وقت سورج کے اچھی طرح نکل آنے اور روشنی تیز ہو جانے کے بعد شروع ہوتا ہے اور سورج ڈھلنے تک باقی رہتا ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی میں زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔ عیدالاضحیٰ کی نماز ذرا پہلے اور عید الفطر کی نماز کچھ تاخیر سے پڑھی جائے۔

نمازِ عید کے مسائل:

مسئلہ 1- نماز عید میں جماعت شرط ہے اس لئے کوئی شخص اکیلا نماز عید نہیں پڑھ سکتا اسی طرح اگر کوئی شخص عید کی نماز میں شریک ہوا لیکن درمیان میں اس کی نماز فاسد ہوگئی تو وہ قضا عید نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ اگر کچھ لوگ اس کے ساتھ شریک ہو جائیں تو پھر عید کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

مسئلہ 2- کسی عذر یا مجبوری کی بناء پر عید کے دن نماز نہیں پڑھی جا سکی تو عید الفطر دوسرے دن اور عیدالاضحیٰ تیرہ ذوالحجہ تک پڑھی جا سکتی ہے۔

مسئلہ 3- عیدین کی نماز میں اذان اور اقامت نہیں ہے۔

مسئلہ 4- اگر کچھ لوگ کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں تو نماز عید سے پہلے ان کے لئے کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ 5- کوئی شخص نماز عید میں اس وقت شریک ہو جب امام تکبیریں کہہ چکا ہو تو اسے چاہیے کہ نیت باندھ کر تکبیریں کہہ لے۔ اگر امام رکوع میں جا چکا ہو تو رکوع میں ہی آہستہ آہستہ تکبیریں کہہ لے۔ اگر امام رکوع سے اٹھ کھڑا ہو تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہو۔ اس صورت میں اس پر باقی تکبیریں معاف ہیں۔

مسئلہ 6- امام اگر عید کی تکبیریں کہنا بھول جائے اگر اُسے رکوع میں یاد آئے تو حالت رکوع میں ہی تکبیر کہہ لے اور اگر رکوع سے اٹھ جائے تو تکبیریں چھوڑ دے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مسئلہ 7- عیدالاضحیٰ کی نماز تیرہ ذی الحجہ تک موخر کرنا مکروہ ہے اور عیدالفطر کی نماز میں بلا عذر تاخیر کرنا بالکل جائز نہیں۔

مسئلہ 8- عید پڑھنے کی جگہ میں نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی اور نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

"حضور اکرمؐ عید الفطر کی نماز کے لئے نکلے تو آپؐ نے صرف دو رکعتیں پڑھیں نہ ان دو رکعتوں سے پہلے آپؐ نے نماز پڑھی نہ بعد میں۔"

(ترمذی بروایت ابن عباس)

مسئلہ 9- کسی شہر میں مختلف جگہوں پر نماز عید پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ 10- عیدین کی نماز میں قراءت اونچی آواز سے کرنا چاہیے۔

"نبی اکرمؐ عیدین کی نماز میں سورۂ الاعلیٰ اور سورۂ الغاشیہ اور کبھی سورۂ کہف اور کبھی سورۂ قمر پڑھایا کرتے" (احمد ترمذی ابوداؤد)

نمازِ عید میں خواتین اور بچوں کی شرکت:

اہل حدیث علماء کے نزدیک نماز عید میں خواتین اور بچوں کی شرکت مسنون ہے۔ حضورؐ نے خود خواتین کو تاکید کی ہے۔ کہ وہ عید گاہ جایا کریں۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں حکم دیا" کہ ہم جوان اور کنواری اور پردہ نشین عورتوں کو اور حالت حیض والی عورتوں کو عید گاہ

Scanned with CamScanner

لے جایا کریں البتہ وہ خواتین جو حالت حیض میں ہوں وہ نماز کی جگہ سے الگ بیٹھیں۔ لیکن دعا میں شریک رہیں۔

میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ بعض خواتین کے پاس چادر وغیرہ نہیں ہے۔ وہ عیدگاہ میں کیسے جائیں فرمایا جس خاتون کے پاس چادر ہو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بہن کو چادر میں لے چلے۔" (بخاری، مسلم، ترمذی)

خطبۂ عید کے مسائل

مسئلہ 1- عید کا خطبہ سنت ہے لیکن اس کا سننا واجب ہے۔

مسئلہ 2- عید کا خطبہ نماز عید کے بعد ہوتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن سب سے پہلے عیدگاہ میں نماز ادا کرتے۔ پھر وعظ و تلقین فرماتے اور دینی احکام بتاتے اگر کوئی لشکر کسی طرف روانہ کرنا ہوتا یا کوئی خاص ہدایت دینی ہوتی تو وہیں ہدایات دیتے۔ (بخاری و مسلم)

مسئلہ 3- جمعے کے خطبے کی طرح عید کے بھی دو خطبے ہیں اور خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھنا مسنون ہے۔ پہلے خطبے میں نو مرتبہ تکبیر کہے اور دوسرے میں سات مرتبہ تکبیر کہے۔

مسئلہ 4- عیدالفطر کے خطبے میں صدقہ فطر کے احکام و مسائل اور عیدالاضحیٰ میں قربانی وغیرہ کے مسائل بیان کرنا چاہیے۔

تکبیر تشریق:

ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو یوم عرفہ دسویں تاریخ کو یوم النحر اور گیارہ تا تیرہ تاریخ کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ ان پانچ دنوں میں فرض نمازوں کی ادائیگی کے بعد تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے۔ یہ تکبیر 9 ذی الحجہ سے شروع کر کے تیرہویں ذی الحجہ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

تکبیر تشریق مردوں کے لئے بلند آواز میں اور عورتوں کے لئے آہستہ آواز میں پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ 5- مسافر کے لئے تکبیر تشریق پڑھنا واجب نہیں لیکن گر کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہو جس پر تکبیر تشریق واجب ہے تو اس پر بھی واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ 6- تکبیر تشریق نماز کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے۔ اگر نماز سے فراغت کے بعد کوئی ایسا کام کر لیا جو نماز کے منافی ہے۔ مثلاً گفتگو کر لی یا مسجد سے باہر چلا گیا۔ یا قہقہ لگایا تو پھر تکبیر تشریق نہیں پڑھنی چاہیے۔ البتہ اگر وضو ٹوٹ جائے تو بغیر وضو کے تکبیر پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ 7- اگر تکبیر تشریق کہنا امام کو بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ اونچی آواز میں تکبیر کہنا شروع کر دیں۔

تکبیر تشریق یہ ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور شکر و حمد اللہ ہی کے لئے ہے"

موت اور بیماری کے احکام و مسائل

بیمار کی عیادت کے آداب:

مریض کی عیادت کرنا مستحب ہے اگر کسی مریض کا کوئی عزیز یا رشتہ دار نہ ہو تو ایسے مریض کی تیمارداری مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔ حضور اکرمؐ مریض کی عیادت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے آپؐ نے مریض کی عیادت کی بڑی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی اور اسکے کچھ آداب بھی بیان فرمائے۔

ادب 1- قیامت کے دن رب تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا اور تو نے میری عیادت نہیں کی بندہ کہے گا پروردگار آپ ساری کائنات کے رب ہیں میں آپ کی عیادت کیسے کرتا۔ رب تعالیٰ فرمائیں گے۔

"میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے وہاں پاتا" (مسلم)

ادب 2- جب مریض کے پاس عیادت کے لئے جائیں تو اس کے لئے تسلی تشفی کی باتیں کریں اور اسے یہ بتائیں کہ مریض کو جو معمولی تکلیف بھی پہنچی ہے تو وہ اس کے گناہوں

Scanned with CamScanner

کا کفارہ بن جاتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔

''مسلمان کو جو بھی مصیبت پیش آئے جو بیماری ، پریشانی ، رنج، اذیت اور غم پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی چھبتا ہے تو اللہ اس کے سبب اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔''

(بخاری و مسلم)

ادب3۔ مریض کے پاس بیٹھ کر اس کی خیریت کے لئے دعا کرنا سنت نبوی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

''حضور اکرمؐ کا یہ معمول تھا کہ ہم میں سے جب کوئی بیمار پڑتا تو حضورؐ اپنا دایاں ہاتھ مریض کے جسم پر پھیرتے اور دعا کرتے''

اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سُقَمًک'' (بخاری، مسلم)

''اے انسانوں کے پروردگار! اس مریض کا دکھ دور کر دے اس کو شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے شفا دینا تو تیرا ہی کام ہے ایسی کامل شفا عطا فرما کہ بیماری کا نام ونشان نہ رہے۔''

4۔ مریض کے پاس بیٹھ کر اس سے اپنے لئے دعا کرانا بھی مستحب ہے کیونکہ مرض کی حالت میں آدمی اللہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے۔ حدیث نبوی میں ہے۔

''جب تم کسی مریض کی عیادت کو جاؤ تو اس سے اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کرو۔ مریض کی دعا ایسی ہے جیسے فرشتوں کی دعا''

(ابن ماجہ)

5۔ مریض کے پاس زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ ہاں البتہ اگر مریض خود خواہش کرے تو کچھ دیر تک ٹھہر جانا مناسب ہے۔

6۔ اگر کسی غیر مسلم کی عیادت کے لئے جانا ہو تو موقع پا کر اسے حق کو قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیے کیونکہ بیماری کے وقت مریض کا دل بہت نرم ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے۔

کہ ایک یہودی لڑکا حضور اکرمؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑا تو آپؐ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے آپؐ اس کے سرہانے بیٹھے پھر اس سے کہا دین حق کو قبول کر لو۔ لڑکا اپنے باپ کا منہ تکنے لگا جو وہیں موجود تھا باپ نے کہا ''ابوالقاسم کی بات مان لو'' چنانچہ وہ لڑکا مسلمان ہوگیا۔ حضور اکرمؐ یہ کہتے ہوئے اس کے گھر سے نکلے

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس لڑکے کو جہنم سے بچا لیا''

قریب المرگ آدمی کے آداب:

1- جب علامات سے یہ ظاہر ہونے لگے کہ مریض کا وقت موت قریب ہے تو اسے داہنی کروٹ لٹا کر اسکا منہ قبلے کی طرف کر دینا چاہیے اور سر کو ذرا اونچا کر دینا بھی مسنون ہے لیکن اگر اس طرح کرنے میں مریض کو تکلیف ہوتی ہو تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

2- مریض کے پاس بیٹھ کر اونچی آواز میں کلمہ طیبہ پڑھتے رہیں لیکن مریض کو کلمہ طیبہ پڑھنے کا نہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تکلیف اور بدحواسی کے عالم میں کوئی نامناسب کلمہ زبان سے نکال دے اگر ایک دفعہ مریض کلمہ طیبہ پڑھ لے تو پھر خاموش ہو جانا چاہیے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

''مرنے والوں کو کلمہ طیبہ کی تلقین کیا کرو'' (مسلم)

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا۔

''جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا'' (ابوداؤد)

3- آخری وقت میں مریض کے پاس بیٹھ کر سورۂ یسین پڑھنا بھی مستحب ہے مرنے والے کے پاس نیک اور خدا ترس لوگوں کا بیٹھنا بہتر ہوتا ہے نیکی کی برکت سے اللہ رحم فرماتا ہے۔ نیز مریض کے پاس خوشبو وغیرہ جلانا بھی مستحب ہے۔

4- مریض کی موت کے بعد مرنے والے کی آنکھیں بند کر دینی چاہیں اس کا منہ کپڑے کی پٹی سے باندھ دینا چاہیے اور اس کے ہاتھ پیر سیدھے کر دینے چاہیں یہ کام کرتے ہوئے مندرجہ ذیل دعا پڑھنا مستحب ہے۔

اَللّٰھُمَّ یَسِّرْ عَلَیْہِ اَمْرَہٗ وَسَھِّلْ عَلَیْہِ مَابَعْدَہٗ وَاَسْعِدْہٗ بِلِقَاءِکَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَیْہِ خَیْرًا مِمَّا خَرَجَ عَنْہُ۔

Scanned with CamScanner

"اے اللہ! اس کی مشکل کو آسان فرما دے اور اس کو سہولت عطا فرما ان معاملات میں جو اس کے بعد پیش آنے والے ہیں، اور اس کو اپنے دیدار سے مشرف فرما اور اس کے ٹھکانے کو جہاں یہ جا رہا ہے اسکے حق میں بہتر بنا دے اس ٹھکانے سے جہاں سے یہ رخصت ہو رہا ہے۔"

5- میت پر بین کر کے رونا، منہ پیٹنا اور گریبان پھاڑنا ناجائز ہے۔ حضور اکرمؐ نے اس سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ مرنے کے بعد مرنے والے کی شکوہ شکایات زبان پر نہیں لانا چاہیے۔ نیز اس کے حق میں بد دعائیں کرنا بھی صحیح نہیں بلکہ مرنے والے کو اچھے الفاظ میں یاد کرنا چاہیے۔ اس کی برائیوں سے چشم پوشی کرنی چاہیے۔

حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے۔

"اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے زبان بند رکھا کرو۔" (ابوداؤد)

میت کے غسل دینے کے احکام:

1- میت کے غسل دینے اور تجہیز و تکفین میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی میت دیر تک اس کے گھر والوں کے پاس پڑی رہے۔

2- میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے۔ اگر کسی میت کو بغیر غسل دیئے دفن کر دیا جائے تو وہ تمام مسلمان گنہگار ہونگے جن کو اس کا علم تھا۔

3- اگر میت کو قبر میں اتار دیا گیا، لیکن ابھی مٹی نہیں ڈالی گئی تو اسے نکال کر غسل دینا ضروری ہے۔ البتہ مٹی ڈالنے کے بعد قبر سے نکالنا درست نہیں۔

4- کفن پہنانے کے بعد اگر یہ پتہ چل جائے کہ میت کا کوئی عضو خشک رہ گیا ہے تو کفن ہٹا کر دھو دینا چاہیے۔ اگر بہت ہی معمولی حصہ خشک رہ جائے مثلاً ایک انگلی وغیرہ تو اسکے لئے کفن اتارنے کی ضرورت نہیں۔

5- میت کو ایک بار غسل دینا فرض اور تین بار غسل دینا سنت ہے۔

6- جس آدمی کے لئے میت کی طرف نظر کرنا جائز ہو وہ آدمی میت کو غسل دے سکتا ہے اسی لئے ...ت مرد کو اور مرد عورت کو غسل نہیں دے سکتا۔ بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ عدت گزرنے تک بیوی شوہر کے نکاح میں رہتی ہے لیکن مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں ...ے سکتا کیونکہ عورت کے وفات پاتے ہی نکاح کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے البتہ اہل حدیث کے مسلک میں شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔

7- بہتر یہی ہے کہ میت کو اس کا قریبی عزیز غسل دے اگر وہ غسل دینے کا طریقہ نہ جانتا ہو تو پھر کوئی بھی نیک صالح آدمی غسل دے سکتا ہے۔

8- نابالغ لڑکے اور لڑکی کو عورت اور مرد دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

9- اگر کوئی بچہ پیدائش کے فوراً بعد مر جائے تو اس کو غسل دینا فرض ہے۔ لیکن اگر بچہ مرا ہوا پیدا ہو تو اسے غسل دینا ضروری نہیں اگر غسل دے دیا جائے تو بہتر ہے۔

غسل دینے کا صحیح طریقہ:

میت کو تختے پر لٹا کر اس کے کپڑے اتار دیے جائیں اور ناف سے گھٹنوں تک ایک کپڑا ڈال دیا جائے پھر ہاتھوں پر کپڑا یا دستانے لپیٹ کر استنجا کرایا جائے پھر وضو کرایا جائے لیکن منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالا جائے بلکہ روئی تر کر کے دانتوں، مسوڑھوں اور ناک میں پھیر دی جائے اگر موت بحالت جنابت یا بحالت حیض و نفاس ہوئی ہو تو پھر کلی کرائی جائے اور ناک میں پانی ڈالا جائے اس کے بعد ناک منہ اور کانوں میں روئی بھر دی جائے تاکہ پانی پیٹ کے اندر داخل نہ ہو اس کے بعد سر کو غسل دیا جائے اور اس کے لئے صابن یا جو چیز صفائی کرنے والی ہو استعمال کیا جائے۔ پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا کر نیم گرم پانی سے جس میں بیری کے پتے وغیرہ پڑے ہوں سر سے پاؤں تک اتنی مقدار میں ڈالا جائے کہ دائیں کروٹ تک پہنچ جائے اسی طرح پھر دائیں کروٹ لٹا کر بھی تین مرتبہ پانی ڈالا جائے اور آخر میں میت کو سہارا دے کر بٹھا دیا جائے اور اسکے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا جائے اگر کوئی گندگی خارج ہو تو اسے دھو دیا جائے لیکن وضو اور غسل دوبارہ نہ دیا جائے۔ پھر بائیں کروٹ بٹھا کر کافور ملا ہوا پانی تین بار پورے جسم پر بہایا جائے اور بدن کو تولیہ وغیرہ سے خشک کر دیا جائے۔

کفن کے احکام و مسائل:

1- میت کے بدن کو خشک کرنے کے بعد اسے کفن پہنایا جائے۔

2- کفن دینا فرض کفایہ ہے کفن کے اخراجات وہ لوگ برداشت کریں جو میت کے کفیل ہوں۔ اگر اس کا کوئی کفیل نہیں ہے اور نہ ہی اس نے کوئی مال چھوڑا ہے تو کفن کے اخراجات تمام مسلمانوں پر فرض ہیں چاہے کوئی ایک شخص ادا کر دے یا مشترکہ طور پر چندہ کر کے ادا کریں۔

Scanned with CamScanner

3- کفن میں وہی کپڑا استعمال کیا جائے جس کا پہننا میت کے لئے زندگی میں جائز تھا۔خواتین کو رنگین اور ریشمی کپڑے کا کفن دینا جائز ہے ،لیکن مرد کے لئے ریشمی اور زعفرانی رنگ کا کفن دینا جائز نہیں۔

4- زیادہ قیمتی کپڑے کا کفن دینا مکروہ ہے۔ بلکہ میت زندگی میں جس معیار کے کپڑے پہنتا تھا کفن بھی اسی معیار کا ہونا چاہیے ۔سفید کپڑے کا کفن دینا مستحب ہے چاہے کپڑا نیا ہو یا پرانا۔

5- اپنی زندگی میں اپنا کفن تیار کروا رکھنا درست ہے لیکن اپنی قبر کھدوا کر رکھنا مکروہ ہے۔

6- مرد کے لئے تین کپڑوں کا کفن مسنون ہے جس میں کفنی، ازار اور چادر ہونی چاہیے کفنی یا کرتا گلے سے پاؤں تک ہونا چاہیے ۔ازار سر سے پاؤں تک ہونا چاہیے اور چادر ان دونوں سے ایک ہاتھ لمبی ہو تاکہ سر اور پاؤں دونوں جانب سے باندھی جاسکے۔کفنی میں آستین اور کلی نہیں ہونی چاہیے۔

7- عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دینا مسنون ہے۔ جن میں کفنی یا کرتا ازار ، سر بند ، سینہ بند اور چادر ہونی چاہیے۔ کفنی گلے سے پاؤں تک جس میں کلی یا آستین نہ ہو، ازار سر سے پاؤں تک ، چادر اس سے ایک ہاتھ لمبی ، سر بند تین ہاتھ لمبا جو سر سے اوڑھا کر چہرے پر ڈال دیا جائے باندھا یا لپیٹا نہ جائے اور سینہ بند سینے سے رانوں تک لمبا ہونا چاہیے۔اگر مسنون کفن میسر نہ آسکے تو مرد کے لئے دو کپڑے یعنی ازار اور چادر اور عورت کے لئے تین کپڑے یعنی ازار چادر اور سر بند ہی کافی ہے۔اگر اتنا کپڑا بھی نہ مل سکے تو جس قدر مل سکے وہی کافی ہوگا، اور بدن کا جو حصہ کھلا رہ جائے اسے گھاس پھونس سے ڈھانپ دینا چاہیے۔

8- اگر کوئی بچہ مرا ہوا پیدا ہو یا حمل ساقط ہو جائے تو کسی سفید کپڑے میں لپیٹ کر اسے دفن کر دینا چاہیے۔

کفن پہنانے کا طریقہ:

مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ اس طرح ہے۔ کہ چادر کسی ہموار جگہ پر بچھا دی جائے اور چادر کے اوپر ازار کو اس طرح لپیٹا جائے کہ دایاں سرا بائیں سرے کے اوپر رہے اور پھر اسی طریقے پر چادر کو بھی لپیٹ دیا جائے۔

عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ چادر کسی تخت پر بچھا کر اور اس کے اوپر ازار بچھا دیں پھر عورت کو کفنی پہنا کر بالوں کے دو حصے کر دیئے جائیں اور دائیں بائیں کفنی کے اوپر سے سینے پر ڈال دئے جائیں پھر دوپٹہ سر سے اوڑھا کر منہ پر ڈال دیا جائے پھر میت کو ازار پر لٹا کر اس طرح لپیٹا جائے کہ دایاں کنارہ بائیں کنارے کے اوپر رہے پھر اسی طریقے پر سینہ بند کو لپیٹ دیا جائے اور پھر چادر لپیٹ کر سر اور پاؤں دونوں جانب سے کفن کو باندھ دیا جائے اور اسی طرح کمر کے پاس بھی ایک دھجی سے کفن کو باندھ دیا جائے تاکہ کھلنے نہ پائے۔

نماز جنازہ کے احکام و مسائل

نماز جنازہ دراصل میت کی بخشش کے لئے دعا ہی ہے۔ اس اجتماعی دعا سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو جاتی ہے اور اس میں شرف قبولیت کی زبردست تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے نماز جنازہ میں جس قدر زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہو سکیں بہتر ہے لیکن لوگوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت کے لئے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا درست نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

نماز جنازہ کا حکم:

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے یعنی کچھ لوگ اگر نماز جنازہ پڑھ لیں تو دوسرے لوگوں کی طرف سے فرض ادا ہو جائے گا سنت نبوی سے اس کی فرضیت ثابت ہے اور اس کا انکار کرنے والا کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

فرائض نماز جنازہ:

نماز جنازہ کے صرف دو فرض ہیں۔

1- چار مرتبہ تکبیر تحریمہ کہنا۔ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے۔ رکوع اور سجود نماز جنازہ میں نہیں ہوتے۔

2- قیام کرنا۔ جنازہ کی نماز کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے سواری پر سوار ہو کر یا بیٹھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

Scanned with CamScanner

نماز جنازہ کی سنتیں:

نماز جنازہ کی صرف تین سنتیں ہیں۔

1- اللہ کی حمد و ثناء کرنا۔

2- حضور اکرمؐ پر درود بھیجنا۔

3- میت کے لئے دعا کرنا۔

نماز جنازہ کا طریقہ:

سنت یہ ہے کہ مقتدیوں کی تین صفیں بنالی جائیں اگر لوگوں کی تعداد زیادہ ہو تو مزید صفیں بھی بنائی جاسکتی ہیں لیکن صفوں کی تعداد ہمیشہ طاق رکھنی چاہیے۔

حدیث نبوی ہے۔

"جس میت پر تین صفیں نماز جنازہ پڑھ لیں وہ بخش دیا جاتا ہے۔" (ابوداؤد)

میت کو آگے رکھ کر امام اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو۔ مقتدی نماز جنازہ کی نیت کریں۔

پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور دوسری نمازوں کی طرح ہاتھ ناف کے اوپر باندھ لیں۔ پھر ثناء پڑھیں۔ نماز جنازہ کی ثناء میں صرف جَلَّ ثَنَاءُکَ کے لفظ کا اضافہ کریں پھر ہاتھ اٹھائے بغیر دوسری تکبیر کہیں اور درود پاک پڑھیں جیسا کہ دوسری نمازوں میں پڑھا جاتا ہے پھر تکبیر کہیں اور میت کے لئے دعا کریں۔

میت کی دعا:

مسنون دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَ کَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَهٗ مِنَّا فَاَحْیِهٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَی الْاِیْمَانِ

"اے اللہ! ہمارے زندوں، ہمارے مردوں ہمارے ان لوگوں کو جو حاضر ہیں اور ان کو غائب ہیں ہمارے چھوٹوں کو، ہمارے بڑوں، ہمارے مردوں کو ہماری عورتوں کو بخش دے اے اللہ! ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھنا چاہے اُسے اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو موت دے تو اس کو ایمان کے ساتھ موت دے"

اگر نابالغ لڑکے کی میت ہو تو یہ دعا پڑھی جائے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔

اور اگر نابالغ لڑکی کی میت ہو تو یہ دعا پڑھی جائے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً

"اے اللہ! اس بچے یا بچی کو ہماری نجات و آسائش کیلئے آگے جانے والا بنا اور اس کی جدائی کے صدمہ کو ہمارے لئے باعث اجر و ذخیرہ بنا اور اس کو ہماری ایسی شفاعت کرنے والا بنا جو قبول کر لی جائے۔"

دعاء جنازہ یاد نہ ہونے کی صورت میں صرف یہ پڑھ لینا کافی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ

اگر یہ الفاظ بھی یاد نہ ہو تو صرف چار تکبیریں کہہ دینے سے نماز جنازہ ہو جاتی ہے۔

ان دعاؤں کے بعد پھر چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیر کہیں اور دونوں طرف سلام پھیر دیں۔ یہ بات یاد رہے کہ امام تکبیریں اونچی آواز میں کہے اور مقتدی تکبیرات آہستہ کہے۔

نماز جنازہ کے متفرق احکام و مسائل:

مسئلہ 1- نماز جنازہ میں شرکت کرنا ثواب کا کام ہے۔ حضور اکرمؐ نے اسے مسلمان کا حق قرار دیا ہے لیکن نماز جنازہ کے لئے جماعت شرط نہیں ہے۔

ایک شخص بھی نماز جنازہ پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا چاہے مرد ہو یا عورت بالغ ہو یا نابالغ۔

مسئلہ 2- جن مسجدوں میں نماز پنجگانہ ہوتی ہے یا جو مسجدیں نماز جمعہ اور عیدین کے مقصد کے لئے تعمیر کی گئی ہیں ان میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ جو مسجدیں بنائی ہی نماز جنازہ کے لئے گئی ہیں ان میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

مسئلہ 3- اگر کئی جنازے ایک وقت میں جمع ہو جائیں تو ہر ایک جنازہ کے لئے الگ نماز پڑھنا بہتر ہے، اور اگر سب کے لئے ایک ہی نماز پڑھ لی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ سب جنازے ایک ہی قطار میں رکھ کر امام اپنے قریب والے جنازے کے سینے کے مقابلے میں کھڑا ہو۔

مسئلہ 4- جن چیزوں سے دوسری نمازیں فاسد ہو جاتی ہیں انہیں سے نماز جنازہ بھی فاسد ہو جاتی ہے مگر نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسنے یا کسی خاتون کے مرد کے ساتھ کھڑے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (علم الفقہ)

Scanned with CamScanner

مسئلہ 5- نماز جنازہ میں شامل ہونے والا شخص اگر دیر سے پہنچے جبکہ امام کچھ تکبیریں کہہ چکا ہو تو شامل ہونے والا شخص اس وقت شامل ہو جب امام تکبیر کہے۔ یہ اس کی تکبیر تحریمہ سمجھی جائے گی۔ جب امام نماز سے فارغ ہوجائے تو یہ شخص باقی تکبیریں مسبوق کی طرح ادا کر کے نماز پوری کرے۔

مسئلہ 6- اگر کوئی شخص بغیر وضو یا بغیر غسل کے ہو اور یہ خطرہ ہو کہ نماز جنازہ نہ مل سکے گی تو اسے تیمم کر کے نماز جنازہ میں شریک ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ نماز جنازہ کی کوئی قضا نہیں۔

مسئلہ 7- نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ مستحق حکم وقت ہے پھر اس کا نائب پھر شہر کا قاضی پھر قاضی کا نائب پھر محلے کا امام مستحق ہیں۔ اگر میت کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی شخص علم اور پرہیزگاری میں افضل ہو تو وہی نماز جنازہ پڑھائے یا پھر میت کا ولی یعنی قریبی وارث نماز جنازہ پڑھائے۔ یا پھر وہ شخص پڑھائے جس کو میت کا ولی اجازت دے۔

مسئلہ 8- نماز سے فارغ ہوتے ہی میت کو فوراً قبرستان لے جانا چاہیے۔

مسئلہ 9- چھوٹے بچوں کی میت کو ہاتھوں میں اٹھا کر قبر تک لے جانا چاہیے۔

مسئلہ 10- بڑے آدمی کی میت کو چارپائی پر رکھ کر چاروں پائیوں کو باری باری لوگ اٹھا کر لے چلیں۔

مسئلہ 11- بغیر عذر اور ضرورت کے جنازے کو سواری پر لے جانا مکروہ ہے اگر کوئی عذر ہو تو پھر جائز ہے۔

مسئلہ 12- جنازے کو قبرستان کی طرف تیز تیز قدموں سے لے جانا چاہیے۔ لیکن اتنا تیز بھی نہیں کہ میت ہلنے لگے۔

مسئلہ 13- لوگوں کا جنازے کے پیچھے پیچھے چلنا مستحب ہے۔ اگر کوئی آگے چلا جائے تو جائز ہے اگر سب لوگ جنازے کے آگے چل پڑیں تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ 14- جنازے کو کندھے سے اتارنے سے پہلے بغیر کسی عذر کے بیٹھ جانا مکروہ ہے۔

مسئلہ 15- جنازے کے ساتھ پیدل چلنا مستحب ہے اگر کوئی سواری پر ہو تو اسے سب لوگوں کے پیچھے چلنا چاہیے۔

مسئلہ 16 جنازے کے ساتھ چلنے والے لوگوں کو آہستہ سے ذکر و دعا کرنا چاہیے بلند آواز سے ذکر و دعا کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ 17- خواتین کا جنازے کے ساتھ جانا مکروہ تحریمی ہے۔

جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ:

جنازے کو کندھا دینا مستحب ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنے پائے کو اٹھا کر دس قدم چلے پھر داہنے پچھلے پائے کو دس قدم تک اٹھائے پھر بائیں پچھلا پایہ دس قدم تک اٹھائے اور پھر اگلا بایاں پایہ دس قدم اٹھا کر چلے اس طرح جنازہ اٹھا کر چلنے کی مقدار چالیس قدم ہو جائے گی۔

حدیث نبوی میں ہے۔

"جو شخص جنازے کو اٹھا کر چالیس قدم چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

دفن کے مسائل:

1- میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے۔

2- میت کے لئے قبر کی لمبائی اس کے قد کے مطابق ہونی چاہیے اور گہرائی قد سے آدھی سیدھی قبر کی بجائے بغلی قبر یعنی لحد بنانا بہتر ہے۔ البتہ اگر زمین نرم ہو تو بغلی قبر نہیں بنانی چاہیے۔

3- قبر میں اتارتے ہوئے میت کو قبر سے قبلے کی طرف رکھا جائے اور اتارنے والے قبلہ رو ہو کر میت کو قبر میں اتاریں اتارتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کی دعا پڑھنا مستحب ہے۔

4- میت کو قبر میں داہنے پہلو پر قبلے کی طرف رخ کر کے لٹا دیا جائے۔

5- عورت کو قبر میں اتارتے وقت پردہ کرنا مستحب ہے اگر میت کے بدن کھل جانے کا اندیشہ ہو تو پھر پردہ کرنا واجب ہے۔

6- قبر پر مٹی ڈالنے کی ابتداء سر کی طرف سے کرنا مستحب ہے۔ دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالے اور قرآن پاک کے یہ الفاظ ادا کرے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ

وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

Scanned with CamScanner

7- میت کو دفن کر دینے کے بعد تھوڑی دیر قبر پر ٹھہرنا، دعائے مغفرت کرنا، قرآن پاک کی تلاوت کر کے میت کو ثواب پہنچانا، مٹی ڈالنے کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا مستحب ہے۔

اسی طرح قبر کے اوپر کوئی ہری شاخ کاٹ کر لگا دینا بھی مستحب ہے۔ حضور اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے ایک ہری شاخ کے دو ٹکڑے کئے اور انہیں دو قبروں پر رکھ دیا اور فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہونگی میت کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

8- ایک قبر میں ایک ہی میت کو دفنانا چاہیے اگر ضرورت پڑے تو کئی میتوں کی ایک ہی قبر میں دفنایا جاسکتا ہے۔

9- پانی میں سفر کرنے والا کوئی شخص اگر وفات پا جائے۔ اگر خشکی قریب ہو تو اسے خشکی ہی میں دفن کرنا چاہیے لیکن اگر فاصلہ زیادہ ہو اور نعش کے گل سڑ جانے یا خراب ہونے کا خطرہ ہو تو پھر نماز جنازہ پڑھ کر اسے سمندر کے حوالے کر دینا چاہیے۔

10- قبر کچی اینٹوں کی بنانا مسنون ہے۔ قبر پر پکی عمارت، گنبد، قبہ یا زیب و زینت کے لئے نقش و نگار بنانا حرام ہے۔

تعزیت:

میت کے پسماندگان کے لئے ہمدردی تسلی و تشفی اور میت کے حق میں دعائے مغفرت کرنا تعزیت کہلاتا ہے۔ حضور اکرمؐ خود بھی تعزیت کا اہتمام فرماتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں۔

"جو شخص کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے اس کے لئے ویسا ہی اجر ہے جیسا کہ خود مصیبت زدہ کے لئے۔" (جامع ترمذی)

ایصال ثواب

معنی و مفہوم:

ایصال ثواب کے لفظی معنی ہیں "ثواب پہنچانا" اسلامی اصطلاح میں ایصال ثواب کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے نیک اعمال عبادات یا تلاوت قرآن کا اجر و ثواب اپنے کسی عزیز یا محسن یا کسی بزرگ میت کو پہنچانے کی نیت کرے۔

ایصال ثواب کا حکم:

صدقہ، خیرات، قربانی طعام نفل عبادات وغیرہ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان سب عبادات کا ثواب میت کی روح کو پہنچانا جائز ہے اور محسن انسانیت حضرت محمدؐ کی روح کو ایصال ثواب مستحب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک صرف مالی عبادات کا اجر و ثواب میت کو پہنچتا ہے لیکن بدنی عبادات کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔

طریقۂ ایصال:

جب کوئی شخص اپنی کسی مالی یا بدنی عبادت کا ثواب میت کو پہنچانا چاہے تو اس عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ سے دعا کرے کہ اس عبادت کا ثواب فلاں آدمی کی روح کو مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ توقع ہے کہ اس کا ثواب مطلوبہ شخص کی روح کو مل جائے گا۔

ایصال ثواب کے مسائل:

مسئلہ 1- کسی عبادت کا ثواب میت کو پہنچانے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عبادت شروع کرتے وقت ہی ثواب پہنچانے کی نیت کی جائے بلکہ جب بھی ثواب پہنچانا چاہے اسی وقت نیت کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ 2- جب کوئی شخص اپنی کسی عبادت کا ثواب کسی میت کو پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عبادت کرنے والے کو بھی اس کے ثواب سے محروم نہیں کرتا بلکہ اسے بھی اپنی عبادت کا پورا پورا اجر مل جاتا ہے۔

مسئلہ 3- کسی عبادت کا ثواب اگر کئی لوگوں کو پہنچانے کی نیت کرے تو اللہ تعالیٰ اجر کو تقسیم نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی مہربانی سے سب کو پورا پورا اجر عطا فرماتا ہے۔

مسئلہ 4- ایصال ثواب کے لئے کچھ دن مخصوص کر لینا جیسے تیجا، چہلم، جمعرات وغیرہ یا اپنی طرف سے کچھ شرطیں عائد کر دینا ایصال ثواب کی حقیقت کے منافی ہے۔ اس قسم کی پابندیوں کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

Scanned with CamScanner

تاریخ اسلام

(مسلمانوں کے علمی وتہذیبی کارنامے)

نوٹ: (اس حصہ میں سے 15 نمبر کا سوال آئے گا)

مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب

ملت اسلامیہ کا مقصد:

دین اسلام کی تعلیم حکمرانی و جہاں بانی کی تعلیم ہے، اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین اپنے ماننے والوں میں خود داری، اعتماد، و یقین اور خدا ترسی و توکل کی روح پھونکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو روئے زمین پر بسنے والی انسانی جماعت کی ذمہ داری سپرد کی ہے کہ وہ انسانوں کو دین محکم اور صراط مستقیم کی طرف بلائیں۔ قرآن پاک میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اور اس طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنا دیا ہے کہ تم نگران ہو لوگوں پر اور رسول تم پر نگران ہو۔ (البقرۃ: ۱۴۳)

امت ''وسط'' سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ایک بین الاقوامی جماعت کا نام ہے جو افراط و تفریط سے ہٹی ہوتی ہے۔ دنیا کی ساری قوموں میں ان اشخاص کو منتخب کیا گیا ہے، جو ایک خاص اصول کو ماننے، ایک خاص پروگرام کو عمل میں لانے اور ایک خاص مشن کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ لوگ چونکہ ہر قوم میں سے نکلے ہیں، اس لئے یہ بیچ کی امت ہیں، لیکن ہر قوم سے تعلق توڑنے کے بعد سب قوموں سے ان کا دوسرا تعلق قائم کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دنیا میں خدائی قانون قائم کرنے کے فرائض انجام دیں۔ ''تم نوع انسان پر نگران ہو۔'' کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کو خدا کی طرف سے دنیا کا نگران مقرر کیا گیا ہے، اور نوع انسانی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، اس کا ایک خاص مشن ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو جو ضابطہ حیات اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا، اس کو دنیا میں نافذ کیا جائے، اس کے مقابلے میں ہر دوسرے طریقے کو مغلوب کیا جائے۔ اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْا وَلَا يُعْلٰى یہی ملت اسلامیہ کا مقصد ہے۔

Scanned with CamScanner

آنحضور ﷺ کی بعثت کے وقت اقوام عالم

چھٹی صدی انسانی تاریخ کا انتہائی تاریک ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی و زوال کی طرف جا رہی تھی، اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی۔ روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکتی اور ہلاکت کے غار میں گرنے سے روک سکتی، نہ ہی ایسی کوئی قوم نظر آتی تھی، جسے سیرت و کردار کے لحاظ سے بہتر اور صالح کہا جا سکے اور جو شرافت اور اخلاق کی اعلےٰ قدروں کی حامل ہو اور نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور مساوات پر مبنی ہو۔ اس عالم گیر تاریکی کا نقشہ قرآن نے خود اس طرح کھینچا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الروم: ۴۱)

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجہ میں فساد پھیل گیا ہے، تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے کچھ اعمال کا انہیں مزہ چکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضور کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے جان کنی کے عالم میں پڑی انسانیت کو نئی زندگی بخشی اور لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الر كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ (ابراہیم)

"یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری ہے تا کہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاؤ" اس خدا کے راستے کی طرف جو غالب اور تعریف والا ہے۔"

اسلام کا عظیم انقلاب

آپؐ کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ اور انسانیت کی تعمیر شروع ہوتی ہے، آپ کا مقصد بعثت دنیا کو جنت کی بشارت اور عذاب آخرت کی وعید پہنچانا تھا۔ آپ داعی الی اللہ اور سراج منیر بن کر آئے تھے کہ ساری دنیا کو روشن کریں، اسی لئے آپ کی مخاطب صرف ایک قوم یا ایک ملک کے لوگ نہ تھے، آپ کا خطاب تمام انسانوں اور پوری انسانیت سے تھا، آپ نے انہیں قرآن کی تعلیم دی، آپ کی مجالس نے ان کو خواہش نفس پر قابو پانے اور رضائے الٰہی کی سچی طلب حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کی سیرتوں کا یہ زبردست انقلاب جو رسول اکرم ﷺ کے دست مبارک پر انجام

پایا اور مسلمانوں کے ذریعہ سے انسانی معاشرہ میں رواج پایا، انسانی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ تھا۔ اپنی سرعت، گہرائی وسعت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے بے نظیر اور لاجواب تھا۔

ملت اسلامیہ کی تاریخ پر طائرانہ نظر

سن عیسوی کے حساب سے امت مسلمہ کی تاریخ کا آغاز ساتویں صدی سے ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضور ﷺ کی ولادت باسعادت ۵۷۱ ہجری میں ہوئی۔ ۶۱۰ء میں آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا اور تقریباً ۶۳۲ء میں آپ ﷺ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلامی انقلاب کی تکمیل فرما کر "رفیق اعلیٰ" سے جا ملے۔ خلفاء ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت کے دوران مسلمان قرآنی دعوت اور جذبہ جہاد کے ساتھ ایک سیلاب کی مانند، جزیرہ نمائے عرب سے نکلے اور انہوں نے ایک ربع صدی سے بھی کم مدت میں ایران و عراق، شام و فلسطین اور مصر کے علاوہ افریقہ کے بڑے رقبے پر اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ بنو امیہ کے دور میں ایک طرف مشرق میں ترکستان، افغانستان اور سندھ تک اور دوسری طرف مغرب میں پورے شمالی افریقہ کے علاوہ سپین سمیت مغربی یورپ کا وسیع علاقہ مسلمانوں کے زیر نگین آ گیا اور عالم اسلام کی سرحدیں تین براعظموں تک وسیع ہو گئیں، یہی وہ زمانہ تھا جب عرب افواج اندلس سے پیش قدمی کرتے ہوئے فرانس کے عین قلب تک جا پہنچی تھیں۔

آٹھویں نویں اور دسویں صدی کا زمانہ عرب مسلمانوں کے عروج کا دور ہے، جس کے دوران اسلام کی علمبرداری اور عالم اسلام کی قیادت عرب کی دو اہم شاخوں یعنی بنو امیہ اور بنو عباس کے پاس رہی اور روئے ارضی کے ایک بڑے حصے پر ان کے دین و مذہب ان کے تہذیب و تمدن، ان کے علوم و فنون اور ان کی شان و شوکت کا سکہ رواں رہا، لیکن جیسے جیسے دنیوی جاہ و جلال میں اضافہ ہوا حرارت ایمانی میں کمی آتی چلی گئی اور اس طرح یہ تناور درخت اندر سے کھوکھلا ہوتا چلا گیا۔ اس اندرونی زوال کے اثرات کے ظاہر ہونے میں کچھ مدت ضرور صرف ہوئی لیکن دسویں صدی عیسوی ہی کے دوران واضح ہو گیا تھا کہ عرب اپنے عالم پیری میں قدم رکھ چکے ہیں۔ گیارہویں صدی عیسوی کے دوران عربوں کا انحطاط اور زوال اپنی آخری حدود کو پہنچ گیا اور اس طرح عالم اسلام کے مرکز میں قوت کا ایک خلا پیدا ہو گیا۔ خوش قسمتی سے قوت کے دباؤ میں اس کمی کے نتیجے میں عالم اسلام کی شمال مشرقی سرحدوں سے جو قبائل مرکز اسلام کی طرف کھینچ کر آئے، وہ پہلے ہی سے مسلمان ہو چکے تھے، یعنی کرد اور ترکان سلجوقی

Scanned with CamScanner

جنھوں نے گیارھویں صدی عیسوی کے دوران شام اور فلسطین اور مصر میں مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے اور اس طرح عالم اسلام کے مرکز کی حفاظت اور مدافعت کے لئے کسی قدر تازہ قوت فراہم ہوگئی۔ بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے دوران امت مسلمہ پر اخلاقی زوال، دینی انحطاط اور سیاسی ادبار پوری طرح مسلط ہوگیا۔ چنانچہ پہلے شمال سے صلیبی طوفان کے ریلے آنے شروع ہوئے اور ۱۰۹۹ء میں نہ صرف یہ کہ مسجد اقصیٰ نصاریٰ کے قبضہ میں چلی گئی، بلکہ بیت المقدس میں وہ قتل عام ہوا جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مغربی مورخین بھی کانپ جاتے ہیں۔ پورے ۸۸ برس تک بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ رہا، اس لئے کہ دولت عباسی اور عربوں میں تو سرے سے دم خم باقی ہی نہ رہا تھا، بالآخر اہل اسلام کے تازہ خون نے مجاہد کبیر صلاح الدین ایوبی کی سرکردگی میں ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے نجات دلائی اور پھر مشرق کے جانب سے فتنہ تاتار کا وہ طوفان عظیم اٹھا جس نے پہلے افغانستان اور ایران کو پامال کیا اور ہر جگہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور بالآخر ۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد کا المناک واقعہ پیش آیا، جس سے بغداد میں خوب تباہی مچی۔ لاکھوں مسلمان تہہ تیغ ہوئے اور الف لیلہ کے اس رومانی شہر بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ مستعصم خلیفہ کے ساتھ ہی خلافت عباسی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا اور نہ صرف یہ کہ امت مسلمہ پر عذاب خداوندی کا یہ پہلا دور تکمیل کو پہنچا، بلکہ کم از کم اہل عرب کی حد تک تو وہ وعید بھی پوری ہوگئی جو سورہ محمد میں آیت نمبر ۳۸ میں وارد ہوئی تھی کہ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ یعنی اگر تم پیٹھ موڑ لو گے تو (اللہ) تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا، چنانچہ وہ عالم اسلام کی قیادت کے منصب سے معزول کر دیئے گئے۔ دو سال بعد یعنی ۱۲۶۰ء میں اس طوفان کا رخ بھی اہل مصر نے ہی پھیرا جس سے کم از کم اسلام کا مغربی بازو اس کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہ گیا، آخر تاتاری بادشاہ نے اسلام قبول کر کے اپنا نام احمد خاں رکھا اور اب مصریوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کئے۔ بادشاہ احمد خان کے مسلمان ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاری جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے، یہاں تک کہ قوبلائی خان کے پوتے اننده سلطان، جو ختا کا حاکم تھا، اس نے بھی اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اب تاتاریوں کی تمام جنگی صلاحیتیں اسلام کی سربلندی کے لئے صرف ہونے لگیں، چنانچہ بقول اقبال

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

نہ صرف یہ کہ خود انہی ترکان چنگیزی کا بڑا حصہ اسلام لے آیا، جن کے ہاتھوں عالم اسلام پر ہولناک تباہی آئی تھی، بلکہ ان ہی کے دو قبیلوں کو یہ توفیق ارزانی ہوئی کہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور ان میں سے ایک یعنی ترکان تیموری نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان مسلم سلطنت کی بنیاد رکھ کر عالم اسلام کے دائیں بازو کی توثیق کی اور دوسرے یعنی ترکان عثمانی نے پہلے ایشیاء کوچک میں قدم جمائے اور پھر مملکت کی بنیاد رکھی، جس نے ایک طرف پورے مشرقی یورپ پر اپنی بالادستی کا سکہ جمایا، یہاں تک کہ ایک موقعہ پر اٹلی کے دروازوں تک دستک دی اور دوسری طرف شمالی افریقہ سمیت پورے عالم اسلام کے قلب کی حفاظت و سیادت کی ذمہ داری سنبھالی تا آنکہ خلافت کا بھی احیاء کیا اور اس طرح گویا عالم اسلام کے قلب کی شوکت دوبارہ عثمانی ترکوں کے ذریعے سے لوٹ آئی، قدرت کے کھیل بھی عجیب ہیں، ادھر تو خلافت عثمانی کے استحکام کے ذریعے عالم اسلام کے قلب میں گویا ملت کی نشاۃ ثانیہ ہوئی اور ادھر یورپی استعمار کے سیلاب کی صورت میں امت مسلمہ پر عذاب الٰہی کے دوسرے اور نہایت طویل دور کا آغاز ہوگیا، جس کا اصل زور عالم اسلام کے مشرق و مغرب کی جانب رہا۔

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ یورپ میں احیاء العلوم کا پورا عمل اسلام ہی کے زیر اثر شروع ہوا اور یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے یورپ کو مشرق کے علوم وفنون سے روشناس کرایا، جیسے ہی یورپ میں بیداری ہوئی عالم اسلام کی شامت آگئی، یورپ مشرق و مغرب دونوں اطراف سے مسلمانوں کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا، لیکن مشرق میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا عمل ظاہر ہو چکا تھا اور عظیم سلطنت عثمانیہ عالم اسلام کے مرکز کے محافظ سنتری کی حیثیت سے کھڑی تھی، البتہ مغرب میں اب دولت ہسپانیہ مرنے والی امتوں کے عالم پیری کا نقشہ پیش کر رہی تھی لہٰذا

ہے جرم ضعیفی سزا مرگ مفاجات

کے مصداق یورپی استعمار کا اولین شکار وہی بنی پندرھویں صدی عیسوی کے دوران اس عظیم سلطنت کا قلع قمع ہوگیا، یہاں تک کہ ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے بعد تو بعینہ وہ صورت پیدا ہوگئی جس کا نقشہ قرآن مجید میں عذاب کا شکار ہونے والی قوموں کا کھینچا گیا۔ یعنی كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا یعنی جیسے کہ وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ تھے۔ وَلَا يُرٰى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ یعنی ان کے ویران مسکنوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ (سورہ الاحقاف: ۱۵)

Scanned with CamScanner

۱۴۹۸ء میں واسکوڈے گاما نے نیا بحری راستہ دریافت کیا اور اس کے فوراً بعد یورپی استعمار کا سیلاب عالم اسلام کے مغربی ممالک پر ٹوٹ پڑا اور انڈونیشیا اور ملایا اور ہندوستان مختلف یورپی اقوام کے استبدادی پنجوں میں جکڑے گئے اور یہ عمل جس کا آغاز سولہویں صدی عیسوی سے ہوا اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کے دائیں بازو کی حد تک اپنے عروج کو پہنچ گیا، اسی اثناء میں دولت عثمانی بھی اپنے شباب کے دور سے گزر آئی تھی اور اب اس نے بھی ''مرد بیمار'' کی حیثیت اختیار کر لی تھی، گویا کہ عالم اسلام کے مرکز میں آٹھ صدیوں کے بعد پھر وہی قوت کا خلا پیدا ہوگیا جو گیارہویں صدی عیسوی میں دولت عباسیہ کے زوال کے باعث پیدا ہوا تھا اور قوت کے دباؤ کی اس کمی کے باعث مغربی استعمار کا رخ عالم اسلام کے قلب کی جانب مڑ گیا۔ عالم اسلام کے قلب پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے اس دوسرے دور کا آغاز بیسویں صدی کے شروع میں ہوگیا تھا، چنانچہ پہلی عالم گیر جنگ کے خاتمہ پر جب دنیا کا نیا نقشہ سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ عظیم دولت عثمانیہ سمٹ سمٹا کر ایشیا کوچک میں محدود ہوگئی ہے اور شمالی افریقہ سمیت پورا عالم عرب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہوکر مختلف یورپی اقوام کے براہ راست زیر تسلط ہوگیا یا بالواسطہ محکومی میں آ گیا اور ہو بہو وہی کیفیت پیدا ہوگئی، جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے ان الفاظ میں دی تھی۔

یُوشِکُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعیٰ عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعَی الْاَکَلَۃُ اِلٰی قَصْعَتِھَا

یعنی ایک زمانہ آئے گا کہ اقوام عالم ایک دوسرے کو تم پر ٹوٹ پڑنے میں اس طرح دعوت دیں گی جیسے (کسی دعوت طعام میں) کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں، اس کی وجہ ملت اسلامیہ کی حب دنیا اور موت کا خوف ہوگا۔

ملت اسلامیہ کے عروج کے اسباب

اب ہم ملت اسلامیہ کے عروج کے اسباب بیان کرتے ہیں۔

ا۔ واضح نصب العین:

دین اسلام نے ملت اسلامیہ کو ایک واضح نصب العین اور مقصد حیات دیا ہے، جس کی بنیاد توحید، رسالت اور ایمان بالآخرۃ پر تھی۔

(الف) عقیدہ توحید:

دین اسلام کی پہلی بنیاد عقیدہ توحید ہے، عقیدہ توحید سے مراد خدا کو وحدہ لاشریک تسلیم کرنا ہے، وہ اپنی ذات اور صفات میں بے مثل ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، تمام کائنات کا وہ مالک اور جملہ مخلوقات کا خالق اور معبود ہے، اسلام نے توحید الٰہی کے ساتھ ساتھ وحدت انسانی پر بھی زور دیا ہے، تمام انسان اپنی پیدائش اور اصل کے لحاظ سے ایک نفس اور جان سے پیدا کئے گئے ہیں۔

خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (النساء)

گویا انسانوں کی ابتداء اور انتہا یکساں اور ایک جیسی ہے، یہ حقیقت ذہن نشین کرا کر اسلام نے تمام نسلی، علاقائی اور جغرافیائی حدود کا خاتمہ کر دیا ہے، اس طرح اسلام کا پیرو کار ایک عالمی تہذیب کے ناطے عالمی شہری بن جاتا ہے۔

(ب) رسالت محمدی ﷺ

اسلام کا دوسرا اہم عقیدہ رسالت محمدی ہے، یہ عقیدہ بنی نوع انسان کے اتحاد کا ضامن ہے، رسالت کا یہ عقیدہ اسلامی تہذیب کی جان ہے، تمام انبیاء کرام اسی تہذیب کے علمبردار تھے، اس سلسلہ رسالت کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ ہیں۔

پہلے زمانے میں ذرائع ابلاغ و آمدورفت محدود تھے۔ تمام انسانوں تک نبی کا پیغام پہنچانا تھا، اب جب کہ دنیا کمال بلوغت کو پہنچ گئی ہے، اور پوری دنیا نے سمٹ کر ایک کنبہ کی شکل اختیار کر لی ہے تو پیغام رسانی آسان ہوگئی ہے، لہٰذا اب تک تمام انسانوں کے لئے نجات اور فلاح رسالت محمدی کے اتباع میں ہے۔

(ج) ایمان بالآخرت:

ایمان بالآخرت سے مراد اس حقیقت کا اعتراف و یقین ہے کہ ایک دن یہ ساری کائنات فنا ہوجائے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دوبارہ تمام انسانوں کو زندہ کرے گا، جو اپنے اعمال کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہوں گے، اور اپنے اعمال کے مطابق انہیں جزا اور سزا دی جائے گی، اسلام کے سارے نظام کی بنیاد احتساب یعنی جزا اور سزا کے نظریہ پر ہے،

Scanned with CamScanner

اس طرح اسلام نے یوم آخرت کے عقیدے کو اپنے ضابطہ اخلاق کے لئے ایک زبردست پشت پناہ بنایا ہے، اس کا نظام اپنی بقاء کے لئے مادی قوت کا محتاج نہیں ہے، بلکہ وہ ایمان بالآخرت کے ذریعے انسان کے نفس میں ایک ایسے طاقتور محاسب یعنی ضمیر کو بٹھاتا ہے جو ہر نیکی اور بھلائی کا محرک بن جاتا ہے۔

الغرض اسلام کی مذکورہ بالا بنیاد ملت اسلامیہ کو دنیاوی زندگی کا ایک واضح نصب العین دیتی ہے کہ وہ اشرف المخلوق اور نائب خدا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد دنیا میں آسمانی بادشاہت قائم کرنا ہے۔

پس مسلمان اس واضح نصب العین کے ساتھ جزیرۃ العرب میں پھیلنا شروع ہوئے تو مختلف اور سخت ترین عداوتوں، حوصلہ شکن رکاوٹوں کے باوجود اس انداز سے آگے بڑھتے رہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے انہوں نے مشرق میں سندھ اور چینی ترکستان اور مغرب میں اندلس تک اپنی حکومت و مملکت کی حدود کو وسیع کرلیا اور ان ملکوں میں صرف سیاسی طاقت وقوت ہی حاصل نہیں کی بلکہ اسلام کی سچی تعلیم سے اور اسلامی تہذیب وتمدن کے قابل پرکشش خدوخال نے اپنا ایسا رنگ جمایا کہ چند ملکوں کو چھوڑ کر تمام مفتوحہ ممالک ایک ہی رنگ میں رنگ گئے۔

ملت اسلامیہ نے علوم وفنون میں ایجادات واختراعات تہذیب نفس اور نظام اخلاق کی ترتیب وتدوین میں اپنی ذہنی ودماغی قوت عظمت وبرتری اور مافوق العادۃ جہدوجہد کا ایسا ثبوت دیا کہ بڑے بڑے معاند مورخ بھی اس کو جھٹلانے کی جرات نہ کرسکے۔

خلافت راشدہ میں عروج کے اسباب:

سیدالانبیاء ختم الرسل ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے چار جاں نثار اور جلیل القدر صحابہ نے اسلامی حکومت کی بھاگ دوڑ سنبھالی۔ یہ چاروں اصحاب خلفائے رسول کہلاتے ہیں۔ ان کا عہد خلافت تیس سال پر مشتمل ہے، اُن کا نصب العین خدا تعالیٰ کی رضا، عوام کی فلاح اور رسول کی اتباع تھا۔ یہ دور آسمانی سلطنت کا مثالی اور درخشاں دور ہے، جیسا کہ غیر مسلم مورخ جرجی زیدان نے بھی اعتراف کیا ہے۔

"خلفائے راشدین کا زمانہ اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یہ مبارک زمانہ حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دور ہے، اس دور میں حکومت' راست بازی اور رعایا پروری کے

اصول پر قائم تھی۔ اس وقت مسلمان دین میں راسخ اور دنیا میں بھی سربلند تھے۔ یہ وہ عہد زریں ہے، جسے مابعد کے مسلمانوں نے اپنا آئیڈیل بنایا اور اس کی پیروی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔ (تاریخ تمدن اسلام ج٦)

خلافت راشدہ ذاتی اور شخصی حکومت نہ تھی، جو کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو، بلکہ خلیفہ اور اس کے عمال کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق حکومت کے معاملات چلاتے تھے، حکام کو ظلم سے روکنا اور آسمانی عدل قائم کرنا خلیفہ کا فرض تھا۔ خلیفہ اور عوام کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ تھا۔ اطاعت صرف معروف میں کی جاتی تھی۔ خلافت کے اس مقصد کو حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، اور عثمان غنیؓ نے اپنے خلافتی خطبوں میں واضح کردیا تھا۔

جمہوری شورائی کا نظام:

خلافت راشدہ کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ ایک جمہوری اور شورائی نظام تھا اور امور مملکت میں مشاورت کی روح رچی بسی ہوئی تھی، خلیفہ کا انتخاب اکابر صحابہ اور عوام کی آزادنہ رائے اور رضامندی سے ہوتا تھا۔ صدیق اکبر کا انتخاب جمہوری طریقے سے سقیفہ بنی ساعدہ میں باہمی مشورہ اور آزادنہ بحث کے بعد عمل میں آیا۔ اس طرح عمر فاروق کی نامزدگی عوام وخواص کے مشورے کے بعد کی گئی تھی۔ حضرت عثمان کا انتخاب انتخابی کمیٹی نے عوام کے مشورہ سے کیا۔ حضرت علی کو بھی مہاجرین وانصار کے بزرگوں اور عوام نے آزادی سے چنا تھا۔ اس طرح خلافت راشدہ ایک عوامی انتخابی ادارہ تھا، مسلمان اپنی رضا اور آزادی سے اپنے میں سے بہترین شخص کو منتخب کرتے تھے، اسی طرح گورنروں کا تعین بھی مجلس شوریٰ کرتی تھی، جس حاکم کو عوام نا پسند کرتے اسے فوراً معزول کردیا جاتا، فاروق اعظم کا مشہور مقولہ ہے۔

لَاخِلَافَةَ اِلاَّ عِنْ مَشْوَرَۃِ یعنی خلافت کی بنیاد شوری ہے

بنیادی حقوق کا تحفظ:

خلافت راشدہ میں تمام لوگوں کو بلا لحاظ مذہب وملت، رنگ ونسل بنیادی حقوق کا تحفظ حاصل تھا۔ ان کی جان مال اور آبرو محفوظ تھی، قانون کی نظر میں سب برابر تھے، قانون کی بالا دستی تھی۔ عدلیہ خود مختار تھی۔ ذمی کے قتل کے بدلے مسلمان قاتل کو سزا ملتی تھی۔ حضرت علی کا قول تھا کہ میں کسی شخص کو یہ موقعہ نہیں دوں گا کہ وہ کسی شخص یا کسی پر زیادتی کرسکے، ایسے

Scanned with CamScanner

شخص کو بھی بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا جاتا تھا، جو نظریاتی طور پر حکومت کا باغی ہو لیکن عملاً بغاوت نہ کر رہا ہو۔

آزادی رائے:

ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی تھی، وہ حکومت کی پالیسیوں پر بلا خوف تنقید کر سکتا تھا۔ ہر شخص کا دینی فرض تھا کہ ملک سے برائی اور منکر کا قلع قمع کرے اور معروف و بھلائی کا دور دورہ ہو۔ صدیق اکبر نے اپنی پہلی تقریر میں کہا تھا: "معروف اور فلاح و بہبود میں میری مدد کرنا اور معصیت اور غلط روی میں مجھے ٹوکنا" فاروق اعظم نے اپنی خلافتی خطبہ میں کہا تھا: "میں اس شخص کو زیادہ پسند کروں گا جو مجھے میرے عیبوں اور کمزوریوں سے آگاہ کرے گا۔" یہی وجہ تھی کہ بھرے مجمع میں عام لوگ انہیں برملا ٹوک دیتے تھے اور تلوار سے سیدھے کرنے کا اعلان کرتے تھے۔ آپ کے دربار میں کوئی دربان نہیں تھا۔ ہر آدمی بلا روک ٹوک خلیفہ سے مل سکتا تھا۔ حضرت عثمان پر بلوائیوں نے بے شمار جھوٹے الزام عائد کئے۔ صحابہ نے انہیں قتل کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت عثمانؓ نے اسے حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف گردانا۔ جمہوری روح کو قائم رکھتے ہوئے بلوائیوں کی شکایات تحمل سے سنیں اور ہر الزام کا جواب مفصل اور مدلل دیا، اس طرح حضرت علی بھی اپنا محاسبہ کرتے اور عوامی شکایات کا ازالہ کرتے رہے۔

فلاحی ریاست:

خلافت راشدہ ایک مثالی نظام حکومت کی مظہر تھی، اس کا نصب العین عوام کی حقیقی فلاح، ملکی امن و امان، عوامی خوشحالی اور رعایا پروری تھا، اس مقصد کے لئے خلفائے اربعہ نے ہمیشہ عوام کی رشد و ہدایت، فلاح و اصلاح، عدل و انصاف ملک کی ترقی و خوشحالی کو مد نظر رکھا۔ اس ضمن میں فاروق اعظم کا ارشاد تھا: "خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ خوش نصیب وہ حاکم ہے، جس کے ذریعے اس کی رعایا خوش حال اور سب سے بدبخت وہ حاکم ہے، جس کے سبب اس کی رعایا بدحال ہو۔

بیت المال:

بیت المال اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد تھا۔ یہ عوامی خزانہ تھا اور خلیفہ صرف اس کا امین

ہوتا تھا۔ اسے اس میں ذاتی تصرف کا اختیار نہ تھا، حضرت عمر فاروق بیت المال کی حفاظت یتیم کے مال کی طرح کرتے ہیں۔ مشرق و مغرب کا حکمران ہونے کے باوجود بیت المال سے صرف اوسط آدمی کے برابر روزینہ لیتے تھے۔ یہی حال حضرت عثمان اور حضرت علی کا تھا جو بیت المال سے نہ خود ناجائز تصرف کرتے تھے اور نہ احباب واعزہ کو بغیر حق کے کچھ لینے دیتے تھے۔

بیت المال ایک خالص عوامی ادارہ تھا، جس کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود تھا، ناداروں، یتیموں، بیواؤں اور لا وارث بچوں کو گھر بیٹھے مقررہ وظائف مل جاتے تھے۔ اس طرح بیت المال، مفلسی، محتاجی اور بدحالی کے قلع قمع کرنے کا ذریعہ تھا، خلافت راشدہ میں فارغ البالی اور خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ لوگ گھروں سے صدقات لے کر نکلتے مگر کوئی لینے والا نہ ہوتا تھا، یہ معاشی خوشحالی جناب عثمان غنیؓ کے عہد میں نقطہ کمال تک جا پہنچی تھی۔

خلفاء کا مثالی کردار:

خلافت راشدہ کے حسنات و برکات کا سرچشمہ صرف اسلامی قانون اور الٰہی دستور ہی نہ تھا بلکہ خلفاء کا بلند اور مثالی کردار بھی تھا۔ مثل مشہور ہے۔ الناس علی دین ملوکھم یعنی جیسا راجہ ویسی پرجا۔

اس ضمن میں حضرت عمر فاروق کا قول تھا کہ عمدہ اخلاق کی تعلیم باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے دی جاتی ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر خلافت کے فرائض اور خدمت خلق اس طرح انجام دے سکوں کہ لوگ آرام سے گھروں میں سوئیں تو یہ میری خوش قسمتی اور سعادت ہے۔

خلفائے اربعہ سادگی و انکساری، تقویٰ و احساس ذمہ داری، شرم و حیا، اخلاص و محبت، فقر و فاقہ اور ایثار کے پیکر تھے، انہوں نے اپنی ہر صلاحیت اور طاقت کو رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

عدل و مساوات:

خلافت راشدہ مین عدل و انصاف اور اخوت و مساوات اور امن و امان کا دور دورہ تھا، بقول جرجی زیدان:

"یہ دور سعید حقیقی انصاف اور عدل گستری کا دور تھا۔ شاہ و گدا، امیر و غریب، عجمی اور عربی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر تھے۔ خلفائے نے تمام عرب قبائل

Scanned with CamScanner

بلکہ غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ بھی منصفانہ برتاؤ کیا اور خود اپنے قبیلے کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے سے قطعی مجتنب رہے۔ ساری عصبیتیں دب گئیں اور مسلمانوں میں بین الاقوامی روح اور عالمگیر اخوت عام ہوگئی۔

جذبہ ایثار وقربانی:

اس وقت کے مسلمانوں کا جذبہ ایثار بھی بہت بڑھا ہوا تھا۔ انتہائی شجاعت و دلیری کے ساتھ ساتھ یہ تواضع و انکساری اور خدا ترسی کے پیکر تھے، سیاسی قوت و طاقت کے باوجود معمولی درجہ کے انسانوں کے ساتھ مساویانہ بلکہ خادمانہ برتاؤ، فقیری و مفلسی کے ساتھ استغناء قبائلی عصبیت کی زہر آلود فضا میں پروان چڑھنے کے باوجود اسلام قبول کرتے ہی، ان مسلمانوں میں ایسا انقلاب پیدا ہوجاتا ہے کہ اپنے دینی بھائی کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے، جنگ یرموک کے دوران چند مجاہدین زخموں سے چور میدان جنگ میں پڑے کراہ رہے تھے کہ ان میں سے کسی کو پیاس محسوس ہوئی اور اس نے پانی طلب کیا۔ کوئی صاحب ان کے پاس پانی لے کر پہنچے ہی تھے کہ اتنے میں کسی دوسرے زخمی نے پانی طلب کیا۔ پہلے زخمی نے پانی لانے والے سے کہا کہ یہ پانی میرے دوسرے زخمی بھائی کو دے آؤ۔ جب پانی پلانے والا دوسرے زخمی کے سرہانے پانی لے کر پہنچا تو تیسرے زخمی نے پانی مانگا، اس کی آواز سن کر دوسرے زخمی نے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا اور تیسرے کے پاس پانی لے جانے کو کہا۔ غرض اس طرح سات آدمیوں نے پانی مانگا، مگر کسی نے بھی نہ پیا۔ وہ سب وفات پا گئے اور پانی جوں کا توں رہا۔ تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ کسی قوم نے صرف مذہبی رشتے کی بنا پر ایسی عدیم المثال قربانی کا مظاہرہ کیا ہو۔

امانت و دیانت:

امت مسلمہ کے افراد امانت و دیانت کے پیکر تھے۔ اسلامی فتوحات کی تاریخ میں دیانت و امانت و اخلاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ یہ صرف ایمان راسخ اور اللہ کے دھیان اور ہر موقع و محل پر اس کے عالم الغیب ہونے کے نتائج تھے۔

تاریخ طبری کی روایت ہے کہ مسلمان جب مدائن پہنچے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے، ایک شخص اپنے حصے کا مال غنیمت لایا اور خازن کے سپرد کردیا، لوگوں نے کہا ایسا قیمتی سامان تو دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ ہمارے پاس جو مال ہے، اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں، ان لوگوں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے اس سے کچھ لیا ہے، اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر اللہ کا معاملہ نہ ہوتا تو تم کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی، لوگوں نے اندازہ کرلیا کہ یہ معمولی شخص نہیں ہے، انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو، اس نے کہا: "میں یہ نہیں بتا سکتا، اس لئے کہ تم تعریف کرو گے۔ سب تعریفیں اللہ کی ہے، اسی کے ثواب پر میں راضی ہوں۔" جب وہ واپس چلا گیا تو لوگوں نے ایک آدمی پیچھے کردیا کہ معلوم کرو کون ہے۔ معلوم ہوا کہ عامر ان کا نام ہے، اور عبدالقیس کا قبیلہ سے ان کا تعلق ہے۔ (تاریخ طبری)

عمال کی نگرانی اور احتساب:

خلفائے راشدین خود جس طرح زہد و قناعت، سادگی اور بے غرضی کی زندگی بسر کرتے تھے، اسی طرح وہ اس بات کی شدید نگرانی کرتے تھے کہ اعمال اور دوسرے عہدیداران حکومت بھی اسی طور طریقے سے زندگی بسر کریں۔ اگر عامل کی آمدنی سے اس کے اخرجات زیادہ ہوتے تھے تو فوراً احتساب ہوتا تھا۔

یہ خلفائے راشدین پر ہی کیا موقوف پوری جماعت نے آنحضور سے براہ راست نور حاصل کیا تھا، عرب کے غیر مہذب و غیر شائستہ بدوؤں میں یک بیک بڑی جماعت کا ایسا ہو جانا کہ جس کا فرد ذہنی و عملی محاسن میں آسمان پر آفتاب بن کر چمکا ہو ایسی ہی جماعت کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَاتَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم اپنے آپ کو پست نہ سمجھو، نہ غمگین ہو تم ہی بلند ہو، پھر اللہ نے خود ہی انہیں اپنی جماعت قرار دیا اور ان کے لئے فلاح کا وعدہ فرمایا۔

اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمَ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلہ: ۲۲)

خبردار ہو بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پائے گا۔

جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ ملت اسلامیہ کا فریضہ ہے، مسلمان اگر کسی قوم سے جنگ کرتے ہیں تو یہ

Scanned with CamScanner

جنگ چونکہ ملک گیری کے لئے نہیں ہوتی بلکہ بندگان خدا کی فلاح و ہدایت اور اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کے لئے ہوتی ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان صرف کسی ملک کی زمین کو ہی فتح نہیں کرتے بلکہ اپنی خیر اندیشی و خیر سگالی کے باعث اہل ملک کے دلوں کو بھی فتح کرتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ ایران کی جنگ میں ایرانی فوج کے چار ہزار سپاہی بیک وقت مسلمان ہوگئے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن   نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

صحابہ کرام کی سیرت و کردار ایک رومی جرنیل اس طرح بیان کرتا ہے۔

ھُمْ رُھْبَانٌ بِاللَّیْلِ فُرْسَانٌ بِالنَّھَار

یعنی ان کی راتیں مصلی پر اور دن گھوڑے کی پیٹھ پر گزرتا ہے۔

امام مالک کا بیان ہے، جب صحابہ کرام کی فوجیں شام کی سرزمین میں داخل ہوئیں تو شام کے عیسائی کہتے تھے کہ مسیح کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے تھے، یہ اسی شان کے لوگ نظر آتے ہیں۔ عہد وفا کرتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں اور آپس میں پورا انصاف اور مساوات برتتے ہیں۔ (ابن کثیر)

پھر مسلمان جنگی اخلاق کی پوری پوری پابندی کرتے تھے۔ کسی بچے، بوڑھے، عورت اور راہب پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

فتوحات کی کثرت:

صحابہ کے اسی جذبہ جہاد کا نتیجہ تھا کہ خلافت راشدہ کا دور فتوحات اسلامیہ اور وسعت سلطنت کے لحاظ سے ممتاز اور مثالی تھا۔

آنحضرت کی پیش گوئی:

اسلام کا یہ عظیم الشان دور زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ رہتا بھی کیسے کہ آنحضورؐ نے خود فرمایا تھا:

"میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد والوں کا اور پھر اس کے بعد والوں کا، پھر تمہارے بعد ایک قوم آئے گی، شہادت دے گی، حالانکہ اس سے شہادت طلب نہ کی جائے گی۔ یہ لوگ خائن ہوں گے، امانت دار نہیں، یہ نذریں مانیں گے، مگر انہیں پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا عام ہو جائے گا۔" (صحیح بخاری)

عہد نبوی عہد صحابہ اور پھر عہد تابعین خیر کا زمانہ ہوگا۔ آنحضور ﷺ کے قول کے مطابق قومیں بتدریج کمزور ہوتی گئیں اور ان میں قرون اولی کی صفات آہستہ آہستہ معدوم ہوتی چلی گئیں۔

خلافت راشدہ کے بعد کے ادوار

۱۔ بہترین امت:

بنو امیہ بنو عباس اور عثمانی ترکوں کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے چند معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ جن سے یہ اندازہ ہوگا کہ اسلام کی حقیقی روح کے ساتھ ساتھ کس طرح اس کے عروج کے اسباب بہم پہنچتے رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک ایمان اور عمل کے حقیقی معیار کا تعلق ہے، اس دور کے مسلمانوں کو عہد صحابہ کے مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت مجموعی کوئی نسبت ہی نہیں ہے، لیکن یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ اگر اس عہد کے مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم کے دنیا کی دوسری متمدن قوموں کے ساتھ مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو یہ بات صاف نمایاں ہوگی کہ مسلمان اپنے عقائد، اعمال و اخلاق، معاشرت کے اعتبار سے اب بھی دنیا کی بہترین قوم تھے، ان میں اسلام کی حقیقی روح مضمحل تھی، مگر مردہ نہیں ہوئی تھی، ان کی حیرت انگیز جانبازیوں میں کچھ نہ کچھ دنیا کا دخل ہوتو ہو مگر ساتھ ہی اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبہ سے بے بہرہ نہیں تھے۔ یہ یقینی بات ہے۔

۲۔ ملی وحدت:

اگر مسلمانوں میں اجتماعی وحدت نہ ہوتی تو ان کو چین، ہندوستان، افریقہ اور اندلس میں شاندار کامیابیاں ہرگز نہیں ہوسکتی تھیں، جو انہوں نے حاصل کیں اور اس وحدت اجتماعی کا دارو مدار کسی قبائلی یا خاندانی رشتہ پر نہیں تھا، بلکہ اسلام کے اس تعلق پر تھا جس نے افریقہ اور چین، عرب و عجم کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔

۳۔ اسلامی تہذیب:

مسلمان حکمرانوں کی بڑی خصوصیت یہ رہی ہے کہ انہوں نے اسلامی تہذیب کا بڑی حد تک خیال رکھا۔ ایرانی، یونانی، ترک اور تاتار ہندی، اور چینی غرض کہ یہ مختلف قومیں مسلمان ہوکر

Scanned with CamScanner

عربوں کے ساتھ رہنے سہنے لگی تھیں۔ لیکن عربوں کی تہذیب نے نومسلم قوموں کو متاثر کیا، مسلمان خود دوسروں کی تہذیب سے اثر پذیر نہیں ہوئے، یہی سبب ہے کہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرت بھی عالمگیر ہوتی رہی اور جہاں جہاں مسلمانوں نے پرچم فتح ونصرت لہرایا وہاں مسجدیں تعمیر ہوکر آباد ہوئیں۔ حق کے غلغلہ سے وہاں کی فضا گونج اٹھی اور تمام لوگ اسلامی تہذیب وتمدن کے رنگ میں رنگ گئے، قرآن مجید کی زبان، عربی کو فروغ ہوا، تمام ممالک محروسہ میں قرآن وحدیث کے درس کے مکاتب قائم ہوئے۔

علماءِ حق کی حق گوئی:

ملت اسلامیہ کے ہر دور میں علمائے حق کا ایک گروہ موجود رہا، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتا رہا۔

اس بنا پر اول تو فاسق و فاجر بادشاہ شعائر اللہ کی توہین کی جرات نہیں کر سکتے تھے، اور چونکہ علمائے حق کا گروہ ہر دور میں موجود رہا ہے، اس لئے وہ موقع ومحل کے مناسب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو ادا کرنے سے غافل نہیں رہتے تھے اور اس طرح کسی نہ کسی حد تک صورت حالات کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ خلیفہ ذاتی طور پر کیسا ہی ظالم ہوتا علمائے حق کے سامنے اسے بھی جھکنا پڑتا۔ یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ بعض خاص خاص مواقع پر علماء حق نے اپنے اثر سے حکومتوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نوع کے واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں، ان میں چند واقعات کا ذکر بطور نمونہ بے محل نہ ہوگا۔

۱۔ مشہور اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا دے، لیکن اس زمانے کے مشہور تابعی امام رجاء بن حیوۃ کے مشورے کے مطابق اس نے اپنے رائے بدل کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور اپنی زندگی ہی میں اس کے لئے بیعت لے لی، جس سے ایک مرتبہ پھر خلافت راشدہ کا منظر لوگوں کے سامنے آ گیا۔

۲۔ مامون الرشید اور قاضی یحییٰ بن اکثم کے واقعات مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ مامون الرشید نے فرمان لکھوایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت بھیجی جائے لیکن قاضی صاحب کی بروقت مداخلت سے مامون الرشید کو یہ فرمان واپس لینا پڑا۔

۳۔ اسی طرح عباسی خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد میں ذمی رعایا نے درخواست دی کہ ذمی ہونے کی حیثیت سے ہم پر جو بندشیں لگی ہوئی ہیں وہ اٹھائی جائیں اور اس کے عوض سات لاکھ

دینار سالانہ ادا کرتے رہیں گے، وزیر اور خلیفہ دونوں کا رجحان تھا کہ اس درخواست کو قبول کر لیں۔ لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اس میں مداخلت کر کے فرمایا: ”شریعت اسلام کے احکام کسی قیمت پر فروخت نہیں ہو سکتے۔“ خلیفہ کو مجبوراً امام کے فتویٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور اس نے ذمیوں کی درخواست مسترد کر دی۔

۴۔ سلطنت آل عثمان کے مشہور فرمانروا سلیم اول نے ایک مرتبہ سلطنت کے مفتی اعظم شیخ جمالی سے دریافت کیا۔ ”ملکوں کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا۔“ شیخ نے کہا: ”قوموں کو مسلمان بنانا۔“ سلطان نے یہ سن کر اعلان کرا دیا کہ میری مملکت میں جو شخص مسلمان نہیں ہوگا، قتل کر دیا جائے گا۔ اب مفتی اعظم کو اعلان کی خبر ہوئی تو فوراً سلطان کی خدمت میں پہنچے اور بتایا کہ آپ کا یہ حکم قرآن کے خلاف ہے، غیر مسلمانوں سے جزیہ لے کر مذہب کے معاملے میں آزاد چھوڑ دینا چاہئے۔ مفتی شیخ جمالی کی اس وضاحت کے بعد سلطان نے اپنا حکم واپس لے لیا اور مسلمان ایک عظیم گناہ سے بچ گئے۔

ملت اسلامیہ کے زوال کے اسباب

تاریخی و تدریجی جائزہ

زوال سے مراد کسی قوم کی وہ حالت ہے جب وہ شکست کی منزل سے گزرنے کے بعد پستی کی اس سطح پر پہنچ جائے جہاں وہ اپنے وجود کے لئے دوسری قوموں کی محتاج ہو جائے اس کی خود ارادیت بہت کم رہ جائے۔ اپنے اہم فیصلے کرنے میں دیگر اقوام کا حکم و ہدایت لینے کے لئے مجبور ہو جائے۔ معاشی، سیاسی اور سماجی حیثیت سے دوسری قوموں کی دست نگر ہو اور اس طرح تخلیقی، علمی اور فنی صلاحیتوں سے تقریباً محروم ہو جائے۔ روحانی اور اخلاقی اقدار کا ذکر کرنا ہی بے فائدہ ہے کہ ایک زوال رسیدہ قوم جو اپنی خود ارادیت کھو چکی ہو دوسروں کی محتاج ہو اعلیٰ روحانی و اخلاقی اقدار کی امانت کو محفوظ نہیں رکھ سکتی ”ہر کمالے را زوالے“ کے مطابق آخر عروج کے بعد زوال لازمی ہے۔

Scanned with CamScanner

بنو امیہ کے زوال کے اسباب

بنو امیہ تقریباً ایک صدی تک دنیائے اسلام پر حکمران رہے اس دوران انہوں نے امور جہانبانی جاہ و جلال سے انجام دیئے۔ اس جاہ و جلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے کون کہہ سکتا تھا کہ اس عظیم سلطنت کے بلند مینار اس قدر جلد منہدم ہو جائیں گے اصل صورت یہ ہے کہ بنو امیہ کی حکومت کی بنیاد کچھ اس طرح رکھی گئی تھی کہ عوام کی اکثریت ان کے خلاف نفرت کے جذبات رکھتی تھی اس لئے ابتداء ہی میں اس کو عوام کی خوشنودی حاصل نہ ہوسکی اگرچہ اموی حکومت کا زوال اس کے قیام کے تقریباً ایک سو سال بعد ہوا لیکن اس کی تعمیر کے وقت ہی اس میں زوال کے عناصر پوشیدہ تھے حکمران طبقہ کی نا اہلیوں خلفاء کی سیاست اور ان کے تعین کا غلط طریق نیز عمال کی بدکرداری نے اس میں اضافہ کیا اور عظیم الشان سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی ہوگئیں اور آخری کار پیوند خاک ہوئیں۔ بنو امیہ کی حکومت کے زوال کے متعدد اسباب تھے جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) خلافت کا ملوکیت میں تبدیل ہونا:

اموی حکومت اسلامی حکومت کی بجائے شخصی اور موروثی بادشاہت تھی مسلمان خلافت راشدہ کے نظام کو اور خلفائے راشدین کے طرز حکومت کو نظر استحسان سے دیکھتے تھے اور اسی کو ہی قابل تقلید نمونہ گردانتے تھے۔ وہ اس خلافت کی جگہ ملوکیت سے بہت ناخوش تھے کیونکہ اس حکومت میں قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ کاروائیاں کارفرما نظر آتی تھیں۔ اس تبدیلی کی وجہ سے عوام و خواص کے دلوں میں حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکنے لگے لہٰذا مخالف عناصر بغاوتیں کرتے رہتے تھے حکومت کا بیشتر وقت ان بغاوتوں کو فرو کرنے میں صرف ہوتا اس سے حکومت کے نظم و نسق میں کمزوری اور ابتری پیدا ہوئی۔ کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے تحریک عباسی نے حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

نا اہل خلفاء:

اموی حکومت شخصی حکومت تھی اور ایسی حکومت کا استحکام قابل حکمران کا مرہون منت تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک امیر معاویہ، عبدالملک، ولید اول اور ہشام جیسے مدبر لائق و قابل حکمران منصب خلافت پر متمکن رہے اموی حکومت مضبوط و مستحکم رہی اور ان حکمرانوں نے

سلطنت کو ترکستان سے اندلس تک وسعت دی مگر ان کے جانشین ولید ثانی، یزید ثانی اور یزید ثالث جو نہ صرف نا اہل تھے بلکہ عیش و عشرت، شراب و کباب کے رسیا تھے ان کے طرز عمل کا اثر امراء طبقہ پر بھی ہوا جس سے نظام حکومت درہم برہم اور ملک بدنظمی و انتشار کا شکار ہوگیا جس نے آخر حکومت کو زوال سے ہمکنار کر دیا۔

۳۔ غیر شرعی حکومت:

خلافت راشدہ کے زریں اسلامی اصول بھی مسلمانوں کے ذہنوں میں تازہ تھے۔ وہ ان ہی کو قابل تقلید اور مستحسن نظروں سے دیکھتے تھے لیکن بنو امیہ نے خلافت راشدہ کو ملوکیت میں بدل کر نظام حکومت میں خلاف شرع تبدیلیاں کیں۔ بیت المال کو شاہی خزانے میں بدل دیا۔ شورائیت کی جگہ خوشامدی درباریوں نے لے لی۔ خلیفہ عوام الناس کے سامنے جواب دہ نہ تھا۔ بیت المال جو کہ قومی امانت تھا حکمران کی ذاتی ملکیت بن کر رہ گیا تھا۔ وظائف ان لوگوں کو دیئے جاتے جو حکمران کے رشتہ دار یا منظور نظر ہوتے۔ غیر شرعی ٹیکس جاری کئے گئے۔ نو مسلمانوں سے جزیہ وصول کیا گیا حکمران طبقہ کی زندگی قیصر و کسریٰ کا نمونہ پیش کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کے صالح افراد اموی حکومت کا ساتھ دلی طور پر نہ دے سکے۔

۶۔ اخلاقی انحطاط

جب تک قوموں کا اخلاقی کردار بلند رہتا ہے۔ اور وہ اپنے بنیادی عقائد و نظریات کو اپنی زندگیوں کا مرکز و محور بناتے ہیں عروج و اقتدار ترقی اور کامرانی سے ہمکنار رہتے ہیں اور اسی طرح کوئی قوم اخلاقی پستی، عیش و عشرت سے ہم کنار ہوکر عروج و اقتدار حاصل نہیں کرسکتی۔ بلند کردار کی حامل قومیں ترقی کی منازل طے کرتی ہیں لیکن جب یہ اخلاقی بے راہ روی، شباب و شراب سے رغبت اور عیش کی دلدادہ ہوجاتی ہیں تو زوال، شکست اور رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

چند اموی خلفاء کے علاوہ سب خلفاء عیش و عشرت، راگ و رنگ کے رسیا تھے۔ یزید ثانی کا فسق و فجور اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ عیش و عشرت کے مشاغل میں الجھے رہنے کی وجہ سے امور جہانبانی کی انجام دہی سے غفلت نے سلطنت کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا یہی وجہ ہے کہ عوام و خواص ایسے نااہل حکمرانوں سے متنفر نظر آنے لگے۔ حکومت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

Scanned with CamScanner

۵۔ نسلی تفاخر و قبائلی عصبیت:

رسول اللہؐ نے تمام تفاخرات کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ خلفاء راشدین نے بھی حضور ﷺ کی اقتداء کی اور آقا اور غلام اور عربی و عجمی کے تمام تفرقات کو مٹا دیا۔ ہر مسلمان خواہ وہ عربی ہو یا عجمی قابلیت، اہلیت کی بناء پر سلطنت کے عہدے پر متمکن ہوتا لیکن جب بنو امیہ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے عرب اور غیر عرب کے امتیازات کی ہوا دی۔ حکومت کے عہدے تو درکنار انہوں نے مال غنیمت کی تقسیم میں عرب اور غیر عرب کے امتیاز کو قائم رکھا حالانکہ سلطنت کی وسعت اور فتوحات میں دونوں برابر کے شریک تھے عبدالملک نے غیر عرب کو سلطنت میں بڑے بڑے عہدوں سے برخاست کیا۔ حجاج بن یوسف نے حکومت کی آمدنی میں اضافہ کی خاطر نو مسلموں پر جزیہ نافذ کر دیا اور یہی نو مسلم جو زیادہ تر غیر عرب تھے۔ حکومت بنو امیہ کے خلاف ہو گئے۔ عراقی اور شامی کا سوال بھی منظر عام پر آ گیا۔ بنو امیہ چونکہ اہل شام کے زور بازو سے برسر اقتدار آئے تھے اس لئے وہ ہر معاملہ میں انہیں آگے رکھتے، نتیجہ یہ سامنے آیا کہ جب ابو مسلم خراسانی نے امویوں کے مظالم کی تشہیر کی تو یہی نو مسلم غیر عرب باشندے اس تحریک میں اس کے حامی و معاون ثابت ہوئے اور آخر کار بنو امیہ زوال سے دو چار ہو گئے۔

۶۔ اقتصادی کمزوری:

بنو امیہ کے حکمران دنیا پرست تھے ان کی زندگی لہو و لعب، عیش پسندی کا مرکب تھی علاوہ ازیں اندرونی خانہ جنگی نے ان کی طاقت کو کمزور کر دیا تھا اور اقتصادی کمزوری کا یہ عالم تھا کہ فوجیوں کو عرصہ سے تنخواہیں نہ دی جا سکتی تھیں۔ فوج صرف مراعات سے ہی وفا دار رکھی جا سکتی ہے لیکن اموی حکومت کے آخری دنوں میں اس کا سخت فقدان تھا لہٰذا فوج کی اکثریت بنی ہاشم کے ساتھ مل گئی۔

تحریک عباسی:

تحریک عباسی نے بنو امیہ کے زوال کو تیز کر دیا۔ ملک گیر انتشار و افتراق کے دور میں عباسی بنو ہاشم کے نام پر تحریک چلانے میں کامیاب ہو گئے۔ دعوت عباسی کو نہایت منظم طریقے سے عوام میں پھیلایا۔ جوق در جوق لوگ اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔ خراسان کو اس تحریک کا

مرکز بنا کر عباسی داعیوں نے ایک کثیر تعداد اطراف و جوانب میں پھیلا دی عباسی تحریک کے داعیوں نے اپنی تنظیمی اہلیت اور سیاسی بصیرت کی مدد سے امویوں کے مظالم اور استبداد کی تشہیر اس طریقہ سے کی کہ رعایا کے تمام غیر مطمئن عناصر عباسی جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ یمن اور ربیعہ کے عرب قبائل بھی تحریک عباسی کا ساتھ دینے میں پیش پیش تھے۔ ملک کے ہر حصے میں بنو امیہ کی کھوکھلی بنیادیں ہلا کر انجام کار عباسی تحریک سے نئی حکومت کے قیام کی راہ ہموار ہو گئی اور اموی حکومت کے اقتدار کا تختہ الٹ دیا گیا۔

واقعہ کربلا:

بنو امیہ کے زوال کا سب سے بڑا واقعہ کربلا تھا جو کہ اموی عہد کے ابتدائی زمانے میں پیش آیا اور مسلمانوں کی اکثریت نے دلی طور پر ان سے نفرت شروع کر دی۔ بعد میں یہی نفرت اُن کے خلاف مختلف تحریکوں مثلاً ابن زبیر کی بغاوت، توابین خوارج اور عباسی تحریک کی وجہ بنی بقول مشہور مورخ ہٹی۔

حضرت امام حسین کا خون علیؓ کی شہادت سے کہیں زیادہ خاندان بنو امیہ کے لئے مہلک ثابت ہوا۔“

بنو امیہ کے زوال پر مصنفین کا تبصرہ:

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں:

بنو امیہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ خلفاء ملکی حالات سے بے خبر تھے یہ وہ وقت تھا جب انہوں نے اپنی حرکتوں سے عربوں کو برانگیختہ کر دیا۔ ولی عہدی کے سلسلے میں خاندان اموی میں پارٹی بازی پیدا ہو گئی تھی اور ان کا خاندانی شیرازہ منتشر تھا ان حالات میں فوجوں کی تنخواہ میں تاخیر ہوئی تو فوجوں نے ان کے حریف عباسیوں کی پشت پناہی کی اور بالآخر امویوں کی حکومت کا آفتاب دمشق میں غروب ہو گیا۔“

”خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب پر وہ لوگ حاوی ہو گئے جنہوں نے اعلیٰ دینی و اخلاقی تربیت نہ پائی تھی نیز ان کا اخلاقی انحطاط و روحانی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے راہنماؤں کے شایان شان تھا ان کے ذہن اور طبعیتیں عرب کی قدیم تربیت اور ماحول کے اثرات سے بالکل آزادانہ ہوئے۔ ان میں روح جہاد تھی نہ قوت اجتہاد جو دنیا کی

Scanned with CamScanner

پیشوائی اور عالمگیر قیادت کے لئے ضروری ہے سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تمام اموی خلفاء کا یہی حال تھا، سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مطابق:

"اس دور مین قیادت دو حصوں میں بٹ گئی تھی ایک سیاسی قیادت جو انجام کار ملوک امراء اور سلاطین کے ہاتھ مین رہی اور دوسری دینی قیادت جسے علماء اور صالح اشخاص نے سنبھال لیا پھر ان دونوں قسم کی قیادتوں میں تعاون کم اور تصادم زیادہ تھا جس کے سبب سے بنوامیہ کی قیادت کمزور ہوتی چلی گئی۔"

؎ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

عباسی حکومت

بنوعباس کا عہد خلافت پانچ سو سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ بنوامیہ کی طرح عباسی حکومت کے قیام میں بھی زوال کے عناصر روز اول سے موجود تھے کیونکہ دولت عباسیہ کے ضعف کے آثار بہت جلد ظاہر ہونے لگے۔ عباسی عہد اقتدار کا ایک چوتھائی زمانہ اگر ایک طرف علوم و فنون کی ترقی، تہذیب و ثقافت کے فروغ، معاشی خوشحالی کا آئینہ ہے تو دوسری طرف منصور سے معتصم کا عہد اسلامی عظمت و جلال اور شان و شوکت کا مرقع ہے لیکن چشم فلک نے ان کا چار سو سالہ دور انحطاط بھی دیکھا جس میں وہ غالب قوموں عربی اور عجمی کشاکشی کے درمیان تماشائے عبرت بنے رہے۔ بغداد کو دینی مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس کی حیثیت کو بجز چند حکومتوں کے کسی نے چیلنج نہیں کیا تھا۔

لہٰذا اس کی قیادت کا پرچم پانچ سو سال سے زائد عرصے تک لہراتا رہا۔ عباسی حکومت کا زوال تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک باب ہے۔ عباسی خلافت کے زوال سے مسلمانوں کی مرکزیت پر ایسی ضرب کاری لگی کہ پھر وہ ایک قیادت کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوسکے۔ عباسی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی مسلمانوں کی ترقی، طاقت جہانداری، جہاں گیری کی داستانیں ختم ہوگئیں اور ان کی عظمت و شوکت کے نشانات مٹ گئے۔

بنوعباس کے زوال کے اسباب

غلط بنیاد:

اس حکومت کی بنیاد غلط بیانی پر رکھی گئی تھی۔ عوام کو ہاشمی حکومت کے قیام کی دعوت دی گئی اور لفظ عباسی کو مصلحتاً چھپائے رکھا گیا۔ شیعان علی جو کہ اموی خاندان کے زبردست دشمن تھے۔ عباسی تحریک میں محنت سے کام کرتے رہے لیکن جب عباسی تحریک کامیاب ہوگئی تو عباسیوں نے خود حکومت قائم کر لی اور ہاشمی خاندان کو بالکل فراموش کر دیا۔

خراسانی عنصر:

عباسی حکومت کے زوال کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب اس تحریک کا آغاز ہوا تو خراسانی پیش پیش تھے عباسی حکومت نے عربوں پر بے انتہا ظلم کئے اور خراسانیوں کو حکومت میں حصہ دیا۔ خراسانی قوت میں بڑھ گئے عرب آپس میں ٹکرانے لگے۔

شخصی حکومت:

بنوعباس کے زوال کی اہم وجہ شخصی حکومت تھی اور یہ طرز حکومت اس وقت کامیاب ہوتا ہے جب تک حکمران بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہو۔

شعوبی تحریک:

عہد بنوعباس میں ذات پات، حسب و نسب اور رنگ و نسل کو فوقیت دی جانے لگی۔ شعوبی تحریک ایک نسلی تحریک تھی اس طرح نسلی تفاخر بھی زوال کا باعث بنا۔

مسلسل بغاوتیں:

اہل بیت کی مسلسل بغاوتوں نے عباسی سلطنت کو کمزور کر دیا عباسی حکومت کے زوال کی اہم وجہ ترکوں کا عروج و اقتدار بھی ہے۔

خلفاء کی عیش پرستی اور اخلاقی انحطاط:

قوموں کے عروج و زوال میں اخلاق بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

جب کوئی قوم اخلاقی پستی کا شکار ہو جائے تو وہ زوال پذیر ہو جاتی ہے بنو عباس کے اکثر و بیشتر خلفاء اخلاقی بے راہ روی اور پستی کا شکار تھے۔ عیش و عشرت، کم ہمتی اور امور سلطنت سے غفلت ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ شمشیر و سنان کی بجائے وہ طاؤس و رباب میں کھو چکے تھے اور حالات سے امراء اور حکام نے فائدہ اٹھایا اور خود مختار بن گئے اور خلیفہ کا اقتدار محض بغداد کے چند نواحی علاقوں تک محدود رہ گیا چنانچہ اصول فطرت کے مطابق خلفاء کی نا اہلی اور عیش پرستی زوال کا باعث بنی۔

تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے — شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اصول جانشینی:

بنو امیہ کی طرح بنو عباس میں بھی اصول جانشینی کا فقدان تھا پھر اقتصادی بحران بھی بنو عباس کے زوال کا باعث بنا۔

غداری:

وزراء کی غداری خاص طور پر وزیراعظم علقمی کی غداری سقوط بغداد کا باعث بنی نئے فرقوں اور تحریکوں کا عروج بھی اس زوال کا سبب بنا۔

تاتاری حملہ:

ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے خلافت عباسیہ کا چراغ گل کر دیا تاتاری حملہ سے عالم اسلام کو ایسا دھچکا لگایا کہ اس کے سنبھلنے کے لئے مدت درکار تھی اور اس حملہ سے علوم دینیہ، ادب، شاعری، تصنیف و تالیف اور اخلاق و معاشرت پر برا اثر پڑا۔

عثمانی ترک

کچھ عرصہ بعد آٹھویں صدی عیسوی میں عثمانی ترک تاریخ کے منظر عام پر آئے انہوں نے دنیا کو [illegible] طور پر [illegible] مسلمانوں کی نگاہوں کو خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کیا جب سلطان محمد فاتح

نے چوبیس برس کی عمر میں بازنطینی، ناقابل تسخیر سلطنت کو اور دارالسلطنت قسطنطنیہ کو فاتح کر لیا تو مسلمانوں میں نیا جوش پیدا ہوا۔ ترکی قوم میں درحقیقت کچھ ایسی خصوصیات جمع ہوئیں جن سے وہ مسلمانوں کی قیادت کی مستحق بن گئی۔

۱۔ وہ ایک بلند حوصلہ پر جوش اور زندہ قوم تھی۔
۲۔ اس کے پاس جنگی طاقت تھی۔
۳۔ بین الاقوامی قیادت کے لئے بہترین جغرافیائی مرکز حاصل تھا۔

لیکن ترکوں کی بدقسمتی سے زیادہ مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ عین ترقی و عروج کے زمانہ میں ترکوں میں تنزل و انحطاط شروع ہوگیا اور قوموں کے پرانے امرض ان میں پیدا ہوگئے آپس میں حسد و بغض بڑھا۔ حکمرانوں کی تربیت کا نظام بگڑ گیا۔

۱۔ قوم میں راحت طلبی اور عیش کوشی پیدا ہوگی غرض زوال پذیر قوموں کی تمام صفات ان میں پیدا ہوگئیں۔
۲۔ ترک جمود کا شکار ہوگئے اور یہ جمود صرف ترکی تک محدود نہ تھا بلکہ پورا عالم اسلام شرق سے غرب تک ایک علمی انحطاط کا شکار تھا۔ ایک عالمگیر جمود اور افسردگی چھائی ہوئی تھی نویں صدی ہجری وہ آخری صدی تھی جس میں جدت فکر، قوت اجتہاد اور ادب و شاعری وغیرہ کے آثار نظر آتے تھے۔ اس کے بعد پچھلی صدیوں میں بہت کم لوگوں کا تذکرہ ملتا ہے اور جو کوئی انقلابی کارنامہ یا علمی شاہکار کا ظہور ہوا تو اس کا تعلق ہندوستان سے ہے۔

مغلیہ سلطنت

اس وقت ترکوں کی ہم عصر حکومت ہندوستان کی مغلیہ سلطنت تھی جس کی بنیاد بابر کے مضبوط ہاتھوں سے پڑی تھی دوسری بڑی مشرقی حکومت ایران کی صفوی سلطنت تھی۔ یہ دونوں سلطنتیں اپنے مسائل و معاملات میں الجھی ہوئی تھی۔ یہ دور انفرادی عزیمت اور شخصی جدوجہد کا دور نظر آتا تھا۔ متعدد ممالک میں ایسے صاحب عزم و بلند حوصلہ اور بیدار مغز قائد اور مجاہد پیدا ہوئے جنہوں نے زوال پذیر قوموں اور ملکوں میں کچھ عرصہ کے لئے زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ ہندوستان میں سلطان ٹیپو جیسا شیر دل پیدا ہوا دوسری طرف حضرت سید احمد شہید جیسا صاحب عزیمت اور صاحب تاثیر داعی اور مجاہد پیدا ہوا جو خلافت راشدہ جیسی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا جس کا حلقہ ہندوستان سے بخارا تک ہو۔

Scanned with CamScanner

زوال:

بالآخر مغلیہ سلطنت بھی زوال کا شکار ہوئی۔ کسی مورخ نے اکبر کو زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے تو کسی نے اورنگ زیب کو، کسی اور نے اس کی اولاد کو، کسی نے مرہٹوں کے عروج کو اہمیت دی اور کسی نے انگریزوں کے اقتدار کے عروج کو مغلیہ سلطنت کے زوال کا سبب قرار دیا لیکن دراصل وجہ انتشار، بدامنی، خانہ جنگی اور رعایا پر مظالم تھے جو دیگر عوامل کے مقابلہ میں سب سے زیادہ مہلک ثابت ہوئے۔

مسلمانوں کے سارے نقائص کے باوجود یہ حقیقت اب بھی اسی طرح باقی ہے کہ جاہلیت دنیا کے لئے جو نقشہ رکھتی ہے اور جس نقشہ پر وہ آج دنیا کو چلا رہی ہے اس کے خلاف اگر کوئی بہتر نقشہ ہے تو صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ اگرچہ مسلمان خود اس کو بھولے ہوئے ہیں۔ یہ نقشہ ابھی ضائع ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ مسلمان اپنے دل کی رو سے دنیا کے محتسب اور خدائی فوجدار ہیں۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت نے دنیا کو ایک ایسی جماعت عطا کی جو آسمانی کتاب اور الٰہی شریعت رکھتی ہے جو کسی خاص قوم کی خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کی نمائندگی نہیں کرتی، اس جماعت کے وجود نے نوع انسانی کو مجموعی ہلاکت سے بچا لیا اس جماعت کے اثر و نفوذ سے زندگی کا دھارا اور دنیا کی سمت بدل گئی۔

عالم اسلام کے پاس اب بھی دنیا کے لئے نیا پیغام اور زندگی کی نئی دعوت ہے۔ یہ وہی پیغام ہے جو چودہ سو سال پہلے اس کے حوالے کیا گیا تھا یہ ایک بڑا طاقت ور اور واضح اور روشن پیغام ہے جس سے زیادہ منصفانہ بلند و برتر اور مبارک پیغام اس پورے عرصہ میں دنیا کی کسی زبان سے نہیں سنا گیا۔ آج بھی عالم اسلام کا پیغام خدائے واحد کی عبادت اور اطاعت ہے اللہ کے پیغمبر کی رسالت اور عقیدہ آخرت پر ایمان لانے کی دعوت ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لَنْ يَصْلُحَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهِ أَوَّلُهَا یعنی اس امت کا آخری حصہ انہیں طریقوں سے اصلاح یاب ہوگا جس سے اس امت کے اول کی اصلاح ہوئی تھی۔

عہدِ بنو امیہ و بنو عباس کی علمی و تہذیبی سرگرمیاں

تعلیمی نظام، عدالتی نظام

علوم کا ارتقاء (سائنسی و سماجی)

Scanned with CamScanner

عہد بنو امیہ و بنو عباس کا تعلیمی نظام

خلافت راشدہ:

خلفائے راشدہ کے زمانے میں تعلیمی ارتقاء کا عمل اور دینی علوم کی ترقی جاری رہی خلفائے ثلاثہ نے بالعموم اور فاروق اعظمؓ نے بالخصوص اپنی توجہ قوم کی تعلیمی ترقی اور دینی تربیت پر مرکوز رکھی۔ ہر بڑے شہر میں حکومت کی طرف سے مکاتب کھولے گئے۔ ہر جگہ دینی مدارس کی بنیاد رکھی گئی اور مکاتب میں تنخواہ پر قابل اساتذہ کا تعین کیا گیا۔اس دور میں مکہ، مدینہ طائف، یمن، کوفہ، بصرہ، بغداد اور دمشق وغیرہ بڑے بڑے شہر اسلامی تعلیم کے مراکز تھے۔

بنو امیہ:

بنو امیہ کا دور آیا اس خاندان کے متعدد خلفاء خود عالم اور علماء کے قدر دان تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضورؐ کے کاتب وحی تھے۔آپؓ ہی کے زمانے میں تاریخ نویسی کا فن ایجاد ہوا۔ان کے پوتے خالد بن یزید کو علم کیمیا اور طب کا شوق تھا۔ اس زمانے میں کئی نامور علماء مفسرین، محدثین اور شعراء پیدا ہوئے۔کوفہ، بصرہ، دمشق اور اسکندریہ جیسے علمی مراکز وجود میں آئے جہاں طالبان علم دور دراز علاقوں سے سفر کر کے آتے اور علم کی پیاس بجھاتے۔ اب تک عموماً مسجد کو ہی درسگاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا لیکن آبادی میں اضافہ کے ساتھ مکاتب کے لئے الگ عمارتیں تعمیر ہونے لگیں۔حتیٰ کہ 150ھ تک الگ عمارتوں میں شہر بہ شہر مکاتب کا اجراء ہو چکا تھا۔

بنو عباس:

بنو عباس کے بیشتر خلفاء خود صاحب علم اور علماء کے مربی تھے۔ اس عہد میں نہ صرف علم و فن نے قابل قدر ترقی کی بلکہ علوم و عرفان کا سنہری دور شروع ہوا۔ گو بنو عباس کے ہر خلیفہ نے

علم دوستی اور علم پروری کا ثبوت دیا۔ مگر ہارون الرشید اور مامون الرشید نے اس بام عروج تک پہنچایا۔ یونانی، فارسی اور سنسکرت زبان کی کتب کے ترجمے ہوئے اور مروجہ علوم کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ برامکہ جو عباسی خلفاء کے مشہور وزراء تھے۔علم دوستی میں لاثانی تھے۔ انہوں نے مکاتب اور دیگر تعلیمی درسگاہوں کی نشوونما اور ترقی میں کافی سرگرمی دکھائی۔اس طرح اسلامی سلطنت میں مکاتب بکثرت قائم ہوگئے جن کی بدولت تعلیم عام ہوگئی۔تفسیر، فقہ، منطق، صرف ونحو اور سائنتی علوم پر کثیر کتب تحریر کی گئیں اور عوام الناس کو علم سے روشناس کرایا گیا اور علم کے چشمہ ہائے فیض ہر جگہ جاری ہوگئے۔

سلاجقہ:

سلجوقیوں کے عہد میں نظام الملک طوسی نے باقاعدہ اور منظم مدارس کی بنیاد ڈالی۔انہیں مدارس نظامیہ کہا جاتا ہے۔ان مدارس نے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل کی۔ان مدارس کے ساتھ کتب خانے بھی ہوتے تھے اور ان مدرسوں کے تعلیمی و مالی اخراجات کے لئے جاگیریں وقف تھیں تاکہ وہ آزادانہ اپنا کردار ادا کرسکیں۔

بنو امیہ کے دور میں تعلیمی روایت:

دور بنو امیہ میں تعلیم و علما دونوں ہی حکومت کے اثر سے آزاد رہے۔ صاحب علم صحابہ اور تابعین نے علم کی شمع روشن رکھی۔ اس زمانے میں آج کل جیسے مدارس نہ تھے البتہ ابتدائی تعلیم کے لیے مکتب اور مدارس کے بجائے حلقہ ہائے درس تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں قرآن مجید کی تعلیم دینے کے بہت سے مکتب قائم کیے تھے، اسی طرز پر اس دور میں بھی مکتب تھے جن میں اساتذہ اپنے طور پر بچوں کو ابتدائی تعلیم دیتے تھے۔ جب بچے سن شعور کو پہنچتے تو ان مکاتب میں داخل ہوتے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ایک خادم علقمہؒ ایک مکتب میں بچوں کو عربی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔

اس زمانے میں بھی مساجد کو تعلیمی مراکز کی حیثیت حاصل رہی۔ بیشتر صحابہؓ اور تابعین کے حلقہ ہائے درس مسجدوں میں ہی قائم تھے۔

Scanned with CamScanner

حلقہ درس:

یوں تو حلقہ درس کا پتہ عہد نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور ہی میں ملتا ہے۔حضور اکرمؐ اور آپؐ کے بعد صحابہ اکرامؓ نے اس طریقہ تدریس کا استعمال کیا اور ہر دور میں مسلمانوں نے اس طریقے کو اپنایا۔آج بھی مساجد اور دینی مدارس میں اس طریقے کا استعمال کیا جاتا ہے، لیکن دور بنوامیہ میں علما کرام نے اس طریقے کا استعمال بطور خاص کیا۔

اس طریقہ سے کام لیتے ہوئے استاد کسی چیز سے ٹیک لگا کر کسی گدے یا شہ نشین پر بیٹھ جاتا تھا۔ طالبان علم اس کے دائیں بائیں اور سامنے گول دائرہ کی شکل میں بیٹھ جاتے تھے جو لوگ مستقل طور پر علم حاصل کرنے آتے تھے، وہ ایک طرف ہوتے اور وقتی طور پر درس میں حصہ لینے والے دوسری طرف ہوتے تھے۔ ہر شخص کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ استاد سے قریب تر ہو کر بیٹھے۔ دائرہ کی شکل میں بیٹھنے سے اس کی اس خواہش کی بہتر طور پر تکمیل ہوتی تھی۔

استاد سبق شروع کرتے وقت قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کرتا اور پھر نبی اکرمؐ اور آپؐ کے آل و اصحاب پر درود وسلام بھیجتا تھا، اس کے بعد سبق شروع ہو جاتا تھا۔

حلقہ درس میں استاد کئی طریقوں سے تعلیم دیتا تھا:

(الف) املا:

استاد طلبہ کو کوئی حدیث لکھواتا، اس کے بعد اس کے مختلف اجزا کی تشریح کرتا، طلبہ اسے بھی لکھ لیتے۔ سبق ختم ہونے پر استاد ایک یا دو طلبہ سے کہتا کہ جو کچھ لکھا ہے پڑھ کر سناؤ۔ استاد مناسب اصلاح کرتا اور پھر دستخط کر دیتا۔ بعض اوقات یہ بھی لکھ دیتا کہ شاگرد کو یہ اجازت ہے کہ وہ اس مضمون کو پڑھا سکتا ہے۔

(ب) بحث ومباحثہ:

اگر طلبہ کے پاس کوئی کتاب ہوتی تو وہ پہلے اس کا مطالعہ کرتے اور آپ میں گفتگو کر کے نفس مضمون سے واقفیت حاصل کرتے۔ اس کے بعد استاد متعلقہ عنوان پر سیر حاصل تقریر کرتا اور مناسب تشریح و توضیح کرتا۔ اس کے بعد طلبہ استاد سے سوال کرتے اور وہ جواب دیتا، اس طرح سبق ذہین نشین ہو جاتا۔ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا کہ استاد تقریر کرنے کے بجائے طلبہ سے کتاب

پڑھواتا اور پڑھنے کے دوران جا بجا مناسب طور پر تشریح و توضیح کرتا، جسے طلبہ لکھتے جاتے۔ اس کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوتا۔ اگر طلبہ سوال پوچھنے میں جھجک محسوس کرتے تو استاد ان کی ہمت افزائی کرتا۔ شاگرد استاد کی رائے سے اختلاف کر سکتا تھا لیکن سوال کرنے کے کچھ آداب تھے۔ سوال ایسا ہونا چاہیے تھا جس سے طالب علم کی ذہانت ظاہر ہوتی ہو، احمقانہ سوال پر توجہ نہ دی جاتی تھی، اسی طرح استاد کو پریشان کرنے کے لیے الٹے سیدھے سوال کرنے سے گریز کیا جاتا تھا۔

بعض اوقات سبق ختم ہونے کے بعد استاد شاگردوں سے سوالات کیا کرتا تھا تاکہ ان کی فہم ولیاقت کا اندازہ کر سکے، نیز اس طرح کم قابلیت والے شاگردوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

طریقہ تدریس:

عہد بنوامیہ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مکتب اور حلقہ درس ہوا کرتے تھے، تعلیم کی ذمہ داری حکومت پر نہ تھی، یہ فرض صاحبان علم اپنے طور پر انجام دیا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا طریقہ تدریس ہوا کرتا تھا۔ مکاتب میں معلمین بچوں کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ خیال ہے کہ اس میں حرف شناسی، پھر حروف کو جوڑ کر الفاظ بنانے اور اس کے بعد الفاظ جملے اور پھر عبارت میں پڑھنا سکھایا جاتا تھا اس کی باقاعدہ مشق کرائی جاتی تھی۔ تدریس کے اس طریقہ کو ''الف بائی'' طریقہ کہہ سکتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ اور صاحبان علم کے حلقہ درس میں گفتگو کا طریقہ اور پھر مباحثی طریقہ کام میں لایا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حلقہ درس میں ''سوال و جواب'' کا طریقہ استعمال ہوتا تھا۔ لوگ ان سے سوالات پوچھتے اور وہ ان کا جواب دیتے۔

اکثر حلقہ ہائے درس میں شائقین علم کسی صاحب علم کے گرد جمع ہوتے اور اس کی گفتگو غور سے سنتے اور حسب توفیق استفادہ کرتے۔ یہ طریقہ زیادہ تر ''حدیث'' کی تعلیم میں استعمال ہوتا تھا۔

بنوامیہ کے زمانہ میں نصاب تعلیم کو وسعت دی گئی، اس میں گزشتہ دور کے بنیادی مضامین کے ساتھ ساتھ چند نئے مضامین اور غیر اقوام کے بعض علوم بھی داخل درس کیے گئے۔

(1) تفسیر القرآن (2) قرأت (3) حدیث (4) فقہ (5) مغازی و سیرت (6) انساب (7) [illegible] (8) نحو (9) فلسفہ و کیمیا (10) علم طب ......شامل نصاب تھے۔

Scanned with CamScanner

عہد عباسیہ میں تعلیمی روایت:

عہد بنو عباس میں بھی نظام تعلیم کی تشکیل ،ان ہی خطوط پر کی گئی جو مثالی شہریوں کی تربیت کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں چنانچہ اس دور میں تعلیم کے جو اہم مقاصد متعین کیے گئے وہ یہ تھے۔

- اللہ کا نیک بندہ بنانا۔
- اخلاق و کردار کی تعمیر کرنا۔
- مخلص عملی انسان بنانا۔
- شخصیت کے جملہ پہلوؤں کی نشوونما کرنا۔
- امت مسلمہ کا جزو بنانا۔

بچوں کی تعلیم کا آغاز گھر سے ہوتا۔"کلمہ توحید" اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اس کے برحق رسول ہیں، بچوں کا پہلا سبق تھا۔ چھ سال کی عمر سے تعلیم باقاعدہ شروع کی جاتی تھی۔

ابتدائی تعلیم:

دور عباسیہ میں مسجدیں ابتدائی مکاتب تھیں۔ ان مکاتب میں قرآن پاک ابتدائی درسی کتاب تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز اور ارکان اسلام کی پابندی وہ عملی تعلیم تھی جس کے بغیر کتابی اور زبانی تعلیم بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔علم کے ساتھ عمل بھی مکتب کی تعلیم کا ایک جزو خاص تھا۔ یہ عملی تعلیم دینوی ارکان کی تعلیم تک محدود نہیں تھی بلکہ بچوں کو اس عمر میں اساتذہ اپنے عمل سے معیشت کے تمام ضروری آداب سکھا دیتے تھے کہ جو فرد کو معاشرہ کا کارآمد اور زندہ رکن بنا دیتے تھے۔

دور عباسیہ میں مکتبوں میں قرآن پاک کی تعلیم کے علاوہ بچوں کو لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ تحریر کی مشق اشعار کی نقلوں سے کرائی جاتی تھی۔ خوش خطی کی تعلیم کے علاوہ عربی، پیغمبر اسلام کی زندگی کی کہانیاں اور احادیث کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ حساب کے چند ابتدائی اصول بھی سکھائے جاتے تھے۔ تعلیم زیادہ تر زبانی اور حافظے پر مشتمل تھی۔ ہونہار اور ہشیار طلبہ کی ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ اکثر طلبہ قرآن پاک حفظ کر لیا کرتے تھے۔

لڑکوں کے ساتھ کم سن لڑکیاں بھی مکتبوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتی تھی لیکن ان کو اعلیٰ

تعلیم دلانے کا رجحان کم تھا۔امور خانہ داری لڑکیوں کی تعلیم کا اہم جزو تصور کیے جاتے تھے۔

امرا کے بچوں کو معلمین نجی طور پر گھر پر تعلیم دیا کرتے تھے۔ مذہبی تعلیم کے علاوہ ادب کی تعلیم بھی دی جایا کرتی تھی۔ معلم زیادہ تر غیر ملکی ہوتے تھے۔ ابن رشد نے اپنے بیٹے کو تعلیم دینے کے لیے معلم کو جو ہدایت کی تھی اس سے اس زمانہ کے امرا کے بچوں کی تعلیم اور تنظیم کے نظریات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ابن رشد فرماتے ہیں: "جہاں تک ممکن ہو محبت اور پیار سے بچے کو سکھاؤ۔ اگر نہ پڑھے تو تادیب میں تامل نہ کرو لیکن سنو! سختی اتنی کی جائے کہ بچے کے ذہن کے لئے مضر ثابت نہ ہو اور نہ اتنی نرمی کہ وہ جاہل ہو جائے۔" ابتدائی مدارس کے اساتذہ عموماً معلمین کہلاتے تھے۔

اعلیٰ تعلیمی مدارس:

اعلیٰ تعلیم کا پہلا ادارہ بیت الحکمہ خلیفہ مامون کے عہد 830ء میں بغداد میں قائم کیا گیا۔ اس میں ترجمے بھی کیے جاتے تھے۔ کتب خانے کے علاوہ اس میں ایک تجربہ گاہ بھی تھی لیکن اصلی اعلیٰ تعلیمی ادارہ الپ ارسلان کے وزیر نظام الملک نے 1065ء میں قائم کیا جو مدرسہ نظامیہ کے نام سے موسوم ہے۔ سلجوقی سلاطین نے علم و فن کی سرپرستی میں نمایاں حصہ لیا۔ اس نمونے کے مدرسے نظام الملک کی سرپرستی میں بہت جلد اسلامی مملکت کے بڑے بڑے شہروں میں قائم ہو گئے۔ مدرسہ نظامیہ میں دینی تعلیم دی جاتی تھی مدرسہ میں طلبہ کے رہنے سہنے کا انتظام بھی تھا۔ اکثر طلبہ کو وظائف ملتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اہل یورپ نے ان مدرسوں کی نقل کی۔ مدارس نظامیہ حکومت کی زیر نگرانی تھے۔ ان مدارس میں لیکچرار کا تقرر خلیفہ کرتے تھے۔ ہر لیکچرار کے ماتحت دو نائب لیکچرار ہوتے تھے جو لیکچر ختم ہونے کے بعد طلبہ کو دوبارہ لیکچر پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور اس کی تشریح بھی کرتے تھے۔ لیکچرار پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر لیکچر دیا کرتے تھے۔ طلبہ سٹولوں پر بیٹھتے تھے اور زبانی یا تحریری سوالات بھی کیا کرتے تھے۔ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں الغزالی نے چار سال تک لیکچر دیے تھے۔ مدرسہ نظامیہ کے نمونہ پر خلیفہ المستنصر نے دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا جو المستنصریہ نام سے موسوم ہوا۔ اس مدرسہ کے دروازہ پر گھڑی آویزاں تھی، اس میں باورچی خانہ، حمام، شفا خانہ اور کتب خانہ تھا۔ مدرسہ قائم کرنا اسلام میں کار ثواب تصور کیا

Scanned with CamScanner

جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک میں بے شمار درس گاہیں قائم ہو گئی تھیں جن کی تصدیق متعدد سیاح کرتے ہیں۔ ابن جبر نے بغداد میں تقریباً تیس درسگاہوں کا ذکر کیا ہے۔ دمشق میں بیس اور اسی طرح دیگر شہروں میں ایک سے زائد مدرسے تھے۔

ان اعلیٰ تعلیمی مدارس میں دینی تعلیم اور احادیث کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ کاغذ کی قلت کی وجہ سے تعلیم زیادہ تر یادداشت پر مبنی تھی اور زبانی تھی۔ الغزالی کے متعلق یہ مشہور ہے کہ انہوں نے تین لاکھ احادیث حفظ کر لی تھیں۔ حضرت احمد بن حنبلؒ کے متعلق روایت مشہور ہے کہ انہوں نے دس لاکھ احادیث حفظ کر لی تھیں۔ شعرا اور احایث حفظ کرنے والوں میں مقابلے ہوا کرتے تھے۔ المتنبی کے متعلق ایک روایت ہے کہ اس نے کتب فروش سے ایک کتاب عاریتاً لے کر ایک مرتبہ پڑھی تو اس کے بعد اس کتاب کے خریدنے کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ وہ اس کو حفظ ہوگئی۔ غرضیکہ تعلیم زیادہ تر زبانی اور حافظے پر مشتمل تھی۔

بالغوں کی تعلیم کا کوئی انتظام تو نہیں تھا لیکن یہ کام مسجدیں انجام دیتی تھیں۔ مسجدوں میں قرآن پاک، احادیث، فقہ پر لیکچر مستقل طور پر دیے جایا کرتے تھے۔ ان میں ہر شخص شامل ہو سکتا تھا، گویا تعلیم مفت تھی۔ ان کو موجودہ زمانے کے اضافی مدرسوں سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

مسجدوں کے علاوہ امراء کے مکانوں پر مجالس اور مشاعرے اور مناظرے ہوا کرتے تھے جن میں اہل ذوق شریک ہوتے تھے۔

مسجدیں کتاب خانوں کا کام بھی انجام دیتی تھیں۔ لوگ مسجدوں کو کتابیں مفت نذر کر دیا کرتے تھے۔ امرا اور اکابر بھی کتاب خانے قائم کرتے تھے۔ ان کتب خانوں میں منطق، فلسفہ، فلکیات اور دیگر علوم کی کتابیں ہوتی تھیں۔ لوگ آسانی سے ان کتب خانوں سے استفادہ کر سکتے تھے۔ اکثر طلبہ کتب خانوں پر مفت خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

عہد بنو امیہ و بنو عباس کا عدالتی نظام

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب اسلام کا میدان عمل اور زیادہ وسیع ہوا اور غیر اقوام کے ساتھ ربط و ضبط میں ترقی ہوئی اس وقت ایک ایسے نظام عدالت کی ضرورت محسوس ہوئی جو عربوں اور غیر عربوں کے لئے نافذ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے قاضیوں کا تقرر کیا گیا، جن کا فرض تھا کہ قرآن و حدیث اور قیاس (مشترک علت) کے مطابق فیصلہ کریں۔

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے عالم اسلامی میں قاضیوں کا تقرر فرمایا تھا، اس کے بعد یہ رواج قائم ہوگیا تھا کہ قاضیوں کا تقرر ''تاج خلافت'' کی طرف سے کیا جاتا۔ اپنے صوبہ میں اس والی (گورنر) کو بھی اس کا اختیار حاصل تھا جس کے حیطۂ اختیار و اقتدار میں جملہ امور انتظام و انصرام دے دیئے گئے ہوں، دوسرے لفظوں میں خراج و زکوٰۃ دونوں کی ذمہ داریاں جس کے سپرد کر دی گئی ہوں، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوالدرداؓ کو مدینہ شریح بن حارثؓ کندی کو کوفہ، ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ اور عثمان بن قیس بن ابی عاصؓ کو مصر کا قاضی مقرر کیا تھا۔ بلادِ شام کی عدالت مستقل تھی اور وہ کسی دوسرے صوبہ کی عدالت کے ماتحت نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے ان قاضیوں کے لئے ایک لائحہ عمل مقرر کیا تھا جس پر وہ عمل درآمد کرتے تھے۔ یہ لائحہ عمل مستقبل میں مرافعہ یا اپیل کی بنیاد قرار دیا گیا۔ یہ لائحہ عمل آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور دوسرے قاضیوں کو روانہ کیا تھا۔ اس کا اقتباس بے محل نہ ہوگا۔

(......''عدالت'' میں مدعی، مدعا علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، ان کی نشست گاہ میں کسی قسم کا امتیاز نہ کیا جائے۔ عدل و انصاف میں کسی کی رعایت نہ کرو تاکہ کسی ''بڑے آدمی'' کو کوئی ناجائز توقع پیدا نہ ہوسکے اور کمزور کو عدل و انصاف سے مایوسی نہ ہو۔ مدعی کے ذمہ ثبوت اور گواہ پیش کرنا اور منکر مدعا علیہ پر قسم ضروری ہے۔ فریقین کو آپس میں راضی نامہ کی اجازت ہے، اگر اس سے شرعی حلال و حرام پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو، جن جدید مسائل میں تردد پیدا ہو ان میں عقل و درایت سے کام لو، پچھلے نظائر اور امثال کی روشنی میں غور کرو، مدعی کو اتنی مہلت دو کہ وہ گواہ اور

Scanned with CamScanner

ثبوت آسانی سے پیش کر سکے۔ مسلمان ایک دوسرے کے لئے عادل گواہ کی حیثیت سے پیش ہو سکتے ہیں۔ بجز ان مسلمانوں کے جن پر شرعی حد جاری ہو چکی ہو یا ان کی جھوٹی گواہی کا تجربہ ہو چکا ہو، یا ان کا فریق مخالف کے ساتھ ذاتی تعلق یا قرابت داری ہو، دیکھو! قلق و اضطراب اور اذیت رسانی کی روش سے ہمیشہ بچنا......)

خلافت راشدہ میں ''عدالت'' حکومت کا ایک شعبہ تھا اور اس کا انتہائی احترام کیا جاتا تھا۔ قاضی کے انتخاب میں غیر معمولی علمیت، تقویٰ و طہارت اور منصفانہ فطرت کا خیال رکھا جاتا تھا۔
اس دور میں جن جدید امور کے بارے میں ''نص صریح'' نہ ملتی ان میں قاضی اپنے اجتہاد سے کام لیتا تھا، اس اجتہاد کی بنیاد قرآن و حدیث پر قائم ہوتی تھی۔ مستقبل میں اسلاف کے مجتہدانہ فکر و نظر سے عدالتی امور میں بہت کام لیا گیا اور بہت سے احکام کی بنیاد انہیں پر قائم تھی۔

خلافت راشدہ میں قاضی کا کوئی پیش کار یا کاتب نہ تھا۔ قاضی کے فیصلہ کے اندراج کے لئے عدالت کی کوئی فائل بھی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ فیصلہ کے بعد فوراً ان کا نفاذ قاضی بذات خود کر دیتا تھا، اس لئے اس کی ضرورت بھی نہ ہوتی تھی۔
اس عہد میں قاضی پہلے اپنے مکان میں عدالت کا اجلاس کیا کرتے تھے پھر وہ مسجد میں کرنے لگے تھے۔

عہد بنی امیہ میں

اس عہد کی دو امتیازی خصوصیات ہیں۔

1- قضاۃ اپنے فیصلے اپنے ''اجتہاد'' اور عقل و درایت کی روشنی میں کرتے تھے۔ اس اجتہاد کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ان ''مذاہب اربعہ'' کا (جن کی پابندی بعد کے قضاۃ نے کی) وجود نہ تھا۔ اس لئے قاضی فصل مقدمات کے وقت صرف کتاب و سنت پر بھروسہ کرتا تھا۔ دوسرے اس وقت ''حدیث'' فقہاء، محدثین اور ناقدین حدیث کے درمیان جنگ و جدال کا مرکز تھی، اس لئے صحیح اور غیر صحیح حدیث کا امتیاز بہت دشوار تھا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت عربوں کی اکثریت نوشت و خواند سے ناواقف تھی۔ مشہور تاریخی واقعات اور احادیث کی زبانی روایت ایک دوسرے سے کرتے تھے، اس لئے ماحول اور مختلف فرقوں کے ذاتی رجحانات سے احادیث محفوظ نہ رہی تھیں اور ہر فرقہ اپنے اشخاص کی

حمایت، ان کی شخصیت کو نمایاں کرنا اور دوسرے فرقہ پر لعن و طعن اور اس کی حیثیت کو پست ثابت کرنا اپنا مقصد زندگی سمجھتا تھا اور اس مقصد کے ماتحت اپنی من گھڑت روایتوں کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اسی فروغ کذب اور سیاسی اختلافات کے ظہور کے اندیشہ سے حدیث بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔

2- اس دور کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ عدالت کا محکمہ اپنے اختیارات و فرائض میں اموی فرماں رواؤں کے اثر و اقتدار سے بالکل آزاد تھا اور ان کے ذاتی رجحانات کا اس پر کوئی اثر نہ تھا، اس زمانہ میں عدالت کے فیصلے گورنروں اور خراج کے افسر تک پر بلا رو رعایت نافذ کئے جاتے تھے۔

عہد اموی میں قاضی کے انتخاب کے لئے ضروری تھا کہ وہ بلند سیرت پاکباز، پرہیزگار، عالم، مجتہد اور عیوب سے مبرا ہو، اور عدل و انصاف کے مقابلہ میں دنیا کی کسی طاقت کی اسے پروا نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ جب قاضی میں پانچ صفات ہوں تو وہ کامل ہے۔

1- ماضی کے قاضیوں اور فیصلوں کا علم
2- حرص و لالچ سے اجتناب
3- مخالفت کے وقت بردباری
4- آئمہ سابقین کی پیروی
5- اہل الرائے و اہل العلم کے مشورہ پر عمل نیز قاضی کے لئے تقویٰ اور عدل ضروری صفت تھی۔

3- اس دور کی تیسری خصوصیت قاضیوں کا فیصلوں و مقدمات اور خصومات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا تھا تاکہ ان نظائر و امثال سے استفادہ کیا جائے۔ سلیم بن عشر بنوامیہ پہلے قاضی تھے جنہوں نے اپنے فیصلوں کے ریکارڈ کا اہتمام کیا۔

عباسیہ کے دور عروج میں

عہد عباسیہ میں عدالتی نظام میں زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ اس دور میں ''مذاہب اربعہ'' کے ظہور کی وجہ سے اجتہادی روح میں ضعف آ گیا تھا۔ بعد کے قاضیوں کے فکر و نظر کا دائرہ

Scanned with CamScanner

انہیں مذاہب میں سے کسی نہ کسی تک محدود ہوگیا۔ اس دور میں عراق کے قاضی، امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق شام اور بلادِ مغرب کے قاضی امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق اور مصر کے قاضی امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ اگر مدعی، مدعا علیہ ایسے مذہب سے تعلق رکھتے ہوئے جو عام طور پر اس شہر میں رائج نہ ہوتا تو اس وقت ان کے مقدمہ کے فیصلہ کے لئے قاضی کسی ایسے شخص کو اپنا نائب بنا دیتا تھا جو انہیں کے مذہب کا پیرو ہوتا تھا۔

اس دور کے قاضی خلیفہ کے اثر و اقتدار سے آزاد نہ تھے۔ بات یہ تھی کہ عباسی فرماں روا اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس غرض کے لئے وہ قاضیوں کو اپنا آلۂ کار بناتے تھے اور قاضی کے انتخاب میں اس کا لحاظ رہتا تھا کہ وہ ان کے رجحانات اور خواہشات سے انحراف تو نہیں کرے گا، اسی کا اثر تھا کہ بہت سے فقہاء قضاء کے منصب سے دامن بچاتے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ شریعت اسلامی، ان کے فرائض منصبی اور ضمیر کے خلاف فتویٰ دینے پر ان کو آمادہ کیا جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منصور عباسی نے منصب قضاء کے قبول کرنے کی استدعا کی۔ آپ نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا، ''مجھے اپنے اوپر یہ اعتماد نہیں ہے کہ آپ کی رضا مندی اور خواہشات کا لحاظ رکھوں گا! پھر آپ کے غیظ و غضب سے بچنے کی صورت؟'' اس واقعہ کے بعد امام ابوحنیفہؒ اور منصور کے ایک قاضی محمد بن عبدالرحمٰن میں کچھ کشیدگی پیدا ہوگئی تھی، کشیدگی کی وجہ یہ تھی کہ امام ابوحنیفہؒ نے باوجود عمر میں چھوٹے ہونے کے، ابن عبدالرحمٰن کے فیصلوں پر نکتہ چینی کی تھی ابن عبدالرحمٰن نے منصور سے شکایت کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کی طرف سے ''حکم زباں بندی'' نافذ ہوگیا، اور انہیں فتویٰ دینے کی ممانعت کر دی گئی۔ (التمدن الاسلامی۔ ج:2) اس زمانہ کے خلفاء نے بہت سے جنرلوں اور علویوں وغیرہ سے امن و امان کا وعدہ کیا، اس کے بعد قاضیوں کے فتووں کی آڑلی اور اپنے وعدوں کی صریح خلاف ورزی کی سفاح نے ابن ہبیرہ، منصور نے محمد بن عبداللہ (معروف بہ ''نفس زکیہ'') اور ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اس دعویٰ کی کھلی شہادت ہے۔

ابن ہبیرہ کو سفاح کی طرف سے ''امان'' دے دی گئی تھی، لیکن چند روز کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی اور ابو مسلم خراسانی کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا تھا، اسی واقعہ کی طرف محمد بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب نے منصور کے ایک خط کے جواب میں اشارہ کیا تھا۔ ''مجھے کون سی امان'' دیجئے گا؟ ابن ہبیرہ کی طرح، اپنے چچا عبداللہ بن علی کی طرح یا ابو مسلم خراسانی کی طرح؟ محمد ''نفس زکیہ'' کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے

بلاد دیلم میں ہارون رشید کے خلاف بغاوت کی تھی، ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، فضل بن یحییٰ نے اپنے غیر معمولی تدبر سے اسے اس شرط پر مصالحت کے لئے آمادہ کرلیا کہ ہارون اپنے قلم سے ''امان'' لکھ دے اور اس پر فقہاء قضاۃ اور بنی ہاشم کے ممتاز افراد کی گواہیاں ثبت ہوں۔ ہارون نے اس شرط کو قبول کرلیا اور اس کی حسب خواہش تحریر لکھ دی۔ اس کاروائی کے بعد جب یحییٰ فضل کے ساتھ بغداد آیا تو ہارون نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا، لیکن ابھی بغداد آئے ہوئے چند روز بھی نہیں گزرے تھے کہ ہارون نے اسے نظر بند کر دیا اور فقہاء سے ''امان'' کے متعلق فتویٰ طلب کیا، کچھ فقہاء نے اس کو برقرار رکھا لیکن بعض فقہاء نے ''نقضِ امان'' کے جواز کا فتویٰ دے دیا اور ہارون نے اس گروہ کے فتوے پر عمل کیا۔

عباسیوں نے اپنے عہد میں ''قاضی القضاۃ'' کا منصب قائم کیا، جو عہدِ جدید کے وزیر عدل و انصاف کے ہم پلہ تھا، اس کا تقرر خلیفہ کی طرف سے کیا جاتا تھا۔ قاضی القضاۃ دارالسلطنت میں قیام کرتا تھا اور وہ تمام عالم اسلامی میں قاضیوں کا تقرر کرتا تھا۔ جو اس کے نائب کی حیثیت سے عدالت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ وہ پہلے آدمی تھے جو اس عہدے پر امور ہوئے، یہ ہارون رشید کے عہد کا واقعہ ہے۔ ہارون ان کا بے حد لحاظ و احترام کرتا تھا، اندلس میں ''قاضی القضاۃ'' کو ''قاضی الجماعۃ'' کہا جاتا تھا، دونوں کے اختیارات و فرائض ایک تھے، ان میں صرف نام کا فرق تھا۔

عباسیہ کے دورِ عروج میں قاضی القضاۃ کے اختیارات و فرائض اور زیادہ وسیع ہوگئے تھے اور دیوانی اور فوجداری کے علاوہ، اوقاف، محکمہ وصایا، پولیس، مظالم، قصاص، احتساب، دارالضرب (ٹکسال) اور بیت المال کے شعبے بھی اسی کے ماتحت تھے۔ اس دور میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے ماسوا دوسرے ممتاز قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثمؒ تھے جو گرمیوں میں جنگ کرنے والی فوج کے جنرل بھی تھے۔ اور تیسرے احمد بن داؤد تھے۔ ابن اکثم عہد مامون میں قاضی القضاۃ تھے اور ابن ابی داؤد ان کے شاگرد عہد واثق کے قاضی القضاء تھے۔

امویوں کے عہد میں ہر صوبہ میں ایک قاضی مقرر کیا جاتا تھا، لیکن عہد عباسیہ میں ہر صوبہ میں ''مذاہب اربعہ'' کی نمائندگی کے لئے چار قاضی مقرر کئے جاتے تھے تاکہ ہر مذہب کا مقلد اپنے قاضی کے پاس مقدمہ پیش کرے اور اپنے مذہب کے مطابق اسے طے کرا سکے۔

Scanned with CamScanner

عہد عباسی میں عدالتی نظام کی نمایاں خصوصیات

اس عہد کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ قاضی گواہوں کے حالات کی خفیہ چھان بین کرتا تھا۔ کندی کا بیان ہے کہ قاضی کے ہاں جب کوئی شخص گواہی دیتا جو سچائی اور امانت میں مشہور ہوتا تو قاضی اس کی گواہی کو قبول کر لیتا اور اگر گواہ کی سچائی اور امانت مشہور نہ ہوتی تو قاضی اس کی گواہی موقوف کر دیتا۔ اگر گواہ غیر معروف ہوتا تو اُس کے پڑوسیوں سے حالات دریافت کئے جاتے جو اچھائی یا برائی پڑوسیوں سے معلوم ہوتی، اس پر عمل کیا جاتا۔ (کتاب القضاۃ)

ابوجعفر منصور کی خلافت کے زمانے میں غوث بن سلیمان وہ پہلے قاضی تھے جو خفیہ طور پر گواہوں کے حالات کی چھان بین کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانے میں جھوٹی گواہی کی کثرت ہوگئی تھی۔ قاضی مفضل بن فضالہ نے خاص طور پر ایک آدمی مقرر کر رکھا تھا، جس کو ''صاحب المسائل'' کہا جاتا تھا اور جس کا کام صرف یہ ہوتا تھا کہ وہ گواہوں کے حالات معلوم کرے۔ اسی طرح قاضی عمری نے جو ہارون الرشید کی طرف سے 105ء ہجری میں مصر کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ گواہوں کے نام اپنے رجسٹر میں درج کر رکھے تھے ان کے بعد آنے والے قاضیوں نے اس کام میں ان کی پیروی کی۔

عیسیٰ بن منکدر جو 212 ہجری میں مصر کے قاضی مقرر ہوئے۔ گواہوں کے معاملے میں اس قدر احتیاط کرتے تھے کہ رات کو بھیس بدل کر اپنا سر اور چہرہ چھپا کر گلی محلوں میں چلے جاتے تھے تاکہ گواہوں کے حالات کا پتہ چلائیں۔ قاضی قدامہ بن جعفر اپنی کتاب ''کتاب الخراج'' میں لکھتے ہیں کہ گواہوں کی گواہی کی چھان بین کرنا، ان کے بارے میں پوری جانچ پڑتال کرنا، ان کی سچائی اور امانت کے معاملات کی تحقیق کرنا اس زمانے میں قاضی کے اہم ترین فرائض میں شامل تھا۔

عدالتی نظام میں اصلاحات

مصر میں عہدِ عباسی کے کچھ قاضیوں نے عدالتی نظام میں مختلف اصلاحات رائج کیں۔ مثلاً قاضی غوث نے (135-140ھ) محکمہ قضا کو ان عیوب اور نقائص سے پاک کرنے کی کوشش کی، جو اس نظام میں داخل ہوچکے تھے۔ ان میں خصوصی طور پر جھوٹی گواہی کا مسئلہ تھا۔ قاضی غوث

گواہوں کے متعلق خفیہ تحقیق کرتے۔ جب ان کے ہاں گواہوں کی ''سچائی'' اور کردار کی پختگی کا ثبوت مل جاتا تب وہ ان کی گواہی قبول کرتے۔ قاضی غوث کے متعلق کندی لکھتے ہیں کہ وہ محکمۂ انصاف کی حقیقت اور اس کی سیاست کو سب سے زیادہ سمجھنے والے آدمی تھے۔ عدالت اور اعتدال میں ان کے فیصلے مشہور ہیں۔ ان کا عدل و انصاف اس قدر مشہور تھا کہ انہوں نے خلیفہ مہدی کے مقرر کردہ وکیل کو اور ان کے خلاف درخواست دینے والے آدمی کو عدالت میں برابر بیٹھا دیا تھا۔ جس کی شکایت خلیفہ مہدی اور اس کی بیوی نے قاضی غوث کے پاس کی۔

قاضیوں کی پاک دامنی اور انصاف پسندی

بیان کیا گیا ہے کہ قاضی ابوخزیمہ (144-154ھ) اس قدر محتاط تھے کہ جس دن وہ عدالت میں حاضر نہیں ہوتے تھے اور اپنے گھر میں اپنے کپڑے دھوتے تھے یا کسی جنازے میں شریک ہوتے تھے تو اس دن کی تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ انہی قاضی ابوخزیمہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی اکثر ضروریات اپنے ہاتھوں سر انجام دیا کرتے تھے اور اس زمانے کے قاضی نمود و نمائش سے دوری کے معاملے میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرتے تھے اور قاضی ابوخزیمہ کے والد قاضی عبداللہ بن لہیعہ مصر کے پہلے قاضی تھے۔ جنہوں نے مصر میں رویت ہلال کی مجلس قائم کی۔

قاضی مفضل بن فضالہ نے نظام عدالت میں بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔ انہوں نے ایسی فائلیں تیار کرائیں جن میں وصیتیں اور دیوانی مقدمات کے فیصلے درج ہوتے تھے۔ انہوں نے ہی پہلی دفعہ گواہوں کی تفتیش کا محکمہ قائم کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان اصلاحات کا معاملہ صرف نمائشی تھا۔ ذکر کیا گیا ہے کہ گواہس کی تفتیش کرنے والا عہدیدار لوگوں سے رشوتیں لے کر قاضی کے سامنے ان کی سچائی اور عدالت کا ثبوت مہیا کرتا تھا۔ بعد میں قاضی مفضل کو پتہ چل گیا کہ یہ عہدیدار عدالت کو کتنا نقصان پہنچا رہا ہے۔ تو انہوں نے اسے برطرف کر دیا اور گواہی دینے کے لئے دس معتبر آدمی مقرر کر دیئے لیکن یہ بات عام لوگوں کی نظر میں پذیرائی حاصل نہ کر سکی، کیونکہ انہوں نے گواہی کے لئے گواہوں کی بہت ہی قلیل تعداد مقرر کر رکھی تھی اور اس لئے بھی کہ یہ ایک نئی اصلاح تھی جو اس سے پہلے کسی قاضی نے نہیں کی تھی۔

قید خانوں کی اصلاح

قاضی لہیعہ ابن عیسیٰ نے جیلوں کی اصلاح کے لئے بڑا کام کیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہا

Scanned with CamScanner

کرتے تھے کہ میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ قید خانوں کی درستی کا کام میرے سپرد ہو تو میں نے ان میں مکمل اصلاحات نافذ کیں اور گواہی کا نظام از سر نو مرتب کیا۔ انہوں نے قید خانوں کے مالی معاملات کو درست کیا اور ان میں سے کچھ رقم اہل مصر کے لئے مخصوص کی۔ قید خانوں کی آمدنی سے انہوں نے ان لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں جو قید خانوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قید خانوں کا معاملہ پہلی دفعہ قاضی کے سپرد ہوا۔ قاضی لہیعہ کے بعد لوگوں نے ان کی اس معاملے میں پیروی کی اور جیل خانوں کا انتظام بعد میں قاضیوں کے سپرد رہا۔ اس کے باوجود قاضی لہیعہ سے مصر کے لوگ ناراض ہو گئے کیونکہ انہوں نے خصوصی طور پر تمیں آدمی ایسے مقرر کر رکھے تھے جو انہیں خفیہ خبریں مہیا کیا کرتے تھے۔

عدالتی نظام کے نقائص

اس زمانے میں بھی عدالتی نظام ان عیوب اور نقائص سے خالی نہیں تھا جو مصر کی عمومی حالت کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ رشوت ستانی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ قاضیوں کی قدر و منزلت لوگوں کی نظروں میں گرانے کا سبب بن گئی۔ قاضی عبدالرحمٰن بن عبداللہ عمری کے متعلق یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ اس نے رشوت کے پیسے سے ایک لاکھ دینار جمع کیا تھا بلکہ ان پر شراب پینے اور رقص و سرود کی محفلوں میں جانے کی تہمت بھی لگائی گئی تھی جس سے ان کی شہرت اور ان کے عہدے کی سربلندی کو نقصان پہنچا۔

اس کے باوجود کہ اس قاضی کا مرتبہ و مقام لوگوں کی نظروں میں گر چکا تھا اس نے گواہوں کا ایک خاص رجسٹر بنوایا اور اس میں ان کے ناموں کا اندراج کیا اور اس معاملے میں ان کے بعد آنے والے ججوں نے ان کی پیروی کی۔

اس زمانے کے مشہور قاضیوں میں سے ابن مسروق کندی ہیں، جنہوں نے قاضیوں کے مرتبے کو بلند کرنے کی کوشش کی۔ وہ حکمران کے اقتدار کے سامنے نہیں جھکتے تھے اور نہ ہی وہ بادشاہ وقت کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ جیسا کہ ان کے زمانے میں عام وطیرہ تھا۔ قاضی ابن مسروق کندی نے عدالتی دفتری معاملات کی بڑی حد تک اصلاح کی۔ انہوں نے اپنے مقدمات کے لئے ایک فائل بنوائی جس میں مقدمات کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور اس کو سیل کر دیا جاتا تھا۔ پھر جب فیصلے کا دن آتا تھا تو اس ریکارڈ کو کھولا جاتا تھا۔ لین پول نے مصر میں عہد اموی و عہد عباسی کے چیف جسٹس کی شخصیت کا تجزیہ اس طرح پیش کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''فقہ اسلامی میں امتیاز حاصل کرنے کی وجہ سے قاضی ایک باعلم شخصیت ہوتا تھا۔ عوام الناس میں وہ حسن اخلاق اور خوبی کردار کا پیکر تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی عدالت اور اس کی شخصیت بڑی اہم سمجھی جاتی تھی اور اس کے ساتھ حکومت کے دیگر عہدیداروں کے برابر سلوک نہیں کیا جاتا تھا بلکہ قاضی اکثر اوقات کئی حکمرانوں کے زمانوں میں منصب قضا پر برابر فائز رہتا تھا اگر شریعت کے احکام میں حکمران کی طرف سے کوئی مداخلت ہوتی تو قاضی فوراً استعفیٰ پیش کر دیتا تھا۔ لوگ قاضیوں سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ جب کوئی حکمران کسی قاضی کو معزول کرنے کا ارادہ کرتا تو اسے کافی سوچ و بچار کرنا پڑتا کہ اس کے اس اقدام سے عوام الناس میں ناراضگی نہ پھیل جائے بلکہ عباسی عہد میں حکمران کو قاضی کے معزول کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور قاضیوں کے تقرر کا فرمان مرکز خلافت یعنی بغداد سے صادر ہوتا تھا اور ان کی تنخواہ خلیفہ کی طرف سے مقرر کی جاتی تھی اور ان کو تنخواہ مرکزی خزانے سے ادا کی جاتی تھی۔''

(تاریخ مصر: لین پول)

اندلس میں عہدۂ قضا کی اہمیت

تمام ممالک اسلامیہ کی طرف اندلس میں بھی قاضی کو ایک اہم مرتبہ و مقام حاصل تھا۔ چنانچہ عدالت کا رئیس اعلیٰ خلیفہ یا امیر ہی ہوتا تھا، کیونکہ اس عہدے کا تعلق دینی معاملات سے مربوط تھا۔ اندلس میں چیف جسٹس کو ''قاضی الجماعۃ'' کہا جاتا تھا، کیونکہ چیف جسٹس ہمیشہ مرکز خلافت میں رہتا تھا اور اس کا حکم سلطنت کے تمام علاقوں میں نافذ ہوتا تھا۔ قاضی کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ فقہ میں مہارت رکھتا ہو اور اخلاق کی پاکیزگی اور سیرت و کردار میں مضبوطی کی شہرت رکھتا ہو۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ چیف جسٹس ہمیشہ خالص عربی ہو بلکہ بسا اوقات یہ منصب اندلس کے مقامی باشندوں، بربر قبیلہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں اور کچھ موالی کے سپرد بھی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ قاضی یحییٰ بن یحییٰ لیثی جن کا شمار اندلس کے بڑے قاضیوں میں ہوتا ہے، بربر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عام طور پر چیف جسٹس ان قاضیوں میں سے منتخب کیا جاتا تھا جو فیصلہ دینے میں مہارت رکھتے ہوں، یا جو حکومت کے کسی اہم منصب پر فائز رہ چکے ہوں۔

(المقری: نفح الطیب)

چیف جسٹس ہمیشہ قرطبہ میں قیام پذیر رہتا تھا اور اسے خلیفہ کی جانب سے منتخب کیا جاتا تھا۔ ملک کے صوبوں میں اس کی طرف سے نائب قاضی مقرر کئے جاتے تھے، جنہیں ''مسدد خاصہ'' کہا جاتا تھا۔ اندلس میں قرآن و سنت ہی حکومتی فیصلوں کا منبع سمجھے جاتے تھے اور قاضی اپنے فیصلوں میں امام مالک کے مسلک کی پیروی کرتے تھے۔ حکام اور والی ان فیصلوں کو نافذ کرنے کے پابند ہوتے تھے۔

مشرق کے اُموی اور عباسی خلفاء کی طرح اندلس کے امویوں نے بھی قاضیوں کو لشکروں کی قیادت سپرد کی تھی۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ اموی خلفاء قاضیوں کو جہاد کرنے والے لشکروں کی قیادت سپرد کیا کرتے تھے۔ جس طرح قاضی یحییٰ بن اکثم مامون الرشید کے زمانے میں رومیوں کے ساتھ جہاد کرنے والی فوج کی قیادت کرتے تھے۔ اسی طرح قاضی منذر سعید عبدالرحمٰن الناصرا اموی کے عہد خلافت میں خلیفہ کی طرف سے اندلس کی فوج کی قیادت کیا کرتے تھے۔

اندلس میں قاضی کے خصوصی اختیارات میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ قید خانوں کی آمدنی کی نگرانی کرے۔ اسی طرح فقہی فتاویٰ کی نگرانی کرنا بھی اس کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ فتاویٰ کا یہ محکمہ 291ھ میں قائم کیا گیا تھا، چیف جسٹس بعض اوقات مختلف علماء سے اپنے فیصلوں کے بارے میں فتوے حاصل کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ان فیصلوں کا ایک رجسٹر بنایا گیا، جو بعد میں اندلس کے قاضیوں کے لئے فیصلوں کا بڑا اہم ذریعہ ثابت ہوا۔ قاضی کے فرائض میں جمعہ اور عید کی نمازوں کی قرطبہ اور مدینۃ الزہراء کی بڑی مسجدوں میں نگرانی بھی شامل تھی۔ اسی طرح استقاء کی نمازوں میں دعا کرانا بھی شامل تھا۔ اندلس میں چیف جسٹس قدیم ہسپانوی زبان جانتے تھے اور وہ عدالت میں فریقین کے ساتھ ہسپانوی زبان میں بحث کیا کرتے تھے۔

محکمۂ مظالم

اسی عہد میں محکمۂ قضاء یعنی کورٹ آف جسٹس کے شانہ بشانہ محکمہ مظالم بھی کام کرتا تھا، جب جج یا قاضی کسی معاملے کا فیصلہ کرنے میں ناکام ہوجاتا تو پھر اس کا فیصلہ ''صاحب المظالم'' کرتا تھا جو قاضی سے زیادہ بااختیار ہوتا تھا۔

سلطنت کے صوبوں میں ''صاحب المظالم'' کا تقرر وزیراعظم کرتا تھا۔ بعض عباسی خلفاء بھی مظالم میں نظر کرنے کے شوقین تھے۔

عدالت مظالم اور عام عدالت کا فرق

ماوردی نے عام عدالت اور عدالتِ مظالم کا فرق بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان میں اہم ترین فرق یہ ہے کہ ناظر مظالم، جج سے ہیبت اور قوۃ میں زیادہ ہوتا تھا تاکہ مقدمے کے فریق فیصلے سے انکار نہ کرسکیں اور ظلم کرنے والا غلبہ نہ حاصل کرسکے۔ دوسری بات یہ کہ وہ ڈر اور علامات و شواہد کے ذریعہ معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا تھا۔ نیز اسے یہ اختیار بھی حاصل ہوتا تھا کہ اگر فریقین کے درمیان تصفیے کی کوئی صورت نہ نکل رہی ہو تو معاملہ ثالثوں کے سپرد کردے جو دونوں کو صلح پر آمادہ کرکے تنازعہ ختم کرادیں۔ جبکہ قاضی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ صلح کے لئے فریقین کی رضامندی خود حاصل کرے۔ صاحب المظالم کو یہ اختیار بھی ہوتا تھا کہ وہ گواہوں سے حلف لے یا ان کی تعداد بڑھادے تاکہ اس کا شک زائل ہوجائے اور یہ بھی اس کے لئے جائز ہوتا تھا کہ وہ گواہوں کو طلب کرکے ان سے سوالات کرکے معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے جبکہ قاضی کی عمومی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ مدعی کو گواہ پیش کرنے کا حکم دیتا ہے اور گواہوں کی شہادت اس وقت تک نہیں سن سکتا جب تک ان سے سوالات نہ کرے۔
(الاحکام السلطانیہ)

محکمۂ مظالم کی سربراہی

محکمۂ مظالم کا اجلاس خلیفے یا والی یا ان کے نائب کی سربراہی میں منعقد ہوتا تھا۔ اگر صاحب مظالم باقاعدہ سرکاری ملازم ہوتا تو عدالتی اجلاس کی تاریخ مقرر کرتا تاکہ فریقین کی شکایت کا فیصلہ کرسکے اور سرکاری ملازم نہ ہونے کی صورت میں اسے پورا ہفتہ سماعت کرنا ہوتی تھی۔

محکمۂ مظالم کے اجلاس مسجد میں منعقد ہوتے تھے اور پانچ گروہوں کے حاضر ہونے کی صورت میں ہی عدالت کا اجلاس منعقد ہوسکتا تھا۔

1- صاحب مظالم کے حامی اور مددگار جو اس قدر طاقتور ہوتے کہ کوئی فریق فیصلے سے راہِ فرار اختیار نہ کرسکتا نہ ہی کوئی ایک فریق دوسرے پر زبردستی مسلط ہوسکتا۔
2- سرکاری حکام جن کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ صادر ہونے والے فیصلے کو نافذ کریں اور تنازع کے فریقوں کے درمیان جو معاملات طے پائیں ان کا علم انہیں حاصل ہو۔
3- فقہاء یا قانون دان جن کی طرف ''صاحب المظالم'' احکام و مسائل شرعیہ کے بارے رجوع کرسکے۔

Scanned with CamScanner

4- کاتب یا عدالت کا اہلکار جو فریقین مقدمہ کی باتیں ریکارڈ کر سکے اور ان پر واجب الادا حقوق تحریر میں لا سکے۔

5- گواہانِ مقدمہ جن کا کام یہ ہوتا تھا کہ مقدمہ کے فریقوں سے متعلق اپنی معلومات ریکارڈ کرائیں اور یہ دیکھیں کہ قاضی جو فیصلہ صادر کر رہا ہے وہ حق وانصاف کے منافی تو نہیں۔

قاضی مظالم کے خصوصی اختیارات

قاضی مظالم کے خصوصی اختیارات یہ تھے:

1- ان مقدمات کی چھان بین جو افراد یا گروہ سرکاری حکام کے خلاف دائر کرتے کہ ہمارے ساتھ ناانصافی کی گئی ہے یا جو ٹیکس اکٹھا کرنے والے حکام کے خلاف دائر ہوتے کہ انہوں نے ٹیکس کی مقدار میں زیادتی کی ہے یا سرکاری دفاتر کے اہلکاروں کے خلاف دائر ہوتے جب وہ لوگوں کے مالی حقوق کے بارے کمی یا زیادتی کے مرتکب ہوتے۔

2- سرکاری ملازمین کی شکایات کے بارے میں کہ ان کی تنخواہیں کم کر دی گئی ہیں یا بروقت ادا نہیں ہوئیں۔

3- ان احکام کے نافذ کرنے کے بارے میں جن کو نافذ کرنے میں جج یا محتسب ناکام ہوجائے۔

4- عبادات، حج، عیدین اور جہاد کے قائم کرنے کے احکام نافذ کرنا۔ (ماوردی: الاحکام السلطانیہ، ص23)

محکمۂ احتساب

عہدِ اموی وعباسی میں عدالتی اختیارات تین حصوں میں منقسم تھے۔

(الف) قاضی یا جج کی ذمہ داری یہ ہوتی تھی کہ وہ ان تنازعات کا فیصلہ کرے جو کسی طرح بھی دینی معاملات سے منسلک ہوں۔

(ب) قاضی مظالم کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ان معاملات کا فیصلہ کرے جن کے تصفیے میں قاضی یا محتسب ناکام ہوجائے۔

(ج) محتسب کے ذمہ یہ کام ہوتا تھا کہ وہ زندگی کے عام معاملات اور بعض اوقات جرائم اور زیادتوں کے متعلق جلد از جلد فیصلہ کرے۔

بعض اوقات محکمۂ قضا اور محکمۂ احتساب ایک ہی آدمی کے سپرد ہوتے تھے۔ اگرچہ دونوں محکموں کے درمیان واضح فرق موجود ہے کیونکہ قاضی کا کام تحقیق اور تاخیر پر منحصر ہوتا ہے جبکہ محتسب کا کام جلدی اور شدت کا متقاضی ہے۔

محکمۂ احتساب کی ابتداء

حضرت عمر بن خطابؓ پہلے حکمران تھے جنہوں نے نظامِ احتساب کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ خود بطور محتسب کام کرتے تھے اگرچہ احتساب کا لفظ پہلی مرتبہ خلیفۂ مہدی عباسی (158-169) کے عہد میں استعمال کیا گیا۔

حضرت عمرؓ کے متعلق روایت ہے کہ وہ ایک اونٹ والے کو کوڑے سے پیٹ رہے تھے اور اسے کہہ رہے تھے:

''تم نے اپنے اونٹ پر اتنا بوجھ کیوں لادا جس کی اس میں طاقت نہ تھی۔''

محتسب کی ذمہ داریاں

محتسب کے فرائض میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، معاشرتی اخلاقیات، امانت اور فضیلت کی حفاظت، احکام شریعت پر عملدرآمد کی نگرانی، بلدیاتی اور بازاروں کے نظام کی نگہداشت جیسے کام شامل تھے، نیز وہ اس پر بھی نظر رکھتا کہ بازار میں دکانیں اس حد تک آگے سڑک پر نہ بڑھا دی جائیں کہ ٹریفک میں خلل واقع ہو، ناپ تول کے نظام کو درست رکھے تاکہ ناپ تول میں کمی واقع نہ ہو، بھاؤ بڑھانے والے دکانداروں کو سزا دے اور شرعی احکام کی خلاف ورزی پر مؤاخذہ کرے، ہمسائیوں کے حقوق کی نگرانی کرے اور اس بات کی بھی نگرانی کرے کہ غیر مسلم شہری مسلمانوں کے مکانات سے اونچی عمارتیں نہ تعمیر کرنے لگیں وغیرہ وغیرہ۔

Scanned with CamScanner

عہد بنو امیہ و بنو عباس میں علوم کا ارتقاء (سائنسی و سماجی)

اسلام میں علم حاصل کرنا فرض ہے:

قرآن مجید کی رو سے انسان کو تمام مخلوقات پر صرف علم کی بدولت ہی برتری حاصل ہے صاحب علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْ مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ:۱۱)

"تم میں جو لوگ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے اور جن کو علم کی ذولت سے نوازا گیا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے گا"

"**اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ**". (فاطر:۲۸)

"(صحیح معنوں میں) وہی لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جو اہل علم ہیں"

"**قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا**" کہو اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما" (طہٰ)

اسلام نے علم کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھول دیا۔ آنحضرت نے اپنی امت پر واضح کر دیا۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ (ابن ماجہ)

"حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

آپؐ ساری کائنات کو درس و رشد و ہدایت دینے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اپنے معلم ہونے پر انہوں نے اس طرح فخر کیا کہ

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا "بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے"

نیز یہ بھی آپ کا فرمان ہے کہ "مہد سے لحد تک علم حاصل کرو" یعنی اسلام اپنے پیروکاروں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پوری طرح علم حاصل کر کے ایک مثالی معاشرہ قائم کریں۔ تحقیق و تفتیش کریں اور نئی نئی ایجادات سے بنی نوع انسان کی بھلائی کا سامان مہیا کریں کیونکہ

قرآن مجید میں واضح بیان ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔ اسلام کی دی ہوئی اس تعلیم نے عربوں کی سوچ اور رویے میں، کائنات کے بارے میں بنیادی تبدیلی پیدا کر دی۔ وہ کل تک جن مظاہر فطرت اور اشیاء کائنات کی پرستش کرتے تھے آج انہیں اپنا خادم سمجھنے لگے اور مسلمانوں کی سیاسی قوت کے پہلو بہ پہلو ان کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں روز بروز تیز ہوتی گئیں رسول اکرم ﷺ کا اس ارشاد گرامی کے پیش نظر کہ "حکمت کی بات مومن کی متاع گم شدہ ہے جہاں سے بھی ملے وہی اس کا حقدار ہے" مسلمان اس قدر سرگرمی اور تن دہی سے علم و حکمت کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے کہ انسانی تاریخ میں اس نوع کی سرگرمیوں کا اور کہیں سراغ نہیں ملتا۔ اسلام کے تبلیغی دین ہونے کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں اسلامی تہذیب و ثقافت نے ان اقوام کے عقائد، اخلاق و معیشت اور معاشرت پر گہرا اثر کیا جو حلقہ بگوش اسلام ہوئیں وہاں مسلمانوں نے دیگر اقوام کی ایسی تحقیقات سے استفادہ کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی جن کا تعلق بالخصوص علم طبیعیہ سے تھا۔ مسلمانوں نے اس وقت تک کے انسانی علم کا ترکہ سمیٹا۔ اسے اوہام و خرافات سے پاک کیا اور اس پر نئی تحقیقات کی بنیاد رکھی اس امر کی نہ کوئی مثال پہلے موجود تھی نہ اب تک ہے خلفاء اور امراء اپنے محلوں سے اٹھ کر کتب خانوں اور رصدگاہوں میں جا گھسے تھے۔ وہ اہل علم کے خطبات سنتے اور ان سے مسائل ریاضی کے متعلق مذکرات کے کرتے تھے مسودات و مخطوطات اور نباتاتی نمونوں سے لدے ہوئے کارواں بخارا سے دجلہ تک اور مصر سے اندلس تک رواں دواں رہتے تھے۔ کسی سلطنت سے تاوان جنگ وصول کرنے کے سلسلے میں یونانی مصنفین یا کسی ممتاز سائنس دان کی تصانیف حاصل کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ملحق ہوتا تھا۔ وزرائے سلطنت کتب خانوں کے قیام اور غریب طلباء کے لئے اہتمام میں اپنے آقاؤں سے بھی بڑھ جانا چاہتے تھے۔

عربوں کو ایران و شام سے جو یونانی علوم کا ذخیرہ ملا انہوں نے صرف اس کے ترجمے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان پر تنقید بھی کی۔ عرب محققین نظریے کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ صرف حقائق کی جمع آوری میں مصروف رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں بریفالٹ کا یہ بیان اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔

"یونانی اگرچہ اپنے علم کو مرتب کرتے تھے، نظریات قائم کرتے تھے لیکن ماہرانہ تحقیق و تدقیق، مثبت علم کی فراہمی، سائنس کی باریک بینی، مفصل و طویل مشاہدات اور تجرباتی تجسس یہ

سب لوازم علمی یونانی مزاج سے قطعاً بعید تھے......ہم جس چیز کو سائنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ ان امور کا نتیجہ ہے کہ تحقیق کی نئی روح پیدا ہوگئی۔ تفتیش کے نئے طریقے معلوم کئے گئے ۔تجربے،مشاہدے اور پیائش کے اسلوب اختیار کئے گئے ۔ ریاضی کو ترقی دی گئی اور یہ سب کچھ اس شکل میں نمایاں ہوا جس سے یونانی بالکل بے خبر تھے ۔ دنیائے یورپ میں اس رویہ کو اور ان اسالیب کو رائج کرنے کا سہرا عربوں کے سر ہے ۔''

الغرض عربوں نے یونانی علوم کو ایک شاگرد اور مقلد کی حیثیت سے نہیں پڑھا بلکہ انہوں نے یونانیوں سے جتنے علوم بھی حاصل کئے انہیں دلائل کی کسوٹی پر رکھا اور تجربے کی بھٹی سے گزارا اور یونان سے جو علمی ذخیرہ لیا تھا اسے بالکل بدل کر آنے والی نسلوں تک پہنچایا اور کیمیا ، طبیعیات ، طب ، جغرافیہ ، ریاضی ، فلکیات اور حیاتیات غرض یہ کہ سائنس کے تمام شعبوں میں یونانیوں کی تنقید ، تردید اور تصحیح کرتے ہوئے تخلیقی کارنامے انجام دئے جن کی ایک ہلکی سی جھلک درج ذیل ہے:

علم طبیعیات

علم طبیعیات میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ ان میں بڑی شخصیتیں کندی جاحظ، بنو موسیٰ،ابو ریحان البیرونی،زکریا رازی اور عبدالرحمٰن بن نصیر کی ہیں ۔یعقوب بن اسحٰق الکندی ایک جامع الکمالات انسان تھے جنہوں نے علم طبیعیات،علم کیمیا ،فلسفہ اور موسیقی پر متعدد تصانیف چھوڑی ہیں جن میں سے کم ازکم پندرہ علم المناظر پر ہیں۔ بہت سی کتابیں وزن مخصوص ،مد وجزر اور علم البصر پر ہیں۔علم البصر پر اس کی کتاب کا لاطینی ترجمہ محفوظ ہے مشرق و مغرب کے علماء نے جن میں راجر بیکن بھی شامل ہے، اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

مشہور اسلامی مفکر ابو ریحان البیرونی نے بھی علم طبیعیات میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں۔ اس نے تحقیق سے بتایا کہ روشنی کی رفتار آواز کے مقابلے میں دو درجہ تیز ہوتی ہے۔ اس نے سمندر کے پانی کے نمکین ہونے کی وجہ بھی بیان کی۔ قدرتی چشموں ،فواروں اور زیر زمین کنوؤں سے پانی کے خود بخود ابھرنے کی اس نے جو توضیح بیان کی ہے انہیں موجودہ طبیعیات کی ابتداء قرار دیا جاسکتا ہے۔

مسلمانوں کے سب سے بڑے عالم طبیعیات اور دنیا کے ماہرین بصریات کا پیش رو ابن

الہیثم ہے اس کی طبیعیات میں تحقیقات ،یورپ کی تحریک احیائے علوم کے زمانے تک حرف آخری سمجھی جاتی رہیں۔ بصر اور افعال چشم کے سلسلہ میں اس کے نظریات متقدمین کی تصورات سے بہت آگے تھے۔ اس کی کتاب ''کتاب المناظر'' اس سلسلہ کی اہم ترین کتاب ہے۔ یہ کتاب اب نایاب ہے لیکن اس کا ترجمہ ابھی بھی محفوظ ہے۔

روشنی کی ماہیت پر بحث کرتے ہوئے ابن الہیثم اسے توانائی کی ایک قسم قرار دیتا ہے جو حرارت کی توانائی سے مشابہ ہوتی ہے۔ نیز اس نے بتایا کہ روشنی کی شعاع ایک واسطے میں ہمیشہ خط مستقیم میں چلتی ہے اور یہ روشنی کی ذاتی خاصیت ہے۔ کتاب المناظر کا ایک اہم ترین باب آنکھ کے بارے میں ہے جس میں آنکھ کے مختلف حصوں کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے سایہ، کسوف اور خسوف کے متعلق کتابیں بھی نہایت مشکل ریاضیاتی انداز میں لکھیں امام غزالی اگرچہ ایک فلسفی ، متکلم اور صوفی تھے تاہم انہوں نے طبیعیات کے مختلف پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور حواس خمسہ کے بارے میں تحقیقات دی ہیں ۔ عبدالرحمٰن الخازن نے متعدد مادوں کی کثافت معلوم کی اور اس سلسلہ میں اس کی مشہور کتاب ''میزان الحکمۃ '' ہے جس کا شمار قرون وسطی کے شاہکاروں میں کیا جاسکتا ہے ۔ اس نے ثابت کیا کہ ہوا کا وزن بھی ہوتا ہے اور مائعات کی طرح اس میں بھی اوپر اٹھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اجسام کا ہوا میں وزن گھٹ جاتا ہے اور جتنا وزن کم ہوتا ہے اس میں کثافت ہوا داخل ہوجاتی ہے۔

مسلمانوں کا ایک اور پسندیدہ موضوع نظام اوزان و پیائش بھی ہے۔ الخازن نے نہ صرف قیمتی پتھروں کا صحیح وزن کرنے کے لئے ایک ترازو ایجاد کیا بلکہ پانی اور ہوا کا وزن کرنے کی لئے بھی ایک میزان تیار کی۔

الفارابی نے ارسطو کی طبیعیات اور منطق وغیرہ کی کتابوں پر شرحیں لکھیں۔ نصیر الدین طوسی نے ''تحریر المناظر'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ابن الہیثم کے نظریات کی تائید کی۔

علم کیمیا

یہ وہ علم ہے جس میں مختلف عناصر کو کیمیاوی طریقہ سے ملا کر نئے مرکبات بنائے جاتے ہیں یا مختلف مرکبات کو کیمیائی طریقہ سے اپنے اجزاء یا عناصر میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس علم میں مسلمانوں کی خدمت دیگر علوم کے برعکس خاصے مشکل حالات میں سامنے آئیں

Scanned with CamScanner

کیونکہ ابتدائی زمانہ میں کیمیاء کے تجربات کے لئے مناسب سہولتیں میسر نہیں تھیں تاہم مسلمان کیمیادانوں نے اس علم میں وہ خدمات سرانجام دیں جن کی وجہ سے اس علم کو موجوذہ کامیابی اور ترقی حاصل ہوئی ۔ عربوں نے اس علم کے بارے میں یونانیوں سے بہت کم استفادہ کیا مسلمانوں نے وہ بڑے بڑے مرکبات متعارف کروائے جن سے یونانی بالکل ناواقف تھے ۔ ان مرکبات میں گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب اور ماء الملوک وغیرہ شامل ہیں۔

علم کیمیا میں مسلمانوں نے ایسی بیش بہا تصانیف چھوڑی ہیں جو سترھویں صدی عیسوی تک سند خیال کی جاتی تھیں ۔جابر بن حیان اور زکریا رازی قرون وسطیٰ کے سب سے بڑے کیمیا دان شمار کئے جاتے ہیں۔ فلپ ہٹی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ طب ، ریاضی اور علم ہئیت کے بعد مسلمانوں نے سب سے نمایاں کامیابی علم کیمیاء میں حاصل کی ہے۔ جابر بن حیان علم کیمیا کا جدامجد خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے بہت سے مفید کیمیاوی نسخے تیار کئے اور سو سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں اور بقول میکس مَر ہاف مغربی کیمیا پر اس کا نمایاں اثر جھلکتا ہے۔

جابر کی تصانیف کا اردو ترجمہ متعدد مشرقی اور مغربی زبانوں میں ہوا اور اس کی اختراع کردہ فنی اصطلاحات آج بھی مستعمل ہیں ۔

جابر نے اپنی کتابوں میں چمڑا رنگنے ، دھاتوں کے مرکبات بنانے ، لوہے کو زنگ سے بچانے ، بالوں کو سیاہ کرنے اور ایسا کپڑا تیار کرنے جس پر پانی کا اثر نہ ہو نیز اس قسم کی بہت سی چیزیں تیار کرنے کے طریقے بیان کئے ہیں ۔ دور حاضر کی صنعت میں بھی یہ چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ۔ آج سے کئی صدیاں قبل اس کی یہ خدمات اس کی بے مثل فنی مہارت کا ثبوت ہیں۔

مسلمانوں میں علم کیمیاء کے دوسرے بڑے ماہر زکریا رازی ہیں جنہوں نے اپنی تصانیف "کتاب الاسرار" میں سینکڑوں کیمیاوی نسخے تیار کئے ہیں ۔ ان کے علاوہ جاحظ ابو منصور موفق اور ابوالقاسم نے علم کیمیا پر بیش بہا تصانیف چھوڑی ہیں۔ ابن سینا بھی طبیب ہونے کے ساتھ ساتھ علم کیمیاء میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ دھاتوں کے سونا بنائے جانے کے خلاف تھے

مسلمانوں نے طب میں بھی کیمیا کا استعمال کیا اور کم و بیش تمام مسلمان کیمیا دان طبیب بھی تھے ۔ مسلمانوں نے ہی یہ نظریہ دیا کہ دھات مختلف قسم کے ذرات سے مل کر بنتی ہے اور ہر دھات کو اس کے بنیادی ذرات کے کم و بیش کرنے سے دوسری دھات میں تبدیل کیا جا سکتا ہے ۔ ایک مغربی مصنف لکھتا ہے "عربوں نے جو ایجادات کیں وہ اپنے زمانے کے لحاظ سے

بڑی قیمتی تھیں ۔انہوں نے برف بنانے کا طریقہ بہت پہلے معلوم کر لیا تھا۔ انہوں نے روئی سے بنایا ہوا سستا کاغذ یورپ پہنچایا۔ نیز عربوں نے ہی ہمیں بارود سازی کی صنعت سکھائی۔ اگر ہماری پشت پر عرب تہذیب کی یہ یادگاریں نہ ہوتیں تو ہماری اخلاقی ترقی اس سطح اور درجہ تک نہ پہنچتی ۔

علم ریاضی

موجوذہ صدی میں سائنسی علوم میں بے پناہ تحقیق ہوئی ہے ۔ تحقیق و ترقی کی اس دوڑ میں ریاضی دان بھی دیگر سائنس دانوں اور دانش وروں کے شانہ بشانہ کام کرتے رہے بلکہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ماضی قریب میں سائنسی ترقی کا انحصار بہت حد تک ریاضی پر ہی ہے۔

علم ریاضی عربوں کا مخصوص اور مقبول مضمون رہا ہے۔ الجبرا اور علم مثلث کی ابتدا درحقیقت انہوں نے ہی کی۔ صفر بھی انہی کی اختراع ہے جس نے علم حساب میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور اس کو بہت زیادہ مفید اور آسان بنادیا۔ ریاضی کی تاریخ میں دنیائے اسلام کے نامور ریاضی دان ابو موسیٰ الخوارزمی، عمر خیام ، ابوالکامل، ابو الوفاء اور نصیر الدین طوسی کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا. جنہوں نے علم ریاضی کو قرون وسطیٰ میں وہ ترقی دی جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی اور جن کی تصانیف آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں

ریاضی میں مسلمانوں نے جو کام کیا ، مغرب کے مصنفین نے اس کا اعتراف تو کیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے شرطیہ اور استثنائی جملوں کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً لیگسی آف اسلام میں ہے کہ "ہمیں یہ توقع رکھنی چاہئے کہ عربوں میں وہی ذوق وشوق اور اسی جدت فکر کی خوبیاں ہوں گی جس سے اہل یونان مالا مال تھے ۔ عرب کچھ بھی ہوں وہ سب سے پہلے یونانیوں کے شاگرد ہیں اس قسم کا انداز مغالطہ آمیز ، غیر عقلی اور غیر تحقیقی ہے ۔ دنیا میں ہر دور میں اپنے سے پہلے لوگوں کے علوم سے استفادہ کیا گیا ہے اور پہلوں سے استفادہ کرنا ایک علمی و فطری روایت ہے ۔ سائنسی علم پوری انسانیت کا ورثہ ہوتا ہے چنانچہ اس فطری روایت کے مطابق مسلمانوں نے اگر یونانیوں سے استفادہ کیا ہے تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ مسلمانوں نے تو یہ چھپایا ہی نہیں ہے کہ انہوں نے نہ صرف یونانیوں بلکہ تمام دنیا کے افکار و مفکرین سے استفادہ کیا ہے مسلمانوں نے یورپ کی طرح اپنے علمی محسنوں کی کردار کشی نہیں کی بلکہ ہمیشہ انہیں یاد رکھا اور ان کا ذکر ہمیشہ احترام سے کیا اور ان کے علوم و فنون کو بقا اور دوام بخشا۔

Scanned with CamScanner

کندی کا شمار اگرچہ حکمائے اسلام میں ہوتا ہے لیکن اسے علوم ریاضی میں بھی مہارت حاصل تھی۔اس کی رائے ہے کہ ریاضیات سیکھے بغیر ،فلسفہ اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا ثابت بن قرہ نے المجسطی کی تلخیص کے علاوہ ریاضی میں جیومیٹری کی بعض اشکال کے متعلق ایسے کلیات دریافت کئے جو اس سے پہلے معلوم نہ تھے۔ رازی اگرچہ بہت بڑا طبیب تھا تاہم وہ ریاضی اور فلسفہ کو بھی بہت زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ اس کے نزدیک طب، فلسفہ اور ریاضی لازم ملزوم تھے۔ ابو الوفاء البوز جانی کا شمار علم ریاضی کے نامور علماء میں ہوتا ہے۔ اس نے چاند کے بارے میں خاصی تحقیقات کیں۔وہ علم مثلث کے اولین موجدوں میں سے تھا۔ زاویہ کی چھ نسبتیں اس نے دریافت کیں۔ اس کی تصانیف آٹھ صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی رہیں۔ ابوعبداللہ البتانی ماہر ہئیت اور ریاضی دان تھے۔ اس کے فلکی مشاہدات تاریخ میں اہم نتائج کے حامل ہیں۔ الجر یطی علم ہندسہ اور دوسرے علوم ریاضیہ میں یدطولی رکھتا تھا۔ الجر یطی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ابن خلدون نے علوم ریاضیہ اس سے حاصل کئے۔

علم طب

اسلام کی رو سے انسانی زندگی کے دو شعبے ہیں: ایک مادی اور دوسرا روحانی۔اسلام ان دونوں شعبوں کی اصلاح و ترقی کا بندوبست کرتا ہے۔ اس اعتبار سے علوم کی دو بنیادی اقسام بیان کی گئی ہیں یعنی علم الادیان اور علم الابدان۔ شروع سے ہی مسلمانوں نے ان دونوں شعبوں میں یکساں طور پر جدوجہد کی ہے۔ انہیں جس قدر علم دین سے شغف رہا اتنا ہی انہوں نے مادی اور طبیعی علوم میں شوق کا اظہار کیا۔ مسلمانوں نے بعض ادویات کے ذریعے نئے نئے علاج سوچنے میں خاصی ترقی کی چنانچہ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے سب پہلے دواسازی کا سکول کھولا اور مخزن الادویہ مرتب کی۔

علم طب میں مسلمان اطباء کا مقابلہ دنیا میں کوئی نہیں کرسکتا۔ زکریا رازی ، ابن سینا اور مجوسی کا شمار دنیا کے بہترین اطباء میں ہوتا ہے۔ بقول میکس میئر ہاف ''رازی دنیائے اسلام کے سب سے بڑے طبیب تھے۔ انہوں نے دوسو سے زائد کتابیں لکھیں جن میں ''کتاب المنصوری'' دس جلدوں میں ہے۔ انہوں نے چیچک کے متعلق سب سے پہلی کتاب تصنیف کی جو آج بھی مستند خیال کی جاتی ہے۔ ان کا ترجمہ بیسیوں زبانوں میں ہوا اور صرف یورپ میں 1886 تک اس کے چالیس ایڈیشن شائع ہوئے۔ رازی کی سب سے بڑی طبی تصنیف ''الحاوی'' چوبیس

جلدوں میں ہے۔ طب کی اتنی جامع کتاب دنیا کی کسی زبان میں نہیں لکھی گئی بقول میکس میئر ہاف اس کتاب نے مغربی طب پر گہرا اثر ڈالا۔

علی بن عباس مجوسی کی تصنیف ''کتاب مالکی'' طبی معلومات کا خزانہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ دنیا کے مایہ ناز طبیب بوعلی سینا تھے۔ ان کی جامع کتاب ''القانون فی الطب'' عربی طب کی منتہا تصور کی جاتی ہے۔ اس کا ترجمہ متعدد مغربی اور مشرقی زبانوں میں ہو چکا ہے اور صرف یورپ میں پندرھویں صدی کے آخری تیس سالوں میں اس کتاب کے تیس ایڈیشن شائع ہوئے۔ یورپ کی طب پر اس کتاب کا بہت گہرا اثر پڑا۔

زہراوی دنیائے اسلام کے سب سے بڑے سرجن ہوئے ہیں۔ ان کی تصنیف ''التصریف'' جس میں آلات جراحی کے نقشے بھی دئے ہوئے ہیں یورپ میں بہت مقبول ہوئی۔ ہسپتال کا رواج سب سے پہلے مسلمانوں میں ہوا۔ جندی شاپور میں بیمارستان نامی سب سے پہلا ہسپتال قائم ہوا۔ عباسی خلفاء کے عہد میں چونتیس سے زائد ہسپتال کام کررہے تھے بغداد کا سب سے پہلا ہسپتال ہارون الرشید نے قائم کیا۔ ہسپتالوں میں عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ حصے مخصوص تھے۔ بڑے بڑے ہسپتالوں میں طبی کتب خانوں کا بھی انتظام تھا۔

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے طب یونانیوں سے لی تھی لیکن یہ بات سوفی صد درست نہیں ہے۔ مسلمانوں نے یونانی کتب کے ترجموں سے استفادہ ضرور کیا لیکن ان علوم میں مسلمانوں نے نئی روح ڈالی۔اس فن کو آگے چلایا۔ پہلے سے موجود غلطیوں کی اصلاح کی اور طب اور سائنس کو جو اس سے پہلے محض نظریات تک محدود تھیں اور اس کے صحیح ہونے یا غلط ہونے کے یکساں امکانات تھے تجربات سے کھرے اور کھوٹے کو الگ کیا اور صحیح نظریات کو واضح کیا چنانچہ موجودہ طب مسلمانوں کی طب کی بنیاد پر قائم ہے اور دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے الفاظ میں اسے مسلمانوں کی تاریخی دیانت سمجھنا چاہئے کہ انہوں نے بیش بہا اضافوں اور گراں قدر ایجادات و اختراعات کے باوجود اس فن کے ساتھ یونان کی نسبت قائم رکھا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس طب کو یونانی کہتے ہیں وہ بڑی حد تک عربی ہے۔

عربوں کی طب کا ایک اہم کارنامہ طب ہندی کو اپنی طب میں جذب کرنا تھا۔ عربوں نے اس طب پر خصوصی توجہ مبذول کی اور سنسکرت کی بیشمار کتابیں عربی مین ترجمہ کیں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں خصوصی طور پر مختلف ہندی اطباء کو بلایا گیا اور بڑی تحقیق ،غور و فکر اور نقد وجرح کے بعد ہندوستان کی طبی معلومات کو عربی میں داخل کیا گیا

Scanned with CamScanner

علم فلکیات

علم فلکیات اسلامی علوم کا ایک بنیادی علم ہے۔ اس علم میں بھی مسلمانوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ہندی اور یونانی علوم سے استفادہ حاصل کیا۔ ان کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ مختلف ہندی اور یونانی مفکرین کے نظریات کا مطالعہ کیا اور تحقیقات کے نتیجہ میں غلط نظریات کی نفی کی اور حقیقی علم جس کے پس منظر میں تجربہ ،کارفرما تھا ، باقی رکھا۔ یہ علم تجربات سے حاصل ہونے والی ان معلومات کا ماحصل ہے جو بذریعہ حساب یا رصدگاہوں کے آلات کی مدد سے شب و روز کی تعیین کے لئے ضروری ہے مسلمانوں نے اس اعتبار سے بطور خاص اس علم کا مطالعہ کیا کہ ان کو شب و روز میں پانچ وقت نماز ادا کرنا پڑتی تھی۔

مسلمانوں میں ابتدائی دور سے ہی علم ہیئت میں غور وخوض کرنے کا شعور موجود تھا عرب کے لوگ عملی طور پر ہیئت کا کچھ نہ کچھ علم رکھتے تھے۔ بسا اوقات رات کے سفر میں لوگوں کو چاند اور ستاروں کے سوا اور کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہوتا۔ وہ لوگ ستاروں کو دیکھ کر رات کے اوقات کا اندازہ لگا لیا کرتے تھے۔

اسلامی علم فلکیات کا درخشاں ترین دور مامون الرشید کے عہد خلافت میں شروع ہوا بغداد میں علم ہیئت کے باقاعدہ مدرسے کا آغاز ہوا۔ بغداد کے ایک محلے میں رصدگاہ قائم ہوئی جس میں خلیفہ کے متعین کردہ ماہر علم فلکیات یحییٰ بن منصور کی زیرنگرانی نہ صرف حرکات سماوی کا باقاعدہ مشاہدہ کیا گیا بلکہ ''المجسطی'' کے تمام بنیادی اور ابتدائی اصولوں کی غیر معمولی طور پر صحیح نتائج سے تصدیق کی بھی کی گئی۔

...ایشیا سے لے کے بحیرہ روم دمشق ، سمرقند، قاہرہ اور فارس اور قرطبہ تک ماہرین ہیئت کا جال پھیلا ہوا تھا۔ بغداد کے علاوہ قاہرہ اور اندلس میں بھی علم ہیئت کے مدارس قائم تھے۔ بغداد اور دمشق کی صدرگاہوں میں جو مشاہدات ہوئے انہیں کتابی شکل میں مرتب کیا گیا۔ ان رصدگاہوں میں جو تحقیقات کی گئیں وہ انتہائی طور پر درست تھیں۔

مامون کے زمانے میں فلکی حساب دانوں میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی کا نام قابل ذکر ہے۔ دیگر اہم ماہرین ہیئت میں محمد بن جبر البتانی ہے۔ عربوں میں اس کا درجہ وہ ہے جو یونانیوں میں بطلیموس کا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں علم فلکیات کے متعلق کم و بیش سب مسائل جمع کر دئے۔ ایک اور اہم شخصیت ابوالوفاء ہے۔ اس کے پاس بہت اچھے اچھے آلات بھی تھے۔ اس نے چاند کے تغیرات اور سورج کے فاصلے کی تحقیقات کی ہیں۔

غزنی بھی بیشتر علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ مصر میں فاطمی خلفاء کے عہد حکومت میں علم فلکیات کے مطالعے میں کا خاصا اضافہ ہوا۔ مختلف خلفاء نے اس پر خصوصی توجہ دی اور سرکاری خزانے کی ایک خطیر رقم رصدگاہ کے لئے مخصوص کی۔ اس رصدگاہ میں ابن یونس نے اپنے مشاہدات کا باقاعدہ سلسلہ جاری رکھا۔ اندلس میں بھی علم ہیئت کا مطالعہ بڑے ذوق وشوق سے کیا گیا۔ دسویں صدی کے وسط میں اس علم میں خاصی خدمات سرانجام دی گئیں۔ قرطبہ ،اشبیلیہ اور طلیطلہ کے امراء نے اس کی سرپرستی کی۔ اندلس کے ممتاز ترین ہیئت دانوں میں المجریطی ، جابر بن افلح اور الزرقانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سلجوقی سلاطین نے اپنے ہاں متعدد ہیئت دان جمع کئے اور ان کے مشاہدات کے لئے ملک شاہ سلجوقی نے نیشاپور میں ایک رصدگاہ قائم کی۔ اس میں شمسی سال کی لمبائی کا صحیح تخمینہ لگایا گیا۔ اسی رصدگاہ میں الخازن نے اپنی قابل قدر جداول مرتب کیں۔ اسی طرح ایلخانی خاندان نے بھی ایک عظیم رصدگاہ قائم کی جس میں منتخب ہیئت دان کام کرتے تھے۔ عرب ہیئت دان اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہیئت میں عمل کو کیا دخل حاصل ہے اس لئے انہوں نے نئے نظریات پیش کرنے کے بجائے تحقیقات پر زیادہ توجہ دی۔ انہوں نے یہ بات ضروری سمجھی کہ نئی نئی باتیں کرنے کے بجائے صدیوں تک افلاک کا باقاعدہ مشاہدہ کیا جائے چنانچہ انہوں نے اس اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بہت سے موجودہ اصولوں اور اعداد وشمار کی اصلاح کی۔ المختصر مسلمانوں نے علم افلاک میں جو کارنامے سرانجام دئے طویل عرصہ تک ان کے اثرات کو قبول کیا گیا اور اگر ہم ان کی تیار کردہ مختلف جداول رصدگاہوں اور آلات شمار کرنے لگیں تو یہ ایک خاصا مشکل کام ہوگا۔ مسلمانوں نے اس علم میں جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس کی مثال ملنا آسان نہیں۔

Scanned with CamScanner

زراعت و باغبانی

قرون وسطی میں ہی عرب زراعت کے اصولوں سے واقف تھے ۔ اندلس اور سسلی کے لوگوں نے کپاس، خوبانی ، ناشپاتی ، چاول ، تربوز اور بینگن کو بحیرہ عرب کے قرب و جوار کے علاقے میں رواج دیا۔ زراعت میں مسلمانوں نے لاتعداد کتابیں بھی لکھیں۔ عربی زبان زراعتی اصطلاحات سے مالا مال ہے۔

باغبانی اور کاشتکاری مسلم اسپین میں انتہائی عروج پر پہنچ چکی تھی بقول یورپین مصنف ولیم ڈریپر ''مسلمانوں نے اسپین کو ایک خوشنما شہر بنا دیا جبکہ لندن اور پیرس کے بازاروں میں کیچڑ اور گرد کی وجہ سے راستہ چلنا محال تھا۔ علم نباتات کی تعلیم کے لئے قرطبہ، بغداد اور قاہرہ میں باقاعدہ نباتاتی باغ لگائے گئے تھے جن میں ہر قسم کے تجربے کئے جاتے تھے۔

مسلمانوں میں علم نباتات کا سب سے بڑا ماہر ابن بیطار تھا جو درحقیقت زمانہ وسطی کا عظیم ترین ماہر نباتیات شمار کیا جاتا ہے ۔ یہ اسپین میں پیدا ہوا اور نادر پودوں کی تلاش میں عرصہ دراز تک بحیرہ روم کے ساحل پر اسپین سے اناطولیہ تک پھرتا رہا۔ ایک یورپین مصنف کے قول کے مطابق ابن بیطار کی تصنیف یونانی سائنس دان داسکورائیڈ کے زمانے سے لے کر سولہویں صدی تک علم نباتات میں سب سے بیش بہا تصنیف ہے۔

مسلمانون نے علم نباتات میں جو خدمات سرانجام دی ہیں انہوں نے مندرجہ ذیل پہلوؤں پر خاص روشنی ڈالی ہے

- ☆ زرعی اراضی کی اقسام۔ زراعت کے لئے زمین کا انتخاب
- ☆ کھاد کا استعمال اور فوائد
- ☆ زراعت میں استعمال ہونے آلات
- ☆ پھلدار درختوں کی شجرکاری اور پیوندکاری
- ☆ پھولوں کی مختلف اقسام خوشبودار پھول جس سے عطر وغیرہ کشید کیا جاتا ہے۔
- ☆ ایسے درخت دریافت کئے جن سے مختلف قسم کی گوند حاصل کی جاتی ہے۔
- ☆ مختلف پودوں کے جنسی اعتبار سے جوڑوں پر تحقیقات
- ☆ نباتات کا اصلی وطن، ان کے اگنے کے لئے زمین کی نوعیت اور مختلف علاقوں کی مختلف ترکاریوں اور پودوں کے بارے میں معلومات

ابو حنیفہ دینوری کی کتاب ''النبات'' کو اس علم کی گراں قدر تصنیف قرار دیا گیا ہے اس کتاب کے مقدمے میں انہوں نے علم زراعت اور علم نباتات پر روشنی ڈالتے ہوئے جو اصول بیان کئے ہیں وہ بڑے عملی اور یقینی ہیں ۔ الاشبیلی نے اس موضوع پر کتاب الفلاحہ لکھی ۔ اس کے ۱۳۵ اباب ہیں جن میں سے ۳۰ صرف زراعت پر ہیں ۔ اس میں انہوں نے مختلف قسم کی زمینوں ، کھادوں کے انتخاب اور قلمیں لگانے کے طریقے بیان کئے ہیں اور ایسی بیماریاں جو درختوں اور پودوں کو لگتی ہیں ان کی اقسام بیان کی ہیں ۔ ابن بطوطہ کے سفر نامے میں بھی نباتات اور حیوانات کے بارے میں خاصی معلومات کا ذکر ملتا ہے۔

عرب اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ کس طرح فصلوں کو بدل کر کاشت کرنا چاہئے۔ اندلس میں بعض ماہرین کے پاس نباتاتی باغات اور آزمائشی کھیت ہوا کرتے تھے جہاں وہ ہر وقت مختلف پودوں وغیرہ پر تحقیقات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ باہر سے لائے گئے پودوں پر بھی تحقیقات کی جاتی تھیں کہ ان کے موزوں موسم اور زمین وغیرہ کا پتہ چلایا جاسکے۔

زراعت میں مسلمانوں کی کتابیں ان کے ذاتی مشاہدات پر مبنی تھیں۔ اس وقت دنیا کی مختلف لائبریریوں میں مسلمانوں کی جو کتابیں اس موضوع پر ملتی ہیں وہ زراعت کی تمام شاخوں پر مشتمل ہیں اور وہ نصابی کتب کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ان کتابوں کے مصنفین اپنے زمانے کے زراعت کے ماہرین تھے ۔ اس طرح ان کی کتابوں کی تاریخی اعتبار سے بھی ایک اہم حیثیت ہے۔ تصنیف و تالیف کے بڑے بڑے مراکز قرطبہ طلیطلہ، اشبیلیہ اور غرناطہ تھے۔

گیارہویں صدی عیسوی کا نامور مسلمان جراح ابو القاسم ،زاہروی اسی زمانے میں پیدا ہوا اور اس موضوع پر اس کی مختصر کتاب ''الفلاحہ'' ہے

فنون لطیفہ (FINE ARTS)

فنون لطیفہ ایک جامع اصطلاح ہے جو فرانسیسی اصطلاح BEAUX ARTS سے بنی ہے ۔ اس میں وہ تمام انسانی افعال و اعمال شامل ہیں جو تخلیق حسن کے لئے وقف ہیں چنانچہ اس میں موسیقی ، شعر و ادب ،خطاطی ،تعمیرات ،بت تراشی ،مصوری اور تزئین آرائش وغیرہ سب شامل ہیں ۔

موسیقی:

ایچ جی فارمر کے قول کے مطابق عربوں کی زندگی میں ابتداء سے اختتام تک مختلف اوقات کے لئے مختلف موسیقی مخصوص تھی۔ ان میں خوشی، غم، کھیل، جنگ اور مذہبی محفلوں کے لئے الگ الگ موسیقی تھی۔ موسیقی سے متعلق عربوں کی سب سے پہلی تصنیف یونس الکاتب کی ہے جب کہ دوسرا اہم مصنف الخلیل ہے۔ ابن فرناس نے الخلیل کے نظریات موسیقی سے مسلم اسپین کو روشناس کرایا۔ اس زمانے میں موسیقی ریاضی کا ایک حصہ تصور کی جاتی تھی اور نامور مصنفین الکندی، ثابت بن قرہ، خوارزمی اور ابن فرناس نے موسیقی پر اہم تصانیف چھوڑی ہیں لیکن نظریاتی موسیقی پر مسلمانوں کی عظیم ترین تصانیف فارابی، ابن سینا، طوسی، اسحٰق موصلی، اصفہانی، رازی اور شیرازی نے لکھی ہیں۔

الکندی نے موسیقی پر تقریباً ایک درجن کتابیں لکھی ہیں اور بقول جارج سارٹن وہ پہلا عرب مصنف ہے جس کی موسیقی کے متعلق تصانیف نے یورپ کو متاثر کیا۔ زریاب نے قرطبہ میں موسیقی کی ایک اکادمی قائم کی جس میں موسیقاروں کو تربیت دی جاتی تھی۔ اس اکادمی نے اسپین میں موسیقی کو بہت ترقی دی۔ ابن ماجہ اندلس میں نظریاتی موسیقی کا ایک بلند پایہ مصنف تسلیم کیا جاتا ہے۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں عربی موسیقی کو بہت فروغ حاصل ہوا اور نامور موسیقار پیدا ہوئے جن میں ابراہیم موصلی، اسحٰق موصلی اور زریاب وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ اسی طرح ایران اور ترکستان میں عظیم نظریاتی اور تجرباتی موسیقار پیدا ہوا ہوئے ان میں ابو نصر فارابی، ابن سینا، نصیر الدین طوسی اور اصفہانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ابو نصر فارابی کی اس فن میں ایک تصنیف ہے جس کا نام ''کتاب موسیقی الکبیر'' ہے جس کا شمار موسیقی سے متعلق دنیا کی عظیم ترین تصانیف میں ہوتا ہے۔ مغرب پر اس کا اثر سترھویں صدی عیسوی تک غالب رہا۔

ہندوستان میں امیر خسرو اسلامی ہند کا عظیم موسیقار تھا انہوں نے ہزاروں راگ، راگنیاں ایجاد کیں ''خیال'' کے وہ بانی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح دکن میں بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل ایک ماہر موسیقار تھے۔ اکبر کے دربار میں تانسین خان گوالیاری ہندوستان کا عظیم موسیقار تھا۔ شاہجہان کے عہد میں تان سین کے داماد لال خان بہت نامور موسیقار تھے

مصوری:

دنیائے اسلام میں مصوری کا آغاز بنو امیہ کے عہد میں ہوا۔ خلفاء نے اپنے عالی شان محلات کے حماموں کو مختلف تصاویر سے آراستہ کیا۔ خلیفہ ولید نے اپنے قصر الامراء کو شکار کی مختلف تصاویر سے مزین کیا۔ جب بنو عباس کا دور آیا تو جہاں دوسرے علوم و فنون کو عروج حاصل ہوا وہاں فن مصوری کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے بیٹے امین نے مختلف جانوروں کی شکل کی کشتیاں بنوائی تھیں۔ خلیفہ معتصم نے ایک محل تعمیر کیا تھا جس کو خوبصورت تصاویر سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح خلیفہ متوکل نے بھی اپنے محل کو تصاویر سے آراستہ کرنے پر تقریباً تیس کروڑ درہم خرچ کئے تھے۔

مسلم اسپین میں الحمراء کے محل میں سنگ مرمر کے بارہ خوبصورت شیروں کو ایک صحن میں نصب کیا گیا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں عربوں کی مصوری قاہرہ میں اعلیٰ درجہ کی تھی عرب کے مصور اصول علم مناظر سے بخوبی واقف تھے۔ زندہ چیزوں کی صورتیں جو عربوں نے بنائیں تحریر، کتبوں اور گل کاریوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ایک مقبول عام کتاب جسے عراق کے مصوروں نے باتصویر بنایا تھا ''مقامات حریری'' ہے۔ اس کا اہم ترین نسخہ وہ ہے جسے یحییٰ بن محمود واسطی نے باتصویر بنایا جو پیرس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ تیرھویں صدی میں کتابی مصوری کا ایک دل پسند موضوع کلیلہ و دمنہ رہی جو ہندی کہانیوں کا مجموعہ ہے

ہندوستان میں مغلوں کے عہد سلطنت میں مصوری کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ مغل بادشاہوں نے اس فن کو بہت فروغ دیا۔ مصوروں کی سرپرستی کی۔ اس زمانے میں تصویر کشی اصل کے مطابق ہوا کرتی تھی۔ شہنشاہ بابر مصوری کا بہت اعلیٰ اور شستہ مذاق رکھتا تھا۔ شہنشاہ ہمایوں کے درباری عبد الصمد نے داستان امیر حمزہ کو باتصویر بنایا لیکن مغلیہ سلطنت میں مصوری شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں نقطہ کمال کو پہنچی۔

مصوری کو اصل عروج ایران میں نصیب ہوا۔ وسطی ایشیا، ایران اور چین میں منگولوں کی فتوحات نے مصوری کے دائرہ کو وسیع کیا اور ایرانی مصوری کو چینی مناظر سے روشناس کرایا۔ فردوسی، نظامی، اور کرمانی کی شہرہ آفاق رزمیہ نظموں کو باتصویر بنایا گیا نامور مصور بہزاد نے ایرانی مصوری میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ اس نے سعدی کی بوستان اور قصہ لیلیٰ مجنوں کو باتصویر بنایا نیز اس نے مناظر کی تصویر کشی کو بہت فطری اور حقیقی بنایا۔ ایرانی مصور سلطان محمد نے

سجاوٹ اور گل بوٹوں کی تصویر کشی میں کمال حاصل کیا۔ رضا عباسی نے رجائی کیفیت کی تصویر کشی میں کمال پیدا کیا اور تصویر میں بہت موزوں اور خوبصورت رنگ استعمال کئے۔

خطاطی:

طلوع اسلام سے پہلے عرب میں خط نبطی رائج تھا جو بعد میں خط کوفی کہلایا۔ عہد رسالت میں اسی کا استعمال ہوتا رہا۔ اس کے حروف اعراب سے معری تھے۔ اہل عرب تو نقطوں اور اعراب کے بغیر اس خط کو صحیح پڑھ لیتے تھے مگر جب عجمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے لئے اس خط کو پڑھنا دشوار ہوا اور وہ حروف کے تلفظ اور اعراب میں غلطی کرنے لگے چنانچہ حضرت علی کے ایک شاگرد ابوالاسود نے ہم شکل حروف کے تلفظ میں فرق پیدا کرنے کے لئے نقطے ایجاد کئے۔

بنو امیہ کے دور میں اس خط کو مزید آسانی کے ساتھ پڑھنے کے لئے حجاج بن یوسف نے حرکات کی صحت کے لئے اعراب کی علامتیں ایجاد کیں۔ اس کے بعد ابن مقلہ نے خط کو ترقی دے کر ایک نیا خط ایجاد کیا جو حسن و رعنائی کے لحاظ سے بے مثل تھا۔ اس کا نام بدیع اور محقق رکھا پھر اس نے آگے چل کر نسخ کی شکل اختیار کی۔

اس کے بعد مشہور خطاط یاقوت حموی (صاحب معجم الادباء) اور یاقوت بن عبداللہ رومی ہوئے۔ ساتویں صدی ہجری میں خط نسخ اور تعلیق کو ملا کر ایک نیا خط نستعلیق ایجاد ہوا۔ اس خط کو خواجہ میر علی تبریزی نے بہت ترقی دی۔ خواجہ میر علی کے شاگردوں میں مولانا جعفر تبریزی اور مولانا اظہر نے اس فن میں بہت شہرت حاصل کی

ایران کی تاریخی خطاطی میں میر عماد الحسینی اور برصغیر پاک و ہند میں عبدالرشید دیلمی کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ظروف سازی:

اسلامی ممالک میں مٹی کی ظروف سازی کو بڑی ترقی ہوئی۔ ان کی چمک دمک میں اضافہ کیا گیا۔ دنیائے اسلام میں تیار کردہ مٹی کے برتن چینی کے برتنوں سے سبقت لے گئے۔ مسلم اسپین نے مٹی کی ظروف سازی میں مزید ترقی کی۔ بعد میں اٹلی کے لوگوں نے اسپین کے مٹی کے ظروف کی نقل کی۔ دمشق اور ایران کے مٹی کے ظروف میں گل و بوٹے کی نقاشی عام تھی لیکن

ایرانی ظروف میں جو خوبصورتی اور نفاست تھی وہ کہیں اور دستیاب نہیں ہوئی۔ سامرا کے ظروف کے بہترین نمونے وہ ہیں جو ایک سے زیادہ رنگوں سے مزین ہیں۔ جب سلجوق ترکوں نے ایران کو فتح کیا تو انہوں نے فنون کی بہت سرپرستی کی۔ سلاجقہ اور ان کے جانشینوں کے دور میں ایرانی کاریگروں نے کوزہ گری کے ایسے شاہکار تیار کئے جن کا شمار خوبصورت ترین ظروف میں ہوسکتا ہے۔

شیشہ سازی:

دمشق شیشہ سازی اور اس کی مصنوعات کا دنیا میں سب سے بڑا مرکز تھا۔ ایران اور عراق کے ابتدائی دور کے متعدد ظروف میں چرخی کے ذریعے کٹائی کرکے جو آرائش کی گئی ہے وہ گہرے تمغہ نما دائروں سے عبارت ہے فاطمی دور میں مصر کی شیشہ گری بھی کمال کو پہنچ چکی تھی۔ مصری صنعت کے بڑے بڑے مراکز فسطاط اور اسکندریہ تھے۔ فاطمی دور کے شیشہ گروں کا ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شیشہ کو رنگین میناکاری سے مزین کیا۔

ہاتھی دانت:

عربوں نے ہاتھی دانت کے فن کو بھی ترقی دی۔ مصر میں ایوبی اور مملوکی عہد میں ہاتھی دانت فاطمی اسالیب کی پیروی جاری رہی۔ اندلس کے اموی فرمانرواؤں کے عہد میں ہاتھی دانت سے گول اور مستطیل ڈبے اور صندوقچے بہت مقبول تھے۔ ہاتھی دانت کے بنے ہوئے بعض صندوقچوں کو مختلف اوقات میں عراق، اندلس اور جنوبی اٹلی سے منسوب کیا جاتا رہا۔ ہاتھی دانت کے علاوہ سونے اور چاندی کے زیورات اور ظروف سازی میں مسلمان گھرانے اپنے پیش رووں سے سبقت لے گئے تھے اور دوسری دھاتوں مثلاً پیتل، تانبے اور کانسی کے سامان تیار کرنے میں انہوں نے بڑی نفاست، مہارت اور جدت کا ثبوت دیا ہے ان کے فن کی نقالی بعد میں یورپ کے فیشن پرست شہروں میں کی گئی۔

فن تعمیر:

فن تعمیر کسی قوم یا ملک کا صحیح عکس ہوتا ہے۔ اسلامی عمارتوں میں سادگی کے ساتھ ساتھ دلکشی اور دل فریبی ہر قدم پر نمایاں ہے۔ حضور اکرم ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے

Scanned with CamScanner

یہاں مسجد اور مکان تعمیر کئے اور بقول ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مرحوم ''قائد اسلام ﷺ نے اس طرح بیک وقت مذہبی اور دفتری دونوں قسم کے طرز تعمیر کی بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی''۔

قرآن مجید میں نماز قائم کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ عبادات کے ان احکام نے مسجد کی شکل و صورت میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی لکھتے ہیں کہ ''شروع میں مذہب کے ماتحت کم عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ مفتوح شہروں میں جو مساجد بنائی گئی وہ بھی محض عبادت کے مقصد کے پیش نظر تعمیر ہوئیں اور ان کی حیثیت معمولی مسکن سے زیادہ ہرگز نہ تھی۔''

حضرت علیؓ نے جب مدینہ منورہ سے دارالخلافہ (عراق) میں منتقل کیا تو مسلمان پہلی مرتبہ سادہ عمارتوں کی بجائے پرتکلف تعمیر سے روشناس ہوئے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد خلفائے بنی امیہ کا عروج ہوا۔ انہوں نے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا اور جلد ہی یہاں اعلیٰ معیار کی عمارتیں بننی شروع ہوگئیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس علاقے میں پہلے سے ایسی عمارتیں تھیں جو یونانی، رومی اور بازنطینی طرز تعمیر میں بنائی گئی تھیں۔

اموی معماروں نے لینٹ چونے سے قوس دار کمانوں اور چھت میں متوازی سطح کی سر دل کے طریقے رائج کئے۔ ان کی بنائی ہوئی عمارتوں میں ''قبۃ الصخرۃ'' اور ''مسجد اقصیٰ'' خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ اس طرح دمشق کی مسجد (مسجد کبیر) بھی فن تعمیر کا شاہکار ہے اور اسے آج بھی اسلامی فن تعمیر میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ مسجد نبویؐ مدینہ منورہ کی از سر نو تجدید بنی امیہ کے دور میں خلیفہ ولید کے حکم کے تحت حضرت عمر بن عبدالعزیز والی مدینہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔

اموی دور کے اختتام تک مسلمانوں کے فن تعمیر کی امتیازی خصوصیات ظاہر ہو چکی تھیں۔ مساجد کا بنیادی خاکہ متعین ہوگیا تھا جس میں ایک زمانے تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مینار، گنبد، محراب اور منبر ہر مسجد کے لازمی حصے قرار دیئے گئے۔ مینار اس لئے بنائے گئے موذن اذان دینے کے لئے اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر لوگوں کو نماز کے لئے بلائے کیونکہ اس طرح اذان دو ردور تک سنی جاسکتی ہے۔ امویوں کی تقریباً تمام باقی ماندہ تاریخی یادگاریں شام ہی میں ہیں جہاں اس خاندان کا دارالحکومت تھا۔ انہوں نے غیر مسلم معماروں کی خدمات بھی مستعار لیں جو وہاں اس وقت موجود تھے چنانچہ ان معماروں نے مسلمانوں کے زیر ہدایت اسلامی عمارتیں تعمیر کیں۔ عباسی برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اپنا دارالخلافہ بغداد منتقل کرلیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی فن تعمیر میں ساسانی، فارسی اور عراقی اثرات اس طرح نمایاں ہوگئے جس طرح اموی عہد میں بازنطینی طرز تعمیر کے اثرات داخل ہوئے تھے۔ اب مسلمانوں نے اپنے اندر اہلیت پیدا کر

لی تھی کہ فن تعمیر میں نئی امتیازی خصوصیات پیدا کرسکیں۔ اس عہد میں انہوں نے شہروں کی داغ بیل ڈالنے میں بھی اپنے جوہر دکھائے چنانچہ شہر کی حیثیت سے بغداد کی بنیاد اس کی بہترین مثال ہے۔

اس عہد کی تعمیرات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مخصوص عقائد کے پیش نظر مختلف فن تعمیر پیدا کیا اور خاص قسم کی زیب و زینت سے اپنی عمارتوں کو دوسری تعمیرات سے ممیز کیا۔ اس دور میں اسلامی ممالک میں شاندار تاریخی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ یہ وہی عمارتیں ہیں جنہیں فنون لطیفہ کی مروجہ تاریخ میں آج بھی شاہ کاروں کا درجہ حاصل ہے۔

مسلمان معماروں نے اپنی تعمیرات میں جلد کمان کی فنی حیثیت کا اندازہ کرلیا جو آگے چل کر مسلمانوں کے فن تعمیر کا ایک جزلاینفک بن گئی بالخصوص بغداد میں عباسی مستنصر باللہ کا محل مسلم فن تعمیر کا مطالعہ کرنے والوں کی راہنمائی کرتا ہے۔ مسلمانوں کے فن تعمیر کا ہر ایک نمونہ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں تعمیر کے ساتھ زیب و زینت پر بھی زور دیا گیا ہے خصوصاً مسجد کے اندرونی حصہ کی زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی تھی۔

مصوری یا سنگ تراشی:

اس فن میں مسلمانوں چونکہ جاندار اشیاء کی شکل صورت بنانے سے احتراز کرتے تھے اس لئے انہوں نے تزئین اور آرائش کے لئے خطاطی اور بیل بوٹوں کے نقش و نگار پر سارا زور صرف کر دیا اور اس میں اظہار خیال کی بڑی نادر ترکیبیں ڈھونڈ لیں اور یونانی اور رومی آرٹ کے انداز کو منہ چھپانے پر مجبور کر دیا۔

برصغیر پاک و ہند پر مسلمانوں نے نو سو برس حکومت کی ہے اس دوران کی تعمیر کردہ عمارات کو تین مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلی چار صدیوں میں ایک خالص مسلم کلاسیکی طرز تعمیر قائم ہوا جس میں مقامی طرز تعمیر کا امتزاج موجود تھا۔ دوسرا دور پندرہویں صدی سے شروع ہوا جس میں علاقائی طرزیں زیادہ نکھرنے لگیں۔ تیسرا اور آخری دور خاندان مغلیہ کے شاہانہ طرز تعمیر کا دور ہے اس میں اسلامی فن تعمیر کا سنہری زمانہ شاہ جہاں کا ہے کیونکہ شاہ جہاں تعمیرات کا عمدہ ذوق رکھتا تھا۔ اس کی بہترین تعمیر تاج محل آگرہ ہے جو اس نے اپنی بیوی ارجمند بانو یعنی ممتاز محل کی آخری آرام گاہ کے طور پر تعمیر کیا تھا۔ یہ اس وقت دنیا کے عجوبوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں لاہور کی شاہی مسجد تعمیر ہوئی جس

Scanned with CamScanner

کے تین عظیم بلب نما گنبد ہیں۔ چاروں کونوں پر برجیاں ہیں اور مسجد کے چار بلند مینار عمارت کی شان میں اضافہ کر رہے ہیں۔

حرف آخر:

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو تحقیق، غور و فکر، تسخیر کائنات اور مشاہدہ و تجربہ کی جو دعوت اور تعلیم دی تھی اس کی بنیاد پر مسلمانوں نے ضروریات زمانہ کے مطابق علوم و فنون حاصل کیے اور ان کو درجہ کمال تک پہنچایا اور دنیا کو ایک اعلیٰ اور نیا تمدن دیا یہ مسلمانوں کے علوم و فنون تھے جنہوں نے بالآخر مغربی دنیا کو اس قابل بنایا کہ اس نے سائنس کی جدید ایجادات کے سلسلے میں دنیا بھر کی امامت حاصل کرلی اور مسلمانوں نے اپنی غفلت اور عاقبت نااندیشی سے جب قرآن کا دامن چھوڑا تو جہاں روحانیت اور اخلاق کا جنازہ نکلا وہاں دوسرے علوم و فنون اور سائنس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ آج ہماری سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم سائنسی روایات کو از سر نو زندہ کریں۔ اپنے عظیم الشان سائنس دانوں کی زندگی اور کارناموں سے آگاہ ہوں۔ موجودہ زمانے کی سائنس کو اپنائیں اور اپنے سائنس دانوں کے نقش قدم پر چل کر دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں تاکہ ہم دنیا میں ایک بار پھر باوقار مقام حاصل کرسکیں۔

معروضی سوالات اور ان کے جوابات

تعارف فقہ

س: فقہ کے لغوی اور اصلاحی معنی بتائیے

ج: فقہ کے لغوی معنی جاننے یا سمجھنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس سے مراد وہ فن ہے جس میں اسلامی احکام شرع اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔

س: فقیہ کی تعریف کیجئے۔

ج: فقیہ وہ عالم ہے جو تدبر و تفکر کے ذریعہ احکام کے حقائق کا پتہ چلائے اور مشکل اور مغلق کو واضح کرے۔

س: علم فقہ کی عظمت میں ایک قرآنی آیت تحریر کریں۔

ج: یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

س: فقیہ (مجتہد) کی فضیلت پر حدیث مبارک لکھئے۔

ج: من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین (صحیحین)

(۲) فقیہ "واحد" اشد علی الشیطان من الف عابد (ترمذی)

س: فقہ کا موضوع کیا ہے؟

ج: پوری انسانی زندگی فقہ کا مضوع ہے۔

س: اسلامی فقہ کے ماخذ کتنے اور کون کون سے ہیں۔

ج: فقہ اسلامی کے ماخذ چار ہیں جن کو ادلہ اربعہ بھی کہتے ہیں۔ (ا) قرآن مجید (۲) سنت نبویؐ (۳) اجماع (۴) قیاس۔

س: ماخذ فقہ اسلامی سے کیا مراد ہے یا ادلہ اربعہ سے کیا مراد ہے؟

ج: ماخذ سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات جہاں سے قوانین بذریعہ دلائل حاصل کئے جاتے ہیں۔

س: ضمنی یا ثانوی ماخذ بیان کیجئے

ج: استحسان (۲) مصالح مرسلہ (۳) استدلال (۴) مقابل کی شریعت (۵) عرف و رواج (۶) مسلمہ شخصیات کی آراء (۷) ملکی قانون۔

س: نزول قرآن کے وقت آپ کی عمر مبارک کتنی تھی؟

ج: اکتالیس سال جب آپؐ پر قرآن پاک بتدریج نازل ہونا شروع ہوا۔

س: قرآن پاک کی مدت نزول بتائیے۔

ج: 22 سال 2 ماہ اور 22 دن ہے۔

س: قرآن پاک کی سب سے آخری آیت کونسی ہے۔

ج: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

س: قرآن مجید کا مکی حصہ کل قرآن کا کتنا حصہ ہے۔

ج: 2/3 حصہ مدنی حصہ 1/3 مکی۔

س: فقہاء کے نزدیک قرآن پاک میں فقہی احکام سے متعلق کتنی آیات مذکور ہیں۔

ج: تقریباً 500 آیات۔

س: قرآن مجید کے اصول و کلیات کی بنیاد پر فقہی احکام کے بنیادی اصول تحریر کیجئے۔

ج: (ا) عدم حرج (۲) قلت تکلیف (۳) تدریج (۴) نسخ

س: عدم حرج سے کیا مراد ہے؟

ج: اس سے مراد یہ ہے کہ شریعت کا بنیادی اصول تنگی کو دور کرتا ہے۔

س: نسخ سے کیا مراد ہے۔

ج: اس کے ایک معنی سابقہ حکم کو ختم کر دینا ہے جیسے اسلام نے ماقابل کی شریعت کا بالکل ختم کر دیا جب کہ دوسرا مطلب یہ ہے کہ حالات و تقاضا کے مطابق پہلے سے موجود حکم میں کسی قسم کی ترمیم کر دی جائے۔

س: فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ کون سا ہے؟

ج: حدیث نبویؐ۔

س: حدیث کے لغوی معنی کیا ہیں؟

ج: بات چیت کرنا، باہم گفتگو کرنا۔

س: حدیث کے اصطلاحی معنی تحریر کیجئے۔

Scanned with CamScanner

ج: شرعی اصطلاح میں لفظ حدیث کا اطلاق نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور فرمودات پر ہوتا ہے۔

س: سنت کے لفظی اور اصطلاحی معنی تحریر کیجیے۔

ج: سنت کے لفظی معنی تو راستے اور طریقے کے ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں ایسے لفظ سے مراد حضور ﷺ کا وہ ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے جس پر آپ نے بار بار عمل کیا اور آپ عام طور پر پابند رہے۔

س: حدیث قولی سے کیا مراد ہے؟

ج: آپ کی وہ بات جو اپنے شرعی احکام سے متعلق ارشاد فرمائی حدیث قولی کہلاتی ہے۔ مثلاً **انما الاعمال بالنیات۔**

س: حدیث فعلی سے کیا مراد ہے۔

ج: عبادات یا دیگر معاملات سے متعلق آپ کے وہ افعال جو صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے روایت کئے یہ بھی حدیث فعلی کے زمرے میں شامل کئے جاتے ہیں۔

س: حدیث تقریری سے کیا مراد ہے؟

ج: وہ فعل جو آپ کی موجودگی میں سر انجام دیا گیا ہو اور آپ نے اسے دیکھ کر اظہار پسندیدگی فرمایا یا خاموشی اختیار کئے رکھی حدیث کی اصطلاح میں اس کو تقریر کہتے ہیں۔

س: قرآن پاک میں اطاعت رسول پر ایک آیت تحریر کیجیے۔

ج: مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

س: احکام نبویؐ کی اقسام تحریر کیجیے؟

ج: (۱) وہ احکام جو قرآن پاک میں موجود ہیں اور حدیث ان کی تائید کرتی ہے (۲) وہ احکام جو اجمال قرآن پاک میں ذکر کئے گئے ہیں۔ حدیث ان کی توضیح وتشریح کرتی ہے (۳) وہ احادیث جن میں وہ احکام مذکور ہیں جن کے ذکر سے قرآن مجید خاموش ہے۔

س: اجماع کی تعریف کیجیے۔

ج: رسول پاک ﷺ کی امت کے ارباب بست وکشادہ کے کسی معاملہ میں اتفاق کر لینے کا نام اجماع ہے۔

س: اجماع کی تائید میں قرآنی آیت تحریر کیجیے۔

ج: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

س: اجماع کی تائید میں حدیث مبارکہ کا حوالہ دیجیے۔

ج: (۱) لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَى الضَّلَالَةِ (۲) يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ (۳) مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ

س: اجماع کی کتنی شرائط ہیں؟

ج: (۱) اہل اجتہاد کا اجماع (۲) اجماع قرآن کی کسی صریح نص یا کسی صحیح حدیث پر مبنی ہونا چاہئے۔ (۳) اجماع میں ہونے والے مسائل کے خلاف کسی صحابی کا کوئی قول منقول نہ ہو۔ (۴) کسی مجتہد نے اجماع منعقد ہونے سے پہلے اس کے خلاف کوئی رائے قائم نہ کی ہو۔ (۵) جو مجتہدین اجماع کے اس فیصلے میں شریک تھے ان میں سے کسی نے اس اجماع کے بعد اپنی رائے تبدیل نہ کی ہو۔

س: اجماع کی کتنی قسمیں ہیں۔

ج: اس کی مندرجہ ذیل چار قسمیں ہیں۔

(۱) صحابہ کرامؓ کا کسی پیش آمدہ مسئلہ پر اجماع (۲) اجماع سکوتی (۳) تابعین کا اجماع (۴) سلف کے قول پر آئمہ مجتہدین کا اجماع۔

س: اجماع سکوتی سے کیا مراد ہے؟

ج: اگر بعض صحابہ کرامؓ نے کسی مسئلہ پر اتفاق کا اظہار زبانی طور پر کر دیا اور ان کے اس فیصلے کا علم دوسرے صحابہ کو بھی ہو گیا مگر ان میں سے کسی کی جانب سے اس فیصلے کی تائید ہوئی نہ تردید، تو ایسے اجماع کو اجماع سکوتی کہتے ہیں۔

س: قیاس کا مفہوم اور اس کی جامع تعریف کیجیے۔

ج: قیاس کے لغوی معنی اندازہ کرنے یا کسی چیز کو اس کی مثال پر جانچنے اور منطبق کرنے کے ہیں۔ فقہا نے قیاس کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے۔

دو مسئلوں میں مشترک علت کی وجہ سے جو حکم ایک مسئلہ کا ہے وہی حکم دوسرے مسئلہ کے لئے قرار دینے کا نام قیاس ہے۔

س: قیاس کے ارکان تحریر کیجیے۔

ج: (۱) مقیس علیہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اصل جس پر قیاس کیا جائے۔

(۲) مقیس یعنی جس چیز کو قیاس کیا جائے اس کو فرع کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

(۳) وصف یا سبب جو مقیس اور مقیس علیہ میں مشترک ہو اور قیاس کا باعث ہو اصطلاح میں علت کہلاتا ہے۔

(۴) فیصلہ جو قیاس لگانے کے بعد دیا جائے اصطلاحاً حکم کا درجہ رکھتا ہے۔

س: قیاس کی اقسام کتنی اور کون کون سی ہیں؟

ج: قیاس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قیاس طرد (۲) قیاس معکوس۔

س: قیاس طرد سے کیا مراد ہے؟

ج: اس قسم میں فرع اور اصل دونوں میں یکساں طور پر وہ علت پائی جاتی ہے جس کے سبب اصل کے حرام ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

س: قیاس معکوس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز پر ایسا حکم لگایا جائے جو دوسری چیز کے حکم کے مخالف ہو اسلئے کہ دونوں حکموں کی علت مختلف ہے۔

ج: صحت قیاس کی شرائط تحریر کیجئے۔

س: (۱) قیاس کسی نص (واضح حکم) کے مقابلہ میں ہو (۲) قیاس سے نص کے احکام میں سے کسی حکم میں تبدیلی واقع نہ ہو (۳) قیاس ایسا نہ ہو جس کے حکم کی علت سمجھ میں نہ آ سکے (۴) اصل کا حکم عام ہو اور کسی خاص واقعہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو (۵) فرع نص قرآن و سنت پر موجود نہ ہو (۶) قیاس میں علت کا دار و مدار شرع پر ہو نہ کہ امر لغوی پر۔

تاریخ اسلام

س: دین اسلام میں تحصیل علم کا کیا درجہ ہے؟

ج: دین اسلام میں تحصیل علم کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

س: قرآن مجید کی رو سے انسان کو تمام مخلوقات پر کس کی بدولت برتری حاصل ہے؟ اور اس سلسلہ میں کسی آیت مبارک کا ترجمہ بھی لکھیں۔

ج: صرف علم کی بدولت۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

''تم میں سے جو لوگ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے اور جن کو علم کی دولت سے نوازا گیا اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔''

س: علم کی فضیلت پر کوئی ایک حدیث مبارکہ لکھیں۔

ج: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔

حصول علم ہر مسلمان (چاہے مرد ہو یا عورت) پر فرض ہے۔

س: اسلام اپنے پیروکاروں سے کس بات کا تقاضا کرتا ہے۔

ج: مسلمان پوری طرح علم حاصل کر کے ایک مثالی معاشرہ قائم کریں اور نت نئی ایجادات سے بنی نوع انسان کی بھلائی کا سامان مہیا کریں۔

س: عربوں نے یونانی علوم کو کس حیثیت سے پڑھا؟

ج: مسلمانوں نے یونانی علوم کو ایک مقلد کی حیثیت سے نہیں پڑھا بلکہ انہوں نے اسے دلائل کی کسوٹی پر پرکھا اور تجربے کی بھٹی سے گزارا اور صحیح علم آئندہ نسلوں تک پہنچایا۔

س: علم طبیعیات کی تعریف کریں۔

ج: طبیعیات وہ علم ہے جو مادہ اور توانائی سے متعلق تمام مظاہر کی تشریح کرتا ہے اور توانائی ہمیں عام طور پر حرارت، روشنی آواز اور بجلی کی شکل میں ملتی ہے۔

س: علم طبیعات میں جن مسلمان سائنس دانوں نے نمایاں حصہ لیا ان کے نام بتائیے۔

ج: کندی، جاحظ، البیرونی، زکریا رازی، عبدالرحمٰن بن قصیر، ابن الہیثم، عبدالرحمٰن الخازن اور نصیر الدین طوسی۔

س: ''کتاب المناظر'' کس کی تصنیف ہے۔

ج: ابن الہیثم کی۔

س: ''میزان الحکمۃ'' اور ''تجرید المناظر'' کے مصنفین کے نام بتائیے۔

ج: عبدالرحمٰن الخازن (میزان الحکمۃ) اور نصیر الدین طوسیؒ (تجرید المناظر)

س: علم کیمیاء سے کیا مراد ہے؟

ج: یہ وہ علم ہے جس میں مختلف عناصر کو کیمیاوی طریقہ سے ملا کر، نئے مرکبات بنائے جاتے ہیں یا مختلف مرکبات کو کیمیاوی طریقہ سے اپنے اجزاء یا عناصر میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

س: علم کیمیاء میں کن مسلمان سائنسدانوں نے حصہ لیا؟

ج: جابر بن حیان، زکریا رازی، ابن سینا، جاحظ اور ابو منصور موفق۔

س: مسلمانوں نے وہ کون سے مرکبات متعارف کروائے جن سے یونانی ناواقف تھے۔

ج: گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب اور ماء الملوک۔

س: علم کیمیاء کا جد امجد کسے خیال کیا جاتا ہے؟

Scanned with CamScanner

ج: جابر بن حیان کو۔

س: دور حاضر کی صنعت میں کون سی چیزیں اہمیت رکھتی ہیں اور یہ کس نے متعارف کروائیں؟

ج: دھاتوں کے مرکبات بنانے، لوہے کو زنگ سے بچانے، چمڑا رنگنے، بالوں کو سیاہ کرنے اور اینا کپڑا تیار کرنے جس پر پانی کا اثر نہ ہو اور اس قسم کی بہت سی چیزیں تیار کرنے کے طریقے جابر بن حیان نے متعارف کروائے۔

س: علم ریاضی میں کن مسلمان سائنس دانوں نے نمایاں کردار ادا کیا؟

ج: الخوارزمی، عمر خیام، ابوالکامل، ابوالوفاء اور نصیر الدین طوسیٰ۔

س: وہ کون سی اختراع ہے جس نے علم حساب میں انقلاب برپا کر دیا؟

ج: یہ اختراع ''صفر'' ہے اور اسے مسلمانوں نے ایجاد کیا ہے۔

س: زاویہ کی چھ نسبتیں کس نے دریافت کیں؟

ج: ابوالوفا البوز جانی نے۔

س: ابن خلدون نے علم ریاضی کس سے حاصل کیا؟

ج: المجریطی سے۔

س: علم کی کون سی دو بنیادی اقسام بیان کی گئی ہیں؟

ج: علم الادیان اور علم الابدان۔

س: علم طب میں کن مسلمان سائنسدانوں نے حصہ لیا؟

ج: زکریا رازی، ابن سینا، مجوسی اور زہراوی۔

س: الحاوی اور المصوری کن کی تصانیف ہیں؟

ج: زکریا رازی کی۔

س: ''القانون فی الطب'' اور ''التصریف'' کے مصنف کون ہیں؟

ج: ابن سینا اور الزہراوی۔

س: سب سے پہلا ہسپتال کہاں اور کس نام سے قائم ہوا؟

ج: جندیشا پور میں۔ ہسپتال کا نام ''بیمارستان'' تھا۔

س: کس خلیفہ کے عہد میں ہندی اطباء کو بغداد بلایا گیا؟

ج: خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں۔

س: علم فلکیات میں مسلمانوں کی دلچسپی کی کوئی خاص وجہ کیا ہے؟

ج: مسلمانوں نے اس اعتبار سے بطور خاص اس علم میں مطالعہ کیا کہ ان کو شب و روز پانچ وقت نماز ادا کرنا پڑتی تھی۔

س: اسلامی فلکیات کا درخشاں ترین دور کون سا ہے؟

ج: مامون الرشید کا عہد خلافت۔

س: علم فلکیات میں کن مسلمان سائنس دانوں نے اہم پارٹ ادا کیا؟

ج: موسیٰ الخوارزمی، محمد بن جبر البتانی، ابن یونس، المجریطی اور الزرقانی اور جابر بن افلح۔

س: شمسی سال کی لمبائی کا صحیح تخمینہ کہاں لگایا گیا؟

ج: ملک شاہ سلجوقی نے جو رصدگاہ قائم کی تھی اس میں یہ تخمینہ لگایا گیا۔

س: مسلمانوں میں علم نباتات کا سب سے بڑا ماہر کون تھا؟

ج: ابن بیطار

س: علم نباتیات کی تعلیم کے لئے باقاعدہ نباتاتی باغ کہاں لگائے گئے تھے؟

ج: قرطبہ، بغداد اور قاہرہ۔

س: مسلمانوں نے علم زراعت میں کن پہلوؤں پر بطور خاص توجہ دی۔

ج: زرعی اراضی کی اقسام، زراعت میں استعمال ہونے والے آلات، زمین کی نوعیت، پھل دار درختوں کی شجرکاری اور پیوند کاری اور پھلوں کی مختلف اقسام اور مختلف پودوں کی جنسی اعتبار سے جوڑوں پر تحقیقات وغیرہ۔

س: فنون لطیفہ سے کیا مراد ہے؟

ج: فنون لطیفہ ایک جامع اصطلاح ہے جو فرانسیسی میں (BEAUX ARTS) کہلاتی ہے اس میں وہ تمام انسانی افعال و اعمال شامل ہیں جو تخلیق حسن کے لئے وقف ہیں چنانچہ اس میں شعر و ادب، خطاطی، تعمیرات، مجسمہ سازی، مصوری اور موسیقی وغیرہ سب شامل ہیں۔

س: دنیائے اسلام میں مصوری کا آغاز کب ہوا؟

ج: بنو امیہ کے عہد میں۔

س: داستان امیر حمزہ کو کس نے باتصویر بنایا؟

ج: شہنشاہ ہمایوں کے دور میں عبدالصمد نے۔

س: سجاوٹ اور گل بوٹوں کی تصویر کشی میں کس نے کمال حاصل کیا؟

ج: ایرانی مصور سلطان محمد نے۔

Scanned with CamScanner

س: اعراب کی علامتیں کس نے ایجاد کیں؟

ج: حجاج بن یوسف نے حرکات کی صحت کے لئے اعراب کی علامتیں ایجاد کیں۔

س: مشہور خطاط کے نام بتاؤ۔

ج: یاقوت الحموی، یاقوت بن عبداللہ، خواجہ میر علی تبریزی اور مولانا جعفر تبریزی۔

س: مصری صنعت کے بڑے بڑے مرکز کون سے تھے؟

ج: فسطاط اور سکندریہ۔

س: موسیقی سے متعلق عربوں کی سب سے پہلی تصنیف کس کی ہے؟

ج: یونس الکاتب کی جب کہ دوسرا اہم مصنف الخلیل ہے۔

س: موسیقی پر نامور مصنفین کے نام بتائیں۔

ج: الکندی، ثابت بن قرہ، خوارزمی اوز ابن فرناس۔

س: نظریاتی موسیقی پر عظیم ترین تصانیف کس کی ہیں؟

ج: فارابی، ابن سینا، طوسی، موصلی، اصفہانی، رازی اور شیرازی...... اندلس میں نظریاتی موسیقی کا بلند پایہ مصنف ابن باجہ ہے۔

س: خلافت عباسیہ کے نامور موسیقار کون سے ہیں؟

ج: ابراھیم موصلی، اسحاق موصلی اور زریاب۔

س: کتاب ''موسیقی الکبیر'' کا مصنف کون ہے؟

ج: ابونصر فارابی۔

س: ''خیال'' کے بانی کون ہیں؟

ج: امیر خسرو۔

س: مسلمان پر تکلف تعمیرات سے کب روشناس ہوئے؟

ج: جب دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا گیا۔

س: اموی معماروں کی بنائی ہوئی خاص خاص عمارات کے نام بتایئے۔

ج: قبۃالصخر، مسجد اقصیٰ

س: مساجد میں مینار کیوں بنائے جاتے ہیں۔

ج: تا کہ موذن اونچی جگہ کھڑے ہو کر اذان دے اور اس کی آواز دور تک سنی جا سکے۔

س: عباسی دور کے فن تعمیر کی خصوصیات بیان کرو۔

ج: اس دور میں ساسانی، فارسی اور عراقی اثرات نمایاں ہوئے۔ مسلمانوں نے اپنے مخصوص عقائد کے پیش نظر مختلف فن تعمیر پیدا کئے اور خاص قسم کی زیب و زینت سے عمارات کو دوسری تعمیرات سے ممیز کیا۔

س: خاندان مغلیہ میں اسلامی فن تعمیر کا سنہری زمانہ کس کا ہے؟

ج: شاہ جہاں کا۔ کیونکہ وہ تعمیرات کا عمدہ ذوق رکھتا تھا اور اس کی بہترین تعمیر تاج محل ہے۔ جو اس وقت دنیا کے سات عجوبوں میں شمار ہوتا ہے۔

س: لاہور کی بادشاہی مسجد کس کے دور میں بنی؟

ج: اورنگ زیب عالمگیر کے دورِ حکومت میں۔

س: کوئی سے پانچ آلات بتائیں جو مسلمانوں نے ایجاد کئے۔

ج: کیمرہ، قطب نما، گھڑی، ترازو، دوربین، منجنیق۔

س: کوئی سے تین مستشرقین کے نام بتائیں جنہوں نے مسلمانوں کی سائنسی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

ج: ڈریپر، رابرٹ، بریفالٹ اور گستاولی بان۔

س: دو اہم عصری سائنس دانوں کے نام بتائیں۔

ج: ابن سینا اور البیرونی۔

س: کوئی سے تین پہلو جس میں سائنس اور مذہب میں اشتراک پایا جاتا ہے۔

ج: غور و فکر تحقیق و جستجو اور تدبر و تعقل

س: کوئی سے تین پہلو جن میں سائنس اور مذہب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ج: مذہب کی بنیاد وحی پر ہے جب کہ سائنس کی عقل پر مذہب دنیوی اور اخروی زندگی دونوں پر مشتمل ہے جب کہ سائنس دنیا پر۔ مذہب مادہ اور روح کا امتزاج ہے جب کہ سائنس محض مادے پر۔

Scanned with CamScanner

پیپرز

پرچہ اسلامیات اختیاری (ب) بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان 2007ء

۱۔ مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ میں سے صرف دو کا ترجمہ اور تشریح کریں۔

(الف) عن اُبی ابن کعبؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشعر حکمۃ۔

(ب) عن سھل ابن سعدؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یضمن لی مابین لحییہ وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ۔

(ج) عن عبداللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر۔

(د) عن جریر ابن عبداللہؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص تحریر کیجئے۔

یا

خطبہ حجتہ الوداع کی روشنی میں انسانی حقوق بیان کریں۔

۳۔ 'حدیث بطور ماخذ فقہ' پر تبصرہ کیجئے۔ یا

فقہ حنفی کی خصوصیات تحریر کیجئے۔

۴۔ سجدہ سہو کے مسائل فقہ کی روشنی میں بیان کیجئے۔ یا

فقہ کی روشنی میں مسجد کے احکام و مسائل پر روشنی ڈالیں۔

۵۔ بنوامیہ کے زوال کے اسباب بیان کریں۔

یا

عہد بنی عباس میں تعلیمی ترقی کا جائزہ پیش کیجئے۔

۶۔ مندرجہ ذیل میں سے صرف پانچ کے جوابات تحریر کریں۔

(۱) حدیث کے لغوی معنی کیا ہیں (۲) علم کیمیا کا جدامجد کسے خیال کیا جاتا ہے

(۳) صلہ رحمی کیا ہے (۴) امام ابوحنیفہؒ کا نام اور کنیت تحریر کریں۔

(۵) خلافت راشدہ سے کیا مراد ہے (۶) نماز کسوف کیا ہے۔

(۷) قرآن پاک میں کتنے سجدے ہیں (۸) صحاح ستہ سے کیا مراد ہے۔

Scanned with CamScanner

پرچہ اسلامیات اختیاری II بی اے بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان 2008ء

1- مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ میں سے صرف دو کا ترجمہ اور تشریح کریں۔

(ا) من ابن عمرؓ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایقیم الرجل الرجل من مجلسہ ثم یجلس فیہ ولکن تفسحوا و توسعوا.

(ب) عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب اسمائکم الیٰ اللہ عبد اللہ وعبد الرحمن.

(ج) عن ام کلثومؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس ویقول خیراً وینمی خیراً.

(د) عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ لا یؤمن عبدٌ حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ.

2- حضور ﷺ کے پیش کردہ معاشرتی نظام کی تفصیل تحریر کیجیے۔ یا
خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت بیان کیجیے۔

3- قرآن مجید بطور ماخذ فقہ پر تبصرہ کیجیے۔ یا
فقہ مالکی کی خصوصیات بیان کیجیے۔

4- مفسدات نماز سے کیا مراد ہے۔ تفصیلاً بیان کیجیے۔ یا
مسافر کی نماز کے احکام اور مسائل بیان کیجیے۔

5- عہد بنو امیہ کے عدالتی نظام کا جائزہ تحریر کیجیے۔ یا
عہد بنو عباس کی علمی اور تہذیبی سرگرمیوں پر جائزہ تحریر کریں۔

6- مندرجہ ذیل میں سے کسی پانچ کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

(i) اجماع کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(ii) نماز کسوف سے کیا مراد ہے؟

(iii) قرآن مجید کی سب سے آخری نازل ہونے والی آیت کونسی ہے؟

(iv) حدیث کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(v) "کتاب المناظر" کس کی تصنیف ہے۔

(vi) سب سے پہلا ہسپتال کہاں اور کس نام سے قائم ہوا؟

(vii) لاہور کی بادشاہی مسجد کس کے دور میں بنی؟

(viii) غزوہ تبوک کب ہوا؟

Scanned with CamScanner